فیوض الرحمٰن

پارہ ۲۴ اردو ترجمہ

روح البیان

مفسّر و مؤلف

سراج العلماء، زبدۃ الفضلا حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقّی البروسوی

قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد

اویسی رضوی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ ملتان روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب . . . . فیوض الرحمٰن اُردو ترجمہ تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۲۴

مصنف . . . . سراج العلماء والفضلاء علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ

مترجم . . . . شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

تصحیح . . . . الحاج چوہدری مشتاق محمد خاں لاہور

سن طباعت ۱۹۸۹ء

مطبع . . . . الجدہ پریس لاہور

ناشر . . . . مکتبہ اویسیہ رضویہ، بہاول پور

باہتمام . . . . صاحبزادہ عطاالرسول اویسی

بقومیکہ نیکی پسند و خدا
دہد خسرو عادل و نیک رائے
چو خواہد کہ ویراں کند عالمے
کند ملک در پنجہ ظالمے

ترجمہ: جس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ نیکی پسند کرتا ہے تو انھیں عادل و نیک بادشاہ دیتا ہے۔
۲: جب چاہتا ہے کہ جہان کو ویران کرے تو ملک ظالم کے پنجہ میں دیتا ہے۔

الحمد للہ اس پارہ کے ترجمہ سے مدرسہ جامعہ نعیمیہ مجددیہ ملیر کالونی کراچی میں دوران دورہ تفسیر القرآن ۸ رمضان مبارک ۱۴۰۶ھ شب اتوار بوقت سحر فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ بہاولپور۔

فہرست مضامین پارہ نمبر ۲۴

تمت الفہرست ۲۴

پارہ ۲۴

فَمَنْ أَظْلَمُ

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَآءَهٗ ط
أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
بِهٖٓ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط ذٰلِكَ
جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ○ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ
أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط وَ
يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○
وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ط أَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ○
وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلْ أَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ
أَوْ أَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ط قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ط عَلَيْهِ
يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ

تَعۡلَمُوۡنَ ۝ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَيَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۝
اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَقِّ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ۝

ترجمہ:۔ تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور حق کو جھٹلائے جب اس کے پاس آئے کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس نیکوں کا یہی صلہ ہے تاکہ اللہ ان سے اُتار دے بُرے سے بُرا کام جو اُنہوں نے کیا اور انھیں ان کے ثواب کا صلہ دے اچھے سے اچھے کام پر جو وہ کرتے تھے کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں اور تمھیں ڈراتے ہیں اس کے سوا اوروں سے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی بہکانے والا نہیں۔ کیا اللہ عزت والا بدلہ لینے والا نہیں اور اگر تم اُن سے پوچھو آسمان اور زمین کس نے بنائے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اگر مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کی بھیجی تکلیف ٹال دیں گے یا وہ مجھ پر مہر فرمانا چاہے تو کیا وہ اس کی مہر کو روک رکھیں گے تم فرماؤ اللہ مجھے بس ہے۔ بھروسے والے اس پر بھروسا کریں۔ تم فرماؤ اے میری قوم اپنی جگہ کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں تو آگے جان جاؤ گے۔ کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اُسے رسوا کرے گا۔ اور کس پر اُترتا ہے عذاب کہ رہ پڑے گا۔ بیشک ہم نے تم پر یہ کتاب لوگوں کی ہدایت۔ حق کے ساتھ اُتاری تو جس نے راہ پائی تو اپنے بھلے کو اور جو بہکا وہ اپنے ہی بُرے کو بہکا۔ اور تم کچھ ان کے ذمہ دار نہیں۔

تفسیر عالمانہ: فمن اظلم ممن کذب علی اللّٰہ الارشاد میں ہے کہ سابق آیت میں تخصمون کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ یہی معنیٰ اسی آیت کے مطابق اظہر و انسب ہے اس لیے کہ اسے کفر و ایمان کی دونوں طرفوں کے متعلق جھگڑے کے بیان کے لیے لایا گیا ہے اور بحر العلوم میں ہے کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قیامت میں ظالم و مظلوم کے درمیان جھگڑا ہوگا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ تمام ظالموں سے بدتر اور بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا ہے یعنی اس کے لیے شرک اور اولاد ثابت کرتا ہے۔ وکذب بالصدق اور صدق کی تکذیب کرتا

ہے۔ صدق سے وہ اُمور مراد ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مراد ہیں۔ اذ جاءہ جب اس کے ہاں آیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے ظاہر ہوتے کے وقت یعنی جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے حق کا اظہار ہوا تو اچانک کفار سے تکذیب صادر ہوئی یعنی سنتے ہی اُنہوں نے ذرہ برابر بھی تامل اور تدبیر سے کام نہ لیا۔

فائدہ:۔ یہی حال ان جھوٹے مدعیوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں اعلیٰ مرتبہ نصیب ہوا ہے اور وہ اعلیٰ مقام اور بہتر حال سے نوازے گئے ہیں حالانکہ جب صدق مقالی اور احسن احوالی اُن کی تکذیب کرتی ہے اور اُن کی صداقت کی کسی طریق سے بھی تائید نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کا قیامت میں حال وہی ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ویوم القیٰمۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھہم مسودۃ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں قیامت میں ان کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے۔ اسی لیے یہاں فرمایا الیس فی جھنم مثوی للکافرین یہ استفہام انکاری ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی کی نفی سے اثبات ہوتا ہے اور اس نفی کے انکار سے اس کی نفی مطلوب ہوتی ہے التواء بمعنی اقامت واستقرار اور امثوی بمعنی مقام ومستقر اب معنٰی یہ ہوا کہ جہنم کاذبین اور مذکورہ مکذبین و دیگر کفار کی منزل و مقام ہے۔ یہ اُن کے کفر و تکذیب کی جزاء ہے۔ والذی جاء بالصدق وصدق بہ۔ اُس موصول سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی اتباع کرنے والے مومن مراد ہیں جیسے ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب لعلھم یھتدون میں موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم مراد ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اور وہ ذات جو صدق لائی اور وہ جس نے اُس کی تصدیق کی اولٰئک وہ لوگ جو صدق و تصدیق سے موصوف ہیں۔ ھُمُ المتقون۔ وہی تقویٰ جو بہترینا اور مرغوب فعل ہے کی صفت سے آراستہ ہیں۔

فضیلتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:۔ امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ والذی جاء بالصدق سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور وصدق بہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

فائدہ:۔ اور جن لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے صدق کی تصدیق کی وہ بھی حکمًا اس آیت میں داخل ہیں۔ اسی لیے جمع کے صیغے سے فرمایا واولٰئک ھم المتقون اس تقریر پر لازم آتا ہے کہ ایک اور الذی مقدر ہو۔ مثلاً والذی صدق بہ مانا جائے تو یہ قاعدہ نحویہ کے لحاظ سے ناجائز ہے۔

مسئلہ:۔ آیت سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ اللہ تعالیٰ سے احکام لاتے اس کی پہلے خود تصدیق کرکے اسے قبول فرماتے اس کی تائید اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ سے بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنی ذات کے لیے بھی رسول ہوتے ہیں۔

صوفیانہ فائدہ: کچھ یہی حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارثین اولیاء کرام کا ہے کہ ان پر جب واردات الٰہیہ کا ورود ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا اپنا وجود فیض پاتا ہے اس کے بعد اس کے برکات اس کے متقدین کو نصیب ہوتے ہیں جیسے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب فیوض و برکات نصیب ہوئے تو سب سے پہلے وہی فیوض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوئے اسی لیے وہ صدیق جیسے اعلیٰ لقب سے ملقب ہوئے، اسی طرح جملہ صدیقین کا حال ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ روئے گشت صبح نخست

ترجمہ: سچائی کے لیے کوشاں ہو تاکہ تیرے نفس سے سورج پیدا ہو اس لیے کہ جھوٹ کی وجہ سے پہلی صبح کا منہ سیاہ ہو۔

شرح: یعنی صادق صدیق کے نفس سے نفس معنویہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ صبح صادق کے بعد ظاہری سورج ظاہر ہوتا ہے تو جملہ آفاق روشن ہو جاتا ہے بخلاف صبح کاذب کے کہ اس کے جانے کے بعد ظلمت چھا جاتی ہے۔

لھم ما یشاءون عند ربھم۔ ان متقیوں کو ان کے ان صالح اعمال کے مقابلہ میں جو انہوں نے دنیا میں کیے آخرت میں اُن کے رب کی طرف سے وہی عطا ہوگا جو وہ چاہیں گے حصول منافع یا ضرر و نقصان کا دفعیہ۔ بعض لوگوں نے اسے جنت میں محمول فرمایا ہے لیکن وہ صحیح نہیں اس لیے کہ بعض حصول منافع و دفع ضرر جنت سے پہلے انہیں ضرورت ہوں گے۔ مثلاً سیات کی تکفیر آخرت کی بہت بڑی گھبراہٹ ایسے وہ جملہ ہولناک اُمور جو دخول جنت سے پہلے آخرت میں واقع ہوں گے۔

فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے پھر اسے آخرت یا جنت سے مقید کرنا بھی مناسب نہیں کیونکہ آیت مطلق ہے اسی لیے ان کی مشیت اور اختیار دارین کے لیے عام ہوگا۔ اسی سے

ہم اولیاء کرام کے اختیارات و تصرفات و کرامات کا ثبوت پیش کرتے ہیں (تفصیل تفسیر اویسی میں ہے)

اسی لیے بہشت کی جملہ نعمتوں کے لیے جامع تر مضمون ولھم ما یشتھون اور آخرت میں عذاب کی جامع تر عبارت وحیل بینھم وبین ما یشتھون ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں وہی ہے جو ہم اہلسنت کہتے ہیں چنانچہ اصلی عبارت ملاحظہ ہو:

لھم ما یشاؤن عند ربھم لانھم تقربوا الی اللہ تعالی بالاتقاء
بہ عما سواہ فاوجب اللہ فی ذمۃ کرمہ ان یتقرب الیھم باعطاء
ما یشاءون من عندہ بحسب حسن استعدادھم۔
(روح البیان صفحہ۱ جلد ۸ مطبوعہ جدید تحت آیۃ ہذا)

ترجمہ: وہ ان کے رب کے ہاں اُن کے لیے ہے جو چاہتے ہیں کیونکہ وہ بوجہ تقویٰ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ انہوں نے ماسوا اللہ سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم لگایا کہ انھیں وہ قرب بخشا کہ وہ جو چاہیں اللہ تعالیٰ انھیں ان کی استعداد پر انھیں عطا فرمائے۔"

تفسیر عالمانہ: ذالک وہ جو چاہیں گے اس کا حصول جزاء المحسنین یہ ان لوگوں کا ثواب ہے جنھوں نے مشاہدۂ حق کے لیے نیک عمل کیے لیکفر اللہ عنھم سوء الذی عملوا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بُرے اعمال معاف فرمادے۔

حل لغات: امام راغب نے فرمایا کہ کفارہ ہر اس شے کو کہتے ہیں جو گناہوں کو چھپادے۔ یمین وقتل وظہار کا کفارہ اسی معنیٰ سے ہے اور تکفیر بمعنی گناہ کو ایسا ڈھانپنا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا اور اسے ازالۃ الکفر کے معنی میں استعمال کرنا جائز ہے ایسے ہی بمعنی ازالۃ الکفران میں بھی جیسے تمریض بمعنی ازالۃ المرض اور محسنین کے ساتھ متصل ہے یعنی جنھوں نے نیک عمل کیے انھیں اُمید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا۔ یا لام جزاء کے متصل ہے۔ اب یوں ہوگا کہ جنھوں نے نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ جزاء عطا فرمائے گا تاکہ اُن کے گناہ معاف فرمائے۔
(کذا فی کشف الاسرار)

فائدہ: مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ لام لھم ما یشاءون کے متعلق ہے جس کے فحوائے کلام سے وعدہ کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو کچھ وہ چاہیں گے امور سرور کا حصول یا ضرر و نقصان کا دفع۔ انھیں ان کا چاہا ہوا عطا ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کریمہ کے مطابق ان کی برائیاں معاف فرمائے جس سے ان سے ضرر و نقصان دفع ہو۔ و یجزیھم اجرھم اور انھیں ان کا ثواب عطا فرمائے ماحسن الذی کانوا یعملون۔ انکا احسن بدلہ جو وہ دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے یعنی یہ ہماری ان کے منافع کے لیے ہوگی۔

فائدہ: اسوء و احسن کا اپنے مابعد کی طرف مضاف ہونا مفضل و مفضل علیہ کے قبیل سے نہیں بلکہ یہ اضافہ الشئ الی بعضہ کے قبیل سے ہے تاکہ تحقیق و توضیح ہو اس میں ایک دوسرے پر تفضیل کا ارادہ نہیں ہے

مطلق فضیلت و زیادہ مطلوب ہے۔ اس میں کسی مضاف الیہ معین پر کچھ فضیلت و زیادۃ مراد نہیں۔ ہاں ان میں ایک قسم کی زیادتی مراد ضرور ہے وہ یہ کہ اسوء الذی میں ان کے سیآت کو بہت بڑا تصوّر کرایا گیا ہے اگرچہ وہ فی نفسہٖ قلیل ہوں ایسے ہی احسن الذی الخ میں نیکیوں کی تحقیر کا خیال دلایا گیا ہے۔ اگرچہ ان گنت ہوں پھر لطف و کرم ایزدی کی عظمت کا تصوّر سامنے رکھا گیا کہ اس کریم نے معمولی سی نیکی کو بہت بڑا بنا کر اس کے عوض میں عظیم الشان اَجر عطا فرمایا۔

فائدہ:۔ نیز یہاں پر اسوء الذی الخ میں حقیقی زیادتی مراد لی جا سکتی ہے وہ اس طرح کہ جو ذات بہت بڑی برائی معاف کر دے گی تو پھر وہ چھوٹی بُرائی کو کیوں نہ معاف کر دے۔ لیکن چونکہ یہ معنی احسن الذی میں نہیں بن سکتا اس لیے کہ اس کی ہر جزا احسن ہے اسی لیے ہر دونوں میں مطلق فضیلت و زیادۃ مراد لی جائے گی۔

نکتہ:۔ موصول ثانی کے صلہ میں ایک صیغہ ماضی اور دوسرا مضارع لانا اور موصول اول میں صرف ایک صیغہ لانا اشارہ کرتا ہے کہ اعمال صالحہ پر مداومت چاہیئے اور سیئات خطا اتفاقیہ ہو تو معافی کی اُمید رکھنی چاہیئے ورنہ جو سیئات پر اصرار کرتا ہے تو کفر تک اس کی نوبت پہنچنے کا امکان ہے (اعاذنا اللہ تعالیٰ) (کذا فی الارشاد)

نسخۂ سلوک:۔ تکفیر السیآت اَجرِ اَحسن کا موجب صدق و سچائی ہے اور بس اور یہ عطائے الٰہی ہے جسے نصیب ہو جائے اسے کسب اور جدوجہد انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ عطائے الٰہی کا تعلق بھی اس وقت ہوتا ہے جب بندے کی طرف سے سعی اور جدوجہد ہو اور اپنے ہر قول و فعل اور وعدو عزم میں صدق و سچائی کو دستور العمل بنائے۔

حضرت بایزید بسطامی کی امتحان میں کامیابی کا راز:۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لاکھ بار اپنے ہاں بلا کر دارین کی شاہی بخشی لیکن میں نے ہر بار انکار کیا آخر میں فرمایا بتایئے کیا چاہتے ہو۔ عرض کی کچھ نہیں

ع من کہ باشم کہ مرا خواست بود
میں کون گنتا ہوں کہ کچھ چاہوں

صرف تیری رضا چاہیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہی میرا پکا اور سچا بندہ ہے۔

حضرت داود طائی کی کہانی

(۱) ۔ حضرت داوٗد طائی قدس سرہٗ اپنے دور کے بہت بڑے علاّمہ اور مفتی و فقیہہ عصر تھے اور

مقام صدق میں بے نظیر تھے۔ چنانچہ جس شب کو ان کا وصال ہوا تو آسمان سے زمین پر اعلان ہوا کہ آج داؤد طائی اپنے پروردگار کے ہاں حاضر ہوئے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ خود حاضر نہیں ہونا چاہتے تھے بلا لیا گیا ہے۔

(۲)۔ حضرت ابوبکر عیاش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے حجرے میں حاضر ہوا آپ ایک روٹی کا ٹکڑا تناول فرما رہے تھے اور گریہ بھی فرما رہے تھے میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا یہ خشک ٹکڑا تو مل گیا ہے نامعلوم حلال کا ہے یا حرام کا۔

فائدہ: حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے صدق اور سبیل اللہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا صدق اللہ تعالیٰ کی امانت ہے وہ جس بندے کے دل میں چاہے امانت رکھے لیکن اس سے نفس کا حصہ نہیں اس لیے کہ صدق سیدھا اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو صاحب نفس کے لیے بنایا ہی نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ اے معاذ! اخلاص پیدا کر دو پھر تمہارا قلیل عمل بھی کثیر ہے۔

تفسیر عالمانہ: الیس اللہ بکاف عبدہ۔ ہمزہ انکار کلمہ نفی پر داخل کیا گیا ہے تاکہ اثبات کفایۃ و اس کی تقریر کا افادہ کرے۔ کفایت بمعنی کسی شے کے خلل و نقصان کو دور کر کے مقصد و مراد تک پہنچنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے عبد مقدس حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کافی ہے کہ جو ان سے دشمنی کرے تو اُن کے دشمن کو پسپا کر دے اور آپ کے ہر معاملہ میں آپ کی مدد فرمائے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی گئی ہے۔ نیز یہاں پر عبدہٗ مطلق بندہ مراد ہے اس معنیٰ پر اس بندے کو تسلی دی گئی ہے جسے مقام عبودیت میں تحقق نصیب ہوا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی ہے کہ اسے عبادت اور ایمان کی توفیق بخشی۔ ایسے بندے کو ہویت کی حقیقت کا تحقق نصیب ہوتا اور ہویت حقیقت الوہیت کا مبدا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے ہر شے سے کافی نہیں لیکن کوئی شے اللہ تعالیٰ سے کفایت نہیں کر سکتی البتہ وہ ہر شے کے لیے کافی ہے۔ اذ یغشی السدرۃ ما یغشی کا یہی معنی

ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا کافی ہوا کہ ملک و ملکوت کے لطائف آپ کو عطا فرما دیتے جنہیں آپ نے ما زاغ البصر وما طغیٰ کے مقام پر فائز ہو کر نظارہ فرمایا اور ایسی قبولیت سے نوازے گئے کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ آیات کو معائنہ و مشاہدہ فرمایا۔

فائدہ: عرائس البقلی میں ہے کہ اس آیت میں ایک محبوبانہ عتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو استفہام کے طور پر معتوب فرمایا کہ اے میرے بندے تمہیں خیال ہے کہ میں اپنے لیے تمہارے قلوب پر کسی غیر کا تصور چھوڑنے کی اجازت دوں گا یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ اور پھر اس کے ساتھ مخاصمت کی کسے جرأت ہو سکتی ہے جسے ازل سے ابد تک میں نے اپنی نگاہ کرم میں محفوظ فرمایا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جو اپنے اختیار سے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنی مشکلات میں غیر اللہ سے مدد نہ مانگے تو اسے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے صرف ایک ذات کا فکر ہے اللہ تعالیٰ اُسے دنیا و آخرت کے ہر فکر سے محفوظ فرمائے گا۔

حکایت: حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص آپ کو معلوم ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایسا محو ہو کہ اسے غیر کا خیال تک نہ ہو۔ آپ نے فرمایا ایک ہے انتظار کیجئے ممکن ہے کہ وہ تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد عتبہ غلام تشریف لایا اور آپ نے اس سے پوچھا کہ راستے میں تو نے کیا دیکھا۔ عرض کی کہ کچھ نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ تمام راستہ ایک بازار ہے اور اس کی رونق خود ذات حق تعالیٰ۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے سلوک کا سبق دیا: سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بہترین غنی وہ ہے جو فقر اس کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتا ہے اور بہترین فقیر وہ ہے جو غنی کی پرواہ نہیں کرتا صرف اس ارادہ پر کہ اسے غناء و کفایت الٰہی کافی ہے۔

فائدہ: حضرت ابوبکر طاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو شخص الیس اللہ بکاف عبدہ سن کر بھی اللہ تعالیٰ کی کفایت پر بھروسہ نہیں کرتا پھر اس جیسا تباہ و برباد انسان اور کوئی نہیں۔

فائدہ: حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس نے اس آیت الیس اللہ بکاف عبادہٗ پڑھنے کے بعد بھی غیر اللہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا یا خلق خدا میں کسی سے خوفزدہ ہوا یا ان میں کسی سے کوئی اُمید کی تو یقین کرو کہ اس نے عبودیت کا زیور اپنے گلے سے اُتار پھینکا ؎

بس ترا از ما سوی امداد ہو
گفت الیس اللہ بکاف عبدہٗ

ترجمہ: تمہیں ماسوی اللہ کی امداد کی کیا ضرورت ہے جب حق تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ الیس اللہ بکاف عبادہٗ

ویخوفونک اور آپ کو شرک ڈراتے ہیں بالذین من دونہ ۔

تفسیر عالمانہ: ماسوی اللہ سے مثلاً بتوں سے جنہیں اُنھوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ کفار مکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا کرتے کہ آپ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتے اور اُن کے عیوب بیان کرتے رہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو تباہ و برباد کر ڈالیں یا آپ جنون میں مبتلا ہو جائیں یا آپ کے اعضاء میں سے کوئی عضو خراب ہو جائے مثلاً ہاتھ یا پاؤں وغیرہ ٹوٹ جائے۔

شانِ نزول: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ فاتحہ دوبارہ نازل ہوئی کہ وہ ایک دفعہ مکہ معظمہ میں پھر دوبارہ مدینہ طیبہ میں ایسے ہی اس آیت کا حال ہے اور یہ آیت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ مشرکین عرب کے ایک گروہ نے درخت کو معبود بنا رکھا تھا اور اس میں ایک جن پوشیدہ تھا۔ عزیٰ اس کا نام تھا وہی ان کی گمراہی کا سبب تھا۔ ایک دفعہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ اس درخت کو جڑ سمیت کاٹ دو اور وہاں کے مقیم جن کو قتل کر دو۔ حضرت خالد بحکم مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درخت کاٹنے لگے۔ مشرکین نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روکا اور کہا کہ درخت کو مت کاٹو ورنہ تباہ و برباد یا پاگل ہو جاؤ گے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کا حال سنایا تو آیت الیس اللہ بکاف عبدہٗ نازل ہوئی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹے اور درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالا اور اس درخت کے پوشیدہ سیاہ دیو عزیٰ نامی کو بھی قتل کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عزیٰ تھا اور اب انشاء اللہ قیامت تک عزیٰ کی پرستش نہ ہو گی۔ (کذا فی کشف الاسرار)

ومن یضلل اللہ اور اللہ تعالیٰ اپنے سیدھے راستے پر جانے کے اسباب جس سے ہٹا لے یہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کی کفایت کو فراموش کر دے اور اسے خیال تک ختم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عصمت اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے اور آپ کے ہر نفع و نقصان کا وہی ذمہ دار ہے۔ **فما لہ من ھاد** تو اس کا کوئی ہادی نہیں جو اسے کسی خیر اور بھلائی کی راہ دکھائے۔ **ومن یھد اللہ** اور جس کے لیے وہ صراط مستقیم کی رہبری فرمائے۔ **فما لہ من مضل**۔ اسے کوئی گمراہ نہیں کرے گا یعنی اسے اپنے مقصد سے پھیر سکیگا اور نہ ہی کسی طرح کی اذیت پہنچا سکے گا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو کام کرنا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ ایسے ہی اس کے ارادہ کے سامنے کوئی حائل نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خیر و شر غیر اللہ سے سمجھنا گمراہی اور ماسوی اللہ سے ڈرنا ڈرانا بدترین ضلالت ہے اسی لیے فرمایا **فمن یضلل اللہ فما**

لہٗ من ھاد۔ اس لیے کہ حقیقی ہادی اللہ تعالیٰ ہے جسے وہ گمراہ کرے پھر کون ہے جو اسے ہدایت دے سکے ایسے ہی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے پھر کوئی اسے گمراہ نہیں کر سکتا ہے۔ الیس اللّٰہ بعزیز۔ کیا اللہ تعالیٰ غالب نہیں یعنی جو اس کی عبادت کرتا ہے تو عزت پاتا ہے۔ ذی انتقام اپنے دوستوں کے لیے ان کے دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ استفہام نفی پر داخل ہو تو وہاں تقریر و تحقیق کا معنیٰ متصاد ہوتا ہے۔ (کما ہو)

الانتقام: بمعنی کینہ کشیدن۔ اور بحر العلوم میں ہے کہ: النقمۃ سے ہے بمعنی شدۃ وعقوبۃ۔

تفسیر عالمانہ: ولئن سالتہم اور اگر آپ ان مشرکین سے سوال کریں جو آپ کو اپنے بتوں سے ڈراتے ہیں کہ من خلق السمٰوات والارض آسمانوں اور زمین کے کل اجناس جنہیں عالم سے تعبیر کیا جاتا ہے کس نے پیدا فرمایا لیقولن اللّٰہ تو جواب دیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ انہیں انکار کی اس لیے گنجائش نہیں کہ ان کی تخلیق کے لیے ذات حق کی خالقیت ایسی واضح ہے کہ جسے دلیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ پہلی لام قسم کی توطیئۃ وتمہید کے لیے دوسری لام جواب دو قسموں کے قائم مقام ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایمان فطری تو یوم میثاق سے ہی انسان میں مرکوز ہے یعنی اُس وقت سے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم کما قال اللہ تعالیٰ فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیہا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام اور یہ فطری ایمان ہر انسان میں ہوتا ہے وہ کافر ہو یا مومن لیکن یہ ایمان قابل قبول نہیں اور نہ ہی اس سے نفع مرتب ہوتا ہے۔ ہاں ایمان کسبی پر دارومدار ہے جبکہ انسان اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور ملائکہ کی ملکیت اور کتابوں اور رسل علیہم السلام کے اللہ تعالیٰ کے لائے ہوئے احکام کو زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق نہ کرے۔

تفسیر عالمانہ: قل زجر و توبیخ کرتے ہوئے کافروں کو فرمایئے۔ افرایتم ما تدعون من دون اللّٰہ ان ارادنی اللّٰہ بضر ھل ھن کاشفات ضرہ۔ ارأیتم بمعنی اخبرونی ہے۔ رویت کو علم کے معنی میں لاکر پھر اسے خبر دینے کا سبب بنانا مجاز ہے۔

ردّ وہابیہ نجدیہ، دیوبندیہ: ہم ایک قاعدے کے طور پر بتا دیتے ہیں کہ من دون اللّٰہ کے ساتھ جہاں کہیں دعا کا صیغہ آیا ہے وہاں عبادت مراد ہوتی ہے۔ اسے گمراہ لوگ نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ تمہارے گھر کا بنایا ہوا قاعدہ ہے حالانکہ

متقدمین مفسرین سب نے اس قاعدہ کو لکھا ہے۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے ایسے مواقع پر دعا بمعنی عبادت لکھا چنانچہ یہاں بھی لکھا کہ

وتدعون بمعنی تعبدون یعنی یہاں پر بمعنی تعبدون ہے اور یہاں لفظ ما سے معبودان باطلہ مراد ہیں الضر سے سوء الحال مراد ہے مرض ہو یا تنگیٔ معاش اور شدت اور استفہام انکاری ہے اور ھُنَّ کی ضمیر جمع اس لیے ہے کہ کفار ان کو مؤنث معبودوں کی پرستش کرتے تھے الکشف بمعنی الاظہار والازالہ اور وہ چیز جو کسی دوسری شئے کو چھپائے اور ڈھانپے اسے اس سے ہٹانا۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ عالم علوی و سفلی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو اب اے کافرو مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر میرا اللہ تعالیٰ مجھے دکھ دینے کا ارادہ فرمائے تو کیا تمہارے معبودوں میں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے وہ دکھ اور درد ٹال دے یعنی تمہارے معبودوں میں کوئی ایک بھی دکھ درد ٹالنے کی طاقت و قدرت نہیں رکھتا او ارادنی برحمۃ۔ یا میرے ساتھ وہ کریم رحمت کا ارادہ فرمائے مثلاً وہ تندرستی اور دولت اور اسی طرح دیگر منفعت کے امور ھل ھن ممسکات رحمتہ۔ کیا تمہارے معبودوں میں کسی ایک کو بھی طاقت نہیں کہ وہ رحمت باری تعالیٰ کو منع یا روک سکے۔

نکتہ: نفع و ضرر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ کفار مکہ نے آپ کو اپنے بتوں کی ضرر رسانی سے ڈرایا تو آپ نے گویا سینہ تان کر انہیں چیلنج کے طور پر فرمایا کہ تم اپنے بتوں سے میری ضرر رسانی کی مساعی کرو نیز اس میں ان کی نصیحت میں خلوص کا اظہار بھی ہے تاکہ کفار مکہ کو معلوم ہو کہ جو شخص اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا تو یقیناً اپنی نصیحت کرنے میں مخلص ہے۔

نکتہ: بتوں کیلئے صیغے مؤنث کے اس لیے لائے گئے ہیں تاکہ کفار مکہ کو معلوم ہو کہ ان کے بت نہایت درجہ کے کمزور ہیں نیز قرآن مجید میں بھی انھیں مؤنث کہا گیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ ان یدعون من دونہ الا اناثا۔ خود کفار بھی اپنے بتوں کو مؤنث کے صیغوں سے موسوم کرتے ہیں جیسے عزیٰ و لات و منات۔

خلاصہ: خلاصہ یہ کہ گویا کافروں کو کہا گیا کہ اے کافرو! تم ان اشیاء جمادیہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو جن میں حیات ہے نہ علم نہ قدرت و طاقت اور نہ ہی کسی شے کو پیدا کر سکتے ہیں پھر تمہیں ان کی پرستش سے حیاء و شرم بھی محسوس ہوتی۔ قل اے محبوب فرمائیے حسبی اللہ احسب کا لفظ کنایۃ کے معنی میں مستعمل ہے یعنی جملہ امور میں مجھے میرا رب کافی ہے اسی سے خیر و شر پہنچتا ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں سے مذکورہ بالا سوال کیا تو وہ خاموش ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی علیہ یتوکل متوکلون۔ متوکل لوگ صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ اسی لیے انھیں علم ہے کہ کل کائنات اسی کے قبضہ میں ہے ؎

تو با خدائے خود انداز کار و دل خوش دار
کہ رحم اگر نکند مدعی خدا بکند

ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ واسطہ رکھو اور اسی کے ساتھ دل لگاؤ اگر کوئی تم پر رحم نہ کرے تو وہ کریم ضرور رحم کریگا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے جو کافی کے غیر کی طرف رجوع کرتا ہے اس کا کام کبھی مکمل نہیں ہوگا اسی لیے لازم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اور اسی کی فرمانبرداری میں کمربستہ رہنا چاہیئے۔

فائدہ: کلیلہ دمنہ میں ہے کہ کوئی زبردست بادشاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے تو اس کی جان کی خیر نہیں اس کی مثال اس گھاس کے تنکے کی ہے جو ہوا کے تیز جھونکوں کا مقابلہ کرتا ہے پھر اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ کروڑوں دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ اسے اُس وقت نجات نصیب ہوتی ہے جب کسی درخت سے پناہ لیتا ہے یا اس درخت کی مانند جو کاٹنے والے کے سامنے گردن اکڑائے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے ہونا پڑتا ہے۔ اس بڑی قدرت والے رب تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہو۔ شیر اگرچہ بہت بڑی طاقت والا ہے لیکن اس کے اندر حوصلہ بھی ہے۔

حضرت سفینہ اور شیر کا واقعہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کا غلام ارض روم میں لشکر سے بھٹک گئے پھر وہ قیدے بھاگ کر جنگل میں چلے گئے تو ان پر شیر کا حملہ ہوا تو اسے فرمایا اے شیر یاد رکھو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے علاقہ میں پہنچ جاؤں۔ شیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سن کر دُم ہلاتا ہوا حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہو گیا۔ حضرت سفینہ اس پر سوار ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو لشکرِ اسلام میں پہنچا کر جنگل کی طرف واپس لوٹ گیا۔

فوائد (۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ اسے موذی جانور بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہو۔

۲۔ ردّ وہابیہ و نجدیہ: ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ دنیوی مشکلات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی نجات دلاتا ہے چنانچہ صاحب روح البیان نے لکھا کہ:

و منها ان الاستشفاع برسول الله والتقرب اليه بالایمان والتوحید والعمل بسنة یهدی الی الصراط کما هدی سفینة رضی الله عنه۔

ترجمہ: بعض مسائل میں ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفارشی بنا لیا جائے اور آپ کے قریب ہونے کے لیے آپ پر ایمان ہو اور توحید میں پختگی ہو اور آپ کی سنت پر عمل ہو تو اسے سیدھا راہ نصیب ہوتا ہے جیسے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو توحید میں مخلص ہو اور ماسوی اللہ سے اعراض کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال اور ہر وقت اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔

تفسیر عالمانہ: قل یا قوم اعملوا علیٰ مکانتکم فرمایئے اے میری قوم تم اسی حالت پر رہو جس میں تم ہو کہ تم میری عداوت پر تلے ہوئے لفظ مکانۃ مستعار ہے۔ اس معنیٰ کے لیے جو موقع و محل کے لحاظ سے موزوں ہو جیسے یہاں ہوا اور لفظ حیث اسم زمان کے لیے ہے۔ باوجودیکہ یہ دونوں اسم مکان ہیں۔ انی عامل میں بھی اپنے حال پہ مستحکم ہوں بلکہ تم میرا جتنا مقابلہ کروگے اتنا ہی میری حالت اور زیادہ مستحکم ہوگی۔ فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ۔ عنقریب تمھیں معلوم ہوگا کہ بُرے اعمال پر کسے رسوائی دینے والا عذاب پہنچتا ہے۔ من تعلمون کا مفعول ہے اور الاخزاء بمعنی کمزور اور خوار اور رسوا اور ہلاک کرنا۔ یہ ہر ایک آپس میں متقارب المعنیٰ ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حوہ کو رسوا مت کر دو یعنی ایسے کام مت کرو جن سے وہ تم سے شرمائیں۔ (کذا فی تاج المصادر)

آیت میں عذاب سے دنیا کا عذاب مراد ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعدا کی رسوائی آپ کے غلبہ کی دلیل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم بدر میں فتح و نصرت سے در کنار کیا اور آپ کے دشمنوں کو سزا دی اور انھیں رسوا فرمایا چنانچہ بدر میں کئی بڑے سرغنے کافر مارے گئے اور چند ایک قید میں پھنسے۔

این سر بباد دادہ و آں دستہا بیند
آں گشتہ خوار و زار و گرفتار و مستمند

ترجمہ: یہ برباد ہوا تو وہ ذلیل و خوار۔ ایسے ہی یہ ذلیل و خوار و زار پریشان اور عاجز ہوا کرتے ہیں۔

و یحل یہ الحلول سے ہے بمعنی النزول یعنی کردار کی وجہ سے نازل ہوگا۔ **علیہ عذاب مقیم** اس پر ہمیشہ کا عذاب کہ اس سے نہ کسی وقت جدا ہوگا نہ منقطع ہوگا۔ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ یعنی اے کافرو تم اپنے باطل عقیدہ کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے اور ہم اپنے سچے اور حق عقیدہ کی برکت سے نجات پائیں گے۔ پھر ہماری کامیابی کا راز اور تمہارے خسارے کا نتیجہ کھل کر سامنے آجائے گا۔ پھر معلوم ہوگا کہ فوقیت ہمیں حاصل ہوئی اور نقصان تمھیں اور اللہ تعالیٰ تمھارے سے مطالبہ فرمائے گا جس کا تمھارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی تمھاری شفاعت فرمائے

کرے گا۔ تمھیں اس وقت ماننے کی اور تمھارا کوئی فریاد رس نہ ہوگا۔

ع ایماں رسد بفریاد قرآں رسد بامداد

ترجمہ: ہاں ایمان فریادرسی کرے گا اور قرآن امداد فرمائے گا۔
اور وہ دونوں تمھارے ہاں نہیں۔

انا انزلنا علیک الکتاب ۔ بیشک ہم نے آپ پر قرآن اتارا **للناس** لوگوں کے لیے اس لیے کہ لوگوں کی معاش و معاد کا دارومدار اسی پر ہے۔ اسی سورۃ کے اول میں الیٰ اور علیٰ کا فرق بیان ہو چکا ہے **بالحق** ۔ یہ انزلنا سے حال ہے درآنحالیکہ ہم اس کے انزال میں حق کو واضح کرتے ہیں یا **انزلنا** کے مفعول سے حال ہے یعنی ہم نے کتاب کو نازل کیا درانحالیکہ وہ حق وصدق کے ساتھ ملتبس ہے یعنی اس میں جو کچھ ہے وہ حق وصدق وصواب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کے جملہ احکام یقیناً واجب العمل ہیں۔ **فمن اهتدى** ۔ جو اس کتاب کے احکام پر عمل کرے گا تو وہ ہدایت پائے گا۔ **فلنفسه** تو وہ اس کا اپنا فائدہ ہوگا۔ **ومن ضل** اور جو اس کے موجب عمل نہیں کرے گا **فانما یضل علیها** تو اس کی گمراہی اپنی ہو گی یعنی اس کی گمراہی کا وبال اسے خود بھگتنا ہو گا **وما انت علیہم بوکیل** اور آپ ان کے وکیل نہیں یعنی آپ اُن کے معاملات کو سلجھانے پر مامور نہیں اور نہ ہی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ انھیں ہدایت پر مجبور کریں۔ آپ کو صرف پیغام رسانی کے لیے بھیجا گیا ہے اور وہ آپ نے نیک اسلوبی سے پہنچایا۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ قرآن ان لوگوں کو جوارِ حق یاد دہانی کراتا ہے جنہوں نے جوارِ حق کو بھلا دیا جو قرآن کی تذکیر سے جوارِ حق یاد کر لیتا ہے اور اس کے مواعظ سے نصیحت قبول کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہدایت پا جاتا ہے اور ہدایت کے فوائد اس کی اپنی ذات کی طرف راجع ہوتے ہیں بایں طور کہ وہ نورِ ہدایت سے منور ہو جاتا ہے اور اس سے وہ آثار ظلمات صفات حیوانیہ سبعیہ شیطانیہ مٹ جاتے ہیں جو اس کے لیے جہنم کے داخل ہونے کے موجب تھے۔ **ومن ضل فانما یضل علیها** اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی کا وبال اس کے اپنے سر اس لیے ہو گا کہ اس نے اپنے آپ کو نفس امارہ کے سپرد کر دیا اور طبیعت نفسانی کے ماتحت ہوا تو اس پر صفات ذمیمہ کا غلبہ ہو جائے اور یہی انسان کو دوزخ کا ایندھن بناتی ہے۔ **وما انت** اور اے محمد عربی آپ نہیں ہیں **علیہم بوکیل** ان کے نگران کہ انھیں دوزخ سے محفوظ رکھیں جب ان کی استعداد کا تقاضا ہے کہ وہ جہنم میں جائیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور تمھاری مثال اُس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی تو چھوٹے چھوٹے پروانے وغیرہ آگ میں گرنے شروع ہو جائیں میں تمھاری کمروں سے کھینچتا ہوں کہ کہیں تم جہنم میں داخل نہ ہو جاؤ۔

شرح الحدیث: حُجز حُجزۃ بروزن کُدرۃ کی جمع ہے۔ انسان کی وہ جگہ جہاں ازار بند باندھا جاتا ہے اور حدیث شریف میں اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ کسی کو قابو کرنا اور روکنا اس جگہ کے پکڑنے سے آسان ہے اور **تقحمون** یا تشدید در اصل **تتقحمون** تھا اور **فیه** کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے علی تاویل المذکور یعنی میں تمھیں کمر سے پکڑتا ہوں یہاں تک کہ تمھیں دوزخ سے بہت دور لے جاتا ہوں لیکن تم شدت کے ساتھ اس میں داخل ہونا چاہتے ہو۔ تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں شہوات و معاصی جو دوزخ میں داخل ہونے کے موجب ہیں سے روکنے میں اس شفیق انسان کی طرح جو پروانوں کو آگ میں داخل ہونے سے روکتا ہے لیکن وہ آگ میں داخل ہونے کا زور لگاتے ہیں۔

فائدہ: حدیث شریف سے واضح ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کے لیے بہت بڑے شفیق ہیں کہ انھیں عذاب نار سے بچانے کی فکر میں ہیں۔ یقین جانیے کہ اُمتیں اپنے انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسے ہیں جیسے بے عقل بچے اپنے باپوں کی گود میں ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور میری لائی ہوئی ہدایت و علم کی مثال بارش کی ہے جو کسی علاقہ پر برستی ہے وہاں کا ایک حصہ تو سر سبز ہو جاتا ہے اور وہ بارش کے پانی سے خوب استفادہ کرتا ہے اس سے گھاس بھی اور کھیتیاں اُگتی ہیں۔ اور اس سے خوش حال ہوتی ہے اسی سے لوگ مستفید ہوتے ہیں خود بھی پانی پیتے اور جانوروں کو پلاتے ہیں اور کھیتوں کو بھی دوسری وہ زمین ہوتی ہے جس پہ بارش تو پہنچتی ہے لیکن وہ پانی کو جذب نہیں کرتی یہ اس کی مثال ہے جو دین کی سمجھ حاصل کرتا ہے تو اسے میرے لائے ہوئے علم سے فائدہ نصیب ہوتا ہے خود بھی پڑھتا ہے دوسروں کو بھی پڑھاتا ہے اور دوسرا وہ ہے جس نے دین کی طرف سر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا یعنی اس پر عمل نہ کیا اس نے گویا میری لائی ہوئی ہدایت کو قبول نہ کیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ عالم باعمل اور معلم خیر اس بارش کی طرح ہے جو پاکیزہ مٹی پہ پڑتی ہے۔ اور وہ عالم جو دوسروں کو تعلیم اسلام تو دیتا ہے لیکن خود عمل نہیں کرتا تو اس کی مثال اس خراب زمین کی ہے جو بارش کے پانی کو قبول نہیں کرتی نہ ہی اس سے گھاس اگتا ہے گویا اس کے اندر پانی گیا ہی نہیں اور نہ اس سے گھاس اُگنے کی اُمید ہوگی ایسے ہی کافر اور وہ جاہل جس کے پاس نہ علم ہے نہ عمل تو پھر وہ نہ اپنے لیے فائدہ اُٹھا سکتا ہے نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ج فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ط قُلْ
اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ○ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ط
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ
اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ج وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○
وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ
سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ○ وَبَدَا لَهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ فَاِذَا مَسَّ
الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ز ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا لا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ط بَلْ
هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ط وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ
هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا لا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

ترجمہ :۔ اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انھیں ان کے سوتے میں پھر جس پر موت کا حکم فرما دیا اسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے۔ کیا اُنھوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں تم فرماؤ کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں۔ تم فرماؤ شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اُسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ پھر تمھیں اسی کی طرف پلٹنا ہے۔ اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے دل سمٹ جاتے ہیں اُن کے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر ہوتا ہے جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ تم عرض کرو۔ اے اللہ آسمانوں اور زمین

سکھ پیدا کرنے والے نہاں اور عیاں کے جاننے والے تو اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائیگا جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور اگر ظالموں کے لیے ہوتا جو کچھ زمین میں ہے۔ سب اور اس کے ساتھ اس جیسا تو یہ سب چھڑائی میں دیتے روز قیامت کے بُرے عذاب سے اور انھیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی اور اُن پر اپنی کمائی ہوئی برائیاں کھل گئیں اور اُن پر آ پڑا وہ جس کی ہنسی بناتے تھے۔ پھر جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں بلاتا ہے پھر جب اسے ہم اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرمائیں کہتا ہے یہ تو مجھے ایک علم کی بدولت ملی ہے بلکہ وہ تو آزمائش ہے مگر ان میں بہتوں کو علم نہیں۔ اُن سے اگلے بھی ایسے ہی کہہ چکے تو اُن کا کمایا اُن کے کچھ کام نہ آیا تو اُن پر پڑ گئیں اُن کی کمائیوں کی برائیاں اور وہ جو ان میں ظالم ہیں عنقریب ان پر پڑیں گی اُن کی کمائیوں کی برائیاں اور وہ قابو سے نہیں نکل سکتے کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ روزی کشادہ کرتا ہے جس کیلئے چاہے اور تنگ فرماتا ہے بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔

تفسیر عالمانہ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا

حل لغات، اہل عرب کہتے ہیں توفاہ اللہ بمعنی قبض روحہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کی۔ الانفس نفس (بسکون الفاء) کی جمع ہے۔ اس سے نفس ناطقہ جسے شرع میں رُوح اضافی انسانی سلطانی کہا جاتا ہے۔ اسے نفس اس لیے کہتے ہیں کہ اسے بدن سے تعلق ہے اور اسی پر احکام کا ترتب ہوتا ہے اور وہ اس میں پوشیدہ ہے اور اسے رُوح اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مجرد محض اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔

فائدہ: نفس ناسوتی سفلی ہے اور رُوح لاہوتی علوی ہے۔

رُوح کی تعریف: روح ایک جوہر مجرد ہے اور وہ جسم کو حرکت دیتا ہے اور جسم میں نہ حاول سریانی کیے ہوئے اور نہ حلول جواری بلکہ اسے جسم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہے جیسے اس میں تدبیر و تصرف کرنا وغیرہ اور یہ رُوح حیوانی اس کے آثار سے ایک اثر ہے۔ اس کی تحقیق ہم نے سورہ اسراء کی ایک آیت یسئلونک عن الروح کے تحت کر دی ہے۔ یہ روح انسانی اس روح سے اس طرح استفادہ کرتا ہے جیسے چاند سورج سے اور یہ رُوح عام جانوروں میں ہوتا ہے اس روحانیت میں جملہ حیوانات انسان کے شریک ہیں اسی رُوح کو علم طب تعدیل و تقویت کا قائل و عامل ہے۔ یہ وہ رُوح نہیں جو امانت و معرفت کا حامل ہے۔

ازالہ وہم: اسی رُوح کے محل کو (جسم کو موت کے بعد) مٹی کھا جاتی ہے اور عوام کے بدن کے متعلق ہے ورنہ انبیاء

علیہم السلام کے اجسام کو مٹی نہیں کھا سکتی بلکہ اولیاء و صلحاء کے اجسام مبارکہ بھی مزارات میں محفوظ و مصون ہوتے ہیں۔

وہابی نجدی کے عقیدہ کا رد: وہابی نجدی ایسے ہی دیوبندی اور دیگر فرقے جو اُن کے ہمنوا ہیں سب کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد ہر چھوٹا بڑا مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے چنانچہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید (قدیم) اور اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان میں ان کا عقیدہ واضح طور پر مرقوم ہے۔ ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ نہ صرف انبیاء علیہم السلام بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اولیاء و شہداء کے اجسام بھی اپنی مزارات میں محفوظ و مصون ہیں۔ یہی عقیدہ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو صاحب روح البیان مذکورہ بالا عقیدہ لکھ کر دلیل کے طور پر لکھتے ہیں کہ

لان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء والصدیقین والشہداء۔ روح البیان ص ۱۱۲ ج ۸ تحت آیت ہذا۔

"اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے اجسام مبارکہ کو کھائے"

روح انسانی کی ڈیوٹی: رُوحِ انسانی کا کام یہ ہے کہ اس نے روزِ میثاق سے امانت و معرفت ایمان کا بوجھ اُٹھانے کا وعدہ کیا۔ اس میں شریعۃ و طریقۃ و حقیقۃ کا علم تصرف کر کے اس کی تعدیل و تقویت کا سامان بہم پہنچاتا ہے لیکن بوسیلہ حکمائے الٰہیین یعنی اولیاء کاملین۔ اسے مٹی نہیں کھا سکتی اور یہی انا بولتا ہے اسے بدن سے اخراج کے بعد ایک کپڑے میں لپیٹا جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں وارد ہوا اسی سے ہی قبر میں سوال ہوگا یہی ثواب و عقاب پاتا ہے۔ اسے جسم سے اور کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ وہ حواس مقررہ کے ذریعے اس سے معارف و علوم حاصل کراتا ہے۔ یہ جسم اور اس کے حواس بمنزلہ شکاری کے جال کے ہے اور جال کے ختم اور خراب ہونے سے شکاری ختم نہیں ہو جاتا اور شکار کے بعد ہی جال کو بیکار کر دیا جاتا ہے ایسے ہی رُوح شکاری ہے اسی لیے باقی ہے اور جسم بمنزلہ جالی کے ہے فلہذا وہ دنیوی حیات کے بعد بیکار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا موت کے وقت بیکار کرنا مناسب ہے اس لیے کہ رُوح اس کے حمل اور ثقل سے تنگ ہوتا ہے اسے چھوڑے گا تو خلاص پائے گا اسی لیے حدیث شریف میں ہے الموت تحفۃ المومن موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔

نکتہ: اگر جالی وقت سے پہلے ٹوٹ جائے یعنی شکار کرنے سے پہلے تو اس کا افسوس ہوتا ہے یہی وجہ ہے جب کافر قیامت میں آرزو کریں گے رب ارجعون لعلی اعمل صالحا ترکت (الآیۃ)

موت کی تعریف:۔ قوت حساسہ کے زوال کا نام موت ہے جیسے اس قوتِ حساسہ کے وجود فی البدن کا نام حیات ہے اسی وجہ سے حیوان کو حیوان کہا جاتا ہے اور اس قوت کا مبدا رُوح حیوانی ہے اور اس کا مرکز دماغ ہے اور رُوح انسانی کا مرکز قلب صنوبری ہے۔

سوال:۔ اس سے تو روح کا تجزیہ لازم آتا ہے حالانکہ تجزیہ کے قابل نہیں۔

جواب: اس سے تجزیہ لازم نہیں آتا بلکہ وجہ یہ ہے کہ شے ایک ہے اس کے نام دو اور وہ بھی بوجہ اپنے ظہور کے۔ اگرچہ اہلسنت اَرواح بشریہ کے متعلق تجزیہ کے قائل نہیں۔

حقیقی ومجازی انسان:۔ جب تک انسان میں قوت حساسہ ہے وہ حقیقی انسان کہلائے گا اور موت کے بعد اسے مجازی انسان کہا جائے گا اس لیے درحقیقت انسانیت رُوح انسانی کا نام ہے۔ جب وہ بدن سے متعلق ہوا اور جب وہ جسم سے نکل جائے تو پھر اسے انسانیت کہنا مجازاً ہو سکتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جان زریش و سبلت تن فارغ ست
لیک تن بے جان بود مردار یست

ترجمہ:۔ جان داڑھی اور مونچھ جسمانی سے فارغ ہے لیکن جسم بے جان مردار ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اَرواحِ انسانیہ کو اُن کے ابدان سے قبض کرتا ہے یعنی ارواح کا ابدان سے تعلق منقطع کر دیتا ہے اور ظاہراً و باطناً رُوح کو جسم کے تصرف سے روک لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد ابدان میں حس وحرکت نہیں ہوتی۔ وہ خشک لکڑی کی طرح پڑا ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ موت کے بعد عقل وایمان ومعرفت روح کے ساتھ جاتے ہیں۔

فائدہ:۔ الوسیط میں حین موتھا میں مضاف محذوف مانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ عبارت دراصل حین موت ابدانھا تھی اس لیے کہ موت ابدان کے لیے ہے اور اَرواح کے لیے نہیں۔ ارواح تو تاقیامت باقی ہیں۔

تحقیق از صاحبِ رُوح البیان:۔ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر الوسیط کا قول صحیح مانا جائے تو کل نفس ذائقۃ الموت کے ارشادِ گرامی کے خلاف ہوتا ہے اس لیے کہ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ موت کا وقوع نفوس پر ہوتا ہے نہ کہ ابدان پر۔ ہاں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ کہا جائے کہ نفوس یعنی اَرواح کی یہی موت ہے کہ وہ اجسام سے خارج ہوئے[1]۔

---

[1] اس قول کو اہلسنت نے لیا ہے اور ابن قیم نے بھی کتاب الروح میں اس کی تائید کی ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

فائدہ: آیت ہذا میں قبض کا اسناد اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اسی لیے فرمایا ہے کہ رُوح کو نکالنے کا حکم ملائکہ کرام کو وہی حکم فرماتا ہے یعنی چونکہ حکم ایزدی سے ہی ہر کام ہوتا ہے اسی لیے اسی حکم کی وجہ سے موت دینے کا اسناد اس کی طرف ہوا ورنہ ظاہر ہے کہ ہر زندہ کی رُوح نکالنا ملائکہ کرام کا کام ہے۔

العجوبہ: زہرۃ الریاض میں ہے کہ التوفی یعنی حکم الٰہی کا ہونا وہ یہی ہے کہ ہر رُوح کو بدن سے نکلنے کا باری تعالیٰ حکم فرماتا ہے ورنہ تمام ملائکہ بھی اگرچہ جمع ہو کر جسم سے نکالتے تو اسے ہرگز نہ نکال سکتے جیسے اس نے رُوح کو جسم میں داخل ہونے کا حکم فرمایا تو داخل ہوا (ورنہ داخل نہ ہوتا) اسے نکلتے وقت بھی اس کا حکم ہوتا ہے تو نکلتا ہے ورنہ تا قیامت جسم میں رہتا پھر رُوح کو جب جسم سے نکلنے کا حکم ہوتا ہے تو پھر فرشتے اسے جسم سے باہر نکال کر حلقوم تک لاتے ہیں جسے ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) حلقوم سے لیتے ہیں۔ ایمان دار ہو یا کافر۔ اس میں سب برابر ہیں۔

فاطمۃ الزہراء کی رُوح کس نے نکالی؟ خواص (انبیاء و اولیاء) کی رُوح کو خود اللہ تعالیٰ نکالتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ:

ان فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا لما نزل علیہا ملک الموت لم ترض بقبضۃ فقبض اللہ روحہا۔ (روح البیان ص۱۲۱ ج ۸)

"جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ملک الموت حاضر ہوا اور آپ نے اسے رُوح دینے سے انکار کیا تو خود اللہ تعالیٰ نے رُوح قبض کی۔"

اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوح ملک الموت نے اس لیے نکالی کہ آپ اُمت کے

---

[1] خانپور ضلع رحیم یار خاں کے مدرسہ سراج العلوم کے سالانہ جلسہ پر کسی واعظ نے یہی مسئلہ بیان کیا تو شور برپا ہو گیا چونکہ جلسہ پر پاکستان بھر کے علمائے اہلسنت جمع ہوتے تھے اسی لیے آراء بھی مختلف چونکہ مقررین و اعظین مطالعۂ کتب سے محروم ہوتے ہیں اسی لیے جلسہ میں علماء تین ٹولیوں پر منقسم ہو گئے۔

۱۔ فتویٰ باز ۲۔ شیعہ ۳۔ خارجی

جو اس مسئلہ کے قائل تھے وہ شیعہ کہلوائے اور جو منکر تھے وہ خارجی تیسرے انہیں شیعہ، خارجی کہنے والے فتویٰ باز بفضلہٖ تعالیٰ حوالہ کسی کے پاس بھی نہ تھا۔ خود مقرر صاحب نے کہہ تو دیا لیکن بلا حوالہ اگر وہ صاحب روح البیان تفسیر یا کسی اور مستند کتاب کا حوالہ دیتے تو شور نہ اٹھتا۔

فیصلہ: فقیر اویسی آخری نشست میں حاضر ہوا تو شور سنا اور پھر مجھے خود استاذی المعظم مولانا حافظ سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج تیرے ذمہ صرف یہی موضوع ہے۔ فقیر

مقتدی ہیں اور ان کی اقتدا پر اُمت کے لیے ثواب مرتب ہوگا۔

حاشیہ پچھلے صفحہ کا

نے جلسہ میں مفصل عرض کیا جس کا پورا بیان "مواعظ اویسیہ" میں ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تخصیص بھی غلط ہے اور سرے سے انکار بھی جہالت۔ واعظ صاحب کا دعویٰ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مشتمل تھا۔ اس لیے کہ جہاں پر بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال مبارکہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کی روح پاک خود اللہ تعالیٰ نے نکالی وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ بعض خواص کی ارواح خود اللہ تعالیٰ نکالتا ہے چنانچہ روح البیان کی عبارت ملاحظہ ہو:

ان من خواص العباد من يتولى الله قبض روحه

بعض خواص بندوں کی روح خود اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے۔

اور یہ اعزاز شہدا بحر کو بھی حاصل ہے حدیث میں ہے:

اخرج ابن ماجه عن ابی امامة سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الله وكل ملك الموت بقبض الارواح الا شهداء البحر فان الله يتولى قبضهم۔ (شرح الصدور ص۳۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو قبض ارواح کے لیے مقرر فرمایا ہے مگر دریا کے شہیدوں کی قبض رُوح کا خود حق تعالیٰ شانہٗ والی اور متولی ہوتا ہے۔

اور اسی طرح حضرت انس بن مالک اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔

اور یہ تخصیص کچھ ایسے بلند مناقب کی حامل نہیں اس لیے کہ بعض اشیاء کی روح کا قبض کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم میں رکھا ہے جس میں واسطۂ ملک الموت ہے۔ چنانچہ دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آجال بہائم وحشرات ارض وخشاش ارض سب کی تسبیح میں ہیں جب ان کی تسبیح پوری ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو قبض فرماتا ہے ان کی طرف فرشتے نہیں بھیجے جاتے بلکہ

حکایت: منقول ہے کہ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے عرض کی یا الٰہ العالمین میری موت پر میری روح کا قبض کرنا حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سپرد نہ فرمانا بلکہ خود قبض کرنا۔ ایسے ہی مجھے رضوان کے ذریعہ انعامات جنت نہ دینا بلکہ خود براہِ راست انعامات عطا فرمانا۔ ایسے ہی مجھے عذاب دینا ہو تو مالک (نار) کو نہ کہنا بلکہ خود سزا دینا (ہم اللہ تعالیٰ سے ہر وقت فضل وکرم مانگتے ہیں)

والتی لم تمت فی منامھا۔ فی منامھا کا تعلق یتوفی مقدر سے ہے المنام والنوم ایک ہی شے ہے۔ رطوبات کا دماغ کی طرف چڑھنے سے اس کے اعضاء کے ڈھیلے ہونے کا نام نوم ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض کی رُوح موت کے علاوہ بھی قبض کی جاتی ہے ان کی دلیل یہی جملہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ نیند خفیف موت اور موت ثقیل نوم کو کہتے ہیں۔ یہ تمام تعریفات مختلف نظریات کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ نفوس جنہیں نیند میں موت نہ آئی یعنی بعض کو نیند کے وقت موت وارد ہو جاتی ہے بایں طور کہ رُوح کا ظاہراً و باطناً بدن سے تعلق ختم ہو جاتا ہے اور اسے بدن کے تصرف سے روک دیا جاتا ہے اور نیند میں رُوح حیوانی باقی ہوتا ہے اسی لیے نیند میں سانس چلتی رہتی ہے اور جسم کروٹ بدلتا رہتا ہے صرف اسے رُوح انسانی کی وجہ سے عقل وتمیز نہیں رہتی۔

فائدہ صوفیانہ: صوفیاء کرام حالت انسلاخ کو نیند سے تشبیہ دیتے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ انسلاخ بیداری میں حال وشہود کے لحاظ سے نیند والے قوی تر ہوتا ہے اور نیند اور موت کو توفی سے تشبیہ دی جاتی

حاشیہ پچھلا صفحہ کا

انتہا ملک الموت کو رُوح کے قبض کرنے پر انسانی شرافت ہے چنانچہ تفصیل کے ساتھ شرح الصدور وغیرہ میں لکھا ہے۔ پھر اسی شرافت پر مزید شرافت بلا واسطہ قبض ارواح میں اگر ہے تو وہ بھی صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تخصیص نہیں بلکہ بعض خواص کو بھی شرف حاصل ہے۔ چنانچہ صاحب رُوح البیان نے اسی مقام پر جہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رُوح کے قبض کی تخصیص لکھی ہے وہاں حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ کا واقعہ بھی بیان فرمایا کہ جس طرح ان کی رُوح خود نکالے آنے والے بعض اعزازات بھی خود بلا واسطۂ ملائکہ عطا فرمائے۔ واقعہ تفسیر "فیوض الرحمٰن" "ترجمہ" روح البیان" میں ملاحظہ ہو۔ جو کہ ابھی صد۲۳ میں مذکور رہا۔

ہے اس لیے نیند، الامرد ے جیسا ہوتا ہے کہ ویسی حالت میں وہ عقل و تمیز سے فارغ ہوتے ہیں اسی لیے مشہور ہے۔ "النوم اخ الموت"

رُوح کی پرواز: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نیند میں اگرچہ رُوح خارج ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی شعاعیں بقاعدہ جسم میں موجود رہتی ہیں اسی لیے وہ خواب میں سب کچھ دیکھتا ہے لیکن جب جاگتا ہے تو روح فوراً آنکھ جھپکنے سے پہلے جسم میں آجاتی ہے۔[1]

باوضو ہونے کا روحانی فائدہ: مروی ہے کہ اہلِ ایمان کی رُوح نیند کے وقت آسمانوں پر پہنچ جاتی ہے جو باوضو ہو کر سوتا ہے اُس کی روح کو عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرنے کی اجازت عطا ہوتی ہے اور جو بے وضو ہو کر سوتا ہے اس کی روح کو سجدے کی اجازت نہیں ملتی۔

مسئلہ: مذکورہ روایت کے مطابق فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ نیند سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے یعنی باوضو سونا چاہیئے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ سچے خواب نظر آئیں گے اور بحالت خواب اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات ومخاطبات نصیب ہوں گے۔

نیند کا روحانی نعمت ہونا: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو لطیف اور اجسام کو کثیف بنایا۔ جب روح لطیف جسم کثیف سے متعلق ہوتا ہے تو اس کے سامنے حجابات دُور کر دیئے جاتے ہیں لیکن نیند میں اس سے وہ حجابات دُور کر کے عالم ملکوت کی سیر کی اجازت عطا ہوتی ہے یہانتک وہ مشاہدہ ربانی پاتا ہے اور اس سے اسے قربِ الٰہی کی رغبت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ نیند سے انسان راحت پاتا ہے بلکہ لذت محسوس ہوتی ہے کیونکہ خواب میں وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ بندوں کے لیے ارحم الراحمین ہے اسی لیے اسے نیند سے اضطراب اور پریشانی نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے اس میں تکلیف و اضطراب لازم تھا۔ لیکن نہیں وہ صرف اس لیے کہ وہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے بخلاف موت کے اُس وقت اُس کی رُوح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے اسی لیے اس سے اضطراب اور شدت محسوس کرتا ہے اور عزرائیل علیہ السلام کی شدت مشہور ہے۔

فیمسك التي قضى عليها الموت ۔ امساک یعنی ایک شے دوسری سے متعلق ہونا اور شے کا محفوظ ہونا اور قضا کے حکم میں بھی آتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ موت کے وقت روح کو اپنے قبضے میں لے لیتا

---

[1] انبیاء و اولیاء کی پرواز اور طاقت تمام انسانی رُوح سے کروڑوں درجہ زائد ہوتی ہے۔ فافہم ولاتکن من الواہبیین۔

ہے اسے واپس جسم میں نہیں لوٹاتا اور اس سے عالم برزخ کا امساک مراد ہے اس لیے کہ دنیوی مفارقت سے ارواح اجسام سے جدا ہو کر عالم برزخ میں محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ یہ وہ برزخ نہیں جو ارواح مجردہ و اجسام کے درمیان واقع ہے یعنی وہ اس عالم مثال کا غیر عالم ہے جو انسان کو نیند میں نظر آتا تھا یا یوں کہو کہ روح جسم سے نکلنے کے بعد فوراً اُسی عالم میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ وجود کے تنزلات و معارج دوری ہیں۔

فائدہ: وجود کے ادوار جو عالم دنیا سے پہلے تھے انھیں مراتب التنزلات کہا جاتا ہے اور وہ اولیہ ادوار تھے اور وہ ادوار جو اس دنیا کے عالم کے بعد ہوں گے انھیں مراتب المعارج سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آخریہ ادوار میں اور وہ صورتیں جو برزخ اخیر میں ارواح کو لاحق ہوں گی وہ درحقیقت ان اعمال کی صورتیں اور افعال سابقہ کے نتائج ہوں گے جو انسان نے عالم دنیا میں کئے بخلاف برزخ اول کی صورتوں کے کہ اعمال و افعال کی کوئی شے آخرت کا عین نہ ہوگا۔ ہاں بایں معنی مشترک نہیں کہ وہ ہر دونوں عالم روحانی وجوہر نورانی غیر مادی اور صور عالم کی مثال پر مشتمل ہیں۔

ویرسل الاخری اور دوسرے نفوس کو چھوڑ دیتا ہے اس سے وہ نفوس مراد ہیں جو نیند سے زندہ اُٹھتے ہیں یعنی نیند سے اُٹھتا ہے تو اُس کی روح جسم میں واپس لوٹا دی جاتی ہے یا اسے عالم مثال مقید سے نازل کیا جاتا ہے۔

فائدہ: عالم مثال جوہر جسمانی سے بایں معنی مشابہت کہ وہ ہر دونوں محسوس مقداری ہیں اور اسے جوہر عقلی سے اس معنیٰ پر مشابہت ہے کہ وہ ہر دونوں نورانی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو واسطہ بنایا ہے کہ اسے ہر دونوں سے مشابہت ہے کہ وہ متجسد ہو کر کثیف بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً علم اگرچہ اس کی حقیقت مجرد محض ہے لیکن عالم مثال میں ایک مخصوص صورت میں متجسد نظر آتا ہے۔ الی اجل مسمی وہ وقت جو اس کی موت کے لیے مقرر ہے اور جنہیں ارسال کی غایت ہے یہ اسی شخص کی غایت نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ یقظۂ اولیٰ کے بعد اسے پھر نیند نہ آئے۔

فائدہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نیند میں احیاء اور اموات کی ارواح کی ملاقات ہوتی ہے ان کا آپس میں جتنا دیر مکالمہ اور گفتگو ہوتی رہتی ہے اس کے بعد اموات کی ارواح اللہ تعالیٰ اپنے ہاں بلا لیتا ہے اور اموات کی ارواح واپس اپنے زندگی کے لمحات تک ان کے اجسام میں واپس لوٹا دی جاتی ہے۔

فائدہ: الاسئلہ المقحمہ میں ہے کہ بعض اشخاص کی روح نیند میں قبض کر لی جاتی ہے اس لیے کہ نیند میں

اس کی زندگی کے لمحات ختم ہو جاتے ہیں اس پر اس کی رُوح بحالت نیند ہی قبض ہو جاتی ہے ۔ اس کا معنی یہ **فیمسك التی لم تمت** پر متفرع ہے ۔ اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث شریف سے ہوتی ہے ۔

سونے سے پہلے کی دُعا: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بستر پر آرام کرنے لگو تو پہلے اس کی چادر کے اندر کے حصّہ کو خوب جھاڑ دو تمھیں کیا معلوم کہ تمھارے بعد اس میں کیا ہوا ۔ اس کے بعد یہ دُعا پڑھے ؛

باسمك ربی وضعت جنبی وبك ارفعه ان امسكت نفسی فارحمها و ان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحین ۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ زندگی کا اصلی مقصد اصلاح عمل ہے اس کے ماسوا باقی ہر شے اسی اصلاح کا ذریعہ و سبب ہے ۔

ان فی ذلك: بیشک ان امور مذکورہ یعنی توفی بہر دو طریق پھر ایک میں امساک دوسری میں ارسال میں لآیات ۔ البتہ آیات عجیبہ ہیں جو اس کی کمال قدرت و حکمت و شمول رحمت پر دلالت کرتی ہیں ۔ لقوم یتفکرون ۔ ان لوگوں کے لیے جو ارواح کے ابدان سے متعلق ہونے ۔ پھر اس کے کبھی بالکلیہ نکل جانے جیسے موت میں کہ رُوح جسم کو بالکل چھوڑ جاتی ہے ایسے ہی اس سے نکل کر واپس لوٹتے اور اس میں باقی رہتے ہیں کہ واپس لوٹ کر ایک مقررہ وقت اس کے اندر باقی رہتا ہے ایسے ہی اس کے سعادت و شقاوت کے ظاہری حالات کی کیفیت سے یا اس کے ظاہری طور پر چند روز واپس چھوڑتے جیسے نیند کے وقت یا اسے لحظہ بہ لحظہ چھوڑ کر روکتے یہاں تک کہ اسے موت آئے کی کیفیت میں غور و فکر کرتے ہیں ۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ **یتفکرون** کی مراد یہ ہے کہ وہ لوگ غور و فکر کر کے استدلال کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد اُٹھانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے یہی کاشفی نے کہا ہے کہ اس سے وہ گروہ مراد ہے جو اماتۃ کے معاملہ میں تفکر کرتے ہیں مثلاً سمجھتے ہیں کہ موت نیند کے اور حیات بیداری کے مشابہ ہے ۔ تورات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم زادے جیسے تمھیں نیند گھیر لیتی ہے ایسے ہی تمھیں موت آئے گی ۔ جیسے پھر نیند سے جاگ اُٹھتے ہو ایسے ہی مرنے کے بعد اُٹھو گے ۔ فالموت باب و کل الناس داخله موت اس گھر کا دروازہ ہے جس کے اندر سب نے داخل ہونا ہے ۔

حدیث قدسی شریف: میں اپنے کسی کام میں توقف نہیں کرتا سوائے اپنے بندے کی رُوح قبض کرنے کے ۔

شرح الحدیث: حدیث شریف میں لفظ تردد واقع ہوا ہے معنی التحیر بین الشیین یعنی دو کاموں کے متعلق کرنے یا نہ کرنے میں متحیر ہونا اور چونکہ یہ لاعلمی سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ معنی کرنا کفر ہے اسی لیے مجازاً اس کا معنی توقف ہے یعنی جو کام بھی کرتا ہوں اسے کر چھوڑتا ہوں سوائے مومن کی روح قبض کرنے کے کہ اس میں پہلے یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خیالات ڈالتا ہوں کہ مرنے کے بعد فلاں انعامات وکرامات عطا ہوں گے۔ یہاں تک کہ اس کا دل موت اور میرے دیدار کے شوق کی طرف مائل ہوتا ہے پھر اسے موت دیتا ہوں (یہ اس کا فضل وکرم ہے ورنہ اسے کیا ضرورت ہے کہ بندہ کے لیے ایسا توقف کرے) نیز خیال پر تردد سے موت کے اسباب جیسے مرض، بھوک و دیگر تکالیف ارسال کرکے مہلت دینا پھر چند روز کے بعد دوبارہ ایسے اسباب میں مبتلا کرنا مراد ہو یہاں تک کہ وہ موت کو خود چاہے اور دیدار الٰہی کا بہت زیادہ مشتاق ہو جائے۔ (کذا فی شرح السنۃ) و یکرہ الموت)

یہ حدیث قدسی مذکورہ کا جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے گویا اللہ تعالیٰ سے کسی نے عرض کی اے اللہ العالمین بندۂ مومن کی موت میں تردد کیوں اس کے جواب میں فرمایا اس لیے کہ وہ موت کی شدت سے گھبراتا ہے ورنہ موت تو وہ تحفہ ہے جو بندے کو مولیٰ سے ملاتی ہے۔ پھر وہ ایسے تحفے سے کیونکر گھبرائے۔

حدیث شریف: موت سے پہلے تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھ سکو گے ؎

تا نمیرد بندہ زر ہستی تمام
او نہ بیند حق تعالیٰ والسلام
مرگ پیش زر مرگ امفت اے فتی
این چنیں فرمود مارا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: موت سے پہلے موت خود امان ہے اے جوان ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ مومن بندہ موت سے اس لیے گھبراتا ہے کہ وہ موت سے پہلے وصال الٰہی کی لذت اور وہ مراتب وکمالات جو اسے موت کے بعد حاصل ہوں گے ان سے محجوب نہیں (جب مرے گا یہ امور حاصل ہوں گے اس وقت چاہے گا کاش میں چند روز پہلے مرتا) وانا اکرہ مسائتہ یہ بھی حدیث قدسی کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بھی اس کا ایذا نہیں چاہتا کہ وہ صعوبت و شدت جو اسے موت سے لاحق ہوتی ہے۔ ولابد لہ لیکن موت لازمی امر ہے اس لیے کہ وہ نفس کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔

ایسی موت بھلی: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بندے کی روح جسم سے نکلے اور وہ پریشان

ہو لیکن بالآخر روح نے جسم سے نکلنا ہے پھر یوں فرماتا ہے کہ نزع رُوح کے وقت اپنی ذات اور روح کے درمیانی حجابات ہٹا دیتا ہے۔ (اس طرح سے اس کے لیے یہ موت نہیں بلکہ وصال یار ہے اسی لیے ہم اہلسنت اولیاء کرام و انبیاء عظام کی موت کو وصال سے تعبیر کرتے ہیں) (اضافہ اویسی غفرلہ)
کسی نے کیا خوب کہا

ع تم سامنے آ بیٹھو جان نکلے با آسانی

ے
حجاب چہرۂ جاں می شود غبار تنم
خوشا دمی کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

ترجمہ: "میرے جسم کی غبار رُوح کی پردہ ہے۔ وہ وقت خوب ہو گا جب میں چہرہ سے پردہ ہٹا دوں گا۔"

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ حضور قلب و تصفیۂ حال کی تحصیل کے ساتھ موت کے لیے ہر وقت تیار رہے ورنہ بہت سے ارباب حال واصحاب مقال موت کے وقت بازی ہار بیٹھے۔
مثنوی شریف میں ہے ے

آں ہنر ہائے دقیق و قیل و قال
قوم فرعون شد اجل چوں آب نیل
سحر ہائے ساحراں دان جملہ را
مرگ چوبی دانکہ آں شد اژدہا
جادو بہا را ہمہ یک لقمہ کرد
یک جہان پر شب بد آں را صبح خورد
آتش ابراھیم را دندان نزد
چوں گزیدۂ حق بود چونش گزد

ترجمہ: وہ قیل وقال کے ہنر دقیق وہ فرعون کی قوم کے لیے آب نیل کا اجل ہیں۔
۲۔ ساحروں کے تمام جادو صرف ایک لاٹھی کی مار نہیں جن کو وہ لاٹھی اژدھا بن کر کھا گئی۔
۳۔ ان کے تمام جادوں کو ایک لقمہ کیا ایک جہان کو ایک ہی رات کھا گیا۔
۴۔ آگ نے ابراھیم علیہ السلام کو دانت نہ مارے جب وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے تو پھر آپ کا آگ کیا کر سکتی تھی۔

ہم چنیں باد اجل بر عارفان
نرم و خوش ہم چو نسیم یوسفاں

ترجمہ: اسی طرح باد اجل عرفار پر نرم اور خوش ہو کر آتی ہے جیسے نسیم باغ۔

تفسیر عالمانہ: ام اتخذوا۔

شانِ نزول: یہ آیت اہل مکہ کے حق میں نازل ہوئی۔ ان کا گمان تھا کہ اُن کے بت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بتوں کی سفارش سے انکار کرتے ہوئے فرمایا بلکہ قریش مکہ نے ٹھہرایا ہے۔ یہاں پر اَمْ منقطعہ بَلْ و ہمزہ کے معنیٰ میں ہے۔ من دون اللہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفعاء سفارشی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی سفارش کریں گے یعنی ان کے بت سفارشی ہوں گے۔ شفعاء شفیع کی جمع ہے الشفع سے ہے بمعنی اپنے جیسے کو اپنے ساتھ ملانا۔ الشفاعۃ بمعنی اپنے ساتھ کسی کو لے جا کر اسی کے لیے کسی سے کچھ مانگنا اور عرف میں الشفاعۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ ادنیٰ کے ساتھ اعلیٰ کو ملا کر کچھ طلب کرنا۔ قیامت میں شفاعت معروفہ اسی سے ہے۔ قل اولوا کانوا لا یملکون شیئاً ولا یعقلون۔ یہ ہمزہ واقع کے انکار اور اس کی قباحت کے اظہار اور زجر و توبیخ کے لیے ہے اور عند الجمہور واو حالیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکین کو فرمایئے کہ کیا تم نے بتوں کو سفارشی ٹھہرایا ہے جو نہ کسی شے کے مالک ہیں بلکہ وہ تو عقل سے بھی بے بہرہ ہیں جب عقل سے بھی فارغ ہیں تو سفارش خاک کریں گے یا انھیں کیا علم کہ تم ان کی پرستش کرتے رہے ہو یعنی اے کافرو! جمادات سے شفاعت کی اُمید نہ رکھو کیونکہ وہ تو قدرت اور علم و عقل سے بھی بے بہرہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جن اُمور کو خواہش نفسانی کے مطابق عبادت سمجھا جائے اور انھیں شفاعت حق کا سبب سمجھنا حالانکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے امر کو دخل نہیں تو عبادت موجب گمراہی اور اسے شفاعت تصور کرنا حماقت ہے۔ اس لیے کہ عبادت و شفاعت وہ مقبول ہیں جو حق تعالیٰ کے حکم سے ہوں اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی وہی مفید ہے جو بموافق شرع ہو ورنہ خواہش نفسانی تو بندے کے لیے بہت بڑا حجاب ہے۔ اسی لیے امر الٰہی اور اتباع محمدی کے مطابق چلنا ضروری اور لازمی ہے۔ اسی لیے تو انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھیجا گیا کہ وہ بندوں کی خواہشات نفسانیہ کا قلع قمع کریں۔ شخص کی حرکات و سکنات امر الٰہی اور اتباع انبیاء پر ہوں ورنہ انھیں خواہش نفسانی تو تباہ و برباد کر ڈالتی ہے کیونکہ نفس اور اس کی خواہشات ظلمانی اور امر حق اور اتباع انبیاء نورانی ہیں۔ جب بندہ خواہش نفسانی سے

مطابق عبادت کرتا ہے تو اُس کی وہ عبادت ظلمات بن جاتی ہے اور وہ فعل اگرچہ اس کا تعلق شہوات انسانی سے ہو لیکن اسے جب امر ربانی اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم تصور کر کے کیا جائے تو وہ نورانی بن جاتا ہے۔ مثلاً اپنی زوجہ کے ساتھ جماع کرنا انسانی خواہش نفس کے تقاضا کو پورا کرتا ہے لیکن چونکہ امر الٰہی کے مطابق اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موافق بجالاتا ہے تو ثواب پاتا ہے۔ اس معنی پہ یہ خواہش نفسانی نورانی بن گئی اور وہ عبادت جو امر الٰہی کے بجائے خواہش نفسانی کے مطابق ہو تو وہ اگرچہ عبادت ہے لیکن اسے ظلمانی کہا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ: ربط ان کی زجر و توبیخ اور اُن کی تجہیل کے ذکر کے بعد تحقیقی امر بیان فرمایا کہ **قل** اے محبوب مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایئے **للہ الشفاعۃ جمیعا۔** جمیعا الشفاعۃ سے حال ہے اسی وجہ سے منصوب ہے یعنی جملہ شفاعات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں شفاعت وہ کر سکے گا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور اسے اس کی اجازت ہوگی اور یہ دونوں باتیں ان کے بتوں میں مفقود ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت البقلی نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ شافع اور مشفع فیہ (جس کے متعلق شفاعت کی جائے) کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارف کامل سوائے اس کے اور کسی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہاں تک جو بھی پہنچے گا اُسی کے فضل وکرم سے پہنچے گا۔ کما قال اللہ: **من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ۔** حضرت رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ محبت الٰہی کسی دوسرے کی محبت کو ٹھہرنے ہی نہیں دیتی۔

انتباہ: حب رسول اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی درحقیقت حب الٰہی ہے (اسے غیر اللہ کی محبت سمجھنا گمراہی اور بے دینی ہے) جو اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھتا ہے اس کے لیے ہی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شفاعت کی اجازت بخشے گا۔

مسئلہ: جو شخص صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے لیکن اسے اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں تو وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم ہوگا جیسے شیعہ رافضی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت کا نام تک نہیں لیتے وہ سیدھے جہنم میں جائیں گے بلکہ ایسے لوگوں کو خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی درگاہ کا راندہ بنا کر زندہ جلا دیا (تاریخ شاہد ہے)۔

تفسیر عالمانہ: لہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ ملک السموات والارض آسمانوں اور زمینوں (اور جو کچھ ان کے اندر ہے کی) بادشاہی۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کے کسی امر و معاملہ میں کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں۔

ازالۂ وہم وہابی

اس میں اشارہ ہے کہ جملہ اشیاء کا مالک حقیقی صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے جملہ کائنات اسی کی مملوک ہے۔ عبد کسی شے کا مالک نہیں اگر اسے کچھ میسر آتا ہے تو وہ بھی اس کے مولیٰ کا ہوتا ہے ایسے ہی اس کی مقبوضہ شے اس کے پاس عاریۃ کے طور ہوتی ہے۔ پھر وہ بھی اس کے مولیٰ کے پاس آجاتی ہے (ایسے ہی ہمارا حال ہے کہ ہم سب اس کے ہیں اور ہمارا سب کچھ اسی کا ہے) ثم الیہ ترجعون پھر قیامت میں اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے کسی اور کے پاس لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک اسی دن وہ جس کے ساتھ جیسے چاہے گا کرے گا۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ہم سب کے اعمال کا حساب کرے گا اور ہم سب اسی کے ہاں حاضر ہوں گے۔ پھر وہ ہم سب کو اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ اسی لیے ہمیں اس کے غضب سے خوف اور اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرنا چاہیئے۔ سبحان اللہ! قیامت میں اہل توحید کی کیا شان ہوگی اور اہل شرک کا انجام بربادی۔

مسئلہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری امت کے اہل کبائر کے لیے میری شفاعت حق ہے یعنی میں اپنی گناہ گار امت کی شفاعت کروں گا۔

فائدہ: یہاں پر امتی سے امت اجابت اور کبائر سے ماسوی الکفر مراد ہے اس لیے کفر کی شفاعت نہیں اور کافر کے لیے طے ہو چکا ہے کہ اس نے ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اس لیے اس کے لیے شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال: فعل مکروہ کے متعلق حکم ہے کہ اس کا مرتکب شفاعت سے محروم ہوگا (کذا فی التلویح) اس معنی پر اہل کبائر کے لیے زیادہ ضروری ہے کہ محروم از شفاعت ہوں لیکن حدیث شریف میں اثبات ہے۔

جواب: مستحق ہونا اور بات ہے بالفعل محروم ہونا امر دگر۔ واقعی مکروہ فعل کے مرتکب کا استحقاق محرومی تھی لیکن کریم کے کرم نے اپنے دامن عفو میں چھپالیا۔ یہ ایسے ہے جیسے لکھ دیا جاتا ہے کہ گاڑی کے پل کو چھوڑ کر لائن کو عبور کرنے والا مستوجب سزا ہے یعنی اگر اسے سزا دینا چاہیں تو دے سکتے

ہیں اگر چشم پوشی کر کے اسے سزا نہ دی جائے تو یہاں بھی یہی بات ہے (فافہم ولاتکن من الجاہلین)

تہتر فرقوں کی بخشش: حضرت علاؤالدین عروہ میں لکھتے ہیں کہ جملہ اسلامی فرقے بخشے جائیں گے یعنی وہ تہتر فرقے جن کا ذکر حدیث شریف ستفترق اُمتی علی نیف و سبعین فرقۃ ہے اور فرمایا اس میں صرف ایک فرقہ نجات پائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بلاشفاعت بخشا جائے گا۔

عوام کے اوہام: دنیا میں لوگوں کو دس باتوں کا فخر ہوتا ہے لیکن قیامت میں ان سے خس برابر بھی فائدہ نہ ہوگا۔

۱۔ مال۔ لیکن قیامت میں اگر مفید ہوتا تو قارون جہنم میں نہ جاتا کما قال اللہ تعالیٰ فخسفنا بہ و بدارہ الارض۔

۲۔ اولاد۔ اگر اس کا فائدہ ہوتا ابراہیم علیہ السلام سے آذر کو نفع پہنچتا کما قال اللہ تعالیٰ۔ یا ابراھیم اعرض عن ہذا۔

۳۔ حسن وجمال۔ اس سے اگر کچھ فائدہ پہنچتا تو اہل روم کو پہنچتا اس لیے کہ باقی لوگوں کی بہ نسبت انھیں نو گنا زائد حسن وجمال عطا ہوا لیکن قیامت میں کیفیت دگرگوں ہوگی۔ کما قال اللہ تعالیٰ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ۔

۴۔ سفارش۔ اگر کسی کو سفارش کام دیتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کافر سے محبت کرتے اُسے سفارش کے ذریعہ نجات دلاتے لیکن کما قال اللہ تعالیٰ۔ انک لا تھدی من احببت گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ مجرموں کے جرائم کے شفیع ہیں لیکن ان کی ہدایات (تخلیقی) میں میرے شریک نہیں۔

۵۔ حیلہ۔ اگر کارگر ہوتا تو کافر نجات پا جاتے لیکن حیلہ بھی کام نہ دے گا کما قال اللہ تعالیٰ ومکر اولئک یبور۔

۶۔ فصاحت۔ اگر یہ بھی نفع دیتی تو جملہ عرب کو نفع ہوتا لیکن نہیں کما قال اللہ تعالیٰ لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمٰن۔

۷۔ عزت ومرتبت۔ اگر یہ سودمند ہوتی تو ابوجہل کو بخشش نصیب ہوتی لیکن اسے عذاب ہوگا کما قال اللہ تعالیٰ۔ ذق انک انت العزیز الکریم۔

۸۔ دوستی۔ یہ بھی قیامت میں فائدہ نہ دے گی اس کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین۔

۹۔ نوکر وخدام۔ ان کی کثرت سے کچھ نفع میسر آتا تو بڑے بڑے حاکم وامرا نجات پا جاتے لیکن نہیں کما قال اللہ تعالیٰ۔ اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا۔

۱۰۔ حسب نسب۔ اس سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا ورنہ یعقوب علیہ السلام کی جملہ اولاد بخشی جاتی لیکن

معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اُن کی بعض اولاد جہنم میں جائے گی ۔ کما قال اللہ تعالیٰ من تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیمة (لیکن یہ تمام بوجہ کفر کے ہے اور واقعی کفر کو یہ اُمور مفید نہ ہوں گے اور نہ ہی مومن فاسق کو انبیاء و اولیاء و علماء وغیرہم کی شفاعت کو اس میں داخل کیا جائے)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ :

" راکھ اگرچہ قیمتی جوہر ہے یعنی آگ کی آل واولاد ہے لیکن چونکہ بے ہنر ہے اسی لیے بیکار ہے لیکن شکر اگرچہ نیشکر کی آل و اولاد ہے لیکن چونکہ ہنر مند ہے اسی لیے ہر ایک کی مرغوب و مطلوب ہے ؎

چوں کنعان را طبیعت بے ہنر بود
پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنما اگر داری نہ گوہر
گل از خارست و ابراھیم از آذر

ترجمہ : جیسے کنعان کی طبیعت بے ہنر تھی پیغمبر زادگی نے مرتبہ نہ بڑھایا ۔
ہنر دکھا اگر ہے تو نہ دجوہر ۔ دیکھ گل خار سے اور ابراھیم آذر[1] سے ہے ۔

سبق: جب یہ تفصیل سامنے آگئی تو سمجھدار پر لازم ہے کہ وہ اسباب غیر نافعہ کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے لیکن رجوع الی اللہ اُس وقت نافع ہے جب کامل ایمان اور تقویٰ و طہارت نصیب ہو ۔

تفسیر عالمانہ : و اذا ذکر اللہ ۔ اور جب یاد کیا جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ در انحالیکہ وہ اکیلا اور منفرد ہے بخلاف مشرکین کے بتوں کے کہ وہ کثیر ہیں اور اذا عامل " اشمازت ہے بمعنی انقبضت و نفرت ۔ قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ یعنی نفرت کرتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت کی تصدیق نہیں کرتے ہیں ۔ اشمأزت شمز سے ہے یعنی نفس سے اس سے نفرت کرنا جسے وہ نہیں چاہتا ۔ اہل عرب کہتے ہیں تشمز وجہہ

---

[1] یہ صرف تمثیلاً ہے ورنہ تحقیق یہ ہے کہ آزر ابراھیم علیہ السلام کا چچا تھا نہ کہ باپ ۱۲ء

بمعنی تقبض۔ الاشمئزاز بمعنی غیظ و غضب سے اور اس امر سے دل کا ایسا بھر جانا کہ جس سے چہرے کا انقباض قلبی کے انتہائی درجہ کو اشمئزاز کہتے ہیں اس میں اُن کے حال کی قباحت بیان کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے ۔

و اذا ذکر الذین من دونه اور جب ماسوی اللہ کو یاد کیا جاتا ہے تو اس سے اُن کے بت مراد ہیں۔ یعنی تنہا اُن کے بتوں کو یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ملا کر انھیں یاد کیا جاتا ہے تو اذا ھم یستبشرون اُس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں اُن کے چہروں سے بشاشت ٹپکتی ہے۔ یہ البشر سے ہے بمعنی اثرالسرور یعنی چونکہ وہ اپنے بتوں پر بدل و جان فریفتہ ہیں اسی لیے ان کا نام سنتے ہی پھولے نہیں سماتے اور حق کو بالکلیہ بھول جاتے ہیں۔

الاستبشار بمعنی دل خوشی سے ایسا بھر جائے کہ سرور و راحت کی وجہ سے چہرہ پھول جائے یعنی راحت و سرور کا انتہائی درجہ اس میں بھی ان کے حال کی قباحت کے بیان کرنے میں مبالغہ مراد ہے۔ یہاں پر اذا کا وہی عامل ہے جو اذا مفاجاتیہ کا ہے۔ دراصل عبارت وقت ذکر الذین من دونه فاجاء و اوقت الاستبشار تھی یعنی اُس وقت یہ لوگ بوجہ فراموشی از یادِ حق و مشغولی بباطل بہت بڑے خوش ہوتے ہیں۔ بخلاف اہلِ ایمان کہ وہ یادِ خدا سے خوش اور ذکر ماسویٰ سے غمگین ہو جاتے ہیں ؎

نامت شنوم دل از فرح زنده شود
فال من از اقبال تو فرخنده شود
از غیر تو هر جا سخن آید بمیان
خاطر بهزاران غم پراگنده شود

ترجمہ: تیرا نام سنتے ہی دل خوشی سے زندہ ہوتا ہے۔ میری بات تیرے اقبال سے مبارک ہوتی ہے۔
تیرے غیر کی جو بات درمیان میں آتی ہے دل ہزاروں غموں سے پریشان ہو جاتا ہے۔

حکایت: حضرت رابعہ بصریہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے سامنے لوگ دنیا اور اُس کی مذمت کرنے لگے تو آپ نے انھیں کہا یہی تمھاری اس کے ساتھ محبت کی علامت ہے اس لیے کہ جو بھی کسی سے محبت کرتا ہے اُسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

مشرکین کی مثال: مشرکین بچوں کی مانند ہیں کہ جیسے بچے مٹی کے گھوڑے اور لکڑی کے سانپ اور لہو و لعب کی چیزوں سے خوش ہوتے ہیں اور دل بہلاتے ہیں ایسے ہی بُت پرستوں کا حال ہے۔ دراصل بات یوں ہے کہ وہ صرف ظاہری نمائش کے عاشق اور ظاہری شکلوں اور صورتوں کے دلدادہ تھے اور قاعدہ ہے کہ جو دل معرفتِ الٰہی سے خالی ہو وہ ذکرِ حق سے مانوس نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اُسے ذکرِ الٰہی سے تسکین نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا ذکر سن کر خوش ہوتا ہے اس لیے اس قلب میں اللہ تعالیٰ کا مسکن نہیں۔

اللہ کا جلیس: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تم چاہتے ہو کہ میں تیرے گھر میں تیرے ساتھ رہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے سن کر شکرانے کا سجدہ کیا اور عرض کی یا الٰہی تو کیسے کسی کے گھر میں سکونت اختیار فرمائے گا جب کہ تو زمان و مکان سے پاک اور منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں اس کا ہم نشیں ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے اور میں بندے کو وہاں ملتا ہوں جہاں وہ مجھے تلاش کرتا ہے۔ (کذافی المقاصد الحسنہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کا جلیس ہے جو اسے یاد کرتا ہے اور جو اسے یاد نہیں کرتا تو اس کا شیطان جلیس ہے۔

حضرت شیخ نے فرمایا ؎

اگر مردہ مسکیں زُباں داشتہ
بفریاد و زاری فغاں داشتہ
کہ اے زندہ چوں ہست امکاں گفت
لب از ذکر چوں مردہ برہم نخفت
چوں مارا بغفلت بشد روزگار
تو بارے دمے چند فرصت شمار

ترجمہ: اگر مردہ مسکین زبان رکھتا۔ فریاد و زاری سے شور کرتا۔
۲: کہ اے زندہ تجھے بولنے کی طاقت ہے۔ لب ذکر کے سوا مردے کی طرح بند نہ رکھ۔
۳: ہمارا تو غفلت سے وقت گزر گیا تو اپنے ان لمحات کو غنیمت سمجھ۔

حدیث: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی کا دن سخت ہو تو انسان کو چاہیئے کہ کہے لا الٰہ الا اللہ ما اشد حر ھذا الیوم۔ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں آج کیسا سخت دن ہے۔ اس کے بعد دعا مانگے:

اللّٰھم اجرنی من حر جھنم
اے اللہ مجھے جہنم کی گرمی سے پناہ دے

اللہ تعالیٰ جہنم سے فرماتا ہے کہ میرا ایک بندہ تیری گرمی سے پناہ مانگ رہا ہے تو گواہ ہو جا کہ میں نے اسے تیری گرمی سے پناہ دے دی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر سخت سردی میں کہے لا الٰہ الا اللہ ما اشد برد ھذا الیوم۔ آج کیسی

سخت سردی ہے۔ پھر یہ دعا مانگے:

اللّٰھم اجرنی من زمھریر جہنم

اے اللہ مجھے جہنم کی سخت سردی سے پناہ دے

اس پر اللہ تعالیٰ جہنم کو فرماتا ہے کہ میرا ایک بندہ تیری سخت سردی سے پناہ مانگ رہا ہے میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے پناہ دے دی۔

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ زمھریر کیا ہے آپ نے فرمایا زمھریر جہنم کا ایک مقام ہے جہاں کافر کو ڈالا جائے گا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

در حدیث آمد کہ مومن در دُعا

چوں امان خواھد ز دوزخ از خدا

دوزخ از وے ہم اماں خواھد بجان

کہ خدایا دور دارم از فلاں

ترجمہ: حدیث میں ہے کہ مومن جب دعا میں اللہ تعالیٰ سے دوزخ سے پناہ مانگتا ہے۔

۲: تو دوزخ بھی اس سے بدل و جان پناہ مانگتی ہے کہ اے اللہ مجھے فلاں سے دور رکھ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ذکر الٰہی سے زبان بند نہ رکھے بلکہ ذکر حق سن کر خوشی کا اظہار کرے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ: (قل اللّٰھم) اللّٰھم کا میم حرف ندا سے بدل کر آیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایئے یا اللہ" فاطر السمٰوات والارض۔ اس کی نصب بوجہ ندا کے ہے بمعنی اے آسمانوں اور زمینوں کے عجیب اسلوب سے پیدا کرنے والے۔ عالم الغیب والشھادۃ۔ اے اس غیب کے جاننے والے جو بندوں سے غائب ہے اور اے اسے جاننے والے جو تیرے بندے کے سامنے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سمجھایا کہ جب معاملات میں متحیر اور اُمور میں پریشانی لاحق ہو اور جب دیکھو کہ دشمن کا مقابلہ و معارضہ زوروں پر ہے اور اس سے جان رہائی مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس لیے کہ وہی جملہ اشیاء پر قادر اور جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کا عالم ہے۔ انت صرف تو ہی۔ تحکم بین عبادك اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اسی لیے میرا اور میری اُمت کا فیصلہ بھی تو ہی فرمائے گا۔ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ ان اُمور دینیہ میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں

یعنی تو ایسا فیصلہ فرمائے گا جسے ہر مخالف مانے گا جس کے سامنے سرکش سر تسلیم خم کرے گا۔ اس سے دنیا یا آخرت کا عذاب مراد ہے لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد لیا جائے جیسا کہ آیت کے مابعد سے معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت میں اہلِ توحید اور مشرکین کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ اہل ایمان کے کاروبار حکم شرعی کے مطابق ہوتے اور مشرکین کے کاروبار شہوات اور خواہشات نفسانیہ سے ان کے درمیان اللہ کا فیصلہ فرمائے گا۔

دنیا کا فیصلہ یوں ہوا کہ اہل ایمان کو عفو اور فضل و کرم سے نوازا اور توبہ کی توفیق بخشی اور اپنی طرف رجوع کرنے کا موقع عطا فرمایا اور اُن کی آپس میں صلح و صفائی رہی اور آخرت میں اُن کے ساتھ عدل و انصاف ہوگا اور اُن کے لیے انتقام لیا جائے گا۔

حکایت: حضرت ربیع بکسر الباء محدث رحمۃ اللہ علیہ زندگی بھر چپ شاہ بنے رہے۔ شدید ضرورت پر بولتے جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو اتنا کہا قل اللھم الی ان قال یختلفون۔ بعض روایت میں ہے کہ کہا بدبختوں نے ایسی شخصیت کو شہید کر دیا جسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی گود میں بٹھاتے اور اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈالتے تھے۔

حضور علیہ السلام کی عادت کریمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب رات (تہجد) کو نماز پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشہادۃ انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق بامرك انك تھدی من تشاء الی صراط المستقیم۔

"اے اللہ! جبریل و میکائیل و اسرافیل کے رب تو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے غیب و شہادت کا عالم بندوں کے اختلاف کا قیامت میں فیصلہ فرمائے گا۔ ہمیں ان کے اختلاف اپنے امر سے حق کی ہدایت دے صراط مستقیم کی جس کی تو ہدایت چاہتا ہے دیتا ہے"

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کا فیصلہ اور حکم عدل و انصاف پر ہوتا ہے اور وہ حکمت سے کبھی خالی نہیں ہوتا بخلاف غیروں کے فیصلوں کے کہ اس میں ضروری نہیں کہ عدل و انصاف یا مبنی بر حکمت ہو۔

حدیث: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بھی دنیا میں کوئی فیصلہ کیا تو وہ قیامت میں

جب حاضر ہوگا تو اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ زنجیر سے بندھے ہوئے ہوں گے۔ اگر عدل وانصاف کا فیصلہ کیا ہوگا تو ہاتھ گردن سے چھوٹ جائے گا ورنہ بدستور بندھے رہیں گے۔

حکایت: روضۃ الاخیار میں ہے کہ مروان کے زمانہ میں مروان بن محمد عمر بن ہبیرہ عراق وخراسان کا حاکم تھا اس نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتین بار قاضیٔ وقت کے عہدہ کی پیشکش کی لیکن امام صاحب نے انکار کر دیا اس نے قسم کھائی کہ وہ امام صاحب کو سخت سزا میں مبتلا کرے گا چنانچہ امام صاحب کو گرفتار کرا کر آپ کو اتنا مارا کہ آپ کا چہرہ اور سر مبارک سوج گیا۔ آپ نے فرمایا دنیا کے کوڑے سہنا آسان ہے لیکن آخرت کی سزا مجھ سے برداشت نہ ہوگی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

بوحنیفہ قضا نہ کرد و بمرد
تو بمیری اگر قضا نہ کنی

ترجمہ: ابوحنیفہ نے قضا قبول نہ کی اور وفات پا گئے تو بھی مرے گا اگر قضا قبول نہ کرے گا۔

تفسیر عالمانہ: ولو ان للذین ظلموا ما فی الارض جمیعًا۔ جمیعا ما سے حال ہے یعنی اگر ظالموں کو دنیا کے جملہ خزائن ذخائر اور اموال میسر آجائیں (ومثلہ) معہ اور اس کے مثل اس کے ساتھ اور ہوں۔ لا فتدوا بہ من سوء العذاب یوم القیمۃ۔ قیامت میں اسے فدیہ کے طور پر ادا کر کے بُرے عذاب سے بچنے کی تدبیر بنائیں تو بھی قبول نہ ہوگی۔ افتدی بہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی جان کی رہائی کے لیے مال خرچ کرے اس لیے کہ فداء کا اطلاق انسان کا مشکلات ومصائب سے حفاظت کے لیے مال خرچ کرنے پر ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کافر قیامت میں اگر اپنی جان کی رہائی کے لیے مال خرچ کریں تو قیامت میں مال نہ ہوگا اگر ہو بھی تو قبول نہ ہوگا۔ اس میں وعید شدید اور ان کو نجات سے ناامیدی کا اظہار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس جملہ میں اشارہ ہے کہ دفع عذاب کے لیے قیامت میں کافروں سے کوئی شے قبول نہ ہوگی لیکن آج اگر ایمان قبول کر کے ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیں یا ایک لقمہ صدقہ میں دیں یا ایک کلمہ توبہ واستغفار زبان سے نکالیں تو قبول ہوگا۔ قیامت میں اگر خون کے آنسو بہائیں اور لاکھ بار توبہ واستغفار کریں تب بھی نجات نہیں ہوگی۔ اگر آج کوئی مومن خوفِ خدا میں ایک آنسو بہائے تو اس کے ان گنت گناہ معاف ہو جائیں۔

مثنوی شریف میں ہے

آخـــر ہر گریہ آخـــر خندہ ایست
مرد آخـــر بیں مبارک بندہ ایست
اشک کان از بہر او بارند خــلق
گوہر است واشک پنـــدارند خــلق

ترجمہ: ہر گریہ کی انتہا خندہ ہے وہ انسان جو انجام کو دیکھتا ہے وہی برکت والا ہے۔
۳۔: وہ آنسو جو اللہ تعالیٰ کے لیے بہتے ہیں۔ وہ موتی ہیں جنہیں لوگ آنسو سمجھتے ہیں۔
سبق: حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کے آنسوؤں کو دیکھئے کہ دنیا میں ہی جوہر بنے پھر ان کا آخرت میں کیا کہنا۔

تفسیر عالمانہ: و بدا لھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون۔

حل لغات: بدا الشیٔ بدوًّا و بداءً بمعنی ظہر ظہوراً بینا۔ والاحتساب الاعتداد بالشیٔ من جہۃ دخولہ فیما یحسبہ۔
یعنی قیامت میں انھیں ایسے گوناگوں عذاب ہوگا جو ان کے وہم و گمان میں نہ ہوگا یعنی ان کا گمان اتنا تو تھا کہ عذاب ہوگا لیکن ان کے بُت ان کی سفارش کریں گے مگر بتوں کی سفارش تو کیا ہونی تھی البتہ جب سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اُس وقت اُنھیں پتہ چلے گا کہ ان کا گمان غلط تھا و بدا لھم سیات ماکسبوا۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان کے سامنے بُرے اعمال یا وہ صحیفے جن میں ان کے اعمال لکھے ہوں گے قیامت میں ان کے سامنے کیے جائیں گے۔ و حاق بھم ما کانوا بہ یستھزؤن اور نازل ہو کر انھیں محیط ہو جائے گا ان کے استہزاء کا وبال اور ان کے مکر و فریب کا عذاب۔ وہ اس لیے کہ کفار دنیا میں کتاب اللہ اور اہل اسلام اور بعث و عذاب سے ٹھٹھہ مخول کرتے تھے۔

فائدہ: یہ آیت و بدا لھم سیآت ماکسبوا الخ ایسی وعید ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول:

فلا تعلم نفس ما اخفیٰ من قرۃ اعین۔
ترجمہ: تو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا چھپا ہوا ہے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں اصحاب انتباہ کے لیے حسرت ہے۔

حدیث: مروی ہے کہ بعض فساق مسلمان جہنم کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ جب ان کے مالک (دوزخ کے داروغے) سے ملاقات ہو گی تو وہ فرمائیں گے کیا وجہ ہے تمھارے سے پہلے جو جہنمی آئے تھے ان کے چہرے سیاہ

اور آنکھیں نیلی تھیں اور تم ایسے نہیں یہ فساق جواب دیں گے ہمیں توخیال تک نہ تھا کہ ہم بھی جہنم میں جائیں گے ہم تو اور گمان میں تھے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا و بدا لھم من اللہ الخ

فائدہ: حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو نیک اعمال کے بعد ثواب کی اُمید رکھتے تھے لیکن مرنے کے بعد انھیں وہ اعمال فائدہ نہ دیں گے اس لیے کہ وہ نیک اعمال کے ساتھ شرک بھی کرتے تھے۔ اُس وقت انھیں اعمال کی جزا کے بجائے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

حدیث: کشف الاسرار میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر مروی ہے کہ اس سے ان کے وہ اعمال مراد ہیں جنہیں وہ لوگ نیکیاں سمجھتے تھے حالانکہ وہ نیکیاں نہیں بلکہ برائیاں ہوں گی۔

فائدہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ آیت کے ظاہر پر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اہل ریا و شہرت مراد ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ مخلصین کے سامنے شرمساری اُٹھائیں گے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی آیت پڑھی اور تین بار فرمایا کہ اہل ریاء کے لیے خرابی اور ہلاکت ہے۔ ؎

پنداشت مرائی کہ عمل ہائے نکوست
مغزیکہ بود خلاصہ کا از دوست
چوں پردہ ز روئے کار برداشتہ گشت
بر خلق عیاں شد کہ نبود الا پوست

ترجمہ: ریاکار نے سمجھا کہ یہ نیکی ہے یہ مغز ہے اور خلاصہ ہے اور دوست کے لائق ہے۔

۲: جب پردہ منہ سے اُٹھے گا پھر مخلوق کو معلوم ہوگا کہ یہ تو پوست تھا۔

حکایت: حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ نزع روح کے وقت رو رہے تھے۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ ممکن ہے کہ میرے اعمال نامہ میں وہ عمل نکل آئے جسے میں نے حساب میں نہ رکھا ہو۔ پھر میرے سے باز پرس ہو تو میں اس کا کیا جواب دوں گا۔

ملفوظ سہل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں صرف اپنے اعمال پر سہارا ہوگا لیکن جب قیامت میں حاضر ہوں گے تو ان کے وہ اعمال بیکار ردی کی ٹوکری میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اس پر انہیں سخت پریشانی ہوگی۔ مبارکباد ہو اُس شخص کو جو اعمال صالحہ کے باوجود صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اُمید رکھتا ہے ورنہ جسے صرف اپنے اعمال صالحہ پر اعتماد ہو کا وہ تباہ و برباد ہوگا۔

فائدہ: عرائس البقلی میں ہے کہ یہ آیت اللہ نے اِن بیتدیوں کی خبر دی ہے جنہیں اپنے اعمال صالحہ سے دھوکہ ہوا اور وہ اس خیال میں تھے کہ ہم نے معرفت و حقیقت کا انتہائی مقام طے کر لیا۔ اس کے بعد کوئی مقام معرفت نہ ہو گا لیکن جب اُن کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوبوں اور عارفوں اور عاشقوں کے درجات پر پڑے گی تو دنگ اور حیران ہوں گے اور کہیں گے کہ ایسے درجات معرفت و حقائق توحید و لطائف مکاشفات و عرائب مشاہدات انھیں کیسے ملے پھر وہ اس حسرت سے مر جائیں گے۔

سبق: یہ ملفوظات پڑھیے ان سے بڑھ کر اور گفتگو تمھیں نصیب نہ ہو گی بلکہ جد و جہد کر کے ان ملفوظات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالیے اور مخلصانہ عبادت کر کے وہ اُجر و ثواب حاصل کیجئے جو تمھارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو بلکہ ایسا اخلاص اور کلی فنا سے باریابی ہو جس کا عوض اور بدلہ خود ذاتِ حق نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ: فاذا مس الانسان ضر دعانا۔ جب کسی انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے۔ یہاں پر انسان کی جنس مراد ہے اس لیے اکثر انسانوں کی یہی عادت ہے جو آیت میں مذکور ہے اور مابعد کو ماقبل پر مرتب کرنے کے لیے ہے یعنی مشرکین جو کہ ذکر الٰہی سے ان کے دل گھبراتے اور بتوں کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں۔ انہیں جب کوئی بھی تکلیف مثلاً بیماری وغیرہ پہنچتی ہے تو اس دکھ درد کو دفع کرنے کے لیے اسی ذات کو پکارتے ہیں جس کے ذکر سے ان کے دل گھبراتے تھے یہ ان کی ٹیڑھی چال اور معاملہ کو برعکس کرنے کی دلیل ہے اس لیے کہ کفر کو اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے کا وسیلہ بنا رہے ہیں اور ایمان کے بجائے کفر کو اپناتے ہیں کیونکہ ایسے مقام پر کفر کے بجائے ایمان کو وسیلہ بنانا چاہیئے تھا۔

ثم اذا خولناہ نعمۃ منا۔ پھر جب ہم اسے دنیا و دولت سے نوازتے ہیں۔ تخویل مخصوص ہے اس سے جو کسی لحاظ سے خصوصیت و فضیلت رکھتا ہو اور اس کا اس پر اطلاق ہو گا جسے کسی کام کی جزا دعطا ہوئی ہو۔ قال انما اوتیتہ علی علم۔ تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے میرے علم و ہنر کی وجہ سے ملا ہے یا چونکہ میں علم و ہنر والا اور اس کا مجھے حق حاصل تھا سو مجھے ملا۔

فائدہ: اگر ما کو موصولہ مانا جائے تو ہٗ ضمیر اسی کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اب عبارت یوں ہو گی ان الذی اوتیتہ۔ اگر ما کافہ ہو تو ضمیر نعمت کی طرف راجع ہو گی۔

سوال: اس معنیٰ پر ہٗ ضمیر مذکر اور نعمت مونث کو آپس میں مطابقت کیسے ہو گی۔

جواب: نعمت سے شی من النعمۃ مراد ہے یعنی نعمت کی کوئی جنس اور ایسی تاویلیں عرب میں عام ہیں۔

فائدہ: عرائس البقلی میں ہے کہ یہ آیت اللہ نے ان بیتدیوں کی خبر دی ہے جنہیں اپنے اعمال صالحہ سے دھوکہ ہُوا اور وہ اس خیال میں تھے کہ ہم نے معرفت وحقیقت کا انتہائی مقام طے کر لیا۔ اس کے بعد کوئی مقام معرفت نہ ہوگا لیکن جب اُن کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوبوں اور عارفوں اور عاشقوں کے درجات پر پڑے گی تو دنگ اور حیران ہوں گے اور کہیں گے کہ ایسے درجات معرفت وحقائق توحید ولطائف مکاشفات وغرائب مشاہدات انھیں کیسے ملے پھر وہ اس حسرت سے مر جائیں گے۔

سبق: یہ ملفوظات پڑھیے ان سے بڑھ کر اور گفتگو تمھیں نصیب نہ ہو گی بلکہ جد وجہد کر کے ان ملفوظات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالیے اور مخلصانہ عبادت کر کے وہ اُجر و ثواب حاصل کیجئے جو تمھارے وہم وگمان میں بھی نہ ہو بلکہ ایسا اخلاص اور کلی فنا سے باریابی ہو جس کا عوض اور بدلہ خود ذاتِ حق نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ: فاذا مس الانسان ضر دعانا۔ جب کسی انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے۔ یہاں پر انسان کی جنس مراد ہے اس لیے اکثر انسانوں کی یہی عادت ہے جو آیت میں مذکور ہے اور مابعد کو ماقبل پر مرتب کرنے کے لیے ہے یعنی مشرکین جو کہ ذکر الٰہی سے ان کے دل گھبراتے اور بتوں کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں۔ انہیں جب کوئی بھی تکلیف مثلاً بیماری وغیرہ پہنچتی ہے تو اس دکھ درد کو دفع کرنے کے لیے اسی ذات کو پکارتے ہیں جس کے ذکر سے ان کے دل گھبراتے تھے یہ ان کی ٹیڑھی چال اور معاملہ کو برعکس کرنے کی دلیل ہے اس لیے کہ کفر کو اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے کا وسیلہ بنا رہے ہیں اور ایمان کے بجائے کفر کو اپناتے ہیں کیونکہ ایسے مقام پر کفر کے بجائے ایمان کو وسیلہ بنانا چاہیئے تھا۔

ثم اذا خولناہ نعمۃ منا۔ پھر جب ہم اسے دنیا و دولت سے نوازتے ہیں۔ تخویل مخصوص ہے اس سے جو کسی لحاظ سے خصوصیت وفضیلت رکھتا ہو اور اس کا اس پر اطلاق ہوگا جسے کسی کام کی جزاء عطا ہوئی ہو۔ قال انما اوتیتہ علی علم تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے میرے علم وہنر کی وجہ سے ملا ہے یا چونکہ میں علم وہنر والا اور اس کا مجھے حق حاصل تھا سو مجھے ملا۔

فائدہ: اگر ما کو موصولہ مانا جائے تو ہٗ ضمیر اسی کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی ان الذی اوتیتہ۔ اگر ما کافہ ہو تو ضمیر نعمت کی طرف راجع ہوگی۔

سوال: اس معنیٰ پر ہٗ ضمیر مذکر اور نعمت مونث کو آپس میں مطابقت کیسے ہوگی۔

جواب: نعمت سے شی من النعمۃ مراد ہے یعنی نعمت کی کوئی جنس اور ایسی تاویلیں عرب میں عام ہیں۔

ربط : کافر کے مذکور قول کے ردّ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **بل ھی فتنة** جس طرح وہ کہہ رہا ہے وہ غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نعمت انسان کے لیے ایک امتحان اور آزمائش ہے کہ کیا حصول نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے یا ناشکری۔ **فتنت الذھب** سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب سونے کو آگ میں اس ارادے سے ڈالا جائے تاکہ ظاہر ہو کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔

فائدہ: ھی کی ضمیر خبر فتنة مونث کی وجہ سے ہے **ولکن اکثرھم** لیکن اکثر لوگ **لا یعلمون** نہیں جانتے کہ یہ دنیا و دولت اس کے لیے آزمائش اور استدراج ہے یا کیونکر **قد قالھا**۔ بیشک یہی کلمہ یعنی **انما اوتیته علی علم** کہا تھا۔ **الذین من قبلھم**۔ وہ لوگ جو ان سے پہلے گزرے ہیں جیسے قارون اور اس کی برادری مثلاً اُس نے کہا تھا **انما اوتیته علی علم عندی**۔

سوال: یہ مقولہ صرف قارون کا تھا تم نے اس کی برادری ہیں اس میں کیسے ملا دیا۔

جواب: چونکہ اس کی برادری اس کے اس مقولے سے راضی اور خوش تھے اور قاعدہ ہے جو کسی دوسرے کے کسی امر سے راضی اور خوش ہو تو وہ بھی اسی کے حکم میں ہوتا ہے۔ (اسی لیے فقہاء کرام نے کہا۔ "رضی الکفر کفر)۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ " **انما اوتیته علی علم** " کی تخصیص صرف قارون کے ساتھ نہیں ممکن ہے اس سے پہلے بہت سے لوگوں نے کہا ہو یعنی ان لوگوں نے جنہیں دنیا و دولت نے دھوکہ اور فریب دیا ہو۔ **فما اغنی عنھم کانوا یکسبون** تو انھیں ان کی کمائی نے نہ بچایا یعنی نہ انھیں دنیا و دولت کام آئی اور نہ ہی دیگر ساز و سامان یعنی عذاب الٰہی سے انہیں نہ دولت نے بچایا اور نہ ہی کسی اور ساز و سامان **اغنی عنه**۔ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی کو کفایت کرے۔ (کذا فی المفردات)

فاصابھم تو انہیں پہنچیں **سیات ما کسبوا** ان کے بُرے اعمال کی سزائیں۔

فائدہ ان کی سزاؤں کو سیات کے نام سے موسوم اس لیے کیا گیا ہے تاکہ سیآت کا مقابلہ سیآت سے ہو

کما قال تعالیٰ **جزاء سیئة سیئة مثلھا**۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے جملہ اعمال از قبیل سیآت تھے۔ خلاصہ یہ کہ ان کا خیال تھا کہ انھیں دنیا و دولت ملی ہے تو علم و ہنر کی وجہ سے گو یا وہ دنیا و دولت کی وفرت کو اپنی بزرگی اور کرامت تصور کرتے تھے۔ حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط تھا اس لیے کہ اگر یہ دولت ان کے لیے منجانب اللہ کرامت و بزرگی کی وجہ سے تھی تو پھر وہ عذاب میں مبتلا نہ ہوتے حالانکہ جب انہیں عذاب نے گھیرا تو پھر انہیں نہ دولت نے بچایا اور نہ کسی اور شے نے۔ ان کافروں کا غلط تصوّر ان یہودیوں جیسا تھا جو کہا کرتے تھے **نحن ابناء اللہ و احباءہ** ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے

حبیب علیہ السلام سے فرمایا کہ ان یہودیوں کو فرمایئے کہ فلم یعذ بکم بذنو بکم یعنی جسے اللہ تعالیٰ عزت و کرامت بخشتا ہے پھر اسے عذاب میں مبتلا نہیں فرماتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب خائن اور ذلیل و خوار انسان کو پہنچتا ہے جیسے ان لوگوں کو پہنچا۔

ربط: کفار مکہ کو وعید سناتے ہوئے فرمایا والذین ظلموا من ھٰؤلاء اور وہ لوگ جو ظالم ان اہل مکہ سے ہیں یعنی اے محبوب! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے معاصرین مشرکین نے حد سے تجاوز کیا سیصیبھم سیآت ما کسبوا ان کے کردار یعنی کفر و معاصی کی وجہ سے ان پر وہی مصائب آئیں گے جو ان سے پہلے گزشتہ کفار پر آئے من بیانیہ یا تبعیضیہ ہے اور سین تاکیدیہ ہے چنانچہ انہیں مصائب نے گھیر لیا تھا جیسے گزشتہ کفار مصائب میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ سات سال قحط میں مبتلا رہے اور ان کے بڑے لیڈر مختلف غزوات میں مارے گئے۔ وماھم بمعجزین اور اپنے اعمال و اخلاق کی وجہ سے اپنی جان چھڑانے میں اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ عذاب پہنچانے اور ان کی گرفت کرنے میں وہ ہمیں عاجز کرنے والے نہیں انھیں عذاب ضرور گھیرے گا وہ اس سے کہیں نہیں بھاگ سکتے۔ اولم یعلموا کیا انہوں نے کہا اور انھیں معلوم نہیں یا کیا وہ غافل ہیں اور انھیں علم نہیں۔

ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق بڑھاتا ہے۔ بسط الشئ بمعنی توسیعہ و نشرہ ہے۔ یعنی کسی کا رزق بڑھنا اس کی رفعت قدر سے نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ و یقدر اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اس کی تنگی رزق میں کسی شے کو دخل نہیں ہوتا کہ وہ دخل دے کر کسی کا رزق بڑھا دے اور کسی کا گھٹا دے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ جس کے لیے رزق تنگ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کی اپنی مشیت ہوتی ہے نہ کسی کو اس سے خوار کرنا مطلوب ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اور وجہ بلکہ اس کی اپنی حکمت کا تقاضا یونہی ہوتا ہے۔

قحط عرب کا نمونہ: مروی ہے کہ کفار مکہ پر قحط پڑا تو انہوں نے مردار اور چمڑے اور ہڈیاں اور گوبر کھائی۔

فائدہ: العلھز بمعنی گوبر اور خون ملا کر گرم آگ پر پکانا۔ اُس وقت بھوک کی یہ کیفیت تھی کہ آسمان پر انہیں صرف دھواں نظر آتا تھا۔ اس کے باوجود کفر و عناد سے باز نہ آئے۔ ان فی ذلک بیشک اس میں جو بسط و قبض مذکور ہوئے۔ لآیات۔ البتہ ایسی نشانیاں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ تمام حوادث منجانب اللہ ہیں لقوم یومنون اہل ایمان کے لیے اس لیے نہ ہی ان سے ان کے مدلولات پر استدلال کرتے ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ : آیات سے مندرجہ فوائد حاصل ہوئے :۔

(۱) عام انسان کی عادت ہے کہ شدت وضرر اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں عجز و نیاز اور تضرع وزاری کرتا ہے لیکن اضطرار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا کیا فائدہ جبکہ اس کے بعد پھر وہی کفر و شرک کیونکہ حق تو یہ تھا کہ جب اسے اللہ تعالیٰ نے شدت وضرر اور دکھ اور درد سے نجات بخشی تو اس کا شکر کرتا لیکن اس کے برعکس اس نے کفرانِ نعمت کر کے کہتا پھرے کہ یہ دولت و نعمت میرے علم و ہنر کا نتیجہ ہے ہاں وہ یادِ الٰہی اور شکر خداوندی مفید ہے اور رجوع الیٰ کام کا ہے جبکہ نعمت اور دولت اور جاہ و مرتبت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خدا تعالیٰ کو عیش و عشرت میں یاد کرو وہ تمھیں دکھ اور مصیبت کے وقت یاد کرے گا ۔

(۲) بعض زبانی لسانی دعویٰ کرنے والے کہتے ہیں ہم اہل اللہ ہیں جب انھیں مصائب و تکالیف گھیر لیتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انھیں آرام ملے اور دکھ درد سے نجات پائیں حالانکہ انھیں اس وقت یہ دیکھنا تھا کہ اس مصیبت اور تکلیف میں مبتلا کرنے والا کون ہے ۔ اہلِ معرفت ایسے لوگوں کو مشرک کہتے ہیں ۔ پھر جب ایسے لوگوں کو نعمت اور دولت حاصل ہوتی ہے تو وہ ذاتِ حق سے محجوب ہو جاتے ہیں گویا یہ لوگ ہر دو نوں طرف سے محجوب ہوتے ہیں یعنی مصائب کے وقت مبتلا کرنے والے سے اور نعمت کے وقت نعمت عطا کرنے والے سے ۔

ملفوظ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ : سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو مصیبت کو دکھ سمجھتا ہے وہ عارف نہیں اس لیے کہ عارف وہ ہے جو دکھ اور درد کو بھی رحمت سمجھے کیونکہ درحقیقت دکھ اور درد انسان کے قلب کے زنگ کو اُتارتے ہیں اور نعمت سے یہ توجہ الی اللہ نصیب ہوتی ہے جو اپنے لیے نعمت کا حصول اس خیال سے سمجھتا ہے کہ وہ اس کا مستحق تھا تو وہ درحقیقت نعمت کا منکر ہے ۔

(۳) اکثر لوگ فتنۂ نعمت کو نہیں جانتے اس کا انجام بہت بُرا ہے کیونکہ دولت اکثر و بیشتر قسوۃ قلبی کا سبب بنتی ہے بلکہ اکثر پر دنیا کے نشہ سے غفلت چھا جاتی ہے اور آخرت اور اپنے مالک و مولیٰ کو بھلا بیٹھتے ہیں ۔

(۴) دنیا و دولت کی سعادت و شقاوت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اس میں بندے کی مشیت و ارادہ کو کوئی دخل نہیں ۔

سبق : انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے عزوم و ارادہ کو یکسر بھلا دے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور امر کے حکم و تنفاذ کے سامنے سر جھکا دے ۔

کسی شاعر نے کہا ہے

کلید قدر نیست در دست کس
توانائے مطلق خدا ایست

ہر چہ باید بہر کہ می شاید
تو دہی آں چنانکہ می باید
دشناسی صلاح کارِ ہمہ
کہ توئے آفرید کارِ ہمہ

ترجمہ: قضاء و قدر کسی کے ہاتھ میں نہیں قادر مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
۲ : جو چاہیئے جس کے لیے تو ہی دیتا ہے جو جس کے لائق ہے۔
۳ : تو ہر ایک کی ہی بہتری جانتا ہے تو نے ہی سب کام پیدا کیئے۔

(۵) دانا کا تنگ دست اور بیوقوف کا دولت مند ہونا اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے اور اُس کی تقدیر کی دلیل ہے۔

یہ آیت اس خیال کی تردید کرتی ہے کہ دولت انا کی ہے اور فقر و فاقہ کم عقلی سے ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں احمق کو رزق کی فراوانی اور دانا کو تنگی کیوں دیتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ یا اللہ تو ہی خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تا کہ سمجھدار کو یقین ہو کہ رزق حیلہ اور مکر و فریب سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ یہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے۔

سبق: جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں اس سے ابن السراوندی کے مندرجہ ذیل اشعار کا رد ہو گیا ہے

کم عاقل عاقل اعیت مذاہبہ
و جاہل جاہل تلقاہ مرزوقا
ھذا الذی ترک الاوھام حائرۃ
و صیر العالم النحریر زندیقا

ترجمہ: بہت سے عاقل ہیں جنہیں کاروبار نے تنگ کر دیا اور بہت سے جاہلوں کو بڑے مالدار پاؤ گے۔

۲ : یہ وہ ہے جس میں اوہام حیران ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی سے بہت بڑے علما بنکر ہیں آ کر زندیق

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنِيْبُوْٓا
اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○
وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ
جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ
لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً
فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ
وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ
وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ط اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ○ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

ترجمہ:: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ اور اس کے حضور گردن رکھو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمھاری مدد نہ ہو اور اس کی پیروی کرو جو اچھی سے اچھی تمھارے رب سے تمھاری طرف اُتاری گئی قبل اس کے کہ عذاب تم پر اچانک آجائے اور تمھیں خبر نہ ہو کہ کہیں کوئی جان یہ نہ کہے کہ ہائے افسوس ان تقصیروں پر جو میں نے اللہ کے بارے میں کیں اور بیشک میں ہنسی بنایا کرتا تھا یا کہے اگر اللہ مجھے راہ دکھاتا تو میں ڈر والوں میں ہوتا یا کہے جب عذاب دیکھے کسی طرح مجھے واپسی ہو کہ میں نیکیاں کروں۔ ہاں کیوں نہیں بیشک تیرے پاس میری آیتیں آئیں تو تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافر تھا اور قیامت کے دن تم دیکھو گے اُنہیں جنھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے منہ کالے ہیں کیا مغرور کا ٹھکانا جہنم میں نہیں اور اللہ بچائے گا پرہیزگاروں کو ان کی نجات کی جگہ نہ انھیں عذاب چھوئے اور نہ انھیں غم ہو۔ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے اسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اور

جنھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی نقصان میں ہیں۔

بقیہ صہ ۴۶

(بے دین) بن بیٹھے۔
یعنی بہت سے علماء اس عقیدہ سے کافر ہو جاتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ موجود ہوتا تو یوں ہوتا یوں نہ ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ۔
کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

کم من ادیب فہم عقلہ
مکمل العقل مقل عدیم
و من جھول تکثر مالہ
ذالک تقدیر العزیز العلیم

ترجمہ: بہت سے کم ادیبوں کے عقل نے سمجھا اگرچہ وہ کامل العقل ہیں لیکن سامان و اسباب نہیں رکھتے۔
۲: بہت سے جاہل ہیں جن کے مال و اسباب بہت زیادہ ہیں یہ اللہ تعالیٰ عزیز و علیم کی تقدیر ہے۔
یعنی جس کی تقدیر پر نگاہ ہے تو اسے یقین ہے کہ جملہ عالم کے جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق چل رہے ہیں جیسے اُس کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے ایسے ہی ہوتا ہے۔
سبق: اس میں صانع حکیم کے وجود کا اثبات ہوتا ہے اس سے اس کے وجود کی نفی نہیں ہوتی۔

تفسیر عالمانہ: قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم۔

حل لغات: امام راغب نے لکھا ہے کہ جس کام میں انسان تجاوز عن الحد کرے اسے اسراف کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا عام استعمال انفاق پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر یہی آیت بیان فرمائی اس معنیٰ پر اسراف اموال وغیرہ کو شامل ہوگا اور اسراف کو لفظ علیٰ سے اس لیے متعدی کیا گیا ہے کہ یہ جنایت کے معنیٰ کو متضمن ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں کو فرمایئے جنھوں نے تجاوز عن الحد کر کے جنایت کا ارتکاب کیا یعنی معاصی و کبائر و فواحش کے مرتکب ہوئے۔
قاعدہ: قاضی بیضاوی اور دیگر وہ مفسرین جنھوں نے موصوف کا اتباع کیا فرماتے ہیں۔ جہاں عباد کی اضافت الی اللہ ہو وہاں مومن بندے مراد ہوں گے۔

صاحب رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا یہ قاعدہ آیت فاذا جاء وعد اولٰھما
تحقیق از صاحب رُوح البیان: بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید سے ٹوٹ گیا اس لیے کہ یہاں پر عبادا لنا سے بخت نصر اور اس کی قوم مراد ہے اور وہ بالاتفاق کافر تھے۔ ہاں یوں کہا جائے کہ اگر عباد بالواسطہ مضاف ہو تو وہ عام ہے کافر ہوں یا مومن اگر بلا واسطہ ہو تو مومن مراد ہوں گے۔

شانِ نزول: یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہیں خوف تھا کہ اگر وہ مسلمان بھی ہو جائیں تو کبھی نامعلوم ان کے بڑے گناہ جیسے شرک اور قتل ناحق اور زنا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سابقہ عداوت اور ان کے ساتھ جنگ وجدال بھی بخشے جائیں گے یا نہ۔ ان کے اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول: التکملہ میں ہے کہ حضرت وحشی جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو انہوں نے حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ کیا ان کی توبہ قبول ہوگی یا نہ۔ اس لیے کہ مکہ معظمہ میں دو ایسی آیتیں نازل ہو چکی ہیں جنہیں سن کر میں سخت مایوس ہوں وہ دو آیتیں یہ ہیں لا یدعون مع اللہ الٰھًا آخر الی قولہ مھانا۔ حضرت وحشی کے اس سوال پر آیۃ من تاب الخ نازل ہوئی اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت وحشی کو یہی آیت لکھ کر بھیج دی اس پر وحشی نے پھر لکھا کہ مجھے اسلام لانے کے بعد عمل صالح کا موقعہ کبھی نہ ملے اور موت ہو جانے تو پھر کیا ہوگا۔ اس پر آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء الخ یہ سن کر حضرت وحشی نے سوال اُٹھایا میں اسلام بھی قبول کر لوں تو بھی نامعلوم کہ میری بخشش مشیت ایزدی میں ہے یا نہ اس پر یہی آیت قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم الخ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت وحشی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا (اللہ تعالیٰ نے حضرت وحشی کی بخشش کے لیے مزید وسیلہ پیدا کر دیا کہ اس کے ہاتھوں مسیلمہ کذاب جھوٹے نبی کو قتل کرایا) اضافہ مصحح چوہدری مشتاق۔

فائدہ: بہر تقدیر آیت کا خصوص حکم کے عموم پر منافی نہیں فلہذا آیت ہر مسرف کو شامل ہے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔

حل لغات: القنوط بمعنی سخت مایوس۔ المفردات میں ہے بمعنی خیر و بھلائی سے ناامیدی اللہ تعالیٰ پر رحمت کا اطلاق لغۃً ناجائز ہے لیکن مجازاً بمعنی انعام و اعطاء و تفضل جائز ہے بمعنی بخشائش اور یہ ترتیب وجودی میں مغفرت کے بعد متحقق ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو عذاب سے بچانے کا نام رحمت ہے جیسا کہ انہ ھو الغفور الرحیم دلالت کرتی ہے اس لیے مفسرین نے اس کا معنیٰ لکھا ہے کہ اے اللہ کے بندو اولاً اس کی مغفرت سے پھر اس کے تفضل و احسان سے ناامید نہ ہو۔

ع نومید مشو کہ نا اُمیدی کفر است
نا اُمید نہ ہو اس لیے کہ نا اُمیدی کفر ہے

حکایت: معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مسجد میں تشریف لے گئے ایک واعظ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے اور اس کے ہولناک قید و بند سے ڈرا رہے تھے۔ آپ نے اسے فرمایا اے بندۂ خدا خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ کیجئے کیا تو نے نہیں پڑھا قل یعبادی الذین الخ

تفسیر صوفیانہ: رحمت الٰہی سے نا اُمیدی علامت ہے اس بات کی کہ اس بندے سے استعداد زائل ہو چکی ہے اور انقطاع درمیان عبد و مولیٰ کی وجہ سے یہ بندہ خدا فطرۃ سے گر چکا ہے اس لیے کہ اگر اس کے اندر نور اصلی ہوتا تو اس پر رحمتِ الٰہی کے اثرات ہوتے جو کہ اس کے غضب پر غالب ہے اور جو شخص رحمتِ الٰہی سے پُر اُمید ہے سمجھ لو کہ اس کے اندر فطرت کے اثرات ہیں اور اس کی برکت سے اسے عالم نور سے اتصال ہے اگرچہ اس سے بظاہر حقوق الٰہیہ میں کوتاہی بھی ہوگئی ہو۔ اور رحمت الٰہی سے نا اُمیدی بتاتی ہے کہ اس بندے کے دل پر حجاب آ گیا ہے بلکہ حقیقت میں اس کا منہ سیاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخشتا ہے بشرطیکہ اس کے قلب میں نور توحید ہو۔ جب اس کے دل میں نور توحید نہ ہوگا تو ان اللہ لا یغفر ان یشرك بہ میں داخل نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ نا اُمیدی ایک عظیم مصیبت ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ بندے کو سکرات سے پہلے توبہ کرنے کا موقعہ بخشتا ہے یہاں تک کہ بندہ اگر نزع رُوح سے تھوڑا سا پہلے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ ان اللہ یغفر الذنوب۔ بے شک اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشتا ہے۔ درانحالیکہ جمیعًا سب کے سب۔ یہ سوال کا جواب ہے۔

سوال: رحمتِ الٰہی سے نا اُمیدی سے کیوں منع کیا گیا ہے۔

جواب: یہی سبب ہے کہ یہی آیت ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جسے چاہے معاف کر دے گناہوں کی سزا کے بعد یا سزا کے بغیر جسے چاہے وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے۔ وہ گناہوں کی معافی کا وعدہ فرما چکا ہے اگرچہ کتنے ہی بہت زیادہ ہوں صغیرہ ہوں یا کبیرہ یہاں تک کہ ریت کے قطرات اور درختوں کے پتوں اور ستاروں وغیرہ کے برابر ہوں۔ یہ آیت منسوخ عنہ البعض ہے کیونکہ الذنوب کے عموم کفر و شرک بالاجماع داخل نہیں اگرچہ کفر و شرک بھی معاصی شامل ہے لیکن معصیت کی بخشش اور مشیت ایزدی سے متعلق ہے کیونکہ یہاں پر مطلق مقید پر محمول ہے۔

حدیث قدسی شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ گنا:

بخشتا ہے اور اسے پرواہ کیا ہے جبکہ اس کی صفت غفور رحیم ہے ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ تعالیٰ تو جب مجھے بخشنا چاہے تو میرے جملہ گناہ بخش دے اور تیرا وہ کون سا بندہ ہوگا جس سے کوئی گناہ نہ سرزد ہوتا ہو۔

عفو و مغفرت کا فرق

عفو یہ ہے کہ سرے سے گناہ مٹا دیئے جائیں جیسا کہ **ان الحسنات یذھبن السیاٰت** میں اشارہ ہے اور عفو مغفرت میں تبدیلی کا معنیٰ ہے جیسا کہ **فاولٰئك یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات** میں اشارہ ہے ۔ کذا فی قال الشیخ الاکبر رضی اللہ عنہ فی شرح الاربعین)

ربط: اب سابق حکم بتاتے ہیں کہ **انہ** وہ بیشک کریم **ھو** صرف وہی **الغفور الرحیم** غفور رحیم ہے ۔ غفور میں اشارہ ہے ۔ وہ ان امور کو مٹاتا ہے جو عذاب کے موجبات ہیں اور رحیم میں اشارہ ہے وہ اپنے فضل وکرم سے ثواب عطا فرماتا ہے ۔ صیغہ مبالغہ میں اشارہ ہے کہ گناہ کتنا ہی بہت زیادہ ہوں تو وہ بھی کثیر المغفرۃ ہے ۔

نکتہ: **یاعبادی** میں بندوں کی مدح فرمائی پھر **اسرفوا** میں ان کی مذمت فرمائی لیکن **یٰعبادی** کے خطاب سے بندوں کو اس کی رحمت کا طمع ہوگیا کہ آیت میں وہی مراد ہے تو پر امید ہو کر سر اٹھایا لیکن **اسرفوا** سے شرم کے مارے ان کے سر جھک گئے اور دل میں تصور جمایا ہم کون ہیں کہ وہ ہمیں **یعبادی** کا خطاب عنایت فرمائے ۔ اس بنا پر ان کا حال تبدیل ہوگیا ۔ اس کیفیت سے ان کی دل لرز گئے اور وہ پہلے والے تصورات کمزور پڑ گئے لیکن **علی انفسھم** الخ سے پھر پر امید ہوئے کہ پھر فرمایا **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ** یعنی اے میرے بندو! اگرچہ تمہارے سے کوتاہیاں ہوئیں تب بھی نا امید نہ ہو کیونکہ میری رحمت سے آس توڑنا گناہ ہے بلکہ دل کو میری رحمت سے پر امید رکھو ۔ **الذنوب** کی لام استغراق و عموم کے لیے ہے اور **جمیعاً** اس کی تاکید ہے گویا فرمایا کہ میں تمہارے گناہ بخشوں گا کوئی گناہ بھی نہ چھوڑوں گا بلکہ ان سب کو مٹا دوں گا ان میں کوئی ایک باقی بھی نہیں رہے گا اگرچہ تمہارے گناہ ان گنت ہوں لیکن میں بھی کثیر الرحمۃ ہوں اور یہ میری قدیمی صفت ہے ۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوق سے دو گروہ مکرم تر ہیں:

۱۔ ملائکہ ۲۔ انسان ۔ اسی لیے انبیاء و رسل علیہم السلام انہی سے مبعوث فرمائے ۔

نکتہ: انسان کی شرافت دو چیزوں میں ہے :

۱۔ محبوبیت ۲۔ محبت

عبودیت کی صفت ملائکہ کو بخشی اور یہ مخلوق کی صفت ہے اور محبت انسان کو عطا فرمائی اور یہ حق کی صفت ہے اسی اُمت کے لیے فرمایا یحبہم و یحبونہ بلکہ عبودیت میں بھی فضیلت انسان کو بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ بلا اضافت **عباد** فرمایا کما قال۔ **بل عباد مکرمون** اور انسان کی عبودیت کو اپنی طرف مضاف فرمایا کما قال **یعبادی**۔ اسی محبت کے تقاضا پہ ان پر بھی فضل و کرم بھی وسیع تر ہوا کہ ان کے عیوب و نقائص کو انوار محبت سے چھپاتا ہے ان کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائی۔ غور کا مقام ہے کہ غلطی کا صدور انسان سے نہ صرف ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے لیکن باوجود ایں ہمہ اس سے عبودیت کا مرتبہ نہیں چھینا چنانچہ اسی لیے فرمایا۔ **یعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم** بلکہ ان کی پردہ داری کی خود حفاظت فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ عین گناہ کے وقت بھی اس کا پردہ کھلنے نہیں دیتا بلکہ مجمل طریق سے اس کے گناہ کا ذکر کرکے پوشیدہ طور پر فرمایا: **اسرفوا**۔ اور ان سے گناہوں کا صدور بھی اسی لیے ہوا تاکہ اس کی شان مغفرت کا اظہار ہو۔ ان کے گناہوں کی پردہ دری کا اس نے ارادہ بھی نہیں فرمایا اسی لیے اسم عبودیت ان کے لیے مخصوص فرمایا۔ سبحان اللہ وہ اپنے بندوں کے لیے کیسا رؤف و رحیم ہے۔

مکالمہ موسیٰ با خدا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! بندوں سے گناہ کا صدور تیرے ارادہ سے ہے پھر ان سے ناراضگی کیسی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرے عفو کی تمہید ہے تاکہ بندوں کو دکھاؤں کہ میری رحمت کے خزانے بے بہا ہیں۔ اگر عاصی نہ ہوں تو وہ تمام بیکار رہ جاتے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ جرم و خطا کے بیماروں کی شربت راحت اسی دار الشفاء سے ہی حاصل ہوتا ہے اور بیابان نفس و ہوا کے سرگردانوں کو نجات کا زاد راہ اسی آیت سے نصیب ہوتا ہے۔ ؎

ندا ریم ہیچ گونہ توشہ راہ
بجز لا تقنطوا من رحمة اللہ

تو فرمودی کہ نومیدی میارید
ز من لطف و عنایت چشم دارید
بدیں معنی بس اُمید داریم
ببخشا زانکہ بس اُمیدداریم

ترجمہ: کسی قسم کا توشہ راہ ہمارے پاس نہیں سوائے لاتقنطوا من رحمة اللہ کے۔

۲: تو نے خود فرمایا ہے کہ نااُمید ہو کر نہ آؤ۔ مجھ سے لطف و عنایت کی اُمید رکھو۔
۳: اسی وجہ سے ہم بہت پُر اُمید ہیں۔ بخش دے اس لیے کہ ہم بڑے اُمیدوار ہیں۔

اُمید دردمنداں را دوا کُن
دل اُمید واراں را نہ روا کُن

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

بلے نبود درین رہ نا اُمیدی
سیاہی را بود او در سفیدی
ز صد دردی گر اُمیدت نیاید
بنو میدی جگر خوردن نشاید
در دیگر بباید زد کہ ناگاہ
ازاں در سوی مقصود آوری رہ

ترجمہ: دردمندوں کی اُمید کی دوا کر۔ اُمیدواروں کی دلی تمنا پوری کر۔

۲۔ ہاں! اس راہ میں نا اُمیدی نہیں سیاہی کو بالآخر سفیدی آتی ہے۔

۳ سو درد سے بھی تیری اُمید پوری نہ ہو۔ نا اُمیدی سے جگر کو نہ کھانا چاہیئے۔

۴ . دوبارہ دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے کہ اچانک اسی دروازہ سے مقصود راہ تک پہنچ جائے گا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس آیت کے عوض دنیا ومافیہا دی جائے تب بھی یہ آیت نہیں دوں گا۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ بہا کی بار بدلیت ومقابلہ کی ہے۔ اس لیے یہ آیت دنیا ومافیہا سے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں جملہ گناہوں کے بخشنے کا وعدہ فرمایا اور اس کی رحمت سے نا اُمیدی سے منع فرمایا ہے۔

ازالۂ وہم: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ علی الاطلاق تمام لوگوں کے جملہ گناہ بخش دے گا بلکہ اس کی مغفرت اس کی مشیت پر موقوف ہے اسی لیے یہ آیت توبہ کے حکم کے منافی نہیں اور نہ ہی بعض مجرموں کو سزا دینے کے خلاف ہے اور نہ ہی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل میں اخلاص نہ کیا جائے اور نہ ہی یہ اس کے مخالف ہے کہ عذاب پر وعید نہ ہو بلکہ یہ قاعدہ اپنے مقام پر حق ہے کہ شرک وکفر توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے ایسے ہی صغائر وکبائر کے لیے توبہ لازم ہے پھر وہ بھی اس کی مشیت پر موقوف ہے کہ اگر چاہے تو توبہ پر بھی گناہ نہ بخشے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کے مطلق کو مقید فرمایا کیونکہ ہر حکم اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔

مسئلہ: فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ کفر و شرک کے سوا باقی جملہ صغائر و کبائر کو توبہ کے بغیر وہ کریم بخش دے تو بھی مالک ہے۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے اس پر بکثرت آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں۔

حدیث: مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بعض گنہ گاروں کو فرمائے گا کہ دنیا میں میں نے تیرے گناہوں کی ستاری فرمائی آج تیرے گناہوں کو بخشتا ہوں اس طرح کی بے شمار روایات موجود ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ توبہ کے بغیر بھی گناہوں کی مغفرت ہو گی۔

فائدہ: کفر و شرک اور دیگر گناہوں میں فرق اس لیے رکھا گیا ہے کہ کافر و مشرک اپنے کفر و شرک کی مغفرت چاہتا ہی نہیں۔ کما قال انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من قریب۔ یاد رہے کہ توبہ کی قبولیت سکرات کے شروع سے پہلے ہوتی ہے۔ یہ آیت بھی ہمارے دعویٰ کے منافی نہیں اس لیے کہ ایسے لوگوں کی مغفرت حکمت الٰہی کے مخالف ہو گی۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو ایک سو اجزاء پر منقسم فرمایا۔ اپنے لیے ننانوے حصے۔ باقی ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا۔ اسی ایک حصہ سے جملہ مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے۔ اسی رحمت کا کرشمہ ہے کہ جانور بھی اپنے بچے کو پاؤں سے نہیں روندتا اور اسی رحمت سے وہ اپنے بچے کو جانتا ہے۔

فائدہ: آیت میں اہل اسلام کو کمال رجاء اور بشارت ہے کہ جب دنیا کی ایک رحمت کی یہ شان ہے کہ سب کو ظاہری اور باطنی رحمتیں نصیب ہو رہی ہیں۔ پھر آخرت میں ان ننانوے سے نامعلوم کیا انعام و اکرام عطا ہو گا۔

فائدہ: حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل ایمان کے لیے رحمت کے بہت بڑے خزانے موجود ہیں جن سے اُن کی عفو و مغفرت کی خوشخبری ملتی ہے۔ وہ خزانے یہ ہیں:۔

(۱) قل یعبادی الخ اسی لیے علماء نے فرمایا کہ اہل توحید کے لیے یہی آیت بہت رحمت حق سے بڑا اُمید افزا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی آیت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت بڑے خوش ہوئے اور صحابہ کرام بھی مغفرت ذنوب کے لیے اسی آیت کو سبع سمجھتے تھے۔

(۲) ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء۔

(۳) ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان:- ہر نبی و رسل علیہما السلام بعض احکام رحمت کے مظہر تھے اسی لیے ان کی رسالت مقید اور ایک مخصوص گروہ تک محدود تھی لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کی حقیقت کے مظہر تھے اسی لیے آپ کی بعثت بھی عام تھی آپ کی شان میں فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین اور رحمانیت کے حکم کا مکمل طور پر ظہور شفاعت سے ہوگا۔ اُس وقت تمام لوگوں کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بزرگی معلوم ہو گی یہاں تک کہ ملائکہ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اور مومن کامل یعنی اولیاء کرام آپ کی شفاعت کے بعد شفاعت کے لیے ماذون ہوں گے۔

اے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کی رحمت مطلقہ سے ناامید نہ ہو کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعًا۔ اور یہ بخشش اس ذات کی شفاعت سے ہو گی جو اس کی حقیقی رحمت کے مظہر ہیں (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم)

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم
اگرچہ غرق دریائے گناہم
فتادہ خشک لب بر خاک راہم
تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی در حال لب خشکاں نگاہے

ترجمہ: ہجر و فراق سے عالم کی جان جاتی ہے اور اے اللہ کے نبی رحم فرمائیے (صلی اللہ علیہ وسلم)
۲: اگرچہ میں گناہوں کے دریا میں غرق ہو کر خشک لب ہو کر تیری راہ کی خاک پر پڑا ہوں۔
۳: آپ تو ابر رحمت ہیں بہتر ہے کہ کبھی خشک لبوں پر ایک نگاہ فرمادیں۔

تفسیر عالمانہ: وانیبوا الیٰ ربکم۔ اے میرے بندو گناہوں سے توبہ کر کے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو۔ واسلموا لہ اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرو یعنی اسی کے لیے خالص عمل کرو۔ سالم بمعنی خالص آتا ہے من قبلکم ان یاتیکم العذاب دنیا و آخرت میں عذاب کے آنے سے پہلے ثم لا تنصرون۔ پھر تم مدد نہیں کیے جاؤ گے یعنی عذاب الٰہی سے نہیں روکے جاؤ گے۔ اگر توبہ نہیں کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے اُس وقت تمہاری مدد کو کوئی نہیں آئے گا جو تمہارے عذاب کو دفع کرے۔ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب کفار کو ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اے کافرو کفر و معاصی سے توبہ کر کے توحید و ایمان میں مخلص ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ: سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کل کائنات سے کلی طور پر منقطع ہو جاؤ جو ہمارے ہاں حقیقی طور پر رجوع کرتا ہے اس پر غیر کا اثر نہیں ہوتا اور کل کائنات میں اس کے راز کا غلغلہ ہوتا ہے۔ اسی لیے دنیا ر کے نزدیک صوفی وہ ہے جو ماسوی اللہ سے فارغ ہو جائے۔

الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ توبہ و انابت میں فرق ہے وہ یہ کہ تائب عذاب کے خوف سے رجوع الی اللہ کرے۔ اور منیب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے حیا اور اس کے شوق میں اس کی طرف رجوع کرے۔

فائدہ: حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بندہ توبہ میں اخلاص کرنے کے بعد منیب بنتا ہے اس لیے کہ انابت توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ توبہ بتدیوں کے لیے ہوتی ہے توبہ کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ معصیت سے طاعت کی طرف رجوع کرے اور متوسط کے لیے ادبہ ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ دنیا سے آخرت کی طرف رجوع کرے اور انابت منتہی کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ وہ یہ کہ بندے کا ماسوی اللہ سے فنا فی اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ انابت کی تین اقسام ہیں:-

(۱) انابت پیغمبران اس کی تین علامتیں ہیں

۱۔ بشارت آزادی کے ساتھ خوف خداوندی۔

۲۔ شرف پیغمبری کے باوجود خلق خدا کی خدمت کرنا۔

۳۔ بطیب خاطر بلایا مصائب جھیلنا اور یہ صرف انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔

(۲) انابت عارفاں اس کی بھی تین نشانیاں ہیں:

۱۔ گناہوں سے دوری۔

۲۔ طاعت الٰہی بجالانے کے باوجود شرمسار رہنا۔

۳۔ خلوت میں حق تعالیٰ سے مانوس ہونا۔

حکایت: حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقام اُنس کے اس مرتبہ کو پہنچی کہ ہر وقت کہا کرتی،

حسبی من الدنیا الخ

مجھے دنیا میں تیرا ذکر اور آخرت میں تیرا دیدار کافی ہے۔

اگر در قصر مشتاقاں ترا یک روز بارستی ؎

ترا بارندن عشق ایں جادو چہ کارستی

ترجمہ: اگر مشتاقوں کے جھونپڑوں میں کبھی قدم رنجہ فرماؤ۔ تو نے رندان عشق سے ایسے جادو کا کام کیوں کیا ہے۔

اگر رنگے ز گلزار حدیث او بدیدی تو
بچشم تو ہمہ گلہا کہ در باغت خارستی

ترجمہ: اگر تو عشق کے باغ کی ایک بات دیکھ لے تو تیری آنکھ کے آگے باغ کے تمام پھول کانٹے نظر آئیں۔

(۳) انابت توحید وہ یہ ہے کہ دشمنوں اور بیگانوں کو راہِ حق دکھانا اسی لیے فرمایا وانیبوا الی ربکم واسلموا لہ۔ اس انابت کی نشانی یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرکے اور دل کی تصدیق سے اللہ تعالیٰ کو ملنے اور اسے ذات میں بے شبیہ اور قدر میں بے نظیر اور صفات میں بے مثال سمجھے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا کہ توحید کے دو دروازے ہیں:

۱۔ توحید اقراری یہ عام مومنوں کے لیے ہے اس لیے کہ اقرار کو ظاہر سے تعلق ہے اور اقرار زبان سے کیا جاتا ہے ایسے موحد کی منزل دنیا اور مطلوب بہشت ہے۔

۲۔ توحید معرفت۔ یہ عارفین و صدیقین کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کی توحید کی خبر اس کی روح دیتی ہے ایسے موحدین کی منزل بہشت اور مقصود ذاتِ حق ہے

واسکر القوم دار کأس
وکان سکری من المدیر

ترجمہ: لوگ شراب کے پیالوں سے مدہوش ہوتے ہیں اور میری مدہوشی ساقی سے ہے۔

فائدہ: جس کا کام گلاب سے ہو وہ اُس کی خوشبو سونگھتا ہے اور جس کا باغباں سے تعلق ہوتا ہے وہ کانٹوں کے زخم کھاتا ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے

از برائے آنکہ گل شاگرد رنگ روئے اوست
گر ہزارت بوسہ شد بر شریک یک خاران

ترجمہ: گلاب میرے محبوب کے چہرے کا غلام ہے اس کا رنگ میرے محبوب سے ہے اگرچہ ایک بوسہ سے ہزاروں کانٹوں کے دُکھ اُٹھانے پڑیں۔

تفسیر عالمانہ: واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم اور تم اس کی اتباع کرو جو تمہارے ہاں نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید کی اتباع کرو۔ دوسرے

مقام پر فرمایا : اللہ نزل احسن الحدیث یا اس سے عزائم کی اتباع مراد ہے یعنی رخصتی احکام کے بجائے عزیمت والے احکام پر عمل کرو۔

فائدہ: بیضاوی اور اس کی اتباع کرنے والوں نے کہا کہ اس سے وہ اُمور مراد ہیں جن سے انسان کو نجات ملے اور دنیا و آخرت سے سلامتی پائے جیسے انابت اور طاعت پر مواظبت۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ طاعت پر التزام کرو اور معصیت سے اجتناب۔ اس لیے کہ جو کچھ ہمارے اُوپر احکام نازل ہوئے وہ کل تین قسم ہیں:

۱۔ قبیح تاکہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ حسن تاکہ اسے عمل میں لایا جائے۔

۳۔ مباح یہ کہ اس پر عمل ہو تو کوئی حرج نہ آئے عمل نہ ہو تب بھی۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ما انزل اللہ۔ احسن اُمور مراد ہیں اور وہ یہی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے دعوت دی۔ کما قال و داعیا الی اللہ من قبل ان یاتیکم العذاب۔ قبل اس کے کہ تم پر عذاب یعنی بلا و عقوبت نازل ہو۔ "بغتۃ"۔ اچانک۔

امام راغب نے کہا کہ ایسے امر کا ورد جس کا وہم و گمان ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے موت مراد ہو کیونکہ یہ عذاب اُخروی کی کنجی ہے۔ و انتم لا تشعرون کے ساتھ متصل ہے یعنی تم اپنی غفلت کی وجہ سے اس کا حواس سے ادراک نہیں کر سکتے یعنی اس کے آنے کے وقت اور مقام نہیں جانتے تاکہ اس کے لیے تیاری کر سکو۔ ان تقول نفس یہ افعال سابقہ ہے یعنی انابت۔ اخلاص و اتباع القرآن کا مفعول یہ ہے اور نفس کی تنکیر اس لیے ہے کہ اس کے قائل بعض لوگ تھے یا تکثیر و التعمیم کے لیے ہے۔ اس وقت ہر نفس مراد ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو! مذکورہ اُمور کو بجالاؤ ورنہ پھر پچھتاتے ہوئے قیامت میں ہر نفس کہے گا۔

یاحسرتی۔ الف کے ساتھ جو یائے اضافت سے تبدیل ہو کر آیا ہے کیونکہ یہ دراصل یاحسرتی اہل عرب کہتے ہیں، یاحسرتی یا لہفی۔ یاحسرتی یا لہفی اور یاحسرتا یا لہفاتے۔ یعنی ہر دونوں عوضوں کو جمع کر کے اور یہ جملہ کلمات نداء الاستغاثہ کے ہیں اور حسرۃ وہ غم جو کسی شے کے فوت ہو جانے سے لاحق ہو اور اس پر نادم ہونا پڑے گو یا جس جہالت سے اس نے اس فعل کا ارتکاب کیا وہ اس سے ہٹ گیا تو اسے اس کا غم لاحق ہوا۔ بعض کہتے ہیں حسرۃ بمعنی تاسف النفس نفس کا افسوس کھانا اس امر سے کہ جس سے وہ حسیر یعنی منقطع ہوا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے میری حسرت و ندامت تو میرے ہاں حاضر ہو یہی تیری حاضری کا وقت ہے علی ما فرطت اس پر جس پر میری کوتاہی اور تقصیر

ہوئی۔ یہ مامصدر یہ ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ الافراط بمعنی اسراف فی التقدم اور التفریط بمعنی القصور اس لیے کہ فرط متقدم کو کہا جاتا ہے۔ فی جنب اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یعنی اس کی طاعت اور اقامت حقوق اور سلوک طریق ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جس جانب کو جنب سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اہل عرب اسے بکثرت استعمال کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں فلاں کے جنب یعنی جانب سے تو تنگ ہوا اور فلاں مال مجھ کو اس کی جنب یعنی جانب سے حاصل ہوا۔ امام راغب نے فرمایا دراصل یہ ایک عضو کا نام ہے جس کی جمع جنوب آتی ہے پھر استعارہ کے طور پر اس جانب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جو شے کی جانب کے قریب ہو ایسے ہی جملہ اعضا اسی جانب کے لیے مستعمل ہوتے ہیں مثلاً یمین دایاں شمال (دایاں) اور جنت الحائط و جانبہ۔ جنت اللہ بمعنی امر اللہ۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کا امر۔ و ان کنت لمن الساخرین یہ ان مخففہ ہے اور لام فرق بتلانے کے لیے ہے کہ یہ ان شرطیہ نہیں بلکہ مخففہ ہے۔ السخر بمعنی استہزاء ہے اور جملہ محلاً منصوب ہے علی الحال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے کوتاہی کی درانحالیکہ میں دنیا میں دین حق اور دین داروں سے استہزا کرتا تھا۔

فائدہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ طاعتِ الٰہی کو ضائع کیا اس کی نحوست سے پھر اہل طاعت سے استہزا کیا جس پر وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ سلسلۃ الذہب میں ہے ؎

روز آخر کہ مرگ مردم خوار
کند از خواب غفلتش بیدار
یادش آید کہ در جوار خدائی
سالہا زد بجرم وعصیان وای
ہرچہ درشصت سال یا ہفتاد
کردہ از خیر وشر پیش اُفتاد
یک بیک پیش چشم او آرند
آشکارا بروی او دارند

ترجمہ: بالآخر کہ موت مردم خور۔ اسے غفلت کی نیند سے بیدار کرے گی۔
۲: اُسے یاد آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے جوار میں کئی سال کھلے بندوں جرم و گناہ کرتا رہا۔
۳: جو ساٹھ ستر سال بندے نے عمل کیے خیر یا شر اسے سامنے آجائیں گے۔
۴: ایک ایک عمل تیرے سامنے لائیں گے بالکل ظاہر کرکے تیرے آگے رکھیں گے۔

بگذراند ز گنبد والا
بانگ واحسرتا و واویلا
حسرت از جان او برآرد دود
و آن زمان حسرتش ندارد سود

ترجمہ: گنبد بالا سے نیچے چھوڑیں گے تیری آواز ہو گی ہائے افسوس۔
ترجمہ: اُس وقت حسرت کا دھواں چھوڑے گا لیکن حسرت اُس وقت کوئی فائدہ نہ دے گی۔

فائدہ: حضرت فارسی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مجھ سے بھاگ کر اپنے نفس کی طرف جاتا ہے تو میں اسے اپنے ہجر و فراق کی آگ میں جلاؤں گا جس سے وہ ہمیشہ اپنی کوتاہی پر حسرت کرتا رہے گا جب اہل معارف و مراتب اور کمالات کے درجات دیکھے گا تو کہے گا یاحسرتی الخ اور یہ وہی کہے گا جو اللہ تعالیٰ کی ہجر و فراق کی آگ سے جلے گا۔ اوتقول لوان اللہ ھدانی لکنت من المتقین یا کہے کہ کاش اللہ تعالیٰ مجھے ارشاد الی الحق کی راہ دکھاتا تو میں شرک و معاصی سے بچنے والوں سے ہوتا۔

حدیث: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دوزخی دوزخ میں جائیں گے تو انھیں بہشت کے وہ مقامات دُور سے دکھائے جائیں گے جو ان کے لیے نامزد ہوتے تو اس وقت کہیں گے لو ان اللہ الخ یعنی یہ معاملہ ان کے لیے باعث حسرت و ندامت ہوگا۔ او تقول حین تری العذاب یا جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھ کر کہے لو ان لی۔ لو تمنائیہ ہے۔ کاش میرے لیے ہو۔ کرۃ۔ دنیا کی طرف لوٹنا۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں۔ کر علیہ بمعنی عطف اگر اس کے بعد لفظ عن ہو تو بمعنی رجع آتا ہے الکرۃ بمعنی مرۃ و حملہ ہے۔ (کذا فی القاموس)

فاکون۔ منصوب ہے اس لیے کہ لو کا جواب ہے من المحسنین تو میں ہوتا ہوں گا عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے نیک لوگوں سے اور اَوْ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے یہ مختلف اقوال تحیر اور دل بہلانے کے طور ہو گا جس کا انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا یا ندامت سے کہیں گے لیکن اُس وقت کی ندامت بھی انھیں کوئی نفع نہ دے گی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مختلف اقوال مختلف قائلین سے سرزد ہوئے اس لیے کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ۔ بلیٰ اُنھوں نے آپ کو ایسے کہا۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ بلیٰ کا استعمال ایجاب نفی سے مخصوص ہے لیکن مذکورہ بالا اقوال میں کوئی کلمہ نفی کا نہیں ہے۔

دیتا تو میں متقین سے ہوتا لیکن اس نے مجھے ہدایت نہ دی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں ہیں نے تجھے بخشی۔ وقد جاء تك ایاتی اور تیرے ہاں میری آیات قرآنی آئیں اور یہی ہدایت کا سبب تھیں۔

فائدہ: اسے لو ان اللہ الخ سے علیٰحدہ بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کی تیسرے مضمون پر تقدیم ان قرائن ثلاثہ کا فرق بتلائے گی جس پر وہ داخل ہوئی ہے یا لو ان اللہ الخ کی تاخیر سے ترتیب وجودی کو خلل پڑتا تھا کیونکہ اعمال نامے جب بندوں کے ہاتھوں پہنچیں گے اور اس کے بائیں ہاتھ میں آئے گا تو اپنی کوتاہیوں سے حسرت کھائے گا ادھر متقین کے احوال مشاہدہ کرے گا اور اپنے سے ہدایت مفقود پائے گا تو اہل تقویٰ کے مراتب سے رشک کرتے ہوئے آرزو کرے گا کاش اسے دنیا میں واپس جانے دیا جائے یہ رشک اسے دوزخ کے عذاب کو دیکھ کر بھی ہو گا۔ کیونکہ اسے اب یقین آئے گا کہ اس سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ میں واپس دنیا میں لوٹایا جاؤں۔

فائدہ: خطاب کی تذکیر باعتبار معنیٰ کے ہے کیونکہ نفس کے ساتھ متعلقہ احکام کا مقصود انسان ہی ہے لیکن ایک روایت میں آیا ہے جاء تك کے خطاب کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالتانیث پڑھا ہے ایسے ہی مابعد کے جملہ خطابات کو۔ ان سے بھی نفس مراد ہے۔ فکذبت بھا تو تو نے ان آیات کی تکذیب کی اور کہتا تھا یہ اللہ تعالیٰ سے نہیں اتریں واستکبرت اور تو نے تکبر کیا اور ایمان سے دور بھاگا۔ وکنت من الکافرین اور تو ان لوگوں کے ساتھ کفر کرنے والوں میں سے تھا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بلی قد جاءتك ایاتی۔ تمھارے ہاں میری آیات انبیاء علیہم السلام سے آئیں اور انہوں نے معجزات دکھائے اور کتابیں لائے ان کے احکام سنائے اور مواعظ و اسرار و حقائق و دقائق و اشارات سے تمھیں آگاہ کیا۔ فکذبت بھا واستکبرت تو انھیں جھٹلایا اور ان پر عمل کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی سے جی چرایا۔ وکنت من الکفرین اور نعمتوں کو ٹھکرانے والوں سے تھا۔ بالخصوص میری مخصوص نعمتوں کی جی بھر کر تکذیب مثلاً انبیاء علیہم السلام اور ان کی لائی ہوئی کتب اور ان کے معجزات کا انکار کیا۔

معتزلہ کے دلائل: معتزلہ کہتے ہیں کہ ان آیات سے ثابت ہوا کہ بندہ اپنے افعال میں مختار کل ہے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی دخل نہیں اس کی تین وجوہ ہیں:

١۔ بندہ کی حسرت اس وقت ہوتی ہے جب وہ کسی امر کے کرنے پر قدرت رکھتا تھا لیکن نہ کیا۔
٢۔ جسے اپنے فعل سے ایمان لانے کی قدرت نہ ہو تو اسے اس میں کوتاہی کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔

۳۔ جو کام اس کی قدرت و اختیار میں نہ ہو اور وہ اسے بجا نہ لائے تو اُس کی مذمت نہیں کی جاتی۔

جوابات از اہلسنت: ان آیات سے کب ثابت ہوا کہ بندے کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر کو دخل بھی نہیں اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن افعال میں بندے کی طرف اسناد نہ ہو اس میں اس کا دخل نہ ہو مثلاً بلیٰ قد جاءتك ایاتی الخ بالخصوص۔ یفعل من یشاء جیسی آیات سے ان کے مذہب کے بطلان کی تصریح ہے

تفسیر عالمانہ: ویوم القیمۃ تری الذین کذبوا علی اللہ اور قیامت میں ان لوگوں کا حال دیکھو گے جنہوں نے اللہ پر بہتان تراشا تھا مثلاً کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور اس کی جورو ہے اور اس کے شریک بھی ہیں۔ حالانکہ یہ جملہ امور اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ وجوھھم مسودہ مبتدوخبر ہیں اور یہ حال ہے اس میں واو کے بغیر صرف ضمیر پر اکتفا کیا گیا ہے اور رویت سے مرویۃ بصری مراد ہے یا یہ دوسرا مفعول ہے اگر اس سے رویۃ عرفانیہ مراد ہو اب معنیٰ یہ ہو گا کہ انھیں قیامت میں دیکھنا درانحالیکہ ان کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے ظلمت وجہل ان کے چہروں پر چھا جائے گی جس سے ان کے چہرے کالے سیاہ محوس ہوں گے یعنی دوزخ کے داخلہ سے پہلے ہی ان کے چہرے کالے سیاہ ہو جائیں گے چنانچہ فرمایا یعرف المجرمون بسیماھم۔ مجرموں کو ان کی علامات سے پہچانا جائے گا۔

فائدہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ویوم القیمۃ سے معلوم ہوا کہ یہ ان لوگوں کا مقولہ ہے جو کہتے تھے کہ ہمارے معاملے ہمارے اپنے اختیار میں ہیں۔ یہ ہماری مرضی پر ہے چاہے ہم ان پر عمل کریں یا نہ کریں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قیامت میں چہرے کا رنگ دل کے رنگ کے مطابق ہو گا جن کے قلوب جھوٹے ہیں ان کے چہرے دل کی سیاہی کی وجہ سے سیاہ ہو جائیں گے۔
حضرت یوسف بن الحسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا سب سے زیادہ کالے سیاہ ان لوگوں کے دل ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹے دعوے کیے ہوں گے یا ایسے احوال کا دعویٰ کرتے رہے جن سے اسے دور کی نسبت بھی نہ ہو گی۔ (یعنی جھوٹے اور مکار پیرانِ طریقت) الیس فی جہنم کیا دوزخ میں نہیں مثوی ٹھکانا للمتکبرین ان لوگوں کا جو ایمان و طاعت سے جی کتراتے تھے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر متکبرین سے مراد اولیاء کرام کے منکرین اور اُن کی نصیحت وغیرہ سے روگرداں تھے۔

تفسیر عالمانہ: وینجی اللہ الذین اتقوا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوزخ سے نجات بخشے گا جو کفر و معاصی سے بچتے تھے بمفازتہم۔ یہ مصدر میمی ہے بمعنی فوز ہے

فاز بامطلوب سے ہے بمعنی ظفر بہ یعنی سلامتی کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ باد کا متعلق محذوف ہے وہ اسم موصول سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ انھیں اس ٹھکانے سے نجات بخشے گا جو متکبرین کے رہنے کی جگہ ہے درانحالیکہ وہ اپنے مطلوب میں کامیابی کے ساتھ متلبس ہوں گے یعنی انھیں بہشت عطا ہوگی۔ لا یمسھم السوء ولا ھم یحزنون یہ اسم موصول کا دوسرا حال ہے۔ یہ اس میں اشارہ ہے کہ انہیں بہشت میں ٹھہرانے سے پہلے کسی غم اور حزن میں مبتلا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی قسم کی اور تکلیف یا عذاب پہنچے گا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ان کے جسموں کو کوئی ایذا نہ پہنچے گی اور نہ ہی ان کے دل محزون و مغموم ہوں گے اور مفازۃ کو فاز سے بھی مشتق کیا جا سکتا ہے بمعنی نجامنہ اور باء ملابست کی ہوگی اور لا یمسھم الخ اس کی تفسیر ہے اس سے واضح کرنا ہے کہ ان کی کامیابی صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے چنانچہ اس مضمون کو صلہ کے صیغہ میں لانے میں بھی اشارہ ہے۔

نکتہ: مفازۃ بول کر تقویٰ مراد لے کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اولاً تو وہ حزن وملال وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوں گے اگر کسی عمل سے انھیں کچھ ہوگا تو دائمی نہیں ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ وہ متقی حضرات جو ماسوی اللہ سے فارغ ہوجاتے ہیں انھیں ہجر و فراق کے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انھیں ان نعمتوں کا غم اور ملال ہوگا جو اسے دنیا و آخرت میں نہیں ملیں کیونکہ وہ قرب مولیٰ سے فائز ہوئے اور یہ وہ کامیابی ہے جس کے بالمقابل اور کوئی کامیابی نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ متقی دارین میں کامیاب ہیں دنیا میں گناہوں اور غلطیوں سے محفوظ رہے اور آخرت میں دیدار الٰہی سے سرشار ہوں گے۔ آج دنیا میں عنایت ربانی سے اور کل قیامت میں کفایت و ولایت حقانی سے سرفراز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اُمور سے بچائے جو اس کے دیدار سے حجاب بنتی ہیں اور ہمیں ہر باب میں اپنی حمایت میں رکھے۔ (آمین)

فائدہ: آیت میں تقویٰ و طہارت کی ترغیب ہے اس لیے کہ نجات کا سبب صرف تقویٰ ہے اس وجہ سے جہنم متقی سے عرض کرے گی اے مومن یہاں سے جلد تر گزر فرمایئے کیونکہ تیرے نور سے میری آگ ٹھنڈی پڑ گئی ہے۔ اور متقی سے جملہ خلائق خائف ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں شاہ روم کا قاصد پہنچا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہیبت سے تھرتھرانے لگا۔

مثنوی شریف میں ہے:

ہیبت حق ست ایں خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وی جن و انس و ہر کہ دید

اور بوستان میں ہے ؎
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ
محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ: یہ ہیبت حق کی ہے مخلوق کی نہیں یہ ہیبت اس گودڑی والے کی نہیں۔
۲: جو حق تعالیٰ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا اس سے جن و انس بلکہ جو بھی دیکھے گا ڈرے گا۔
۳: تو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر کہ کوئی شے تیرے حکم سے گردن نہ پھیرے گی۔
۴: محال ہے جب تجھے وہ دوست رکھتا ہے کہ تجھے دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ دے

حکایت: منقول ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک وزیر حاضر ہوا اور عرض کی دعا فرمایئے میں بادشاہ سے گھبرایا ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کاش ایسے ہی مجھے اپنے پروردگار سے خوف ہوتا تو میں صدیقین میں شمار ہوتا ؎

گر نبودی امید راحت و رنج
پائے درویش بر فلاح بودی
در وزیر از خدا بترسیدی
ہم چناں کز ملک ملاح بودی

ترجمہ: اگر نہ ہوتی راحت و رنج کی امید تو درویش کے پاؤں آسمان پر ہوتے۔
۲: اگر وزیر خدا تعالیٰ سے ڈرتا جیسے وہ بادشاہ سے ڈرتا تھا تو وہ فرشتہ (ولی اللہ) ہوتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو مخلصین سے بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ: ان اللہ خالق کل شئی۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے خیر ہو یا شر ایمان ہو یا کفر ہو لیکن کفر کا ارتکاب بندہ خود کرتا ہے جب وہ ان کے اسباب کو اختیار کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے کفر کو پیدا فرماتا ہے۔

ازالہ وہم: کل شئی میں بندوں کے افعال و اکساب داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا کلام و دیگر

صفات قدیمہ اس میں شامل ہیں اس لئے کہ خطاب میں خود مخاطب داخل نہیں ہوتا دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو کلام یعنی کلمہ کن سے پیدا فرماتا ہے اور مخلوق سے پہلے کلام کا ہونا ضروری ہے۔ وھو بکل شیٔ وکیل اور وہی ہر شے پر تصرف فرماتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ الوکیل بمعنی امور کا منتظم اور کسی کام کی تکمیل کا ضامن یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصالح کا متکفل اور اُن کے جملہ اُمور کا ضامن ہے اور جسے یقین ہوگا کہ اس کے جملہ اُمور کا وہی کفیل ہے تو وہ کبھی کسی معاملہ میں تدبیر کو سامنے نہیں لائے گا اور نہ ہی کسی شے پر سہارا کرے گا۔

خاصیت اسم وکیل: اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی برکت سے جملہ حوائج پورے ہوتے اور جملہ مصائب و مشکلات میں کفایت رہتی ہے۔ جو شخص آندھی یا آسمانی بجلی وغیرہ سے خوفزدہ ہو اُسے اس اسم کا کثرت سے ورد کرنا چاہیئے اس لیے کہ اس اسم کی برکت سے جملہ مصائب دفع ہو کر ابواب خیر و برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور رزق میں وسعت نصیب ہوتی ہے۔

مقالید السمٰوات والارض۔ مقلد یا مقلاد کی جمع ہے بمعنی کنجی یا اقلید کی جمع لیکن یہ شذوذ ہے جیسے ذکر کی جمع مذاکیر شاذ ہے ورنہ قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کی جمع اقالید ہو۔ اور اقلید بالکسر کلید کا معرب ہے بمعنی کنجی۔ عوام میں یہ قفل کے معنی میں شائع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جملہ عوالم سفلیہ وعلویہ کی کنجیاں ہیں ان میں اس کے سوا اور کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

حدیث: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقالید کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا۔

۱۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

۲۔ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔

۳۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔

۴۔ وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰه

۵۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

۶۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

یہ خزائن السمٰوات والارض کی کنجیاں ہیں۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ انہی کلمات سے اللہ تعالیٰ کی تحمید وتمجید بیان کی جاتی ہیں یعنی آسمانوں اور زمینوں کے خزینوں کی کنجیاں ہیں۔ خیر و برکت کی کنجیاں ہیں جو ان کو بکثرت پڑھتا ہے

گر باوجود خیر و بھلائی کو حاصل کر لیتا ہے۔

فائدہ:۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آسمان کے خزانے بارش اور زمین کے خزانے گھاس ان سب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں جب چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور جب چاہتا ہے کھیتیاں اُگاتا ہے۔

مختار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارِ کُل کا ثبوت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے خزانے میرے ہاں لائے گئے میں نے کہا الٰہی میں ایک دن بھوکا اور دوسرے دن سیر ہو کر کھانا چاہتا ہوں۔

صائب نے کہا ہے

اُفتد ہمہ دولت اگر در کمند ما

از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ: اگر دولت ہمارے قبضہ میں آجائے تو ہم اپنی بلند ہمتی سے اسے اپنے سے رہا کر دیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ لطف و کرم کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور قلوب کے آسمانوں کے خزانوں میں پوشیدہ ہیں اور قہر کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور یہ نفوس کی زمین میں امانت رکھی گئی ہیں یعنی لطف و قہر کے خزائن کا وہی مالک ہے وہی فتاح ہے اور اُسی کے ہاتھ میں کنجی ہے وہ اپنے لطف کے خزانے جس قلب پر کھول دے پھر اسی سے ہی حکمت کے چشمے اُبلتے ہیں اور اخلاق حسنہ کے جواہر انہی سے نمودار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اپنے قہر و جلال کے خزانے جس نفس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے تو اُسی غنی رضی اللہ عنہ نے پوچھی تو آپ نے فرمایا آسمانوں اور زمین کی کنجیاں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ الخ ہے۔

سے مکر و خداع اور اوصاف ذمیمہ کے فنون ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی راز کی بناء پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ قلوب کی کنجیاں ہیں۔ اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عثمان

تفسیر عالمانہ: والذین کفروا بآیات اللہ۔ آیات الٰہیہ تنزیلیہ و تکوینیہ جو کہ آفاق و انفس میں ہیں کا جنہوں نے انکار کیا اولئک ھم الکٰفرون یہ لوگ خسارے والے ہیں۔ اس جیسا خسارہ اور کسی کو نصیب نہ ہوا اس لیے کہ انہوں نے ثواب کے بجائے عذاب کو اختیار کیا اور اپنے نفوس پر کفر و نفاق کے دروازے خود بخود کھول دئیے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کی تجارت نفع بخش ہوتی ہے اور ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جنہیں خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ
وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ
حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ
بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى
فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ
وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

ترجمہ: تم فرماؤ تو کیا اللہ کے سوا دوسرے کے پوجنے کو مجھ سے کہتے ہو۔ اے جاہلو۔ اور بے شک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اے سننے والے۔ اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا اور ضرور تو ہار میں رہے گا بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر والوں سے ہو اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا اس کا حق تھا اور وہ قیامت کے دن سب زمین کو سمیٹ دے گا اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے اور ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے اور صور پھونکا جائے گا تو بیہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے اور زمین جگمگا اٹھے گی اپنے رب کے نور سے اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیاء اور یہ نبی اور یہ اُس کی اُمت کے اُن پر گواہ ہوں گے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جان کو اس کا کیا بھرپور دیا جائے گا۔ اور اسے خوب معلوم ہے جو وہ کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایہا الجاہلون۔ فرمایئے کیا ان آیات کے مشاہدہ ومعائنہ کے بعد بھی اے جاہلو تم مجھے مجبور کرتے ہو کہ میں غیر اللہ کی پرستش کروں

یہ جملہ معترضہ ہے اور دلالت کرتا ہے کہ ان دلائل کو سن کر کافروں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کریں اور کہا کہ ہم اور آپ یوں نبھا کریں کہ ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں اور آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں، یہ ان کی عبادت تھی۔

تامرونی دراصل تامروننی تھا پہلا نون دوسرے نون میں مدغم ہوا۔ دوسرا نون رفع کی علامت اور پہلا وقایہ کا ہے۔ ابن عامر کی قرآۃ اظہار نون کے ساتھ ہے اور نافع نے نون کو محذوف کر کے پڑھا۔ اس لیے کہ نون مرفوع اکثر و بیشتر محذوف ہوا کرتا ہے۔ **ولقد اوحی الیك و الی الذین من قبلك** بیشک آپ کی طرف اور آپ سے پہلے پیغمبران علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی گئی۔ (**لئن اشرکت**) بفرض محال اگر تم شرک کرو گے۔ واحد مخاطب کا صیغہ باعتبار کل واحد کے ہے **لیحبطن عملك** تو باطل ہو جائے گا تیرے عمل کا ثواب اگرچہ آپ میرے ہاں معزز و مکرم ہیں۔

ولتکونن من الخاسرین اور تم ہو جاؤ گے اپنی بیع میں خسارے والے بوجہ اعمال کے حبط ہو جانے کے پہلی قسم تمہید کے لیے ہے پچھلی دو قسم کا جواب ہیں۔

ازالہ وہم: یہ کلام بطریقہ بفرض محال کے طور پر واقع ہوا ہے۔ توحید کی ترغیب کے لیے اور کافروں کو ناامید کرنے کے لیے کہ وہ اہل توحید سے پھر جانے کی امید نہ رکھیں اور شرک کی شناعت و قباحت کا اظہار مطلوب ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ شرک ایسا قبیح فعل ہے کہ اس کے ارتکاب سے اس ذات کو بھی منع کیا جا رہا ہے جس سے اس کا امکان ہی ممتنع ہے پھر اس کو کس طرح نہ منع کیا جائے جس سے اس کا صدور ممکن بلکہ واقع ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی نے فرمایا کہ یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے اور یہ بھی قطعی طور پر ناممکن بلکہ ممتنع ہے کہ آپ سے شرک کا صدور ہو لیکن بفرض محال کے طور پر آپ کو خطاب کیا گیا تاکہ ان لوگوں کو سخت تنبیہ ہو جو اس میں مبتلا ہیں اور انھیں یقین ہو کہ ان کے جملہ اعمال صالحہ اکارت اور ضائع ہیں۔

دوسرا جواب: یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے لیکن اس سے آپ کے غیر مراد ہیں۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ادب سکھایا لیکن اس سے آپ کے غیر لوگ مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شرک اور کفار کے ساتھ تعلقات مذہبی سے معصوم بنایا۔

تیسرا جواب: جناب کاشفی نے لکھا کہ ایسی آیات میں بظاہر اگرچہ انبیاء علیہم السلام کو خطاب ہوتا ہے لیکن اس سے ان کی امت کے وہ افراد مراد ہیں جو ان پر ایمان لاتے ہیں یعنی ان افراد کو گویا فرداً فرداً خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تم شرک کرو گے تو تمھارے جملہ اعمال صالحہ اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔ اگرچہ اس سے قبل بحالت ایمان ان گنت نیک عمل کیے لیکن بوجہ شرک کے وہ تمام

برباد ہو جائیں گے اور پھر تم خسارہ والوں سے ہو جاؤ گے اور دین کی دولت سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لیے کفر کے گڑھے میں پڑے رہو گے۔

فائدہ:۔ ابن عطار نے فرمایا کہ اس سے الالتفات ملاحظہ الی الغیر کا شرک مراد ہے۔ نیز حبط اعمال میں موت وغیرہ کی قید نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ یہ ان کا خاصہ ہو کہ موت تک اُن کے اعمال بلکہ دوبارہ قبول نہ ہوگا کیونکہ ان لوگوں کا شرک قبیح شرک و شدید ترین تھا۔ یا اس لیے کہ چونکہ دوسرے مقام پر موت کی تصریح ہو چکی ہے۔ اسی لیے یہاں صراحت کی ضرورت نہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم۔ نیز یہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے قبیل سے ہے۔

مسئلہ:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفس کفر غیر محبط ہے البتہ وہ کفر محبط اعمال ہے جو موت تک ہو دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً کفر محبط اعمال ہے کفر پر موت واقع ہو یا نہ۔

حبط اعمال کے اقسام

المفردات میں ہے کہ حبط اعمال کئی قسم ہے:

۱۔ ایسے اعمال دنیویہ جن کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو کما قال وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھبآء منثورًا۔

۲۔ اعمال اخرویہ ہوں لیکن ان سے صاحب اعمال کو آخرت مطلوب نہ ہو۔ چنانچہ مروی ہے کہ قیامت میں ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ اس سے سوال ہوگا کہ تو دنیا میں کیا کام کرتا تھا۔ عرض کرے گا قرآن کی تلاوت۔ اسے فرمایا جائے گا کہ تو نے قرآن اس لیے کثرت پڑھا تاکہ تجھے لوگ قاری صاحب کہیں سو تجھے قاری صاحب کہا گیا اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔

۳۔ اعمال صالحہ ہوں لیکن اس کے بالمقابل اس کے اعمال سیئہ بہت زیادہ ہوں۔ اسی کے متعلق آیات میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے کہ ان کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا۔

فائدہ: عطف الخسران کا عطف حبوط پر ہے یہ عطف المسبب علی السبب کے قبیل سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان اگرچہ نبی ہو تب بھی اگر وہ اپنے آپ کو نفس کے حوالے کر دے تب بھی اس پر شرک و ریا کی کنجی سے اپنے اوپر قہر الٰہی کے دروازے کھولتا ہے اگر وہ غیر اللہ کی طرف بنظر محبت التفات کرے تو اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام سے ایسا نہیں ہوتا بلکہ ممتنع ہے۔

تفسیر عالمانہ: بل اللہ فاعبد ۔ اس کا رد ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی پرستش کا کہا۔ اگر تقدیم علی القصر کی دلیل نہ ہوتی تو ایسا نہ ہوتا تو فاء وشر محذوف کا جواب ہے ۔ دراصل لا تعبد ما امرك الكفار بعبادة بل ان عبدك فاعبد اللہ آپ اس کی عبادت نہ کیجئے جس کا آپ کو کفار نے کہا ہے بلکہ اگر آپ عبادت کرنا چاہیں تو صرف اللہ کی عبادت کریں۔ شرط کو حذف کر کے مفعول کو اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے ۔ وکن من الشاکرین اور ہو جائیے اس انعام کے شکر کرنے والے جو آپ پر ہوا۔ منجملہ ان کے توحید وعبادت ہے ۔ ایسے ہی نبوت ورسالت جو آپ کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوئے اور حصول نبوت میں نہ عمل کو دخل ہے اور نہ کردار کو۔

شکر کے درجات: شکر کے تین درجے ہیں :

(۱) اچھی چیزوں کے حصول پر شکر بجالانا اس میں تمام لوگ شریک ہیں مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا مجوسی۔

(۲) طبع کے خلاف امور پر قیامت میں سب سے پہلے بہشت میں ایسے شکر گزار کو بلوایا جائے گا۔ کیونکہ بہشت تکالیف سے گھیری گئی۔

۳۔ سوائے منعم کے اسے کسی کا مشاہدہ نہ ہو ایسے انسان کو نہ نعمت پر نظر ہوگی نہ شدت پر۔ اور اس کا یہ شہود اور تلذذ تمام لذات سے اعلیٰ اور برتر ہے کیونکہ یہ مقام سر ہے۔

سبق: مائل کو چاہیئے کہ توجہ الی اللہ نہ ہی اس کی دائیں طرف نگاہ ہے نہ بائیں طرف کو۔

انتباہ: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک نہر سے وضو کرنا چاہا تو آپ کی ایک حسین وجمیل عورت پر نگاہ پڑ گئی اس نے عرض کی میں نے پہلے آپ کو عاقل پھر عالم پھر عارف سمجھا لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ نہ عاقل ہیں نہ عالم نہ عارف۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے۔ عرض کی عاقل بے وضو نہیں رہتا اس لیے کہ وہ وضو کے فضائل سے باخبر ہے اور عالم غیر محرم نہیں دیکھتا کیونکہ عالم کا باعمل ہونا ضروری ہے اور عارف غیر اللہ کی طرف مائل نہیں ہوتا کیونکہ عرفان کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے سوا اور کسی کو نظر میں نہیں لاتا۔ اس لیے کہ اس کا حسن ذاتی اور غیروں کا حسن اس کے حسن سے متضاد ہے۔ اگرچہ وہ بھی اس کے حسن کی تجلی ہے لیکن مقید ہے اور عالم اطلاق میں حاضری مفقود ہے اسے اصطلاح صوفیاء میں تفرید کہا جاتا ہے یعنی موحد کا انفس و آفاق سے منقطع ہونا ۔

خدا است در دو جہان ہست جاوداں جامی
وما سواہ خیال مزخرف باطل

ترجمہ: اے جامی دونوں جہان میں صرف اللہ تعالیٰ کو دوام ہے اور اس کا ماسوا صرف خیال ہی خیال ہے
ہم اللہ تعالیٰ سے یہی حقیقی توحید کا سوال کرتے ہیں۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک یہودی عالم حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا آپ کو معلوم ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ایک انگلی پر اور تمام زمینوں کو دوسری انگلی پر اور تمام پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور تمام تری اور درخت ایک اور انگلی پر اور جملہ مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ کر دائیں طرف کھینچے گا اور فرمائے گا صرف میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس یہودی عالم کی بات سن کر تعجب سے ہنس پڑے۔ آپ کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ یہاں پر القدر بمعنی تعظیم ہے (کذا فی القاموس)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا اس لیے کہ اس کا شریک ٹھہرایا حالانکہ یہ اس کی شانِ عظیم کے لائق نہیں اور اہلِ عرب۔ قدر الشیٔ قدرہ از تقدیر بھی استعمال کرتے ہیں۔
(کذا فی المختار)

اس تقریر پر معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی مکمل طور پر عزت و عظمت نہیں اور المفردات میں لکھا ہے کہ اس کا معنیٰ ہے ما عرفوا کنھہ یعنی انہوں نے اسکی کنہ کو نہیں پایا۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ معنی یہاں پر موزوں نہیں۔ اگرچہ اس سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کنہ کو نہیں پہچانا جاسکتا جس طرح کہ وہ ہے لیکن اس سے معرفت کیساتھ نہیں جو ہمارے لائق ہے نہ وہ معرفت اس کے لائق ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے لائق اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا کیونکہ اگر وہ اپنے لائق اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تو اس کا شریک نہ بناتے۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور نہ ہی اس کی شان کے لائق اس کی صفات بیان کیے اور نہ ہی اس کی عظمت کا حق ادا کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کو کسی مثیل سے موصوف کرتا ہے یا اس کے لیے تفصیل ثابت کرتا ہے تو صحیح طریقے اور حق کے راستے سے بھٹک گیا۔ مثلاً بعض بدمذہبوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء ثابت کیے اور بعض نے اس کے اجزاء بنائے تو اس معنیٰ پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان عظمت کو نہ پہچانا۔

والارض جمیعا۔ جمیعا لفظ حال اور معنیٰ تاکید ہے اس لیے مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ زمینوں کی تاکید ہے کیونکہ ارض سے زمین کے کل طبقات مراد ہیں یا اس کے وہ جمیع اجزاء جو ظاہر ہیں یا غیر ظاہر

الارض مبتدا اور اس کی خبر۔ قبضتہ یوم القیامۃ۔ القبضۃ مرۃ من القبض۔ قبضہ کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔ وہ مقدار جو ہاتھ کی ہتھیلی کے قبضہ میں آ سکے۔ یا یہاں پر ذات کا لفظ مضاف محذوف ہے یعنی زمین کے کل طبقات قیامت میں اسی ایک کا قبضہ ہے۔ المفردات میں ہے العقبض بمعنی التناول ہے بمعنی الکف جیسے قبض السیف وغیرہ پھر استعارہ کر کے تحصیل الشئ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں ہتھیلی کا تعلق نہ ہو جیسے کہا جاتا ہے۔ قبضت الارض فلاں۔ یعنی میں نے فلاں سے دار حاصل کی کما قال اللہ تعالیٰ۔ والارض جمیعاً قبضہ یعنی اسی کے گھیرے میں ہیں جملہ طبقات ارض کہ اس وقت کسی بندے کی کوئی تملیک نہ حقیقتہً نہ مجازاً مثلاً کہا جاتا ہے ھذا فی ید ک فی قبضتک بمعنی فی ملک یعنی فلاں شے تمہارے قبضہ اقتدار میں ہے۔ اگرچہ اس پر تم نے ہاتھ سے قبضہ کیا ہے اب معنیٰ یہ ہے کہ قیامت میں زمین کے کل طبقات اسی کے ملک و تصرف میں ہوں گے اور کوئی کسی قسم کا تنازع نہ ہو گا نہ وہاں پر کوئی ملکیت کے ... صرف کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کل طبقات اگرچہ تمہیں بہت نظر آتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے قدرت کے بالمقابل مٹی بھر کی حیثیت ہے۔

فائدہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کمال قدرت اور دوسرے جملہ امور اگرچہ بہت بڑے امور ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ نہیں اور اس میں دلالت ہے کہ جملہ عالم کو ویران کرنا اس کے لئے آسان ہے بطریق تمثیل و تخییل کے بیان کیا گیا ہے۔ ... حقیقی و مجازی معنیٰ کا اعتبار نہیں کیا گیا وغیرہ۔ اسی طریقہ کے طور پر ہے۔ والسموات مطویات بیمینہ۔ السموات مبتدا ہے مطویات اس کی خبر ہے۔ بیمینہ۔ مطویات کے متعلق ہے۔ مطویات بمعنی مجموعات اور مدرجات یہ طویت الشئ طیا بمعنی ادرجتہ اور رجا یا بمعنی مہلکات ہے یہ طی سے ہے بمعنی مضی العمر مثلاً کہا جاتا ہے۔ طوی اللہ عمرہ اور بیمینہ بمعنی بقوتہ و اقتدارہ اسے اقتدارہ کے معنی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یمین چونکہ شمال یعنی دایاں بائیں بنسبت بائیں کے بہت زیادہ طاقتور ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے لیے لفظ یمین استعمال کیا ہے۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ)

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ایسی ہیں جیسے تمہارے ہاتھ میں رائی کا دانہ۔

مسئلہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت متشابہات سے ہے اس میں تاویل و تفسیر کی کوئی گنجائش نہیں اسی لیے کہ تاویل و تفسیر سے ایمان میں خلل پڑ جائے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا۔

فائدہ:۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ قبضہ سے قبضۂ شمال (بایاں ہاتھ) مراد ہے جس کی طرف اس کا قہر وجلال اور غضب اور اُن کے لوازا اور عالم عناصر اور وہ اشیاء پیدا ہوتی ہیں منجملہ ان کے آدم علیہ السلام کی صورت عنصریہ وغیرہا مراد ہے۔ اور آدم علیہ السلام کی روحانیت وہ اس قبضہ سے منسوب ہے جسے یمین سے تعبیر فرمایا ہے جیسا کہ زمین کے بالمقابل کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بائیں ہاتھ سے بنایا۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کی جسمانیت کو بائیں ہاتھ سے بنایا۔ (کذا فی شرح الاربعین حدیثا للشیخ الکبیر قدس سرہٗ التحطیر)۔

حدیث شریف: سوال:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں اور مبارک ہیں۔

کسی شاعر نے کہا ؎

لہ یمیناں عدلا لا شمال لہ
وفی یمینہ آجال وارزاق

ترجمہ: عدل کے لحاظ سے اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اس کا کوئی بایاں ہاتھ نہیں اور اسی کے دائیں ہاتھ میں آجال وارزاق ہیں۔

حدیث شریف اور شاعر کا قول مذکورہ بالا حدیث تخلیق آدم کے منافی ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کو یمین کہنا مجازاً ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات برکت والی ہے اور اس کی طرف جو اُمور منسوب ہیں وہ بھی برکت والے ہیں۔ پھر اس سے جو آثار مرتب ہوں گے اس لحاظ سے انھیں یمین وشمال کہا جائے گا۔ اس لیے کہ دنیا وآخرت میں لطف وقہر وجمال وجلال اور بسط وقبض اور روح وجسم اور طبیعت وعنصر وغیرہ ہیں۔

فائدہ:۔ اس سے واضح ہوا کہ آسمان زمین کی حدود سے خارج نہیں جیسا کہ ان کا دائیں ہاتھ سے منسوب کرنے سے ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ بھی عالم کون وفساد میں ہے۔

فائدہ:۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عناصر مطلقاً زمین کی طرف منسوب ہیں اور وہ اس کے بائیں کے قبضہ میں ہے اور جملہ ملکوت یعنی زمین کا باطن جیسے آدم علیہ السلام کا باطن۔ ایسے ہی آسمانوں کا باطن جیسے ارواح علویہ ان آسمانوں کی طرف منسوب ہیں جو دائیں ہاتھ کے قبضہ میں ہیں اس معنیٰ پر یعنی بحیثیت عناصر کے دنیا کی حدود میں داخل ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون وہ پاک ہے اور اس سے بلند وبالا ہے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یعنی بہت بعید اور دور کی بات ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ

کے ساتھ شریک بنایا جائے یا مصدریہ ہے یا موصولہ۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والسموات مطویات کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ منتشر کب تھے کہ پھر انہیں لپیٹا گیا۔ دراصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کاملہ قدرت کا اظہار فرماتا ہے کہ جسے تمھارے عقول وفہوم بہت عظیم شے تصور کرتی ہیں اور اس کے نزدیک رائی کے دانے اور مچھر کے پَر یا اس سے بھی کم سے کم تر ہے۔

دریائی سفر کا وظیفہ:۔ حضرت زروقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تم کو دریائی سفر سے خطرہ ہو تو چاہیئے کہ مندرجہ ذیل حزب البحر (وظیفہ) پڑھو بسلامت وعافیت دریا کو عبور کر لو گے وہ وظیفہ یہ ہے:

بسم اللہ مجریھا ومرسھا ان ربی لغفور رحیم۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ الی ان قال عما یشرکون۔

اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ وظیفہ غرق سے امان اور منجانب اللہ اخلاص کا موجب ہے۔

فائدہ:۔ وجہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا کامل عرفان رکھتا ہے وہ کبھی کشتی کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ دریا کے پانی پر ایسے چلتا ہے جیسے خشک زمین پر اور یہ اہل تصرف اولیاء اللہ سے بکثرت واقع ہوا۔ نیز اس میں بندے کا اپنے لیے عجز وقصور کا اعتراف ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ جیسے زمین اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے ایسے ہی دریا بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔

سبق: اہل عقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی سطوت وغلبہ سے ڈرتا رہے اور اس کے ذکر وفکر سے لمحہ بھر بھی غافل نہ ہو لیکن اس میں خلوص قلبی وصدق یقینی لازم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

:شرک کی دو اقسام ہیں:

۱۔ شرک جلی ۲۔ شرکِ خفی

جلی عوام کا کفر میں مبتلا ہونا اور ان سے زُبان سے توحید کا ذکر لیکن قلب کو غیر اللہ میں مشغول رکھنا اور یہی خواص کے لیے شرک جلی ہے اور ان کا دنیا اور اُس کے اسباب کی طرف متوجہ ہونا شرک خفی ہے اور پھر یہی اخص الخواص کے لیے شرک جلی اور ان کا آخرت کی طرف متوجہ ہونا شرک خفی ہے۔

ازالۂ وہم: حضرت زکریا علیہ السلام چونکہ اخص الخواص تھے اسی لیے ان کا درخت سے امان لینا ان کے لیے شرک خفی تھا۔ جب اُنہوں نے درخت سے کہا اے درخت مجھے اپنے اندر چھپا لے (اس پر اللہ تعالیٰ نے اخص الخواص کی حیثیت سے ان کے ساتھ وہی کیا جو ایک محبوب اپنے محب سے کرتا ہے ورنہ ہمارے لیے ایسا کرنا جرم ہے نہ گناہ بلکہ نہ کریں تو گناہ) اضافہ کا آغاز ایسے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے ملازم کو کہنا کہ مجھے اپنے بادشاہ کے ہاں مت بھولنا بھی اسی قبیل سے تھا۔ اسی لیے پھر انھیں اللہ تعالیٰ نے

چند سال قید میں رکھا۔ اگرچہ اسباب کا استعمال کوئی جرم نہیں بلکہ ضروری ہے لیکن اخص الخواص حضرات کے مراتب و کمالات بلند و بالا ہوتے اسی لیے ان کے احکام بھی ہمارے سے جدا۔ لیکن خدا غرق کرے نبوت دشمنی کو کہ اسی سے ایسے پیاروں کے ایسے واقعات عوام کے سامنے پیش کر کے عوام کے دلوں سے نبوت کی عزت و عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ (اضافہ اویسی غفرلہٗ)

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ غیر اللہ سے نظر ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگائے۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ حال ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کچھ ضرورت ہو تو بندہ خدمت کے لیے حاضر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرورت تو ہے لیکن تجھ سے کہنے کی نہیں وہی مالک میری ضرورت کو پورا فرمائے گا اور وہی خود دانا بینا ہے چونکہ اخص الخواص سے اللہ تعالیٰ ہی دیکھنا چاہتا ہے اسی لیے ان کے لیے فوراً فرمایا:

"اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔"

اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوسرے بعض انبیاء علیہم السلام پر فوقیت اور اُن کی امامت کا شرف ملا۔

؎ نگر تا قضا از کجا سیر کرد
کہ کوری بود تکیہ بر غیر کرد

ترجمہ: قضا کو دیکھ کیسے اور کہاں سے آتی ہے لیکن یہ جہالت ہے کہ غیر اللہ پر تکیہ کیا جائے۔

حکایت: حضرت عبد الواحد بن زید نے حضرت ابو عاصم انصاری رحمہا اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ جب آپ کو حجاج ظالم نے بلایا تو آپ نے کون سا عمل کیا کہ جس کی وجہ سے ظالم کے ظلم سے بچ گئے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں اپنے گھر میں تھا کہ حجاج کے نوکر مجھے بلا کر اُس کے ہاں لے گئے لیکن راستہ میں مجھے ایسا دھکا لگا کہ اس کے ہاں پہنچنے کے بجائے میں نے اپنے آپ کو جبل ابو قبیس پر پایا پھر پوچھا کہ آپ کی غذا کیا تھی فرمایا کہ ایک بڑھیا روزانہ میرے ہاں شام کے افطار کے لیے دو روٹیاں لاتی تھی۔ بس اسی پر میری زندگی کا بسر تھا۔ حضرت عبد الواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ وہی دنیا تھی جو ہماری دشمن ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابو عاصم کی خدمت گزاری کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

سبق: جو اللہ تعالیٰ پر سہارا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی کرامات و انعامات فرماتا ہے اسی لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ماسوی اللہ سے منقطع ہو کر صرف اسی کے ہو جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی کرم نوازی سے ہمیں کسی وقت بھی خائب و خاسر نہیں فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ: ونفخ فی الصور۔ اور صور میں پھونکا جائے گا اس سے نفخۂ اولیٰ مراد ہے کہ جس سے تمام مخلوق کو فنا کر دیا جائے گا جیسا کہ آنے والے نفخہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دوسرا ہے اور یہ پہلا۔ اور دوسرا قبور سے میدان حشر میں اُٹھانے کے لیے ہوگا۔

حل لغات: النفخ بمعنی کسی شے میں ہوا پھونکنا کو کہا جاتا ہے۔ نفخ بفمہ یعنی اس نے اپنے منہ سے ہوا خارج کی (پھونکا)

نفخ کی اقسام: نفخ کی پانچ اقسام ہیں جن کا قرآن مجید شاہد ہے:۔

۱۔ حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گریبان میں پھونکنا قال اللہ تعالیٰ فنفخنا فیہ من روحنا یعنی جبریل علیہ السلام نے پھونکا ہمارے حکم سے اور جبریل علیہ السلام کی پھونک سے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچہ جنا۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گارے (مٹی) میں پھونکنا کما قال اللہ تعالیٰ فننفخ فیہ فیکون طیر باذن اللہ۔ یہاں پر طیر سے چمگادڑ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نے مٹی کو چمگادڑ بنایا لیکن اس کا سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک تھی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں پھونکنا کما قال اللہ تعالیٰ ونفخت فیہ من روحی یعنی میں نے رُوح کو فرمایا کہ اسی جسم میں داخل ہو کر اس کے متعلق ہو جا وہی قادر ہے جس نے گوشت کو بولنے کی اور چربی میں دیکھنے کی اور ہڈیوں کو سننے کی طاقت اور جسم کو روح کے ذریعے سے زندگی بخشی۔

۴۔ ذوالقرنین سکندر مرحوم کا لوہے میں پھونکنا کما قال (حکایۃً عنہ) قال انفخوا الآیۃ وہ پاک ذات ہے جس نے لوہے کے ٹکڑے کو آگ بنایا۔ اسے ذوالقرنین کے پھونکنے کو سبب بنایا۔

۵۔ صور میں اسرافیل علیہ السلام کا پھونکنا کما قال اللہ تعالیٰ ونفخ فی الصور الخ پاک ہے وہ ذات جس نے ایک ہی پھونک ابدان سے اَرواح کو نکالا۔ اس کی مثال میں ہمارا چراغ ہے کہ بہت بڑی لمبی اور دور تک پھیلنے والی روشنی سے ایک پھونک سے بجھا دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی آگ کو بھی ایک پھونک سے روشن کیا جاتا ہے۔ وہ پاک ذات ہے جس نے ایک ہی نفخ سے تمام ارواح کو ابدان میں واپس لوٹانا ہے۔ یہ تمام اس کی قدرت کاملہ کی دلیلیں ہیں۔

صور اسرافیل کیا ہے؟ صُور ایک نورانی قرن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کے منہ میں دبا کر رکھنے کا حکم فرمایا ہے وہ اس وقت اسے منہ میں رکھے ہوئے ہیں اور منتظر ہیں کہ کس وقت پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔

اسرافیل علیہ السلام کے طول وعرض کی کیفیت: حضرت اسرافیل علیہ السلام جملہ مخلوق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو قریب تر ہیں۔ ان کے دو پر ہیں ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں اور عرش اس کے کاندھے پر اور دونوں قدم زمین ارض سفلی سے باہر نکلے ہوئے ہیں یہاں تک کہ ان کے دونوں قدم زمین کی گہرائی کے اختتام کے بعد ایک سو سال کی مسافت آگے کو بڑھے ہوتے ہیں۔ (رواہ وہب)

قرن کی لمبائی چوڑائی: قرن کے دائرے کا عظم چودہ طبق آسمانوں اور زمینوں جیسا ہے اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرن نور کا ہے اس کے چودہ دائرے ہیں ہر دائرہ زمین و آسمان کے برابر ہے۔ اس میں ارواح بریہ کے تعداد پر سوراخ ہیں صور کے متعلق مزید تحقیق سورۂ کہف و نور میں گزری ہے وہاں پر ملاحظہ کیجئے۔

فصعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض۔

حل لغات: صعق الرجل اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کوئی صدمہ پہنچے تو اس سے بیہوش ہو جائے بسا اوقات ایسے صدمات سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ پھر اس کا استعمال موت کے لیے بکثرت ہونے لگا۔ کذا فی شرح المشارق لابن الملک) المختار میں ہے کہ صعق الرجل (بالکسر) صعقۃ بمعنی غشی علیہ یعنی اس پر غشی طاری ہو گئی۔ یہاں پر صعق بمعنی مات ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آسمانوں اور زمینوں میں رہنے والے اسرافیل کے صور کی سخت آواز سے مرجائیں گے الا من شاء اللہ مگر جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے واں سے جبریل و اسرافیل و میکائیل و ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اس لیے کہ یہ نفخ صور کے بعد مریں گے۔ سعدی نے فرمایا کہ ان کے ساتھ آٹھ ملائکہ اور بھی ملا لو وہ ہیں حملۃ العرش اس روایت کے مطابق کل ملائکہ بارہ ہوئے (علیہم السلام) ان سب سے آخر میں مرنے والے حضرت ملک الموت علیہ السلام ہوں گے۔ نقاش نے فرمایا آخری موت جبر۔

ملک الموت کی موت کا واقعہ: نقاش سے مروی ہے کہ نفخ صور کے بعد اللہ تعالیٰ ملک الموت کو فرمائے گا کہ اسرافیل کی روح نکالئے اس کے بعد ملک الموت سے پوچھے گا بتایئے باقی کون کون ہیں۔ عرض کی جبریل و میکائیل اور ملک الموت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میکائیل کی رُوح قبض کرے۔ یہاں اب صرف باقی ملک الموت اور جبرائیل علیہما السلام بچ رہے اللہ تعالیٰ ملک الموت کو فرمائے گا اب اپنی رُوح قبض کیجئے اس پر ملک الموت پر موت واقع ہو جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جبریل علیہ السلام اب کون باقی ہے عرض کرے گا یا ذوالجلال والاکرام تیری ذات دائم و باقی ہے اور یہ تیرا بندہ جبریل فانی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جبریل تمہارے لیے بھی موت ضروری ہے۔ یہ سن کر جبریل علیہ السلام سجدہ ریز ہوں گے اور دو پر ملائیں

گئے تو ان کی رُوح بھی پرواز کر جائے گی۔ اس کے بعد وہی باقی رہے گا جس کے لیے دائمی بقا ہے۔ باقی تمام انس وجان اور ملائکہ کرام سب فنا ہو جائیں گے۔ وہی واحد قہار حی وقیوم ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا اس آیت میں نفخ صور کے بعد باقی رہنے والی حوریں اور ولدان جنت اور جنت ونار اور جو ان کے اندر ہے کیونکہ انھیں بقا کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور فنا تو صرف مکلفین کے لیے تھی اور ان کے لیے ضروری تھا کہ انھیں دارِ دنیا سے دار آخرت میں لایا جائے اور موت سے ہی ہو سکتا تھا اور یہ اشیا اہل جنت ہیں۔ ان کے لیے قلب مکانی کا کیا معنیٰ۔ اسی لیے موت کے بغیر انھیں اپنے حال پہ چھوڑا جائے۔ نیز یہ خطاب اہل دنیا کے متعلق ہے اور جنت ونار ایک دیگر عالم میں ہیں جس عالم کی تخلیق بھی بقا کے لیے تھی اسی لیے انھیں عالمِ فنا کے حکم میں داخل نہیں کیا جا سکتا اس معنیٰ پر وہ آیت کے حکم میں داخل ہی نہیں۔ اس تقریر پہ یہ آیت کل شئ ھالک الا وجھہ اور کل نفس ذائقۃ الموت کی تفسیر ہو گی۔ اسی اعتبار سے آیات میں تناقض نہ ہو گا۔

تردید از صاحب رُوح البیان: صاحب روح البیان مذکورہ بالا قول کی تردید میں لکھتے ہیں کہ اس خطاب کو صرف اہل دنیا سے متعلق کیا جائے تو من فی السمٰوٰت والارض کے عموم میں ترمیم کرنی پڑے گی کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ السمٰوت زمین کے حدود سے خارج ہیں۔ اگر وہ دوسرا کلیہ پیش کریں کہ چونکہ ساتوں آسمان زمین کی طرح عالم کون وفساد ہیں۔ تو بھی مطلب واضح نہ ہو گا جبکہ السمٰوات ہیں فلک ثامن بمعنی کرسی اور فلک تاسع یعنی عرش آیت کے حکم سے خارج ہو جائیں گے۔ اس سے لازم آجائے گا کہ عرش وکرسی کے باشیوں کو فنا نہ ہو بالخصوص ملائکہ کہ جن کی تعداد اللہ تعالیٰ جانتا ہے حالانکہ وہ بھی مکلفین ہیں کہ تم کہتے ہو کہ مکلفین کو فنا ہے۔

سات اشیاء غیر فانی ہیں: بحر العلوم میں امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل حق یعنی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے کہ سات اشیاء غیر فانی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ عرش ۲۔ کرسی ۳۔ لوح ۴۔ قلم

۵۔ جنت ۶۔ نار اور ان کے اندر رہنے والے ملائکہ یعنی رحمت وعذاب کے فرشتے

۷۔ ارواح۔

اہل سنت کی دلیل بھی یہی آیت ہے۔

مسئلہ: حضرت شیخ العلماء سید نا حسن بصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مستثنیٰ (الا من شاء اللہ میں) صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ اس کی تائید میں حدیث بیان فرمائی جسے امام غزالی قدس سرہٗ نے روایت کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس بزرگ نے حدیث بیان فرمائی ہے جس پر مجھے ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ آیت کا مستثنیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بس۔

تردید از صاحب رُوح البیان:۔ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ روایت مذکورہ اور قول مذکور بعید از قیاس ہیں اور نص قطعی کے مضمون کے منافی وہ اس لیے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ چاہنے والا (شاء من) بھی وہی اور مستثنٰی (الا من شاء اللّٰہ) سے چاہا ہوا بھی وہی یہ کیسے اسی وجہ سے واللّٰہ علٰی کل شئی قدیر اور واللّٰہ خالق کل شئی میں بالاتفاق اللہ تعالیٰ کی ذات مراد نہیں لی گئی کیونکہ شائی امشی کا ایک ہونا لازم آتا ہے جو عقیدۂ حق کے سراسر منافی ہے۔ علاوہ ان دو آیات کے اور آیتیں و احادیث بھی دعوٰی میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کو بھی اہل السمٰوات والارض میں داخل ماننا پڑے گا حالانکہ وہ ان کا اہل (مکین) نہیں بلکہ اِلٰہ ہے کما قال وھو الذی فی السماء الٰہ و فی الارض الٰہ

تحقیقی فیصلہ:۔ بعض محققین نے فرمایا کہ صعق موت سے عام ہے اس اعتبار پر جو اس وقت نہیں مرے ہوں گے وہ صور سے مر جائیں گے اور جو مر چکے ہوں گے وہ بیہوش ہو جائیں گے پھر جب نفخ ثانی ہوگا اس وقت جو مر چکا ہوگا اسے زندہ کیا جائے گا اور جن پر بیہوشی ہوگی انھیں افاقہ ہوگا یہی قول معتبر و معتمد علیہ ہے اور اہل تحقیق اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

صاحب روح البیان کا بیان:۔ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا اس قاعدہ پر حضرت ادریس علیہ السلام بھی شامل ہو گئے اس لیے کہ ان پر بھی موت آئے گی پھر وہ زندہ اُٹھیں گے اور جنت میں جائیں گے ان کے لیے غشی کا عموم ہوگا اگرچہ موت کا اطلاق کیا جائے گا ہاں یہ بھی فمن شاء اللّٰہ کے استثناء میں داخل ہونگے اور موسٰی علیہ السلام کو صعقہ و غشیتہ کوہ طور پر واقع ہوا۔ خلاصہ یہ کہ موت عام ہے جو سب پر آئے گی ورنہ جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا لمن الملک الیوم تو وہ کوئی جواب دیتا لیکن نہیں بلکہ وہ خود ہی فرمائے گا۔ للّٰہ الواحد القہار۔

فائدہ:۔ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ محققین کے نزدیک کل شئی ھالک الا وجھہ کا معنٰی یہ ہے کہ ہر وہ شے جو قابل ہلاکت ہے وہی ہلاک ہوگی بلکہ اسے ہلاکت ہے جو دائمی طور پر اور بہ نسبت اپنی ذات کے دائمی طور پر ہلاک ہے وہ فنا ہوگی اس لیے کہ ہر شے کی دو نسبتیں ہیں:۔

۱۔ الی نفسہ

۲۔ الی ربہ

بہ نسبت اول کے وہ شے ہالک اور عدم محض ہے اور بہ نسبت ثانی کے وہ عین اور قائم بربہ ہے اور اگر اس کا ظل ظاہر ہے تو ہر حادث قابل للہلاک ہے اور عدم محض ہے بخلاف ثانی کے اسے ہلاکت نہیں اس لیے وہ ازلی اور قدیم ہے۔ اس کی تائید اس دلیل سے ہوتی کہ عرش الٰہی کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی کہ جس سے ثابت ہو کہ وہ بھی ہلاک ہوگا ایسے ہی بہشت کے متعلق سمجھئے۔

سوال: ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آیہ مذکورہ میں الا من شاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ عرض کی وہ شہداء ہیں جو اپنے گلے میں نور کی قندیلیں لٹکا کر عرش الٰہی کے ارد گرد کھڑے ہیں (کشف الاسرار) اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت کے مستثنیٰ سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت رضی اللہ عنہم اور اہل معرفت مراد ہیں اور بعض مشائخ نے فرمایا اس سے اہل تمکین اور استقامت مراد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ الا من شاء اللہ کے استثناء سے بہت سے حضرات مراد ہیں۔

جواب: مذکورہ روایات اور اس قسم کی دیگر سے مراد یہ ہے کہ آیت میں غشی سے صعق مراد ہے اس لیے کہ شہداء وغیرہم جیسے صدیقین اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں لیکن یہ دوبارہ موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے ورنہ ان پر عدم حقیقی ثابت ہوتا اور یہ حکمت ایزدی کے خلاف ہے۔ صرف یہی کہا جائے گا کہ ان پر غشی طاری ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کو اس غشی سے محفوظ فرمائے گا۔ اس کا معنیٰ اجملہ الارواح واجساد مشترک نہیں صرف وہی اس غشی سے محفوظ ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

حکایت: کسی نے ایسے شخص کو خواب میں دیکھا جو نوجوان ہو کر مرا تھا لیکن مرنے کے بعد بوڑھا تھا۔ اسے کہا گیا کہ مرسی معتزلی ہے یہ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا قائل تھا جب مرا تو اس پر جہنم نے شور و غل کر کے جھانکا تو اس کے خوف سے بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس طرح کی بے شمار حکایات ہیں۔

مسئلہ: عام الارواح کے حکم میں وہ ارواح بھی شامل ہیں جو ارواح عالیہ متحیرہ ہیں اس لیے کہ وہ تو ارواح محض ہیں اس لیے ان پر غشی طاری نہیں کیونکہ ان کو تو ماسوی اللہ کی خبر بھی نہیں اور بحر شہود میں ہر وقت مستغرق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفخہ سے یہ کوئی اور نفخہ ہے۔ نفخۃ اماتۃ کا یہاں مراد نہیں اس کی مزید تشریح نفخات کی بحث میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

سوال: اس آیت کے صعق اور سورہ نمل کے فزع میں کیا فرق ہے جبکہ وہاں فرمایا ففزع من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الخ

جواب: الصعق سے موت مراد ہے اور وہ فزع کی غیر ہے اسی طرح الصعق کو بمعنی غشی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں جس پر فزع طاری ہو وہ بیہوش بھی ہو بہت سے لوگوں کو گھبراہٹ تو ہوتی ہے لیکن وہ بیہوش نہیں ہوتے۔

اس مقام پر جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں نے تحقیق لکھ دی اور اس کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

تفسیر عالمانہ: ثم نفخ فیه اخری۔ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔ اُخری اسم ظرف منصوب اور نائب فاعل ہے۔ اگر اسے مفعول مطلق کی صفت بنا کر منصوب پڑھا جائے تو جائز ہے اسے مرفوع مقدر مصدر کی صفت بنا کر نائب فاعل پڑھا جائے تب بھی جائز ہے فاذا ھم تو اُس وقت جملہ مخلوق۔ قیام۔ قائم کی جمع ہے۔ اپنی قبور سے پاؤں پر کھڑے ہو جائے گی یا قیام بمعنی متوقفون یعنی قبور سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے حضور ٹھہرائے جائیں گے اور قیام بمعنی وقوف ہے اور ان کا ٹھہرنا ایسے ہوگا جیسے پتھر۔ ڈھیلے جہاں پڑے ہوں وہاں پڑے رہتے ہیں۔ ایسے ہی تحیر سے ان کا حال ہوگا۔

ینظرون۔ مبہوت کی طرح ہر طرف دیکھیں گے یا اسی انتظار میں ہوں گے کہ نامعلوم اب اُن کے ساتھ کیا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ آسمان کی طرف دیکھیں گے اور حیران ہوں گے کہ اسے کیا ہوگیا ہے کہ اب یہ غبار آلود ہوگیا ہے۔ پھر زمین کو دیکھ کر کہیں گے اسے کیا ہوگیا ہے کہ اب اپنی پہلی حالت سے بدل گئی ہے اور پھر داعی کی پکار سے مزید متحیر ہوں گے جب وہ انھیں حساب و کتاب یا اُن کے آباء و اجداد و امہات کے ساتھ مل جانے کے لیے پکارے گا لیکن آباء امہات کے تیور بدلے ہوں گے وہ انھیں منہ نہیں لگائیں گے تو کہیں گے اب ان کی شفقت اور لطف و کرم کیوں نہیں پھر خصماء کو دیکھیں گے کہ وہ اُن کے گلے میں پھندا ڈال رہے ہیں تو کہیں گے انھیں کیا ہوگیا کہ اب یہ لوگ بے رحم ہیں۔

نفخ ثانی کے بعد سب سے پہلے کون

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سب سے پہلا ہوں جس کی قبر شق ہوگی اور ملائکہ سے سب سے پہلے اسرافیل زندہ ہو کر اُٹھے گا تاکہ نفخ صور فرمائے۔ جانوروں میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا براق اُٹھے گا اور سایۂ عرش میں سب سے پہلے وہ شخص جائے گا جس نے تنگ دست قرض دار کو ادائیگی قرض میں مہلت در مہلت دی یا اسے قرض معاف کر دیا اور حوض کوثر پر سب سے پہلے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فقیر اور وہ لوگ حاضر ہوں گے جو آپس میں خدا کے واسطے محبت کرتے تھے اور بہشت کی پوشاک سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائی جائے گی اس لیے کہ آپ کو آگ میں ننگا کر کے ڈالا گیا۔ اور دوزخ کی ناری پوشاک سب سے پہلے ابلیس کو پہنائی جائے گی اور سب سے پہلے حساب جبرئیل علیہ السلام سے لیا جائے گا اس لیے کہ وہ رسل کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کے امین مقرر تھے اور لوگوں کے درمیان فیصلوں میں پہلا فیصلہ خون کے متعلق ہوگا۔ ہر ایک سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا عورت سے سب سے پہلے اپنے شوہر کے حقوق اور نماز کا حساب ہوگا۔ سب سے پہلے انسان سے نعمتوں کا حساب

ہو گا کہ ہم نے صحت بخشی تو نے اس کا کیا حق ادا کیا ہم نے تجھے ٹھنڈا پانی پلایا اس کا تو نے کون سا شکریہ ادا کیا وغیرہ وغیرہ۔ میزان میں اعمال صالحہ میں سب سے پہلے حسن خلق کو رکھا جائے گا اور میزان میں اخراجات میں سب سے پہلے اہل و عیال کا خرچ رکھا جائے گا۔ انسان پر گواہی کے لیے اعضاء میں سب سے پہلے ران اور ہتھیلی بولے گی۔ سب سے پہلے ایک دوسرے پر دعویٰ کرنے والے ہمسایگان ہوں گے۔ سب پہلے شفاعت انبیاء کریں گے پھر علماء پھر شہداء امتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سے سب سے پہلے جنت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوں گے۔ پھر دوسرے لوگ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ مصافحہ فرمائے گا اور سب سے پہلے انہیں کو السلام علیکم فرمائے گا۔ اغنیاء میں سب سے پہلے جنت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) جائیں گے۔

فائدہ: - المدارک میں ہے کہ آیت سے معلوم ہوا کہ نفخہ دو ہیں:

۱۔ موت کا نفخہ ۲۔ قیامت میں اُٹھنے کا۔

جمہور کے نزدیک تین ہیں:

۱۔ فزع کا نفخہ ۲۔ موت کا نفخہ ۳۔ قیامت میں اُٹھنے کا نفخہ۔

نفخ فزع کی دلیل قرآن مجید میں ہے کما قال اللّٰہ تعالیٰ۔ و نفخ فی الصور ففزع الخ

اگر نفخ ہوں دو تو صعق کا معنیٰ ہو گا کہ وہ مردہ ہو کر گر پڑیں گے۔ اگر ہوں تین تو معنیٰ ہو گا کہ ان پر غشی طاری ہو گی اس معنیٰ پر یہ نفخہ ثانیہ قیامت میں زندہ اُٹھنے کے بعد ہو گا۔ جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔

نفخ صور چار دفعہ: سعد المفتی مرحوم نے فرمایا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نفخ چار دفعہ ہو گا اور وہی جو سورہ یٰسین میں مذکور ہیں کہ پہلے نفخ سے کل مخلوق مر جائے گی دوسرے سے قیامت میں زندہ کرنے کے لیے تیسرا نفخہ انہیں مرعوب و مرہوب کرنے کے لیے چوتھا اس رعب و رہب سے کھڑا کرنے کے لیے۔

چالیس سال گھبراہٹ: خریدۃ العجائب جملہ نفخات میں سب سے پہلے نفخہ فزع ہو گا وہ اس وقت جبکہ اشراط ساعت کی تکمیل ہو گی تو اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم فرمائے گا جب نفخ صور کا آغاز ہو گا تو دھیمی آواز ہو گی پھر اس طرح سے اس کا زور بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ ایک سال کے بعد آواز کی شدت میں اضافہ ہو جائے گا۔ نفخ صور کی آواز کی شدت سے مخلوق گھبرا جائے گی یہاں تک کہ شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں کی طرف بھاگیں گے اور جانوروں کو چارہ اور گھاس بھول جائے گا۔ دو شور سے تمام وحشی اور درندے گھبرائے ہوں گے اور انسانوں میں مل کر رہیں گے لیکن گھبراہٹ سے کسی کو کچھ ایذا نہیں دے سکیں گے اور زمین و آسمان کی ہیئت کذائیہ میں فرق آ جائے گا۔ نفخہ گھبراہٹ کے غرض سے

دوسرے نفخہ تک چالیس سال کا عرصہ ہوگا اسی طرح پہ تیسرے اور چوتھے کے درمیان چالیس سال یا چالیس ماہ یا چالیس یوم یا چالیس گھنٹے گزریں گے۔

تطبیق روایات: امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگرچہ روایات کا اختلاف ہے لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر نفخہ کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ ہاں مجھے ایک معتبر بزرگ نے روایت کی ہے فرمایا کہ ان نفخات کے درمیان کے فاصلے کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اسرار ربوبیت سے ہے۔

قیامت میں زندہ اُٹھنے کا منظر

جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو قیامت میں زندہ اُٹھانے کا ارادہ فرمائے گا تو وہ عرش کے خزانوں سے ایک خزانہ کھولے گا اس خزانہ میں بحر الحیات ہے اس سے زمین پر مینہ برسے گا وہ پانی انسانوں کی منی کی طرح ہوگا جب قبور سے اُٹھیں گے تو سخت پیاسے ہوں گے اسی پانی سے مردے اُٹھیں گے اور نشو ونما ہوگی اور وہی عرش کا پانی بارش کی کیفیت سے بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ چالیس گز زمین کے اوپر پانی چھا جائے گا۔ اجسام ریڑھ کی ہڈی سے بڑھنا شروع ہوں گے کیونکہ انسان میں سب سے پہلے یہی ہڈی بنتی ہے پھر اس سے دوسرا جسم بڑھایا جاتا ہے اور مرنے کے بعد صرف یہی ہڈی بچ جاتی ہے۔ یہ چنے کی مقدار پر ہے اس میں چربی وغیرہ نہیں ہے۔ اس پر گوشت و پوست ایسے بڑھتا ہے جیسے انگوری بڑھتی ہے مثلاً اسی ہڈی کے بعد سر کو مونڈھوں پر اور ہاتھوں کو اس کے کناروں پر اور دائیں آخری کناروں پر۔ اُس وقت جیسے مردے ہوں گے ویسے ہی اُٹھیں گے مثلاً بچہ تھا تو بچہ۔ نوجوان تھا تو نوجوان۔ بوڑھا تھا تو بوڑھا۔ قربِ قیامت میں عرش الٰہی کے نیچے سے گرم ہوا چلے گی جس میں آگ ہوگی وہ روئے زمین کے تمام درخت کھیتیاں وغیرہ فنا کردے گی۔ زمین ایک چٹیل میدان ہوگی گویا تھال ہے اور سیدھی کہ اس میں معمولی بل بھی نہ ہوگا۔ ایسے معلوم ہوگی گویا تھال ہے اُس وقت اسرافیل علیہ السلام صخرہ بیت المقدس سے نفخ صُور فرمائیں گے یہاں تک کہ جملہ ارواح نکل کر ایسی آواز نکالیں گے جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو یہاں تک کہ تمام زمین بھر جائے گی اس کے بعد ہر روح اپنے جسم میں چلی جائے گی۔

سوال: ارواح کیا علم یہی ہمارے اجسام ہیں؟

جواب: اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم عطا ہوگا۔

فائدہ: یہ ارواح صرف انسان کے نہیں بلکہ جملہ وحوش۔ پرندے وغیرہ اس پر تمام اجسام اُٹھ کھڑے ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چو در خاکدان لحد خفت مرد
قیامت بیفشاند از موی گرد
سر از جیب غفلت بر آور کنون
کہ فردا نماند بحسرت نگون
بران از دو سر چشمہ دیدہ جوی
در آلائشی داری از خود بشوی

ترجمہ: جب قبر کی خاکدان میں تو سو گیا تو قیامت میں اُٹھ کر بال جھاڑے گا۔
۲۔ آج ہی گریبان غفلت سے سر باہر کر تو پھر قیامت میں حسرت سے تیرا سر نگوں نہ ہوگا۔
۳: سر میں دو چشمے ہیں ان کو بہا (یعنی گریہ کر) جتنا آلائش ہے آنسو سے دھو ڈال۔

تفسیر عالمانہ: واشرقت الارض۔ اور چمک اُٹھے گی زمین یعنی قیامت کا میدان روشن ہوگی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنی شانِ خاص کے ساتھ بندوں کے فیصلہ کے لیے اپنی کرسی پر نزول و اجلال فرمائے گا اس سے زمین پر نور ہی نور پھیل جائے گا۔ بنور ربھا۔ النور یعنی وہ روشنی منتشر جو شے کے دیکھنے پر مدد کرے یعنی اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف سے قیامت میں زمین روشن ہو جائے گی۔

سوال: تم نے نور کی تفسیر عدل و انصاف سے کیوں کی؟

جواب: یہ استعارہ ہے اس لیے کہ وہ زمین تر و تازہ اور بارونق ہوتی ہے۔ جہاں عدل و انصاف کے فیصلے اور لوگوں کے حقوق مکمل طور پر ادا کیے جاتے ہوں جیسے حدیث شریف میں ظلم کو تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " الظلم ظلمات یوم القیمۃ ۔ ظلم قیامت میں تاریکی ہی تاریکی ہے یعنی ظلم ظالم کے شدائد کا سبب ہوگا یا ظالم کا ظلمت حقیقۃً سبب بنے گی یہاں تک کہ سیدھے راہ کو نہیں پا سکے گا یہاں تک کہ وہ نور اہل ایمان کے دائیں بائیں دوڑے گا۔ اس میں رب کا زمین کی ضمیر کی طرف اضافہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نور سے مراد عدل و انصاف ہے کیونکہ یہ اُس وقت موزوں ہوگی جب زمین عدل و انصاف سے پُر ہو کر مزین ہو یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ زمین اسی نور سے چمک اُٹھے گی جسے قیامت میں اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا اور وہ نور کسی جسم کے وسیلہ سے ہوگا یعنی وہ ایسا نور نہیں ہوگا جو دنیا میں ہوتا ہے کہ وہ کسی جسم کے وسیلہ اور سبب سے پیدا ہوتا ہے یعنی وہ زمین جو قیامت میں اس ہیئت سے تبدیل ہو کر دوسری ہیئت بدلے گی تو اس پر سورج، چاند و دیگر اجسام نور دہندہ کے بغیر روشن ہوگی اس لیے لفظ نور اسم رب کی طرف مضاف ہے اور وہ اسم زمین کی طرف لوٹنے والی ضمیر کی

طرف مضاف ہے۔

صوفیانہ ترجمہ: حضرت سہل نے فرمایا کہ الارض سے اہلِ ایمان کے قلوب اور نور لربھا سے اُمت کا امام یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توحید اور اُن کی سنت کی اقتدار مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں اہلِ ایمان کے قلوب سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توحید اور آپ کی سنت کی اقتدار کی برکت سے چمکیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ واشرقت الارض میں الارض سے ارض الوجود مراد ہے یعنی جب ارض وجود اللہ تعالیٰ کی جلوہ گاہ بنتی ہے جس سے وہ ارض وجود چمک اُٹھتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہ ایک مخفی راز ہے جس کی تفسیر نہ کی جائے تو بہتر ہے۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

تفسیر عالمانہ: ووضع الکتاب۔ اور قیامت کے دن حساب وجزا کی کتاب کھول کر رکھی جائے گی۔

فائدہ: "یہ" وضع المحاسب کتاب المحاسبت بین یدیہ" کے محاورہ سے ہے یعنی محاسب نے حساب کے لیے اپنے سامنے کتاب رکھی یا قیامت میں ان اعمال ناموں کی طرف اشارہ ہے جبکہ ہر عمل والے کے اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ اسم جنس (الکتاب) لانے میں اشارہ ہے کہ ہر ایک کا عمل نامہ علیحدہ علیحدہ ہوگا۔ الکتاب اس صحیفے کا نام ہے جس میں کوئی مضمون درج ہو۔

فائدہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اعمال نامے آسمانوں میں ہیں لیکن قیامت میں آسمان سے زمین پر لائے جائیں گے۔ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ اعمال ناموں کو آسمان پر ہونے کے لیے اطلاق کا دعویٰ غلط ہے اس لیے کہ ابرار کے عمل نامے تو آسمانوں بلکہ علیین میں ہوں گے لیکن فجار کے تو آسمان کے بجائے سجین میں ہیں پھر مطلقاً آسمان کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

فائدہ: نہ صرف آسمان کی چیزیں زمین پر لائی جائیں گی بلکہ لوح محفوظ پر رکھے ہوئے اُمور بھی زمین پر لائے جائیں گے اور زمین کی چیزیں تو زمین میں ہیں ہی انھیں ان کے اپنے حال پہ چھوڑا جائے گا۔

وجیئ بالنبیین۔ باتعدیہ کی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو لایا جائے گا۔ والشہداء۔ اور گواہوں کی گواہی کے لیے جملہ اُمتوں کی نجات کی یا اُن کی گرفتاری کی وہ گواہ ملائکہ بھی ہوں گے اور اہلِ ایمان بھی۔

سبق: جب قیامت میں انبیاء و شہداء کو محاسبہ اور فیصلہ وقضاء کے لیے بلایا جائے گا پھر ہم تم کون اور اہلِ معاصی وجرائم کو اس سے غفلت کیوں ہے

دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوالعزم راتن بلرزد ز ہول
بجائے کہ دہشت خورد انبیار
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: اس روز جو فعل و قول ہوا اولوالعزم ہول سے کانپے گا۔
۲: جہاں انبیار علیہم السلام کو دہشت ہو گی تو اپنے گنہ کا عذر جو رکھتا ہے وہ لے آ (یعنی توبہ کر لے)۔

"وقضی بینہم بالحق" اور ان بندوں کے درمیان عدل وانصاف کا فیصلہ ہو گا۔ وھم لا یظلمون اور ثواب کو گھٹا کر اور عذاب کو بڑھا کر انھیں ظلم کا نشانہ نہ بنایا جائے گا بلکہ جس طرح وعدہ ہے ویسے ہی ہو گا۔

آیت کی ابتدار عدل سے شروع فرما کر اسے نفی ظلم سے ختم کیا تاکہ بندوں کو اطمینان ہو کہ وہاں لطف و کرم ہی ہو گا۔ ووفیت کل نفس ما عملت اور ہر مکلف کو پورا کیا جائے گا۔ ما عملت۔ اس کے اعمال کی جزا کو۔ نیک اعمال ہوں گے تو خیر الجزار اگر بُرے ہوں گے تو سخت سزا۔ وھو اعلم بما یفعلون۔ اور وہ اللہ تعالیٰ بہ نسبت ان کے اور اُن کے گواہوں کے بہت خوب جانتا ہے کیونکہ ان کے افعال کا وہی خالق ہے اور اس کے علم سے کوئی شے چھپی نہیں اور گواہوں کی گواہی محض اتمام حجت کے لیے ہو گی۔

قیامت میں کلامِ الٰہی بندوں کو سنایا جائے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس زمین کو دوسری ہیئت میں تبدیل فرمائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے طول و عرض میں اضافہ کیا جائے گا۔ جب اس پر ہر نیک اور بد کے قدم جم جائیں گے یعنی قبور سے اُٹھ کر حساب و کتاب کے لیے مستعد ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے بلا واسطہ گفتگو فرمائے گا کہ اے میرے بندو! دنیا میں میرے ملائکہ تمھارے تمام ظاہری و باطنی اعمال لکھتے رہے تم صرف اپنے ظاہری اعمال کو تو جانتے تھے لیکن پوشیدہ اعمال کا صرف مجھے علم تھا کیونکہ میں تمھارے ظاہر و باطن کو یکساں جانتا تھا آج تمھارے جملہ ظاہری و باطنی کا حساب ہو گا پھر میری مرضی میں جسے چاہوں بخش دوں اور جسے چاہوں نہ بخشوں۔

مسئلہ: حضرت الشیخ عزیز الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فرشتے کو بندے کے باطنی عمل کا علم نہیں ہوتا وہ صرف ظاہری اعمال کو لکھتا ہے (یہی اکثر علمار کا قول ہے)۔

ولی اور نبی کا عمل: ریحان القلوب میں ہے کہ ذکر خفی وہ ہے جو نگران فرشتوں سے بھی مخفی ہیں لیکن وہ ذکر جو آہستگی سے کیا جائے تو اس کا انھیں علم ہوتا ہے اسے وہ لکھتے بھی ہیں لیکن مذکورہ بالا ذکر کہ جسے فرشتے بھی نہیں جانتے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا انھیں نصیب ہوتا ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے اور پکے فرمانبردار اور آپ کی سیرت اور کردار پر چلتے ہیں۔

فائدہ: فرشتے درحقیقت لوح محفوظ کے خزینوں کے کاتب ہیں انھیں بندے کے ہر فعل وقول اور قلبی ارادہ اور عزم یا عزم ظاہر و باطن کا علم ہوتا ہے جسے وہ لکھتے ہیں۔ لیکن مذکورہ طریقۂ ذکر کسی ایک ایسے مخفی بھید سے متعلق ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانے یا وہی جو اسے یاد کرتا ہے۔ یہی فائدہ صاحب روح البیان کا بیان کردہ ہے۔

حاضر و ناظر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر فیصلہ:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ لوح محفوظ کہاں ہے اسے بارگاہِ حق میں جب لایا جائے گا تو اس پر لرزہ طاری ہوگا۔ لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے لکھے ہوئے مضمون (یعنی تورات۔ انجیل۔ زبور۔ قرآن) کہاں ہیں۔ عرض کرے گی میرے سے جبریل امین علیہم السلام نے نقل کر لیے۔ پھر روح الامین علیہ السلام کو لایا جائے گا تو وہ بھی کانپتے ہوئے حاضر ہوں گے یہاں تک کہ سر سے پاؤں تک ان پر لرزہ طاری ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جبریل علیہ السلام لوح محفوظ کہتی ہے کہ میرے سے کلام ربانی اور وحی یزدانی جبریل علیہ السلام نے نقل کر لیا ہے کیا وہ سچ بول رہی ہے عرض کرے گا ہاں وہ سچ بولتی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر وہ کلام و وحی کہاں۔ عرض کرے گا۔ تورات میں نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو اور زبور داؤد علیہ السلام کو اور قرآن مجید حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ اور ہر رسول علیہ السلام کو رسالت اور ہر صاحبِ صحیفہ کو صحیفہ پہنچایا۔ اس کے بعد نوح علیہ السلام کو حاضر کرنے کا حکم ہوگا جب وہ حاضر ہوں گے تو ان پر بھی لرزہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو فرمائے گا کہ جبریل علیہ السلام کہتا ہے کہ میں نے پیغامِ حق آپ تک پہنچا دیا ہے کیا وہ سچ بولتا ہے نوح علیہ السلام عرض کریں گے ہاں وہ سچ کہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر آپ نے کیا کیا نوح علیہ السلام عرض کریں گے میں نے اپنی قوم کو رات دن پیغام سنائے لیکن وہ بجائے ماننے کے منکر ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ قوم نوح کو بلائے گا تو ایک جماعت حاضر ہوگی انھیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انھوں نے پیغام ربانی تم کو سنایا کیا وہ سچ کہتے ہیں۔ وہ عرض کریں گے یا اللہ نوح علیہ السلام جھوٹ بول رہے ہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو فرمائے گا تم اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرو وہ عرض

کریں گے میرے گواہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت ہے۔ کافر جرح کریں گے کہ وہ ہمارے اُوپر کیسے گواہی دے سکتے ہیں جبکہ ہم اول الامم ہیں اور وہ آخر الامم (یعنی کفار کو صرف اُمت محمدی کی گواہی سے انکار ہوگا ورنہ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ بلایا جاتا چنانچہ کفار کی جرح کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا جائے گا اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نوح علیہ السلام اپنی تبلیغ ورسالت کا آپ کو گواہ بناتے ہیں کیا آپ گواہی دے سکتے ہیں۔ آپ گواہی دیتے ہوئے پڑھیں گے انا ارسلنا نوحًا الیٰ قومه (الی آخر السورۃ) اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی سن کر قطعی فیصلہ فرمائے گا کہ اے کافرو تم پر فرد جرم عائد ہوگیا اور کلمۂ عذاب تمہارے لیے لازم ہے اب جاؤ جہنم میں انھیں دھکیلا جائے گا نہ ان سے حساب اعمال اور نہ وزن اعمال۔ ایسے ہی جملہ اُمتوں کے ساتھ ہوگا کیونکہ قرآن مجید نے ان سب کے احوال واعمال کی تصریح کی ہے۔

خدا تعالیٰ کے گواہ ہمارے اعضاء

مروی ہے کہ قیامت میں ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیا جائے گا اے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بدمعاش تو نے برائیاں کیں اور بڑے گناہوں کے جرائم کا ارتکاب کیا لیکن وہ انکار کردے گا اس پر کراما کاتبین گواہی دیں گے لیکن پھر بھی انکار۔ پھر اس کے اپنے اعضاء گواہی دیں گے اس پر اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ جہنم میں پہنچ کر اپنے اعضاء کو کوسے گا۔ اعضاء کہیں گے ہمارے بس کی بات نہیں تھی ہم نے از خود نہیں بلکہ ہم سے بلوانے والے نے بلوایا جو کل کائنات کو بلواتا ہے۔

فائدہ:- قیامت میں ہر زمان و مکان وغیرہ ہما گواہی دیں گے۔ خلاص کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور گواہی نہ دے یعنی ماسویٰ کو ترک کر کے صرف اسی کی طاعت میں لگ جانا چاہیئے اور اس کے ذکر کے سوا اور کسی کا خیال اور تصور بھی نہ بھی رہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؂

دریغست کہ فرمودہ دیو زشت
کہ دست ملک بر تو خواہد نوشت
روا داری از جہل و ناپاکیت
کہ پاکاں نویسند ناپاکیت

ترجمہ: افسوس ہے کہ شیطان پلید کا کہا ہوا صحیح ہو رہا ہے کہ اس نے کہا کہ اس فرشتے کا ہاتھ تجھ پر لکھے گا۔

ترجمہ: کیا تو جہالت و ناپاکی سے اسے جائز سمجھتا ہے کہ پاک لوگ تیری ناپاکی کو لکھیں۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ
أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ
عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا
بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ○ قِيلَ ادْخُلُوا
أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ○
وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا
وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا
خَالِدِينَ ○ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا
الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ○
وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ
وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

ترجمہ:۔ اور کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے گروہ گروہ یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے اس کے دروازہ کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کیا تمھارے پاس تمھیں میں سے وہ رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمھارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمھیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے کہیں گے کیوں نہیں مگر عذاب کا قول کافروں پر ٹھیک اترا۔ فرمایا جائے گا داخل ہو جہنم کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ رہنے تو کیا ہی برا ٹھکانہ متکبروں کا اور جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کی سواریاں گروہ گروہ جنت کی طرف چلی جائیں گی یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے سلام تم پر تم خوب رہے۔ تو جنت میں جاؤ ہمیشہ رہنے اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب کامیوں کا اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کیے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور کہا جائے گا اور سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہاں کا رب۔

بقیہ صفحہ کا

طریق بدست آور و صلح بجوی
شفیعی برانگیز و عذری بگوی
کہ یک لحظہ صورت نبندد امان
چوں پیمانہ پر شد بدور زمان

ترجمہ: اچھا طریقہ ہاتھ میں لا اور صلح تلاش کر۔ سفارشی کھڑا کر اور عذر کہہ۔
۲۔ کہ ایک لحظہ بھی امان نہ ملے گی جب پیمانہ دور زمانہ کا پُر ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ: وسیق الذین کفروا الی جھنم۔ اور کافروں کو اُن کے پیشواؤں کے ساتھ جہنم کی طرف چلایا جائے گا۔

زمرا۔ درانحالیکہ وہ جماعت جماعت ہو کر جا رہے ہوں گے۔ زمرا۔ زمرہ کی جمع ہے جماعت قلیل کو کہا جاتا ہے مثلاً زمراۃ اس بکری کو کہتے ہیں جن کے جسم پر تھوڑے سے بال ہوں اس کا اشتقاق زمر سے ہے یعنی آواز اور جماعت میں تھوڑی سی آواز کا ہونا ضروری امر ہے۔

سوق معنی چلانا یعنی کافروں کو حساب کے بعد ہمارے حکم سے جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا اس سے ان کی تحقیر و اہانت مطلوب ہے کہ انہیں ٹولیوں کی صورت میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے گمراہی اور شرارت کے اعتبار سے ترتیب وار چلایا جائے گا۔ بڑے گمراہ اور بدترین کافروں کو آگے آگے ان کے تابعداروں کے پیچھے لگایا جائے گا۔ آگے جہنم کے تیور بدلے ہوں گے یہ اس کا بدلہ ہوگا کہ جب ان کے سامنے اوامر و نواہی سنانے والے آتے تو ان سے تیور بدل جاتے۔

حتی اذا جاؤھا۔ یہ وہ لفظ حتی ہے جو جملہ کے بعد واقع ہوتا ہے یہاں تک ذلت و خواری کے ساتھ جہنم تک آئیں گے۔

اذا کا جواب **فتحت ابوابھا** ہے تو جہنم کے ساتوں دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ یہ کافر اس میں داخل ہوں اور دوزخ کے سات دروازے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ لہا **سبعۃ ابواب**۔

نکتہ: ان کے آنے سے پہلے دوزخ کے دروازوں کو بند رکھنے کا ایک فائدہ یہ مطلوب تھا کہ کافروں کو دوزخ کی شدت کا خوف دلایا جائے اور آگ کو بند رکھنے میں اس کی گرمی میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

فائدہ: الاسئلۃ القیمہ میں ہے کہ دوزخ کے دروازوں کو بند رکھنا دنیوی قید خانوں کے مطابق ہوگا کہ جب مجرم جیل میں نہیں ہوتا تو اسے بند رکھا جاتا ہے جب مجرم آتا ہے تو دروازے کھولے جاتے ہیں اس طرح سے مجرم پر قید کا سخت اثر پڑتا ہے پھر ایسے طریقہ اختیار کرنے سے ان کی اہانت و تحقیر بھی مطلوب ہے۔

فائدہ صوفیانہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ دراصل اس طرح سے کافروں کو روحانی سزا دینا مطلوب ہے اس لیے روحانی سزا جسمانی سزا سے شدید تر ہوتی ہے۔ اسی لیے انھیں دوزخ کے دروازوں پر کھڑا رکھنا عذاب کی شدت مقصود تھی یہی وجہ ہے کہ اُس وقت دوزخی عرض کریں گے یا اللہ ہمیں اس شدت انتظار اور اس کی سخت تکلیف سے نجات بخشئے اگرچہ جہنم میں دھکیل دیجئے لیکن یہاں سے ہمیں نجات مل جانی چاہیئے۔

دیگر: اس میں اشارہ ہے کہ اوصاف ذمیمہ نفسانیہ بھی سات ہیں:

۱۔ کبر	۲۔ بخل	۳۔ حرص	۴۔ شہوت
۵۔ حسد	۶۔ غضب	۷۔ کینہ	

دراصل دوزخ کے سات دروازے یہی ہیں۔ نفس کو ان سے تصفیہ تزکیہ ضروری ہے۔ وقال لھم خزنتھا یہ تقریع و توبیخ ہے بلکہ ان کے درد و الم پہنچانے میں اضافہ کرنا ہے خزنۃ خازن کی جمع ہے جو خزانے کی نگرانی کرے اسے خازن کہا جاتا ہے۔ اس سے جہنم کے نگران فرشتے مراد ہیں یعنی وہ ملائکہ جو کفار کے عذاب پہنچانے کے لیے مامور ہیں الم یاتکم رسل منکم کیا تمھاری جنس سے اور تمھارے جیسے آدمی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تمھارے ہاں نہیں آئے تھے اور انھیں تمھاری جنس اور تمھارے جیسے آدمی بنا کر اس لیے بھیجا گیا تاکہ تمھیں کلام الٰہی سمجھنے میں آسانی ہو۔ یتلو علیھم آیات ربکم وہ تمھارے سامنے آیات ربانی پڑھتے تھے اس سے وہ آیات مراد ہیں جو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے وینذرونکم لقاء یومکم ھذا اور اُسی وقت حاضری سے وہ تمھیں ڈراتے تھے۔ اس سے قیامت میں ان کا جہنم میں داخل ہونے کا وقت مراد ہے۔ اس سے مطلق قیامت مراد نہیں اس لیے کہ یہ اضافت لامیہ ہے اور وہ اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اور قیامت کا دن صرف کافروں سے مخصوص نہیں بلکہ اس میں تو جملہ مخلوق حاضر ہوگی۔

قاعدہ: لفظ یوم اور ایام شدت کے مواقع پر مستعمل ہوتے ہیں۔ اس معنیٰ پر ہم نے یوم کو وقت کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ شرع کی حجت سے قبل کسی کو مکلف نہیں بنایا جاتا جیسا کہ آیت میں تصریح ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ اُس وقت توبیخ فرما رہا ہے جبکہ ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائے اور کتب الٰہی پڑھ کر سنائیں۔ قالوا بلیٰ۔ کہیں گے۔ واقعی حضرات تشریف لائے اور انھوں نے ہمیں کتب الٰہی سنائیں اور عذاب خداوندی سے ہمیں ڈرایا۔ یہ ایسے وقت پر اعتراف و اقرار کر رہے ہیں

جہاں انھیں اس اقرار و اعتراف سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ولٰکن حقت کلمۃ العذاب لیکن ثابت ہوگیا کہ عذاب کا
وعدہ اس سے یہی ابلیس کے جواب میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاملئن جہنم منك وممن تبعك منہم
اجمعین مراد ہے۔ علی الکافرین۔ کافروں پر۔ کافر کہیں گے کہ ہم چونکہ ابلیس کی اتباع کرکے رسل کرام
علیہم السلام کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ما نزل اللہ من شیٔ ان انتم الا تکذبون اسی
لیے آج ہمیں سزا ملے گی۔

ع امروز قدر پند عزیزاں شناختیم آج ہی ہم نے بزرگوں کی نصیحت کو سمجھا

قیل ادخلوا ابواب جہنم خالدین فیھا۔ کہا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ اور اس میں
تم ہمیشہ رہوگے یعنی اس میں تمہارا ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ کہی ہوئی بات یعنی جہنم میں ہمیشہ رہنے کے حکم
کو ہولناک ظاہر کرنے کے لیے قیل صیغہ مجہول لاکر قائل کا نام ظاہر نہیں کیا گیا۔

صوفیانہ فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ دوزخ کو پیدا کیا جائے تاکہ اس کی صفت قہر کا اظہار
ہو اس لیے اس میں داخل ہونے والوں کو پیدا فرمایا۔ اس کے ساتھ بہشت اور اس کے اہل کو پیدا فرمایا تاکہ
اس کی صفت لطف کا اظہار ہو۔ اسی حکمت پر ازل میں کہا گیا کہ قہراو قہرا د جبر۔ جہنم کے دروازوں میں داخل
ہو جاؤ۔ اور دوزخ کے دروازے وہی سات صفات ہیں جنہیں ہم نے اوپر ذکر کیا۔

خالدین فیہا۔ یعنی ان میں تم ہمیشہ رہو کہ تمہارا ان صفات سے خارج ہونا ناممکن ہوگا جیسے متقیوں کے
لیے ممکن ہوگا کہ ان میں اگرچہ یہ سات صفات ہوں تب بھی وہ ان سے نکل کر تزکیۂ نفس و تصفیۂ نفس کر لیتے تھے۔ فبئس
مثوی المتکبرین اور ان لوگوں کا بہت بڑا ٹھکانا جہنم ہے جو ایمان و طاعت و حق سے انکار کرتے ہیں۔

المتکبرین کی لام جنس کی ہے اور لام جنس کو یہ معنی منہ نہیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان کے تکبر عن الحق
سے انھیں جہنم میں جانا ہوگا کیونکہ ازل میں ان کے لیے ثابت ہو چکا تھا کہ وہ تکبر و کفر کی وجہ سے جہنم میں جائیں
گے۔ خلاصہ یہ کہ تکبر عن الایمان اور دیگر قبائح و جرائم دوزخ میں داخل ہونے کے اسباب ہیں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ عاصی دو قسم کے ہیں:

(۱) متکبرین یعنی کفر و جرائم پر اصرار کرنے والے اور ابلیس کے سچے پکے وفادار۔ ایسے لوگ دوزخ میں ہمیشہ
رہیں گے۔

(۲) متواضعین یعنی کفر و جرائم سے توبہ کرنے والے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اتباع کرنے والے
یہ لوگ نجات پائیں گے۔

تکبر کے نتائج: آیت سے ثابت ہوا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کبر ہے بلکہ شرک و کفر اسی تکبر کی پیداوار ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین۔

حدیث قدسی شریف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کبریائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے جو دونوں مجھ سے چھینے گا میں اُسے جہنم میں داخل کروں گا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بہشت میں ہرگز نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔

ازالۂ وہم ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے بہت سے دوست اچھے کپڑے، اچھے جوتے استعمال کرتے ہیں اور جی ہم سب کا چاہتا ہے کہ ایسے ہونا چاہیئے تو پھر بھی ہمیں تکبر میں شامل کیا جائے گا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اگر کوئی اچھی نیت سے کرتا ہے تو بہتر ہے کیونکہ ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال۔ اللہ جمیل ہے اور حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔

فائدہ: حق کو خراب کرنے اور لوگوں کی تحقیر کا نام کبر ہے یعنی اوامر و نواہی الٰہی میں حق کو ضائع کرنا اور انھیں کچھ نہ سمجھنا اور لوگوں کو حقیر ناقص اور لاشے سمجھنا۔

شرح الحدیث: حدیث شریف کے دو مطلب ہیں:۔

۱۔ تکبر کا معنیٰ ہے ایمان کا انکار۔

۲۔ کسی کے دل میں تکبر کا جزو ہو لیکن اسے عذاب دے کر یا معاف کرکے اسے نکال لیا جائے۔ اس لیے کہ جس کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ یہ امام خطابی کی تقریر ہے اور تکبر وغیرہ کو دل سے نکالنے کی تصریح قرآن مجید میں ہے۔ ونزعنا ما فی صدورھم من غل۔

دوسری تقریر: ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ کبر ایسا بُرا عمل ہے کہ اگر اس کے لیے اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے تو اس کی سزا بہشت سے محرومی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اہل توحید پر احسان کرتے ہوئے اس بُرے عمل کو معاف کرکے اسے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

خطابی کا رد: حضرت اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے لکھا کہ مذکورہ حدیث سے محض تغلیظ و تشدید مطلوب ہے اور خطابی صاحب کی توجیہ ثانی مذکورہ بالا بعید از قیاس ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی بندے کو بخشنا چاہے گا تو پہلے اس کے گناہ بخشے گا خواہ وہ تکبر ہو یا کوئی اور جرم۔ اس میں صرف تکبر کی تخصیص کیوں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

جمعت خیرہا ہمہ درخانہ ونیست
آں خانہ را کلید بغیر از فروتنی
شرہا بدیں قیاس بیک خانہ است جمع
و آں را کلید نیست بجز مائی ونہی

ترجمہ: تمام نیکیاں گھر میں جمع ہیں لیکن اس کی چابی نہیں ہاں اس کی چابی عاجزی ہے۔
یہ: تمام برائیوں کا یہی قیاس ہے کہ وہ ایک گھر میں ہیں اور اُن کی چابی تکبر ہے۔

تفسیر عالمانہ: وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا۔ اور متقیوں کو بہشت کی طرف جماعتوں کی صورت میں لے جایا جائے گا۔ آگے پیچھے جماعات کی ترتیب ان کے مراتب و کمالات کے مطابق ہوگی لیکن یہ حساب سے پہلے یا حساب کے بعد فوراً یا بدیر جیساکہ "ووضع الکتاب" کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا اور ان حضرات کو لے جانے والے ملائکہ کرام ہوں گے جو صرف اس کام پر مامور ہیں اور یہ لے جانا تکریم وتعظیم کے طور پر ہوگا جس میں نہ انھیں کوئی تھکان محسوس ہوگی اور نہ کوئی اور پریشانی بلکہ اس سے وہ اُلٹا بہت مسرور ومفروح ہوں گے اور دار الکرامت میں داخل ہونے کے لیے بہت بڑی تیز رفتاری سے جائیں گے اور متقین سے شرک سے بچنے والے لوگ مراد ہیں یعنی عوام اہل جنت اور ان سے اُوپر والے حضرات کے لیے بہشت کو قریب لایا جائے گا کما قال اللہ تعالیٰ وازلفت الجنۃ للمتقین اور پھر ان سے اُوپر والے حضرات کا یہ حال ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔

فائدہ: اُوپر والے فرق میں قرآن مجید نے دوسرے مقام پر بیان فرمایا ہے اس لیے کہ وہ اہل بہشت جو ظالم لنفسہ ہیں وہ پیدل چل کر جائیں گے اور مقتصد حضرات اہل زلفہ ہیں اور اہل وفد سابقون فی الخیرات ہیں۔

برق براق سواریاں: جب عادۃ الی المحشر کا صور پھونکا جائیگا اور ہر ایک اپنی قبر سے اُٹھ کر میدان محشر میں جانے کے لیے تیاری کر رہا ہوگا تو ہر ایک کا اپنا عمل قبر پر آکر صاحب عمل کو کہے گا آیئے حضرت میں آپ کو میدانِ محشر میں لے چلوں۔ مراتب پر سواریوں کی شکل میں اعمال متمثل ہو کر حاضر ہوں گے۔ بعض کے خچر کی صورت۔ بعض کے گدھے کی صورت۔ بعض دنبے کی صورت میں۔

نور ہی نور: جب قبور سے میدان محشر کے لیے جائیں گے نور راستہ اعمال کے مطابق روشن ہوگا بعض کا گیس کی روشنی میں بعض کا ستاروں کی روشنی کی طرح۔ بعض کا چاند کی روشنی جیسا بعض کا سورج کی روشنی کی طرح ہوگا۔ یعنی قوتِ ایمانی اور اصلاح اعمال کے مطابق دائیں۔ آگے۔ پیچھے روشنی

ہی روشنی ہوگی۔ البتہ دائیں جانب تاریک ہوگی تاکہ اس طرف سے جہنمی چلیں۔ تو وہ انھیں نظر نہ آئیں۔ مومن اس نور کے عطیہ اور کافروں کو تاریکی کی وجہ سے حمد الٰہی بجا لائے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ بعض لوگ پیدل اور بعض تو پاؤں کی انگلیوں پر چلیں گے (بوجہ اعمال صالحہ کی قلت اور جرائم کی کثرت کے)۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ میدان محشر میں لوگ کس طرح حاضری دیں گے آپ نے فرمایا کہ بعض اونٹ پر دو دو سوار ہوں گے بعض پانچ پانچ اور بعض دس دس۔ وہ اس لیے کہ وہ اونٹ ان کا عمل ہوگا اور وہ اس میں سب شریک ہوں گے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اونٹ کی شکل بنا کر ان کے لیے سواری کے لیے بھیجے گا اس کی مثال یوں سمجھو کہ چند اشخاص مل کر ایک سواری (اونٹ مثلاً) خرید لیتے ہیں جب سفر کرتے ہیں تو باری باری اس پر سوار ہوتے ہیں وہاں بھی ایسے ہوگا یہ نہیں کہ یکبارگی پانچ پانچ دس دس ایک اونٹ پر بیٹھ جائیں۔

سبق: اے اللہ کے بندو! نیک عمل کرو تاکہ وہ تمہارا عمل قیامت کے میدان میں اونٹ کی شکل میں لایا جائے اور تم اس پر سوار ہو کر آسانی سے سفر کر سکو اور شرک سے ہر طرح بچنے کی کوشش کرو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک عمل میں چند شرکا ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ سب کو ایک سواری دے تو مالک ہے اگر علیحدہ علیحدہ سواری عطا فرما دے تو بھی اس کے خزانے میں کمی نہیں آئے گی۔

حکایت: منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کو اپنے باپ سے وراثت میں بہت سا مال ملا۔ اس نے ایک باغ خرید کر فقراء و مساکین میں وقف کر دیا اور بہت سا نقد مال اور دیگر سامان غرباء محتاجوں کو تقسیم کر دیا اور کہا کہ میں اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ سے خدام اور کنیزیں لوں گا۔ ایک دن کہیں جا رہا تھا کہ ایک نابینا جو نہایت بوڑھا تھا کہ پھسلتا جا رہا تھا۔ اس شخص نے ایک سواری خرید کر اس نابینا بوڑھے کو سوار کیا اور کہا کہ اس سواری کے عوض میں قیامت سے اللہ تعالیٰ سے سواری لوں گا۔ اسی شخص کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے لیے سواری لائی گئی ہے۔ اس سواری کو لگام دی گئی ہے اور وہ قیامت میں اس پر سوار ہو کر آئے گا ؎

خیر باز ست و طاعت و نیک
نہ ہر کس تو انا ست بر فعل نیک

ترجمہ: خیر و بھلائی کا دروازہ کھلا ہے اور طاعت کا بھی۔ لیکن ہر ایک کو نیک عمل کی طاقت نہیں۔

(اُسے ہے جسے توفیق ایزدی نصیب ہے)۔

حتیٰ اذا جاءھا و فتحت ابوابھا: یہاں تک کہ جب وہ بہشت کے نزدیک آئیں گے تو درانحالیکہ ان کے لیے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ انہیں انتظار کی زحمت نہ دیکھنی پڑے پھران پر تالے بھی نہیں لگائے جائیں گے کیونکہ یہ دارالفرح والسرور ہے اور عموماً مہمان خانے کھلے رکھے جاتے ہیں تاکہ مہمانوں کو ان میں داخل ہونے کے لیے کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

سوال: ایک حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ بہشت کے دروازے بند ہوں گے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو پھر کھلیں گے چنانچہ سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں ہی بہشت کے دروازے کھلواؤں گا۔

جواب: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان لوگوں کے داخلے سے پہلے ہی بہشت کے دروازے کھلے رہنے کی استدعا فرمائیں گے آپ کی استدعا ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہو گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی استدعا کے بعد ان کے آنے سے پہلے تک دروازے بند نہیں کیے جائیں گے اور آپ کی یہ استدعا حساب وکتاب سے پہلے ہو گی۔ پھر جونہی یہ لوگ حساب وکتاب سے فارغ ہوں گے تو فوراً بہشت میں چلے جائیں گے۔ ان کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو گی اور نہ ہی ان کے لیے جہنمیوں کی طرح انتظار کرنا پڑے گا۔ یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا جس میں حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں ہی بہشت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور جنت تمام اُمتوں پر حرام ہے۔ جب تک میں اور میری اُمت اس میں نہیں جائیں گے۔

صاحبِ روح البیان کی عجیب توجیہ

صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حدیث اول و دوم کا مطلب بطریق تمثیل ہے اولیت کے لیے یعنی سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی اُمت ہی بہشت میں داخل ہو گی۔ اس توجیہ پر مزید کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

فائدہ:۔ بہشت کے آٹھ دروازے ہیں اس کے متعلق روایات وارد ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کے آٹھ دروازے ہیں ہر دروازے کے مابین کی مسافت سوار کی رفتار پر ستر سال کی ہے اور اس کے ہر دروازے کا مصرع سات سال کا ہے۔ ایک روایت میں دونوں دروازوں کی مسافت چالیس سال بتائی گئی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مکہ و بصرہ کے درمیانی مسافت کے مطابق مذکور ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ یہ واو ثمانیہ سے معروف ہے اور اس میں ہے کہ واو ثمانیہ غیر مطردہ ہے۔ اس واو

کے متعلق سورہ توبہ کے آخر میں تفصیل عرض کر دی ہے۔

نکتہ: بہشت کے آٹھ اور دوزخ کے سات دروازوں کا نکتہ یہ ہے کہ بہشت اللہ تعالیٰ کا فضل اور دوزخ اس کا عدل ہے اور فضل عدل سے زائد ہے اور جنت اس کی رحمت اور دوزخ اس کا غضب ہے اور رحمت غضب پر غالب و سابق ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نار جزا ہے اور جزا حد سے زائد ہو تو وہ ظلم ہوتا ہے اور بہشت ثواب ہے اور ثواب اس کا کرم ہے۔

نکتہ: اذان کے سات اور اقامت کے آٹھ کلمات ہیں ایسے ہی بہشت کے آٹھ اور دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو اذان و اقامت پر عمل کرے گا اس کے لیے دوزخ کے دروازے بند اور بہشت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

فائدہ: اور **اذا** کا جواب محذوف ہے یعنی جو کچھ اس کے لیے ہوگا وہ حیطۂ بیان سے باہر ہے بعض نے کہا **اذا** کا جواب **وفتحت** ہے اور اس کی واؤ زائد ہے تاکہ اشارہ ہو کہ ان کے آنے سے پہلے ہی بہشت کے دروازے کھلے ہوں گے۔

وقال لھم خزنتھا۔ بہشت کے داخلہ کے وقت بہشتیوں کو بہشت کے نگران یعنی رضوان بہشت اور دیگر فرشتے کہیں گے **سلام علیکم** ۔ تمھیں تمام تکالیف و آلام سے سلامتی ہو۔ یہ تحیہ نہیں بلکہ انھیں آنے والے مقام میں رہنے کی خبر دی جا رہی ہے۔ اسی لیے کاشفی نے ترجمہ لکھا کہ اے بہشتیو تم پر درود و سلام اور تمھارے لیے امنی و سلامتی لازم ہے۔

فائدہ: یہ عوام کو کہا جائے گا اور خواص کو اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا **سلام قولا من رب رحیم** ۔ اس لیے کہ بہشت میں سلام کے کئی وجوہ ہوں گے:۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے سلام اگرچہ بالواسطہ سہی۔

(۲) سلام خاص لیکن بلاواسطہ مگر یہ اُس وقت ہوگا جب بارگاہ حق میں حاضری ہوگی۔ **طبتم** ۔ تم معاصی کی گرد و غبار سے پاک ہوئے یا تم خوش ہو گئے کہ تمھارے لیے بہشت کی ہر نعمت مباح کر دی گئی ہے۔

حضرت علی کی تفسیر: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میدان محشر سے فارغ ہو کر بہشت کی طرف روانہ ہوں گے کہ پہلے ایک نہر سے گزریں گے وہاں انھیں غسل کا حکم ہوگا پھر دوسری نہر ہوگی جس سے پانی پئیں گے جس سے ان کا باطن ظاہر کی طرح پاک و صاف ہو جائے گا۔ اُس وقت انھیں فرشتے کہیں گے **طبتم فادخلوھا خلدین** ۔ پس بہشت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ فاء دلالت کرتی ہے کہ ان کا پاک ہونا بہشت کے داخلے کا سبب اور ہمیشہ رہنے کا سبب ہے خواہ ان کے گناہوں کو معاف کر کے یا سزا دینے کے بعد اس لیے کہ ہر دونوں طریقے ان کے پاک ہونے کے سبب ہیں یعنی اقرار لسانی برائے توحید و رسالت اور

اعمال بدنیہ صالح سے ان کا ظاہر پاک ہوا اور ان کا باطن حسن نیات و احسن عقائد سے۔

ذکر الٰہی کی فضیلت: عرائس البقلی میں ہے کہ ذکر الٰہی سے ملائکہ کو رشک ہوتا ہے جب وہ اس کی برکت سے اولیاء و صدیقین کے منازل دیکھیں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو فرمائے گا کہ اب تم لوگ مشاہدہ جمال میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وصال حق سے سرشار ہو گئے اب تمھارے لیے حجابات اٹھا دیئے گئے ہیں۔ وہ اس لیے کہ اس دن اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہما السلام اور اولیاء کاملین پر معارف و احوال و طاعات و اذعان و نعیم جنان و رضائے رحمٰن اور نظر الی رب دیّان کے دروازے کھول دے گا اور ان سے بلا واسطہ کلام فرمائے گا اور بلا واسطہ السلام علیکم کے خطاب سے نوازے گا اور عجیب و غریب مژدہ باد کے لطف و کرم فرمائے گا جس پر رضوان سے تائید غلغلے اٹھیں گے تو ملائکہ کو رشک ہو گا اس سے وہ ان نوازشات سے کوسوں دور ہوں گے۔

ملائکہ را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: ملائکہ کو حسن طاعت کا کیا فائدہ جب عشق کا فیض آدم علیہ السلام کو نصیب ہوا۔

عشق کی نشانی: عاشق کو آزمانے کے لیے جہاد کا امر اور بلایا و محن و مصائب پر صبر اور عبادات کی مشقات کی برداشت پر مامور کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ملائکہ میں عشق نہیں تو یہ امور ان کے لیے مقرر نہیں اگرچہ وہ صبح و شام ذکر الٰہی میں مصروف ہیں اور اس سے وہ تھکتے بھی نہیں اور قاعدہ ہے کہ بہت سا تھوڑا کام بہت بڑی اور کثیر التعداد تسبیح سے افضل ہوتا ہے۔ بہت سے اگرچہ ساری رات سوتے رہتے ہیں۔ وہ رات بھر جاگنے والوں سے بہتر ہوتے ہیں اسی لیے کہ ان کے اجسام نوری ہوتے ہیں اور دوسروں کے گوشت و پوست اور خون سے۔ پھر انہیں ان نورانی حضرات پر کسی قسم کی فوقیت نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ صرف صورتوں کو بھی نہیں دیکھتا اور آب حیات کو بھی اسی لیے تاریکی میں پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

فروغ گوہر من از نژاد خورشید است
بتیرگی نتواں کرد پائمال مراد

اور فرمایا ؎

بر بساط ریا سیر دو عالم می کنم
با وجود نے سواری برق جولانیم ما

ترجمہ: میرے گوہر کی روشنی خورشید کی اصل سے ہے۔ تیرگی سے میری مراد کو ضائع نہیں کیا جا سکتا۔

۲: چٹائی کے فرش پر دونوں جہان کی سیر کرتا ہوں باوجودیکہ میرے پاس سواری نہیں لیکن میری

جولانیاں برق (بجلی) جیسی ہیں ۔

تفسیر عالمانہ : وقالوا ۔ جب اہل ایمان بہشت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے ۔ الحمد للّٰہ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں ۔ الذی صدقنا وعدہ ۔ وہ جس نے ہمارے وعدہ سچا کر دکھلایا کہ قیامت میں زندہ کر کے ثواب عطا فرمایا ۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حمد ان عارفین کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں بہشت میں ہوں گے ۔ اور الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ۔ واصلین کی حمد ہوگی ۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان میں بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے ایفائے وعدہ پر حمد کریں گے اور ان کے بعض صرف اس لیے کہ وہ ہر حال میں حمد کے لائق ہے اسے اس کی نعمت کا علم ہے یا نہ ۔ یہی حمد پہلی حمد سے بلند تر ہے اور یہی خواص کی حمد ہے ۔ واورثنا الارض اور ہمیں زمین کا وارث بنایا اس سے وہ مکان مراد ہے جس پر وہ بہشت میں مستقر ہوں گے بطریقہ استعارہ اسے الارض کہا گیا ہے اور ایراث بمعنی اعطاء و تملیک ہے وہ اس لیے کہ جیسے وراثت کا مال کسی شے کے عوض میں نہیں بلکہ گویا مفت مل جاتا ہے ۔ ایسے کہ جیسے جب اپنے اعمال کا حال دیکھیں گے تو انہیں جنت کی نعمتیں گویا مفت عطا ہوئی ہیں اور ایراث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انھیں بہشت کی نعمتوں کی ملکیت حاصل ہوگی جیسے وارث کو مورث کا مال بطور ملکیت حاصل ہوتا ہے ۔

فائدہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صدق الوعد ۔ عوام کے لیے ہے جسے واورثنا الخ سے تعبیر فرمایا اور صدق وعدہ ۔ خواص کے لیے جسے للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ مقعد صدق اخص الخواص کے لیے چنانچہ ان کے لیے فرمایا ان المتقین فی جنات ونھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر ہا فنعم اجر العاملین میں عاملین سے عاشقین مراد ہیں ۔ نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء التبوء بمعنی جا گرفتن (جگہ بنانا) کذا فی تاج المصادر ۔ المباۃ بمعنی محلہ سے ہے ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور ابوعلی نے فرمایا کبھی یہ دو مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے ۔ اہل عرب کہتے ہیں بوأت لہ مکانًا بمعنی سویتہ یعنی میں نے اس کے لیے جگہ تیار کی ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ بہشت والے حمد بجالا کر کہیں گے کہ بہشت میں ہم جہاں چاہیں جگہ بنائیں اور جہاں ہمارا جی چاہے اس میں قرار لیں ۔ یعنی ہم اپنی مقرر کردہ بہشت میں جہاں چاہیں آرام کریں یہ نہیں کہ وہ دوسرے کی جگہ میں جہاں چاہے مکان بنائے یا قرار لے ۔ اس لیے کہ بہشت کے مقامات معنوی نہیں ۔ اس میں کسی دوسرے کو آنے جانے کی رکاوٹ نہ ہوگی ۔ (کذا فی التفسیر الکبیر) ۔

فائدہ : حکمائے اسلام نے فرمایا کہ بہشت دو قسم ہے :

۱۔ جسمانی ۲۔ روحانی

جسمانی ہیں تو مشارکت نہیں ہوگی لیکن روحانیت میں عام اجازت ہے کہ وہ جس درجہ کو چاہے حاصل کرے۔

تفسیر الفاتحہ للفناری میں ہے کہ جنت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حسی ۲۔ معنوی

عقل دونوں کو مانتی ہے جیسے ہم عقلاً مانتے ہیں کہ عالم دو ہیں:

۱۔ عالم لطیف ۲۔ عالم کثیف

اور غیب و شہادت اور نفس ناطقہ جسے احکام شرعیہ کا مکلف بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے ہر طرح کی نعمتیں ہیں مثلاً علوم و معارف یہ وہ نعمتیں ہیں جنہیں نظر سے تعلق ہے اور بعض نعمتیں ہیں جو لذات و شہوات سے متعلق ہیں انھیں نفس حیوانیہ محسوس کرتا ہے جنہیں اس کے قویٰ حسیہ فائدہ حاصل کرتی ہیں جیسے کھانا پینا۔ نکاح، لباس، روائح و نغمات طیبہ اور جمال حسی جیسے دوشیزاؤں کا حسن و جمال ایسے ہی دیگر حسین چہرے اور مختلف رنگ اور درخت اور نہریں۔ یہ تمام نعمتیں نفس حیوانیہ سے متعلق ہو کر نفس ناطقہ تک پہنچتی ہیں جن سے نفس ناطقہ لذت پاتا ہے۔ اگرچہ درحقیقت ان کی لذات کا تعلق ارواح سے ہے لیکن نفس ناطقہ کو بھی دخل ہے اس لیے کہ اگر صرف رُوح کو لذت محسوس ہوتی تو لذت کا تعلق صرف عورت اور بے ریش لڑکے کے حسن سے ہوتا۔

فائدہ: اس ظاہری جنت کی رُوح وہی جنت معنوی ہے وہ جنت معنوی فرح الٰہی ہے اور سرور و ابتہاج ہے جو کمال خداوندی کی ایک صفت ہے اس سے ثابت ہُوا کہ ظاہری جنت بمنزلہ جسم کے ہے اور معنوی جنت اس کی روح ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت کو دارالحیوان سے تعبیر کیا ہے جس سے اہل جنت حسی طور پر لذت پائیں گے اور معنی بھی۔

عجوبہ: جیسے اہل جنت کو اس کی نعمتوں سے لذت محسوس ہوتی ہے ایسے ہی خود جنت کو بھی بعض بندگانِ خدا کی زیارت سے لذت اور فرحت حاصل ہوگی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بہشت کو حضرت علی، حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کا اشتیاق ہے۔

جنت خود مشتاق ہے: حدیث شریف میں ہے کہ بہشت چار شخصوں کا استقبال کرے گی:

۱۔ روزہ دار۔

۲۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا۔

۳۔ زُبان کی حفاظت کرنے والا۔

۴۔ غریب ہمسائیگان کو کھانا کھلانے والا۔

نکتہ: یہی راز اور واضح ہوتا ہے اس حدیث پاک سے جس میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ کو ہمارے ساتھ محبت ہے اور مجھے اُس سے اس لیے کہ اُحد پہاڑ بہشت سے ملحق ہے ایسے ہی دوسرے مقامات شریفہ کیونکہ انمیں بھی حیوۃ وادراک ہے اگرچہ اس کا سمجھنا ہماری عقل جزوی سے خارج ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ کوئی بھی کسی دوسرے کی جنت میں جگہ نہیں بنائے گا پھر حیث نشاء کہنے کا کیا مطلب۔

جواب ۱: اس میں مبالغہ مطلوب ہے کہ ان کے لیے اتنی وسعت اور فراخی ہوگی کہ جہاں چاہیں انہیں ان کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہوگی اور ایسے مقامات پر عموماً اس طرح کے مبالغے ہوتے ہیں۔

جواب ۲: یہ بھی اللہ تعالیٰ کسی بندے میں یہ خیال اور تصور بھی پیدا نہیں فرمائے گا کہ وہ دوسرے کی جگہ پر قابض ہو جائے۔

جواب ۳: یہ دارِ دنیا ہے کہ اس میں غیر اور اپنی شے کا امتیاز ہے اور مکلف لوگوں کو اس کی خلاف ورزی پر سزا بھی ہوگی بخلاف دارِ آخرت کے کہ اس میں ایسے احکامات ہیں ہی نہیں۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ اس میں وسعت و فراخی کی طرف اشارہ ہے کہ بہشت میں ہر شے وافر ملے گی کہ قدر حاجت سے کئی گنا زائد ہوگی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی کسی دوسرے کی جگہ پر قبضہ کر لے گا۔

حضور علیہ السلام کی اُمت کی فضیلت: مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی اُمت سب سے پہلے بہشت میں جائے گی۔ ان کے لیے عام اجازت ہوگی کہ وہ جہاں چاہیں اپنی پسند کی جگہ حاصل کر لیں۔ ان کے بعد دوسری اُمتوں کے داخلے کا حکم ہوگا۔ فنعم اجر العاملین تو کیسا بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کا یعنی بہشت کیسا بہتر اجر ہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہر فرض و نفل اور کارِ خیر اور ترک حرام و مکروہ کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ جنت اور مخصوص نعمتیں مقرر ہیں جو بھی بہشت میں داخل ہوگا اپنے اعمالِ صالحہ کے مطابق حسب مراتب اعمال مخصوص جنت اور مخصوص نعمتیں پائے گا۔ اور جنت کی فوقیت و فضیلت اعمال کے مراتب پر یوں ہوگی کہ مثلاً بعض مراتب سن کے اعتبار سے زائد ہوں گے بشرطیکہ سن رسیدہ نوجوان سے زائد نیکیاں رکھتا ہو۔ بعض کو زمانہ کی وجہ سے مرتبہ زائد ملے گا بعض کو مقدس مقام میں عبادت کرنے سے فضیلت حاصل ہوگی۔ مثلاً مسجد حرام کی نماز پڑھی ہوئی کو نماز کو مسجد مدینہ سے فضیلت ہے اور مسجد مدینہ کو مسجد اقصیٰ سے اور مسجد اقصیٰ جملہ عالم کی مساجد سے اور بعض کو احوال سے فضیلت ہوگی مثلاً نماز باجماعت کو تنہا نماز سے فضیلت ہے۔ بعض نفس اعمال میں افضل ہیں مثلاً نماز پڑھنا راستے سے کانٹے ہٹانا سے افضل ہے۔ ایک ہی عمل سے دوہرا ثواب ملتا ہے مثلاً ذی رحم محرم مستحق صدقہ کو صدقہ دینا دوہرا ثواب ہے۔ ایسے ہی اہل بیت سیدزادہ مستحق کو نذرانہ۔ ہدیہ

پیش کرنا دوہرا ثواب ہے۔ بعض حضرات ایک ہی ساعت ان گنت ثواب حاصل کر لیتے ہیں مثلاً بیک وقت آنکھ اور کان سے اور ہاتھ سے عبادت بجا لانا۔ روزے ہیں ایک عبادت ہیں عبادات کی ادائیگی ہوتی ہے ایسے ہی نماز میں بھی۔ ایسے ہی متعدد نیات سے متعدد ثواب نصیب ہوتے ہیں۔ مثلاً اس نے نیت کی کہ فلاں فلاں نیک کام کروں گا اور فلاں فلاں برائیوں سے باز رہوں گا وغیرہ وغیرہ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو بہت سی نیکیوں کو بیک وقت ادا کرتے ہیں ؎

چو از جانگاہ دریدن گرد
نبردی ہم افتان و خیزان برو
گراں باد پایاں برفتند تیز
تو بے دست و پا از نشستن بخیز

ترجمہ: جب تو اپنی جگہ سے دوڑنا نہیں جانتا تو بھی افتاں وخیزاں (گرتا گرتا) چلتے رہو۔
۲: اگر باد رفتار تیز چلے گی تو بے دست و پا ہے تو کیا ہوا کم از کم اُٹھ تو سہی۔

تفسیر عالمانہ: وترى الملائكة۔ اے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ قیامت میں مردوں کے زندہ اُٹھنے کے بعد ملائکہ کرام کو دیکھیں گے۔ کاشفی نے لکھا کہ جب آپ مقام مقعد صدق اور رتبۂ قرب میں ہوں گے تو آپ فرشتوں کو دیکھیں گے۔ حافین۔ گھیرے ہوئے ہوں گے۔ من حول العرش۔ یہ من زائدہ ہے یا ابتدائے حفوف کے لیے ہے۔

حل لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں حفوا حولہ حفوفا بمعنی کافوریہ واستدار وا۔ اسی سے حافین ہے بمعنی محیطین ماحفۃ العرش یعنی عرش کی ہر جانب سے گھیرنے والے ہوں گے۔ یسبحون بحمد ربہ۔ یہ حال ثانیہ یا پہلے جملہ کے لیے مقید ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ان اُمور سے تنزیہ بیان کرتے ہیں جو اس کے شان کے لائق نہیں درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے متلبس اور اس کے وصف و جمال و کرام کو یاد کرتے ہوئے لذت پاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

فائدہ: تسبیح سے اللہ تعالیٰ سے اُن اُمور کی نفی کی جاتی ہے جو شایانِ شان نہیں اور حمد اس کے صفات کا بیان کار ثبات مطلوب ہوتا ہے کہ بندہ حق اور اس کی صفات میں مستغرق ہو جائے۔

فائدہ: صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا جیسے عرش کے گرد فرشتے تسبیح و حمد کرتے ہوئے طواف کرتے ہیں ایسے ہی کعبہ کے گرد اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کا شکر اور ذکر کرتے ہوئے طواف کرتے ہیں۔

طواف کا نکتہ: طواف میں ایک نکتہ یہ ہے کہ عالم وحدت ہر قید وجہات سے پاک ہے ایسے ہی عارف کا دل بھی۔ چونکہ کعبہ معظمہ ذات احدیہ کی صورت میں ہے اسی لیے اس کے گرد

گھومنے اور اس کے طواف کا حکم ہوا ہے۔

طواف و نماز کا فرق: طواف ظاہراً و باطناً اطلاق کی حیثیت رکھتا ہے اور نماز بظاہر مقید ہے اور ہم نے ظاہر کی مقید اسی لیے لگائی ہے کہ اس میں جہت کعبہ کی قید ضروری ہے۔ اگر اس قید سے ہٹ جائے تو نماز ہو گی ہی نہیں۔ وقضی بینھم بالحق اور مخلوق کے درمیان حق یعنی عدل و انصاف کا فیصلہ ہو گا کہ جہنمی جہنم میں اور بہشتی بہشت میں داخل کیے جائیں گے یا یہاں پر ملائکہ کے درمیان فیصلہ مراد ہے وہ اس طرح کہ انھیں اُن کے درجات کے مطابق اُمور پر متعین کیا جائے گا اور یہ بھی ہے کہ ان کے اعمال کے مطابق انھیں مراتب عطا ہوں گے جیسا کہ الحام المرجان میں ہے کہ ملائکہ اگرچہ معصوم ہیں لیکن اُن کے اعمال کے مراتب کی وجہ سے ان کے فضائل و کمالات میں بھی فرق رکھا گیا ہے جیسے رسل البشر عام انسانوں سے افضل ہیں ایسے ہی رسل الملائکہ عام فرشتوں سے افضل ہیں۔

وقیل الحمد للہ رب العٰلمین اور کہا جائے گا جمیع محامد اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہیں کہ اس نے کہ ہمارے درمیان حق کا فیصلہ فرمایا اور ہمیں حق سے نوازا۔ اس کے قائل اہل ایمان ہوں گے جن کے حق میں حق فیصلہ ہو گا یا وہ فرشتے جن کا ابھی ذکر ہوا بوجہ اُن کے متعین ہونے اور ان کی تعظیم و تکریم۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مابین ملائکہ و انبیاء و اولیاء فیصلہ ہو گا کہ انھیں ان کی شان و قدر کے مطابق مراتب و منازل عطا ہوں گے۔ اس کے بعد ہر ایک کہے گا الحمد للہ رب العٰلمین کہ اس نے ہم پر انعام و اکرام فرمایا۔

فائدہ: جناب کاشفی نے لکھا ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق کی ابتداء پر اپنی حمد فرمائی کما قال: الحمد للہ الذی خلق السمٰوات والارض۔ پھر جب مخلوق نے آسمان و زمین کو قرار پایا تو بھی تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ ابتداء و انتہا ہر طرح سے حمد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے ؎

در خود ستائش نبود غیر تو کس
جا کہ ثنائیست ترا زیبد و بس

ترجمہ: تیرے سوا کوئی بھی ستائش کے لائق نہیں۔ جہاں کوئی ثنا ہے تو وہ تجھے زیبا ہے اور بس۔

فائدہ: جب ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہے تو انسان پر بھی لازم ہے کہ وہ بھی ہر وقت اس کی حمد و ثناء میں مشغول رہے اس لیے کہ یہ افضل المخلوقات ہے۔

بعض عارفین نے فرمایا ؎

ثنا گو تا ثنا یابی شکر گو تا عطا یابی
رضا دہ تا رضا یابی وارجہ تا قدر یابی

ترجمہ: تعریف کہہ تاکہ تعریف پالے شکر کہہ تاکہ عطا نصیب ہو۔ رضا دے تاکہ رضا نصیب ہو ورا کو تلاش کر تاکہ ورا نصیب ہو۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام فرماتا ہے تو پھر وہ کہتا ہے الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو کہ میں نے اسے وہ عطا کیا جو اس کے مقدر میں تھا لیکن اس نے اس کے عوض میں ایسی شے دی جس کی قیمت کوئی نہیں ادا کر سکتا۔

فائدہ:۔ خلاصہ یہ کہ انعام نو اشیاء میں سے ایک شے ہے اور وہ عادات انسانی میں شامل ہے مثلاً بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا اور ننگے کو کپڑے پہنانا۔ لیکن الحمد للہ وہ کلمہ ہے کہ اس کا معنیٰ یوں ہوگا کہ جو بھی کسی وقت کسی کی حمد کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ اس سے ملائکہ عرش و کرسی اور آسمان کے طبقات اور انبیاء و اولیاء و علماء وغیرہم کی جملہ محامد جو کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے یہاں تک جب آخرت میں کہیں گے و اٰخر دعواھم ان الحمد للہ رب العٰلمین تک صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ان محامد کی انتہا ہے بلکہ ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کی محامد کی کوئی انتہا نہیں یہاں تک کہ پھر وہی حضرات مذکورہ بالا بہشت میں ابد الآباد حمد بجا لائیں گے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بندے کو جو نعمت دی ہے اس کا بدلہ ایسی شے دی کہ جس کی قیمت کی ادائیگی کسی سے نہیں ہو سکتی کہ ایسا شکر کیا کہ جس کی کوئی انتہا بھی نہیں۔

فائدہ:۔ کعب الاحبار نے فرمایا کہ عوالم الٰہی کی کوئی گنتی نہیں کما قال تعالیٰ و مایعلم جنود ربك الا ھو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر عالم کے ہر ہر ذرے کا مربی ہے جیسے کہ اس ذرے کا ظاہراً و باطناً تقاضا ہے: ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی اولاً و آخراً حمد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سورۂ زمر کی تفسیر کا اختتام ہفتہ کے دن ۲۷ شعبان ۱۱۱۲ھ کو ہوا۔

اور

فقیر اویسی غفرلہٗ بھی اس کے ترجمہ سے ہفتہ کے دن ۱۹ شوال ۱۳۹۸ھ کو فارغ ہوا۔ فالحمد للہ علی ذالك وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء امتہ اجمعین۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

۹/۱۳/۹۸ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۷۸ء (بہاولپور) ترجمہ کے اختتام کا سن ۱۹۷۸ء جیسے ۱۳۹۸ھ ہے۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنْ

اٰیاتھا ٨٥ — سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ٩

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ
قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ
الْمَصِيْرُ ۝ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ
تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ
حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝
اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ
عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝
رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ
السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے

ترجمہ:۔ یہ کتاب اُتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا علم والا گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا۔ سخت عذاب کرنے والا۔ بڑے انعام والا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ اللہ کی آیتوں میں جھگڑا نہیں کرتے مگر کافر تو اے سننے والے تجھے دھوکہ نہ دے ان کا شہروں میں اہلے گہلے پھرنا۔ ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد کے گروہوں نے جھٹلایا اور ہر اُمت نے یہ قصد کیا کہ اپنے رسول کو

پکڑلیں اور باطل کے ساتھ جھگڑے کہ اس سے حق کو ٹال دیں تو میں نے انہیں پکڑا پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور یوں ہی تمہارے رب کی بات کافروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی ہیں وہ جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اے رب ہمارے تیرے رحمت و علم میں ہر چیز کی سمائی ہے تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب اور انہیں بسنے کے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور اُن کو جو نیک ہوں ان کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں۔ بے شک تو ہی عزت و حکمت والا ہے اور انہیں گناہوں کی شامت سے بچالے اور جسے تو اس دن گناہوں کی شامت سے بچائے تو بیشک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

سورۃ مؤمن مکیہ ہے اس کی آیات پچاسی یا اٹھاسی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر عالمانہ: حٰمٓ یہ سورۃ کا نام محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ وہ سورت ہے جس کا نام حٰمٓ ہے۔ اسے بمنزلہ حاضر کے قرار دے کر اشارہ کیا گیا اس کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حٰمٓ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اس کا ہر نام اُس کے خزانوں کی کنجی ہے جو شخص اُس کے کسی اسم کا بکثرت شغل رکھتا ہے تو ذکر کے مناسب اس اسم کے اسرار و رموز اس پر کھلیں گے۔ جتنا اس شغل سے اس کی مناسبت قوی اتنا ہی اسے مزید مناسبت نصیب ہو گی۔ اس کے بعد اس اسم کے مناسب اس پر حق تعالیٰ کے جلوے متجلی ہوں گے اور اس کی استعداد کے مناسب جتنا چاہے گا فیض یاب فرمائے گا۔

فائدہ: در حقیقت اللہ تعالیٰ کا ہر نام اسم اعظم ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا الر و حم و ن چند سورتوں کے حروف مقطعات اسم الرحمٰن کے حروف ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قسم ہے اس راز کی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں ایسا مخفی ہے جس کا نہ کسی ملک کو علم ہے نہ کسی نبی مرسل (علیہ السلام) کو اور اس کی تقریر یوں ہے کہ حٰمٓ - اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کا وسط ہے۔ یہی اسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وسط ہیں تو جیسے یہ دونوں حروف ان دونوں کے اسرار ہیں۔ ایسے ہی اسی راز کی قسم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان کے مابین ہے یعنی قسم ہے راز مخصوص کی کہ بیشک نازل کرنا کتاب (تنزیل الکتاب الخ)۔

فائدہ:۔ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حٰمٓ میں حی۔ ملک کی طرف حکیم۔ ملک۔ منان۔ مجید کا فواتح ہے۔

کاشفی مرحوم کی تقریر: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حاء کا اشارہ اس حکم کی طرف ہے جو اسے رد و منع نہیں کرسکتا اور میم اس ملک کی طرف اشارہ ہے کہ اسے فناء و زوال نہیں۔

فائدہ: حضرت بقلی مرحوم نے فرمایا کہ حاء حیات الازلی کی طرف اور میم۔ منہل المحبۃ محبت کا چشمہ کی طرف اشارہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ اسے اسی حیاۃ الازلی چشمہ سے سیراب فرماتا ہے۔ پھر اسے اس کی حیات ازلی سے زندگی نصیب ہوتی ہے اور وہ اسی حیات سے ہمیشہ زندہ رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے لیے فنار کا تصور تک نہیں ہوتا۔ اس کی ہر بات اسی حیات کی حکمت سے ہوتی ہے اور محبت کے میم میں ان علوم مجہولہ کی طرف اشارہ ہے جس پر قدم و بقاء کے چشمے پر وارد ہونے والے کبھی آگاہ نہیں ہو سکتے۔

فائدہ: شرح حزب البحر میں ہے کہ حم میں حمایت کی طرف اشارہ ہے اسی لیے غزوۂ احد میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ تمہارا شعار حم لا ینصرون ہونا چاہیئے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمایت سے دشمنانِ اسلام کو کوئی مدد نصیب نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صرف اہل ایمان کا مولا ہے اور کافروں کا کوئی مولا نہیں۔ عنایت حمایت سے حاصل ہوتی ہے اور حمایت حضرۃ الافعال سے ہے اور حم الامر بھی کہا جاتا ہے یعنی بضم الحاء وتشدید المیم بمعنی قُضِیَ و قُدِّرَ و تم یعنی جو ہونا تھا وہ مقدر ہو چکا یا کہا جاتا ہے۔ حم امر اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر یا قیامت کا دن قریب ہو گیا۔ یہ بھی کسی نے کہا ؎

قد حم یومی فسر قوم

قوم بہم غفلۃ و نوم

ترجمہ: میرا دن مکمل ہوا تو لوگ خوش ہوئے وہ قوم جو نیند اور غفلت میں ہے۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ حاء کا اشارہ محبت کی طرف اور میم کا منت کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے تو محبت سے یہ دوست ہو سکتا ہے تو ہنر سے نہیں اور میری منت سے مجھے پا سکتا ہے طاعت سے نہیں یعنی میں نے تجھے دوست بنایا لیکن تو نے مجھے نہ پہچانا اور میں نے تجھے چاہا لیکن تو نے مجھے نہ چاہا۔ دوسری امتیں مجھے پکارتی رہیں لیکن میں نے اُن کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ کی لیکن اے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سوال کے بغیر ہی میں نے تمہیں دے دیا اور تمہاری ہر دُعا قبول کر لی اور تمہاری بخشش مانگے بغیر ہی میں نے تمہیں بخش دیا۔ اسی لیے سابقہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی اُمت میں ہونے کی دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ خلیل علیہ السلام نے کہا اجعل لی لسان صدق فی الاخرین۔ مجھے پچھلے لوگوں میں لسان صدق بنا اور حضرت کلیم علیہ السلام نے کہا اجعلنی من اُمۃ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ مجھے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بنا۔ اور ایسا نہیں ہے کہ میں نے اُن کو تمہارے افعال کی شرح سنائی ہو بلکہ اگر اُن کو اس کی شرح سنائی جاتی تو پھر وہ اپنے دامن پر کر لیتے ہاں انہیں یہ سنایا کہ میرا ان پر اتنا فضل وکرم اور انعام ہوگا اور پچھلوں کو جن اُمور میں علیحدہ علیحدہ برگزیدہ بنایا مثلاً آدم و نوح و آل ابراہیم و آل عمران علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو چنا تو فرداً فرداً لیکن جب تمہاری باری آئی تو تم کو علی العموم والشمول برگزیدہ بنایا چنانچہ فرمایا کنتم خیر اُمۃ اُخرجت للناس۔ ایسے ہی دوسرے مقام پر فرمایا کہ اصطفینا من عبادنا۔ یہ خطاب بھی عام ہے۔ وہ زاہد ہو یا عابد ظالم ہو یا مظلوم۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے عرض کی یا اللہ جیسے مجھے شرف بخشا ایسے کسی اور کو بھی نصیب ہوا۔ مجھے تو نے بلا واسطہ کلام سے نوازا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے اور بندے ہیں جنہیں میں آخری زمانہ میں پیدا کروں گا انہیں ماہ رمضان عطا فرماؤں گا اور ان کو اس کی وجہ سے قریب تر ہوں گا۔ جب میں تمہارے سے ہم کلام ہوتا ہوں اس وقت میرے اور تیرے درمیان ستر ہزار حجاب ہوتے ہیں۔ لیکن جب اُمت حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھے گی تو ان کے لب خشک ہو کر سفید اور رنگ زرد ہوں گے تو میں ان کے درمیان سے پردے اٹھا دوں گا جب وہ افطار کریں گے ؎

روزے کہ سراز پردہ بدر خواہی کرد
دانم کہ زمانہ را زبوں خواہی کرد
گر زیب و جمال ازیں فزوں خواہی کرد
یارب چہ جگر ہا است کہ خون خواہی کرد

ترجمہ: اس وقت کہ تم پردہ سے سر باہر نکالو گے مجھے یقین ہے اُس وقت تمام زمانہ کو زبوں حال بناؤ گے
۲: اگر تیرا اس وقت تھا۔ زیب و جمال بڑھ کر ہوگا۔ یارب کتنا جگر اُس وقت ریزہ ریزہ کرو گے۔

اے موسیٰ علیہ السلام خوشخبری ہے وہ جگہ جو رمضان میں پیاسا ہو اور وہ شکم جو بھوکا ہوگا انہیں میں

اور کوئی جزا نہ دوں گا سوائے اپنے دیدار کے اور ان کے لبوں کی خشکی میرے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہے جس نے روزہ رکھا اُس نے اپنے اوپر وہ واجب کر لیا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی کے دل پر اس کا تصور آ سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا رب یہی ماہ رمضان مجھے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میں اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو عطا فرما چکا ہوں۔

سبق: اس اُمت پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام عطا فرمائے ہیں کیسے عجیب وغریب ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ تمام اُمتوں سے نمایاں بلکہ مرحومہ اُمت ہے۔

تفسیر عالمانہ: تنزیل الکتاب۔ یہ کتاب کا نازل کرنا ہے۔ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے یہ مصدر ہے مفعول کے معنی پر اس کا استعمال ہوا ہے یعنی تنزیل بمعنی منزل ہے بطور مبالغہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔ من اللہ۔ یہ تنزیل کا صلہ ہے۔ ظاہر تر یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے اور من اللہ اس کی خبر ہے اس معنی پر مصدر اپنے معنیٰ میں مستعمل ہو۔ ہاہے یعنی قرآن کا نزول منجانب اللہ ہے نہ کہ جیسے کافر کہتے ہیں کہ اسے حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے از خود گھڑا ہے۔ العزیز العلیم وہ عزیز اور علم والا ہے۔ دو وصفوں کو یکجا ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ قرآن میں حد درجہ کا اعجاز ہے اور علم کے جملہ انواع اس میں موجود ہے۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ عزیز وہ ہے جس کا کوئی مثل نہ ہو اور علیم وہ ہے جو جملہ معلومات پر آگاہ ہو۔

فائدہ: کاشفی مرحوم نے لکھا ہے کہ عزیز بمعنی وہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اس پر بھی اسے قدرت ہے کہ کو نازل فرمائے اور العلیم وہ ہے جو کچھ اُس نے نازل فرمایا اس کا اسے ہر وقت علم ہے۔ غافر الذنب گناہوں کا بخشنے والا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ اضافتِ حقیقی ہے اس لیے کہ اسے کسی مخصوص وقت کے لیے ارادہ نہیں فرمایا کیونکہ صفاتِ الٰہی ازلی ہے اور تجدد و تحدث سے منزہ ہے اور وہ کسی زمانہ سے مقید نہیں اگرچہ بوجہ متعلقات کے حدوث کی اس کا تعلق حادث ہے مثلاً گناہ اس مقام پہ حادث ہے تو غفران کا تعلق اس حدوث کی وجہ سے ہے اور اسم فاعل میں کبھی استمرار کا معنیٰ بھی ہوتا ہے جیسے یہاں لیکن صفت مشبہ میں استمرار واجب ہوتا ہے۔

فائدہ: غافر بمعنی ساتر اور ذنب بمعنی گناہ اور ہر وہ فعل جو کسی کو آخرت میں نقصان دہ اور ضرر رساں ہو بقدر اس گناہ کے۔

سوال: غافر الذنوب کیوں نہیں فرمایا۔ غافر الذنب کیوں فرمایا۔

جواب: ذنب اسم جنس ہے جیسے الحمد للہ میں حمد جنس ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے گناہ بخشنے والا ہے صغیرہ ہوں یا کبیرہ توبہ سے یا توبہ کے بغیر گناہ گار کو قیامت میں

شرمسار نہ کرے گا جیسا کہ غافر الذنب کا رخ کا مقام دلالت کرتا ہے ۔ وقابل التوب قبول بمعنی پسند کرنا اور قابل وہ ہے جو کنوئیں سے ڈول نکالتے وقت اس کی طرف منہ کرکے اسے کھینچے اور القابلہ وہ عورت جو ولادت کے وقت بچے کی طرف منہ کرے اور کہا جاتا ہے قبلت عذرہ وتوبتہ میں نے اس کا عذر اور توبہ قبول کی وغیرہ وغیرہ ۔ التوب توبہ کی طرح مصدر ہے بمعنی کسی وجہ سے گناہ کا ترک اور وجوہ اعتذار سے یہی بلیغ ہے اس لیے کہ اعتذار تین وجوہ پر ہے :۔

۱۔ عذر کرنے والا کہے کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا ۔

۲۔ یا کیا ہے تو اس کی فلاں وجہ ہے ۔

۳۔ فلاں کام کرکے میں نے غلطی کی ہے لیکن اب ہرگز نہیں کروں گا ۔

ان کے سوا اور کوئی چوتھی وجہ نہیں ہے اور اسی تیسری وجہ کا نام توبہ ہے اور شرع میں توبہ یہی ہے کہ گناہ کو قبیح سمجھ کر اسے بچھ نہ کرنا اور جو کچھ کر لیا ہو اس پر ندامت ظاہر کرنا اور پختہ ارادہ کرنا کہ یہ عمل ہرگز نہ کرنا بلکہ ہر ممکن برائی کے بدلے میں نیکی کرکے تدارک کرنا جس میں یہ چاروں شرائط پائی جائیں تو وہ توبہ مکمل ہوگئی ۔

توبہ و استغفار میں فرق :۔ توبہ اس فعل مذموم (جو شرعاً قبیح ہے) سے رجوع کرکے ایسے اچھے عمل کی طرف لوٹنا اور معصیت کی قباحت دیکھ کر اس سے اعراض کرکے طلب مغفرت کا نام استغفار ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ توبہ استغفار سے مقدم ہوا کرتی ہے اور بالاجماع استغفار توبہ نہیں ہوسکتی جب تک تبت (میں نے توبہ کی ۔ اسأت ۔ میں نے برا کیا ۔ ولا اعود الیہ ابدا ۔ میں اس عمل کو دوبارہ بالکل نہیں کروں گا ۔ فاغفر لی یارب ۔ اے پروردگار عالم مجھے بخش دے) جیسے الفاظ نہ کہے توبہ نہ ہوگی ۔

نکتہ : غافر و قابل کے درمیان واو لانا دلالت کرتا ہے کہ کتنا ہی بہت بڑے مذنب و مجرم اور کثیر التعداد ہوں تب بھی اُن کے گناہ مٹا کر ان کی بخشنے والی ایک ذات کافی ہے ۔

مسئلہ : مغفرت توبہ سے گناہ مٹانے کے بعد ہوگی اور اسی توبہ کو طاعت بنا کر ثواب عطا فرمانے کا نام قبول ہے ۔ قبول التوبہ میں اشارہ ہے کہ توبہ وہی قبول ہوتی ہے جو بندے کے اعمال نامہ میں توبہ بھی طاعتِ الٰہی لکھی جانے اور کسی کی توبہ طاعت نہ لکھی جائے تو وہ توبہ قبول نہ ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی توبہ کو قبول کرتا ہے جو اسے طاعت کے کھاتہ میں لکھ دے ۔

فائدہ :۔ غافر و قابل کی واو مغایرت کی ہوسکتی ہے اس لیے کہ دونوں صفات کے درمیان میں مغایرت ہے اگرچہ اتحاد کا توہم بھی ہے تو اُس وقت مراد یہ ہوگی کہ یہ مغایرت محض ایضاح و تفسیر کے لیے ہے یا تغایر دو فعلوں کے سوا قع و تعلق کی وجہ سے ہے اس لیے کہ غفر بمعنی ستر الذنب اس سے اتنا ثابت ہوا کہ گناہ صرف ڈھانپ

لیے گئے ورنہ وہ درحقیقت باقی ہیں۔ یہ اس وقت ہے جو کبائر کا مرتکب توبہ نہ کرے لیکن کسی وجہ سے ان کے گناہ ڈھانپ لیے جائیں یعنی بالکل بخشے نہ جائیں۔ ہاں ان سے چشم پوشی کی جائے۔ اس لیے کہ تائب تو وہ ہوتا ہے کہ جس کے کوئی گناہ باقی بھی نہ رہیں اور قبول کا تعلق ہر قسم کے تائبین کے لیے ہے۔

ردالمعتزلہ: الاسئلۃ الاقحمہ میں ہے کہ تعلیم المغفرت علی التوبہ میں معتزلہ کا رد ہے (وہ کہتے ہیں کہ بغیر توبہ کے مغفرت نہیں ہو سکتی) کہ اللہ توبہ کے بغیر بخش دے تو مالک ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ توبہ کا ذکر بعد کو اور مغفرت کا ذکر پہلے اس لیے کہ گویا اللہ فرماتا ہے کہ اگر میں کہتا کہ میں توبہ قبول کرتا اور گناہ بخشتا ہوں تو بندے گمان میں رہتے کہ جب تک توبہ نہ ہو گناہوں کی بخشش نہ ہوگی میں نے مغفرت کا ذکر پہلے کیا تاکہ معلوم ہو کہ میں چاہوں تو توبہ کے بغیر بخش دوں۔ علاوہ ازیں اگر توبہ کا ذکر پہلے ہوتا تو توبہ بخشش کے لیے بمنزلہ علت کے ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل علت کا محتاج نہیں اور نہ ہی کسی حیلہ کا متقاضی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بخشش سے پاک ہو کر بارگاہِ حق میں قدم رکھے کیونکہ جو بھی اس کی بارگاہ میں آتا ہے پاک اور صاف ہو کر آتا ہے۔ اسی لیے دوسرے مقام پر فرمایا **ثم تاب علیھم لیتوبوا** ایسے پہران کی توبہ قبول کی تاکہ اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں۔ ثابت ہوا کہ وہ کریم توبہ کے بغیر بھی گناہ بخشتا ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ جو بھی توبہ کرے اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان واو عاطفہ ہے اور وہ مغایرت چاہتی ہے اور ان کا حکم بھی یکساں ہیں مثلاً کہا جاتا ہے جاء فی زید وعمرو اگرچہ زید وعمر آپس میں غیر ہیں لیکن حکم میں یکساں ہیں اگر یہ ایک ہوتے تو عطف لانا بے سود تھا اگر حکم ایک نہ ہوتا تو واو مغایرت کی نہ ہوتی۔

شدید العقاب ۔ یہ اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی شدید العقاب (سخت عذاب والا ہے) جیسے اذن بمعنی موذن آتا ہے اسی لیے اسے معرفہ کی صفت لانا جائز ہے کیونکہ اس سے دوام و ثبات مراد ہے۔ یہ صفت مشبہ نہیں کہ اس پر اعتراض ہو تو یہ تو اضافت لفظیہ ہے پھر یہ معرفہ کی صفت کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں صفت کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو کر نکرہ کے حکم میں ہوتی ہے اور نکرہ معرفہ کی صفت نہیں ہوتا یا یہ کہ دراصل الشدید العقاب تھا الف لام اپنے پچھلے۔ **غافر الذنب و قابل التوب** کی مناسبت سے محذوف ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وصف و نعت خود بیان فرمائی میں "غافر الذنب" "قابل التوب" ہوں اور میری ہر صفت قابل تغیر و تبدل نہیں پھر جب "شدید العقاب" فرمایا تو واضح فرمایا کہ سزا دینا بھی اسی کی صفت ہے تو جیسے اس کی دوسری صفات ہیں ایسے یہ بھی لیکن اس کی سختی و نرمی محل تصرف کی وجہ سے ہے کہ جسے چاہے اسے سخت سزا دے جسے چاہے نرم۔ لیکن اس کے تصرف میں کوئی فرق نہیں نہ ہی اس میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔

ذی الطول ۔ الطول (بالفتح) بمعنی الفضل مثلاً کہا جاتا ہے کہ لفلان علی فلان طول ۔ یعنی فلاں کو فلاں پر فضیلت ہے ۔ یہ دراصل رہی طول ہے جو قصیر کی نقیض ہے کیونکہ جو طویل ہے وہ صاحب زیادۃ و کمال ہے ایسے ہی جو قصیر ہے وہ صاحب قصور و نقصان ہے ۔ غنی کو بھی اسی لیے لوال کہا جاتا ہے کہ جو مرادین دو دولت مندی سے حاصل ہو سکتی ہیں وہ تسریعنی مسکینی غریبی سے حاصل نہیں ہو سکیں گی ۔ یہاں پر طول سے اس سے ترک عقاب جو اس کا مستحق ہو ۔

نکتہ: اول و آخر صفات رحمت کے درمیان میں غضب کی صرف ایک صفت لانے میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت کو غضب پر سبقت ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: عرائس البقلی (عرائس البیان تفسیر) میں ہے کہ غافر الذنب ہے کہ وہ اہل ایمان کے حق ہوں کی ستاری کرتا ہے یہاں تک کہ گناہ اُن کی آنکھوں سے ایسا دور کر دیتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو بھول جاتے ہیں ۔ پھر اُن کے عذر قبول کرتا ہے ۔ جب وہ اپنے گناہوں کی اُن کے حضور میں معذرت کرتے ہیں ۔ شدید العقاب ہے اس کے لیے جو اس کی طرف رجوع نہیں کرتا یہاں تک کہ اسے حجاب کی ذلت کی سزا دیتا ہے ۔ ذی الطول ۔ اہل فنا کے لیے فضل کرتا ہے کہ ان کو اپنے جمال کا مشاہدہ کراتا ہے ۔

فائدہ: الوسیط[1] میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ماننے والوں کے لیے غافر الذنب ہے یہی اس کے اولیاء اور اہل طاعت ہیں ۔ شرک سے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے ۔ شدید العقاب ہے ان کے لیے جو اس کی توحید کے قائل نہیں ۔ ذی الطول بے نیاز ہے اس سے جو اس کی توحید کا قائل نہیں اور نہ ہی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا اقرار کرتے ہیں ۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آیات وعید اسی لیے سناتا ہے تاکہ وہ عاجزی و زاری کریں ۔ اور گڑگڑا کر اس کی عبادت کریں اور زاری و خواری کا اظہار کر کے طاعت بجا لائیں ۔ پھر وہ کریم اس کا رحمت و رافت اور مہربانی کی آیات سُنا کر بندے کا دل خوش کرتا اور اسے فضل و رحمت کی بشارت سناتا ہے ۔ شدید العقاب فرما کر اسے ڈرایا بندہ نے اسے سن کر گھبرا کر کہا ؂

ہر زِ آب دو دیدہ و ہر آتش جگرم
بر باد دو دستم و پر از خاک کرم

---

[1] الوسیط ۔ تفسیر الامام فخر الدین رازی فی سورۃ النساء ۱۲

ترجمہ: میری دونوں آنکھیں آنسو سے پر اور جگر آگ سے دونوں ہاتھ خالی اور سر خاک سے پُر۔
اس کے باوجود پھر جب اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے کہ وہ ذی الطول۔ بڑا سخی ہے تو مچل جاتا ہے اس کا دل بڑھ جاتا ہے اور فخر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

چہ کند عرش کہ دو غاشیۂ من نکشد
چوں بدل غاشیۂ حکم قضائے تو کشم

مطلب: عرش کی کیا مجال کہ میرے پردے کا چہرہ نہ کھولے جب میں نے دل میں تیری قضا کے حکم کے پردے کو لے رکھا ہوں۔

حکایت: ایک روز حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہٗ پہلوانوں کی طرح بے نیاز ہو کر ٹہلتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر تمہارے اور میرے درمیان لاکھوں آگ کے دریا ہوں تب بھی مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں ان میں غوطہ لگا کر انھیں عبور کر کے تمھارے ہاں پہنچ جاؤں گا دوسرے روز دیکھے گئے کہ محروموں کی طرح سر نیچا کیے ہوئے نہایت ہی عاجزی سے کہہ رہے تھے۔ المستغاث منك بك۔ فریاد از حکم تو پناہ از قہر تو نہ تیرے وصال سے آرام نہ تیرے فراق سے ہمارا کام تمام نہ یہ منہ کہ تیرے سامنے کی حاضری دوں نہ طاقت کہ تجھ سے بھاگ جاؤں۔ ؎

دگر باز آیم ہمی نہ بینم جاہے
ور بگریزم ہمی نہ دانم راہے

ترجمہ: اگر تیرے ہاں لوٹ کر آؤں تو بھی میرا یہ مرتبہ نہیں اگر بھاگ جاؤں تو بھی مجھے کوئی راہ نہیں ملتی۔
لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضرت شبلی کل تو کچھ اور کہہ رہے تھے آج اس کے برعکس۔ آپ نے فرمایا ہاں چغد جب مور کو نہیں دیکھتا تو اپنے حسن و جمال پر اُترتا ہے لیکن سب کو معلوم ہے کہ چغد چغد ہے مور مور ہے۔

تفسیر عالمانہ: لا الٰہ الا ھو۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔ اس لیے جملہ اوامر و نواہی میں کلی طور پر اسی کی طرف توجہ دی جائے۔ الیہ۔ صرف اسی طرف اس کے غیر کی جانب نہ مستقلاً نہ بالاشتراک۔
المصیر۔ آخرت میں مخلوق کا رجوع۔ اس وقت ہر نیک و بد کو جزا و سزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے گناہ بخشنے والا کہ اُن کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور قابل التوب ہے یعنی توبہ میں ان کو اخلاص کی توفیق بخشتا ہے کیونکہ وہی اس کے صفات لطف کے مظاہر ہیں۔ شدید العقاب۔ بے ایمانوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے لیے سخت عذاب والا ہے کیونکہ وہی اس کے صفات قہر کے مظاہر ہیں۔ ذی الطول۔ بڑی طاقت اور

سخاوت والا ہے کہ اس نے ہی تمام کو عدم سے وجود بخشا اور ان کو حیات و رزق عطا فرمایا۔

دوسری تفسیر صوفیانہ: وہ اُن کے ظالموں کے گناہ بخشنے والا اور اُن کے درمیانہ رفتاروں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اہلِ شرک کو سخت عذاب دیتا ہے۔ ان کے سبقت کرنے والوں کے لیے سخی اور کریم ہے اور چونکہ ان کے کرم کا طریقہ ہے کہ اس کی رحمت غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ اسی لیے ان اسماء میں بھی اس کے لطف کے صفات قہر کے صفات پر غالب ہیں بلکہ اس نے عواطف احسان اور مراحم وجود و سخا و انعام سے قہری صفت کا ذکر تین اسماء صفات کے درمیان میں فرمایا۔ اس لحاظ سے مرج البحرین یلتقیٰن بینہما برزخ لا یبغیٰن کا منظر سامنے آ گیا کہ جب ہدایت کے مرکز سے عنایت یزدانی کی ہوا چلے اور دونوں دریا موج میں آجائیں تو دریاؤں کے ٹکراؤ سے درمیان والا ان میں گم ہو کر ہر دونوں ایک ہی دریا ہو جائے اور اس ایک دریا سے مراد لا الٰہ الا ھو الخ ہے۔ جب یقین ہو کر اسی کی طرف جانا ہے تو یہ سیر اور روانگی بھلی محسوس ہوگی۔

حکایت: سیدنا عمر بن خطاب یعنی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک دینی دوست تھا اتنا گہرا کہ آپ نے اسے بھائی کے لقب سے نوازا ہوا تھا اور وہ بھی بہت بڑا دانا۔ پارسا اور عبادت گزار تھا اور شام میں ان کا گھر تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے آنے جانے والوں سے اس کا حال پوچھ لیا کرتے اور ایک شخص ملک شام سے آیا آپ نے حسب عادت اپنے دوست کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا کہ وہ شخص تو ابلیس کا دوست ہے آپ کا دوست نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے عرض کی وہ تو شرابی کبابی اور شرارتی فسادی ہے۔ آپ نے فرمایا جب تم گھر واپس جاؤ تو مجھے مطلع کرنا میں اپنے دوست کے لیے ایک رقعہ دوں گا۔ جب وہ شخص جانے لگا تو آپ نے خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ من اعبد عمر الی فلاں بن فلاں سلام علیک انی احمد الیہ اللہ الذی لا الٰہ الا ھو غافر الذنب قابل التوبۃ شدید العقاب ذی الطول لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر۔

ترجمہ: "یہ خط اللہ کے بندے عمر کا فلاں بن فلاں کے نام تجھ پر سلام ہو، میں تجھے اللہ کی حمد سناتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی گناہ بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب والا اور سخی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔"

جب آپ کا خط اُس کے ہاں پہنچا تو کہا اللہ نے سچ فرمایا اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پند و نصیحت بھی بلنی بر صدق ہے یہ کہہ کر خوب رویا اور توبہ کی اس کے بعد پہلے کی طرح ہو گیا۔

سبق: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دوستوں کے لیے ایسے ہونا چاہیئے اس کے لیے ایسے نہ ہو جاؤ کہ تمہارے بہت سے شیطان بہکا دے یعنی اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے تو اسے اپنے سے بالکل ہٹا نہ دو بلکہ اسے نصیحت کرو۔

تفسیر عالمانہ مایجادل فی آیات اللہ ۔ المجادلہ بمعنی المفاوضہ علی سبیل المنازعہ و لمغالبہ یعنی بطریقہ نزاع و غلبہ ایک دوسرے سے دست بگریبان ہونا۔ دراصل یہ جدلت الحبل سے ہے بمعنی احکمت فتلہ یعنی اس کے تاگے کا بٹ مضبوط ہوا تو جھگڑنے والا ہر ایک اپنے اپنے سائے کو مضبوط کرنے کی فکر میں ہوتا۔

شان نزول: حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ یہ آیت حارث بن قیس کے حق میں نازل ہوئی یہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنے والوں میں سے تھا یعنی انکار از قرآن اور تکذیب اور باطل میں سخت جھگڑا کرتا تھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آیات الٰہی میں جھگڑا نہیں کرتا کہ اس میں طرح طرح کی طعن و تشنیع کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ یہ سحر ہے شعر ہے اور پہلے لوگوں کے افسانے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال: جدال تو مطلق ہوتا ہے تم نے اسے باطل کے ساتھ مقید کر دیا۔

جواب: اس کے استعمال در ازالہ و ابطال نے اسے باطل سے مخصوص کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجادلوا بالباطل لیدحضوا بہ الحق (انہوں نے باطل کے لیے جھگڑا کیا تاکہ اس کے کے ذریعے حق کو مٹائیں) اسی لیے اسے باطل کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ الا الذین کفروا مگر وہ جو کافر ہیں اور اہل ایمان تو اس میں بال برابر بھی شک نہیں کرتے چہ جائیکہ اس پر طعن و تشنیع کریں۔

فضیلت مناظرہ: بدمذاہب کے ساتھ اس غرض سے مناظرہ اور دلائل و براہین قائم کرنا کہ قرآنی مضامین کے مشکل مسائل حل ہوں اور ان کے حقائق واضح ہوں اور اہل زیغ اور گمراہوں کے شبہات زائل ہوں تو یہ بہت بڑی عبادت ہے بلکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

لہ اچھی طرح سمجھاؤ۔ اس کے باوجود اگر وہ باز نہیں آتا تو پھر وہ اپنی قسمت کا ماتم کرے جیسے امام اہلسنت نے دیوبند کے اکابر کی غلط عبارات پر انہیں بار ہا بذریعہ خطوط وغیرہ تنبیہہ فرمائی لیکن وہ نہ مانے تب علمائے عرب و عجم کے فتوی کی زد میں آئے پس پر اب ان کی اولادیں اپنی بدقسمتی پر رو رہی ہیں اور ہمیں برا بھلا کہتے ہیں وہابی دیوبندی وغیرہ ہم کو کہتے ہیں ۔ ع ما نکردیم شما حذر کنید ۔ اویسی غفرلہ ۔

۲۔ پرندوں کے رزق کا سوال کرتا ہے یہ گدھ کی شکل میں ہے۔
۳۔ جانوروں کے رزق کا سوال کرتا ہے یہ بیل کی شکل میں ہے۔
۴۔ درندوں کے رزق کا سوال کرتا ہے یہ شیر کی شکل میں ہے۔

فائدہ: حاملین عرش اور عرش کے درمیان کے ستر ہزار نور کے حجابات ہیں۔

فائدہ: آج حاملین عرش چار ہیں قیامت کے دن آٹھ ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية اور تیرے رب کے عرش کو اُن کے اُوپر اُٹھائیں گے آج کے دن آٹھ فرشتے۔

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ ان سب کی شکلیں (اوعال) کی ہیں اور عرش ان کے سینگوں پر یا ان کی پیٹھوں پر ہے۔

حدیث شریف: ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ ساتویں آسمان کے اُوپر ایک دریا ہے جس کے اُوپر اور نیچے تک کے درمیان کا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان کا اس کے اُوپر آٹھ اوعال ہیں جن کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان کا فاصلہ ایسے ہے جیسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے پھر ان کی پشت پر عرش ہے۔ اس کے اعلیٰ و اسفل کے درمیان کا فاصلہ ایسے ہے جیسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے کہ میں حاملین عرش کے ایک فرشتہ کا ذکر سناؤں وہ یہ کہ اس کے کان کی لَو سے کاندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کا ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ حاملین عرش کے پاؤں زمین کے نچلے حصے میں ہیں ان کے سر عرش کے اُوپر ہیں اور وہ خشوع و خضوع میں ہیں۔ اُوپر کو سر نہیں اُٹھاتے اور وہ ساتوں آسمانوں کے تمام فرشتوں سے خوفِ الٰہی میں زیادہ سخت ہیں اور ہر اُوپر کے آسمان والوں کو بہ نسبت نیچے والوں کے خوفِ خدا زیادہ ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو کہا کہ اسے اُٹھاؤ وہ اسے نہ اُٹھا سکے تو اللہ تعالیٰ نے جملہ زمین و آسمان کے فرشتوں اور دیگر مخلوق کے برابر ان کے اعوان و مددگار پیدا فرمائے لیکن وہ بھی نہ اُٹھا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہو لا حول ولا قوة الا بالله جب یہ کہا تو انہیں عرش معمولی سا محسوس ہوا اس سے ان کے قدم ساتویں زمین میں دھنس گئے یہاں تک اس بیل کی پیٹھ تک پہنچ گئے جس نے تحت الثریٰ پر تمام زمین کو ایک سینگ پر اُٹھایا ہوا ہے حضرت ابن عباس

انھیں ان کے متعلق رجحان اور اپنے نقصان کی خبر نہیں رہتی فاھذا اے مسلمان دُنیٰ) تم ان کا مختلف شہروں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے آنے جانے سے دھوکہ نہ کھانا اس لیے کہ جب تحصیل علوم مبنی برخواہشات نفسانی اور انھیں دنیوی مفاد مدنظر ہو تو انھیں وہ نور نصیب نہ ہوگا جس سے وہ مراتب حاصل کر سکیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلصین بندوں کے لیے خاص فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بے چارہ مدعی کند اظہار علم وفضل
نہ شناختہ قبول و در جید از ردی

ترجمہ: بیچارہ مدعی علم و فضل ظاہر کرتا ہے لیکن اسے کھرے اور ردی کو قبول کرنے کی تمیز نہ ہو سکی۔

تفسیر عالمانہ: کذبت قبلھم۔ ان قریش مکہ سے پہلے تکذیب کی۔ قوم نوح والاحزاب من بعدھم۔ نوح علیہ السلام کی قوم اور اُن کے بعد والے گروہوں نے جو رسل کرام علیہم السلام کے خلاف گروہ بندی میں مصروف رہے اور اُن کے ساتھ انتہائی دشمنی کا مظاہرہ کیا اور خوب مقابلہ کیا۔ الاحزاب سے نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد کے لوگ مراد ہیں جیسے عاد و ثمود اور ان جیسے اور۔ نوح علیہ السلام کی قوم سے اختلاف کا آغاز اس لیے فرمایا کہ نوح علیہ السلام وہ پہلے نبی علیہ السلام ہیں جو کافروں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ورنہ ان سے پہلے آدم علیہ السلام رسول تھے لیکن وہ صرف اپنی اولاد کے وھمّت اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت اسلامی کے وقت ارادہ کیا۔ الھمّ بمعنی اچھے یا بُرے فعل کے کرنے سے پہلے دل کا پختہ ارادہ کر لینا۔ کل اُمۃ۔ معتوب امتوں میں سے تمام نے رسولھم اپنے علیہ السلام کے ساتھ۔

سوال: الاسناۃ المقحمہ میں ہے کہ برسولھا کے بجائے برسولھم کیوں فرمایا۔

جواب (۱) یہاں پر اُمت سے اُن کے مرد مراد ہیں اس میں عورتیں داخل نہیں جیسا کہ عام مفسرین کی رائے ہے۔

جواب (۲) تغلیباً مردوں کا ذکر ہے[1]۔ لیاخذوہ۔ اخذ سے ہے بمعنی الاسر یعنی قید کرنا الاخیذ بمعنی الاسیر یاخذوہ بمعنی لیاسروا یعنی تاکہ وہ اسے (نبی علیہ السلام) کو قید کریں اور اسے عذاب دیں اور قتل کر ڈالیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ اولیاء کرام کے منکرین ہر زمانہ میں ہوں گے جو ان کے کمالات و کرامات کے نہ صرف منکر ہوں گے بلکہ ان پر ہر طرح کے اعتراضات کرتے رہیں گے جیسے ہر نبی و رسول علیہم السلام

---

[1] روح المعانی۔

کے زمانہ میں ان کے ساتھ منکر و معترض پیدا ہوتے رہے۔ وجادلوا۔ اور اپنے پیغمبروں کے ساتھ جھگڑے بالباطل۔ ایسے باطل کے ساتھ جس کی نہ کوئی اصل تھی نہ حقیقت۔

فائدہ: باطل ہر وہ شے جس کا ہر وجہ سے کوئی معنی (حقیقت) نہ ہو اگرچہ بظاہر اس کی کوئی صورت ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ اہلیہ کا انعدام ۲۔ محلیہ کا انعدام

پہلے کی مثال بیع الخمر دوسرے کی بیع الصبّی۔ لیدحضوا بہ الحق۔ تاکہ باطل کے ذریعے اس حق کو مٹائیں جو ناگزیر ہے جیسے انہوں نے کر دکھایا فاخذتھم تو میں نے انھیں تباہ کر کے پکڑا ان کے اس ارادہ کی سزا تھی جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قیدی بنانے کے منصوبے بنا رکھے تھے۔ فکیف کان عقاب تو کیسا ہے میرا عذاب جو میں نے پہنچایا کہ ان کی تباہی و بربادی کے آثار تم آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ جب ان پر تمھارا گزر ہوتا ہے تو دیکھنے والوں کے لیے دعوتِ عبرت کا کافی سامان سامنے ہوتا ہے انھیں بھی میں نے عنقریب تباہ و برباد کرنا ہے کیونکہ ان کا طریقہ ان کے ساتھ ملتا جلتا ہے بلکہ جرائم میں برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ فرمایا وکذلك حقت کلمۃ ربك اور جیسے ان پر تیرے پروردگار کا حکم اور فیصلہ واجب و ثابت ہو چکا تھا کہ انھیں تباہ و برباد کر کے چھوڑا کہ ان کے منصوبے تھے کہ وہ باطل کے ذریعے حق کو مٹائیں گے لیکن ہم نے پہلے انھیں تباہ و برباد کر کے چھوڑا کہ تو ایسے ہی واجب ہو گیا علی الذین کفروا۔ کافروں پر اور اُن لوگوں پر جنھوں نے آپ کے ساتھ مقابلہ کی ٹھان لی ہے اور ایسے منصوبے بنا رکھے ہیں جن کو وہ عملی جامہ نہ پہنا سکیں گے۔

فائدہ: الذین سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوم کفار یعنی قریش مکہ مراد ہیں نہ کہ اُمم سابقہ کے مکذبین و مھلکین۔ انھم اصحاب النار۔ بیشک وہی دوزخی ہیں جو محلاً منصوب ہے یہاں لام التعلیل محذوف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس لیے کہ یہ کفار سخت ترین عذاب کے مستحق ہیں۔ عذاب دوزخ کے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ وہ کافر ہونے کے باوجود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاند اور گروہ بندی کرنے والے ہیں جیسے ان سے پہلے لوگ تھے۔ وہ بھی ان کی طرح رسل کرام علیہم السلام کے معاند تھے۔ یہ اور وہ ہر طرح کے سخت عذاب کے برابر کے مستحق ہیں کیونکہ ان کا طریقہ ایک طرح کا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے کہا کہ یہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ کلمۃ ربك سے بدل الکل ہے۔ اب معنیٰ[1] یہ ہوا کہ ان پر عذاب کا وجوب اسی طرح ہے جیسے پہلے تباہ شدہ کافروں پر تھا تو جیسے وہ اصحاب النار

---

[1] فتح الرحمٰن۔

ملے یہ بھی ایسے ہی ہیں یعنی جیسے وہ دنیا میں عذاب پاکر تباہ و برباد ہوئے ایسے ہی یہ عذاب نار میں تباہ و برباد ہوں گے۔ ان دونوں کی وجہ تسمیہ عذاب نار ہے اور کاف ہر اعتبار سے محلاً منصوب ہے۔ اس نے کہا کہ وہ صفت ہے مصدر محذوف کی۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے گناہ پر اصرار دنیا و آخرت کے عذاب کا مستحق بناتا ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھے اور گناہوں سے توبہ کرے اور دوسروں کی سزا سے عبرت پکڑے ایسا نہ ہو کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ ؎

چوں برگشتہ بختی در اُفتد بہ بند
ازو نیک بختاں بگیرند پند
تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے نہ دارد فغاں زیر چوب

ترجمہ: جب کوئی شور بخت قید میں ہو تو اُس سے نیک بخت لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۲: سزا سے پہلے ہی توبہ کا دروازہ کھٹکا۔ جب ڈنڈا سر پر پڑے اُس وقت فریاد بے فائدہ ہے۔
ہمیں سب کو اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی کے اسباب سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ: الذین یحملون العرش۔ عرش وہ جسم جو جمیع اجسام کو محیط ہے اس کے بلند ہونے کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے یا سریر الملک۔ بادشاہ کے تخت کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے اسے عرش کہا جاتا ہے کہ اللہ کے احکام قضا و قدر یہاں سے نافذ ہوتے ہیں وہاں نہ کوئی صورت ہے نہ جسم یہ نواں آسمان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سبز موتی سے پیدا فرمایا ہے اس کے دو ستونوں کے درمیان کی مسافت کو تیز رفتار پرندہ اسی سال ہزار سال کے بعد طے کر سکتا ہے۔

خادم دربارِ محمد جبریل امین: عرش کے حاملین سے افضل الملائکہ مراد ہیں (کیونکہ یہ اشرف المخلوقات عرش کے حامل ہیں) جیسے اشرف الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم جبریل علیہ السلام افضل و اعلیٰ ہیں۔

حدیث شریف: میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع ملائکہ کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ ہر صبح و شام حاملین عرش فرشتوں کو روزانہ سلام عرض کریں۔

فائدہ: یہ ان کی جمیع ملائکہ پر شرافت و بزرگی کی وجہ سے ہے۔

فائدہ: حاملین عرش ملائکہ چار ہیں:
۱۔ بنی آدم کے رزق کا سوال کرتا رہتا ہے یہ انسان (مرد) کی شکل میں ہے۔

نکتہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِن جدالا فی القراٰن کفرا ۔ قرآن میں جدال کفر ہے ۔ جدالا کی تنکیر میں اشارہ ہے کہ جدال کی کئی قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جدا ۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی صاحب رُوح البیان کو وصیّت

میرے شیخ اور مرشد قدس سرہٗ نے مجھے لکھا کہ کفار شریعت قرآن رسمی کی آیات میں جھگڑتے ہیں تو ان کا جھگڑنا رسمی ہوگا کیونکہ وہ آیات رسمیہ میں جھگڑا کرتے ہیں ۔ بنابریں وہ کفار کی رسوم ہیں ایسے ہی کفار الحقائق والحقیقۃ قرآن حقیقی کی آیات میں جھگڑتے ہیں اسی لیے ان کا جھگڑا حقیقی ہوگا کیونکہ ان کا جھگڑنا آیاتِ حقیقیہ میں ہے اسی معنیٰ پر وہ کفا رالحقائق ہیں انھیں کفار الرسوم نہ کہا جائے گا اور تم اے حقی اور ذبیح اللہ کے ہم نام (یعنی صاحب روح البیان) مطلق کفر و جدال سے دور رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں پکے سچے مومن اور مسلم سمجھے جاؤ یہی صواب و رشاد کی راہ ہے اسی کی طرف دعوت و ارشاد ہے ہمیں اسے قبول کرنا ضروری ہے اور یہ تمام لوگوں پر فرض اور واجب ہے ۔

فلا یغررك تقلبھم فی البلاد ۔ فا شرط محذوف کا جواب ہے الفرۃ یا گتے وقت غفلت التقلب بمعنی پھرنا ۔ المفردات میں ہے التقلب بمعنی التصرف ۔ البلد وہ پسندیدہ محدود جگہ جو رہنے سہنے اور جمع ہونے کے لیے ہو اس کی جمع بلاد و بلدان آتی ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تمہیں یقین ہے کہ ان پر کفر مسلط ہو چکا ہے تو ان کی مہلت اور دنیوی ٹھاٹھ باٹھ اور کاروبار کے لیے ملک شام و یمن کو آنے جانے سے دھوکہ نہ کھائیے ۔

فائدہ: کفار مکہ سرما و گرما میں ملک شام و یمن کو تجارتی اُمور کے لیے آتے جاتے اور غیر معمولی منافع کماتے یعنی انھیں چند روز مہلت و فرصت دی گئی ہے پھر عنقریب کفر پر ان کی اسی طرح سخت گرفت ہوگی جیسے پہلی اُمتوں کے کافروں کی ہوئی جیساکہ فرمایا کذبت الخ ۔

فائدہ: عین المعانی میں لکھا ہے کہ یہ خطاب عام ہے یعنی ہر وہ شخص جو ان کے کاروبار کو دیکھ کر دھوکہ کھاتا ہے تجھے دھوکہ نہ ہو اس خطاب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مستثنیٰ ہیں ۔

منکرین اولیاء کا ردّ اور اُن کی نشانی

آیت میں اشارہ ہے ان محروم القسمت لوگوں کی طرف جو اولیاء کرام کی کرامات کے منکر ہیں اور ان کے ذوق مشارب اور بلند مقامات سے بے خبر ہو کر انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بندگانِ اعلیٰ پر کسی قسم کی آیات سے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ ہر ممکن ان پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کی کرامات کے متعلق جھگڑتے ہیں جیساکہ ہمارے زور میں وہابیوں کا طریقہ ہے) اور ہر طرح سے انھیں نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن

رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے پروردگار کی عظمت میں غور و فکر نہ کرو ہاں ان کی تخلیق میں بیشک غور و فکر کرو مثلاً حضرت اسرافیل علیہ السلام اُس کے ملائکہ میں ایک ہے جس کے کاندھے پر عرش کا ایک کونہ ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے اُس کے پاؤں ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے چڑیا کی طرح ہو جاتا ہے۔

فائدہ: الوصع (صاد مہملہ ساکنہ) و متحرکہ ایک زرد رنگ چھوٹا پرندہ چڑیا کی طرح[1]۔

فائدہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے عرش کو سبز جوہر کو پیدا فرمایا اور اس کے لاکھ سر ہیں اور ہر سر میں چھ چھ لاکھ اور ہیں اور ایسے ہر سر میں چھ چھ لاکھ زبانیں ہیں۔ ہر زبان سے ایک ایک لاکھ لغت سے تسبیح پڑھتے ہیں۔ پھر ان لغات عرش سے اللہ تعالیٰ فرشتے پیدا فرماتا ہے جو ان لغات سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

فائدہ: عرش کو روزانہ ستر ہزار رنگ کی نورانی پوشاک پہنائی جاتی ہے اور نور کی ایسی تیز روشنی ہے کہ مخلوقِ الٰہی کا کوئی فرد اسے نہیں دیکھ سکتا اور تمام کائنات عرش کے آگے ایسے ہے جیسے جنگل میں گرا پڑا ایک حلقہ۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے عرش اور اُس کے حاملین کے درمیان کئی حجابات ڈال رکھے ہیں:

۱۔ ستر پردے آگ کے۔
۲۔ ستر پردے پانی کے۔
۳۔ ستر پردے برف کے۔
۴۔ ستر پردے سفید موتی کے۔
۵۔ ستر پردے زبرجد کے۔
۶۔ ستر پردے یاقوت احمر کے۔
۷۔ ستر پردے تاریکی کے اس لیے عرش کو کوئی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں اسے وہ اچک کے نہ لے جائے۔

فائدہ: فقیر (صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا روایات دلالت کرتی ہیں کہ حاملین عرش کا اُٹھانا حقیقی معنی پر محمول ہے یہاں مجازی معنی لینا کہ وہ اس کی نگرانی اور تدبر کرتے ہیں

---

[1] قاموس ۱۲

صحیح نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کا مذہب ہے۔ بخدا عرش کی اتنی بڑی وسعت اور اس کا اتنا بڑا دائرہ ایسے ہی ملائکہ کرام کا اسے کاندھوں پر یا پیٹھ پر یا سروں پر اُٹھانا اللہ تعالیٰ کی کمال عظمت و جلالت شان پر دلالت کرتا ہے تو رسول اکرم شفیع محترم صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال احترام و احتشام کی بھی دلیل ہے کیونکہ یہی عرش کیا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ؎

عرش است مکین پایہ ز ایوان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)[1]

فائدہ: آج حاملین عرش چار ہیں تو قیامت میں آٹھ ہوں گے اور وہ عرش کے لیے ایسے ہیں جیسے ستون مکان کو اُٹھائے ہوتے ہیں ایسے ہی وہ عرش کو۔

سوال: وہ جوہری ہے کہ عرش کے قوائم ہیں اور وہ جملہ اجسام کو محیط ہے۔

جواب: ملائکہ کا اُٹھانا اس کے منافی نہیں اس لیے کہ اس کے قوائم بھی ہوں تو ملائکہ کا اُٹھانا مطلوب ہے اور قوائم پر بھی ہے تو اس میں کونسا حرج ہے کیونکہ قوائم سمیت بالکلیہ ملائکہ کے حامل ہیں۔

ومن حولہ: یہ محلاً مرفوع ہے اس کا عطف الذین یحملون الخ پر ہے یعنی فرشتے عرش کے اردگرد والوں کو بھی اُٹھاتے ہیں۔ حول الشئ بمعنی شی کا وہ کنارہ جس پر اسے ممکن ہو کہ وہ اس کی طرف گھوم پھر سکے۔ اسم موصولہ یعنی العرش محلاً مرفوع بتدا اور اس کی خبر یسبحون بحمد ربھم اور وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں یعنی اس کی اس سے تنزیہ بیان کرتے ہیں جو اس کے شان کے لائق نہیں۔ درانحالیکہ وہ اس کی غیر متناہی نعمتوں پر حمد کے ساتھ متلبس ہیں۔

حاملین عرش کی تسبیح

سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان ذی الملک والملکوت سبحان الملک الحی الذی لا یموت سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح[2]

ترجمہ: "پاکی صاحب عزت و جبروت کی پاکی ہے صاحب ملک و ملکوت کی پاکی ہے بادشاہ حی لایموت کی وہ سبوح قدوس اور ملائکہ و روح کا رب ہے۔"

سوال: تسبیح کو اصل اور حمد کو حال کیوں؟

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہٗ۔

[2] فتح الرحمٰن ۱۲۔

جواب: حمد اُن کے حال کے مقتضیٰ پر بخلاف تسبیح کے اس لیے وہ اس وقت ہوتی ہے جو کوئی سبب عارض ہو۔ مثلاً کوئی ایسی صفت اس کیلئے بیان کی جائے جو اس کے لائق نہ ہو تو تب تسبیح کہی جاتی ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ عرش کے ارد گرد ملائکہ کی ستر ہزار صفیں ہیں جو عرش کا طواف کرتے ہوئے تکبیر و تہلیل پکارتے ہیں پھر اُن کے آگے ستر ہزار فرشتوں کی دیگر صفیں قیام میں ہیں جو اپنے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر بلند آواز سے تکبیر و تہلیل پڑھتے ہیں پھر اُن کے آگے ملائکہ کی لاکھ اور صفیں ہیں جو سیدھے ہاتھ پر بایاں ہاتھ رکھ کر تسبیح میں مشغول ہیں یاد رہے ہر ایک فرشتہ کی الگ الگ تسبیح و تہلیل کے کلمات ہیں کہ اس کے سوا دوسرا اس جیسی تسبیح نہیں پڑھ سکتا ان کے آگے پھر اتنا ان گنت فرشتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ان ہر ایک کے پر ہیں اور ان کے ہر دو پر کے درمیانی مسافت تین سو سال کے سفر کے برابر ہے۔

فائدہ: شہر بن حوشب سے منقول ہے کہ حاملین عرش آٹھ ہیں چار تو کہتے ہیں:

سبحانك اللهم و بحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك

تیری پاکی ہے اے اللہ اور تیری حمد اور تیرے علم کے بعد تیرے حوصلہ پر تیری حمد ہے۔

اور چار دوسرے کہتے ہیں:

سبحانك اللهم و بحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك

تیری پاکی ہے اے اللہ اور تیری حمد اور تیری قدرت کے بعد تیری معافی پر حمد ہے[1]۔

گویا یہ نسبت کرم الٰہی بہ ذنوب بنی آدم یہ کلمات کہتے ہیں۔

فائدہ: بعض تفاسیر میں ہے گویا وہ بنو آدم کے گناہ دیکھ کر یہ کلمات کہتے ہیں۔ ان کلمات میں بہت بڑے فوائد ہیں۔ پیر طریقت حضرت ابو القاسم بن یاسین (آپ مشاہیر علماء و مشائخ دہر تھے) نے شیخ ابو السعید الخیر کو فرمایا کہ یہ کلمات مجھ سے یاد کر لو اور ہمیشہ کہتے رہو۔ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے وہ کلمات یاد کر لیے اور ہمیشہ کہتا رہتا ہوں اور مجھے ان کلمات سے اتنے فوائد نصیب ہوئے جنہیں میں بیان نہیں کر سکتا۔ ﴿ یومنون به ﴾ اور اپنے رب تعالیٰ پر حقیقی ایمان رکھتے ہیں۔

سوال: ضمناً ایمان کا ذکر تو ہو چکا ہے اس کی تصریح کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: فضیلت ایمان کی شرافت کا اظہار اور اس کے اہل کی بزرگی کا بیان ہے اسی لیے کہتے ہیں اوصاف الاشراف اشراف الاوصاف۔ بزرگوں کے اوصاف بھی بزرگ ہوتے ہیں۔

---

[1] معالم التنزیل ۱۲

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے ایمان کے ذکر میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بصائر سے ادراک کرتے ہیں اگرچہ انسانوں کی طرح ابصار کے ادراک سے محجوب ہیں لیکن یہ صرف دنیا کے قاعدہ پر ہے اور آخرت یعنی جنت میں اہل ایمان کو آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔

سوال: لا تدرکہ الابصار (اسے آنکھیں ادراک نہیں کرسکتیں) ظاہر ہوتا ہے کوئی بھی اس کا ادراک نہ کرسکے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

جواب: آخرت میں اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اس عموم سے مستثنیٰ ہے لیکن جن اور ملائکہ اس عموم میں داخل نہیں اس لیے کہ آخرت میں دیدار الٰہی کی استعداد صرف اور صرف اہل ایمان انسانوں میں ہے کیونکہ انھیں ہی جامع کمال نصیب ہوا ہے۔

یستغفرون للذین اٰمنوا۔ اور وہ اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ استغفار سے یہاں شفاعت اور اُن کو توبہ پر برانگیختہ کرنا اور ایسا الہام جو انھیں مغفرت کا موجب بنائے مراد ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بنی آدم کے گناہوں پر آگاہی ہے نیز اس میں تنبیہہ ہے کہ ایمانی مشارکت ایک دوسرے کی خیرخواہی و شفقت کی متقاضی ہے۔ اگرچہ جنس مختلف ہو کیونکہ یہی مشارکت ایمانی وقوی واتم مناسبات سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما المومنون اخوۃ بیشک مومن بھائی بھائی ہیں۔

نکتہ: برائی کی معاونت اور اس میں سعی کرنے والوں اور ظالموں کو قتل کرنا مباح ہے اور اُن کے قاتل کو ثواب کا کام کرنے والا سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ مسلمان ہوں کیونکہ اسلام کی شرط ہے کہ خلق خدا پر شفقت کی جائے اور اُن کی خوشی اپنی خوشی اور ان کا غم وحزن اپنا غم وحزن سمجھا جائے اور مذکورہ بالا لوگوں نے اس کے برعکس عمل کیا تو ایسے قتل کر ڈالنے کے لائق ہیں۔

مسئلہ: اگر ایسے لوگوں کا بُرے عمل سے باز رکھنے کے لیے قید وغیرہ سے کام لیا جائے تو جائز ہے۔

فائدہ: امام (فخرالدین رازی) نے فرمایا کہ کمال سعادت دو چیزوں سے مربوط ہے۔

۱۔ الشفقۃ علی خلق اللہ۔ ۲۔ التعظیم بامر اللہ۔

تعظیم بامر اللہ کو شفقت خلق اللہ پر مقدم کرنا واجب ہے اس لیے کہ یسبحون بحمد ربھم ویومنون بہ۔ تعظیم بامر اللہ پر اور ویستغفرون للذین اٰمنوا شفقۃ علی خلق اللہ پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ فرشتے اہل ایمان کے لیے اُس وقت سے استغفار کرنے لگے جب سے انھیں ہاروت و ماروت کا معاملہ معلوم ہوا۔ یا اس وقت سے جب خود کہا: اتجعل فیھا

من یفسد فیها و یسفك الدماء ۔ کیا زمین میں اُن کو پیدا کرتا ہے جو اس پر فساد برپا اور خونریزی کریں گے ۔

فائدہ: امام راغب نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بندے کو عذاب سے بچائے اور استغفار بمعنی عذاب سے بچنے کی طلب زبان سے یا عمل سے اس لیے کہ صرف زبان سے طلب مغفرت جھوٹوں کا کام ہے ۔

سوال: اس سے ملائکہ کی بشر پر علی الاطلاق افضلیت ثابت ہوتی ہے (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ۔ اس لیے کہ وہ اپنے بجائے اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے ہیں ۔ اگر ان کو اپنے لیے استغفار کی ضرورت ہوتی تو وہ پہلے اپنے لیے استغفار کرتے ۔

جواب: یہ عوام اہل اسلام کے لیے ہے اور خواص یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ ملائکہ کرام سے علی الاطلاق افضل ہیں بلکہ یہ ملائکہ استغفار کے بجائے ان پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں ان کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر صلوٰۃ و سلام ان کے لائق ہے نہ کہ استغفار ۔

مسئلہ: حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے اہل ایمان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ملائکہ کرام جیسے تحمید و تسبیح پر مامور ہیں وہ اہل ایمان کی استغفار بھی منجانب اللہ مامور ہیں اور انہیں حکم ایزدی ہے کہ وہ اہل ایمان گنہگاروں کے لیے دعائیں مانگیں اسی لیے وہ اہل ایمان کی دعا میں مشغول رہتے ہیں بلکہ بہت بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور اُن کی نجات کی طلب کے علاوہ ان کے رفع درجات کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ربنا اس میں یقولون پہلے مراد ہوگا یعنی وہ ملائکہ کہتے ہیں ان کی استغفار کا بیان ہے یا یہ حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ کہتے ہیں ۔ اے پروردگار عالم وسعت کل شئ رحمة و علما وسعت رحمتك و علمك اور اس کا منصوب ہونا تمیز کی وجہ سے ہے در اصل عبارت وسعت رحمتك و علمك تھی ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات مراد نہ لی جائے اس لیے کہ وہ مکان کی قید سے پاک ہے اسی لیے اس کی صفت مراد لی گئی ہے یعنی رحمت و علم ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کی ذاتی رحمت و علم ہر شے کو محیط ہے ۔

سوال ذات کو تو علم زیادہ تعلق اور وہ زیادہ شامل ہے تو پھر رحمت کو کیوں مقدم کیا گیا ہے ۔

جواب: یہاں پر رحمت بالذات مقصود ہے ۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و علم ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے ۔

فائدہ: فقیر صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ رحمت و علم ہر شے کو شامل ہے یہاں تک کہ شیطان وغیرہ کو بھی ہے کیونکہ ہر شے موجود کو دنیوی رحمت نصیب ہے فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلك تو انہیں بخش دو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی اطاعت کی فاء دعا ما قبل کی ترتیب

کے لیے ہے۔ یعنی فا رکا مابعد رحمت وعلم ہر ایک سے مسبب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے پروردگار جس کی توبہ از کفر و معاصی اور سبیل الایمان و طاعت تو جانتا ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ فرشتے ہر اُس شخص کی استغفار کرتے ہیں جو گناہوں وغیرہ سے تائب اور اتباع خواہش نفسانی سے رجوع کر چکا ہو اور صدق طلب و صفائے نیت الی سبیل الحق کا تابع ہو۔

سوال: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بخشش صرف تائبین کے لیے ہے حالانکہ یہ شفاعت تو عام ہوگی۔

جواب[1]: چونکہ یہاں تائب کا بیان ہو رہا ہے اس لیے تائبین کا ذکر خصوصیت سے ہوا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری نہیں کہ ہر تائب کی توبہ قبول فرمائے[1]۔

جواب[2]: توبہ اور اتباع کی ترغیب کے لیے اس کی تخصیص ہے اور یہی جواب یہاں مرغوب تر ہے۔

مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ان سب سے عجیب تر حضرت بقلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو یہاں پر اُنھوں نے لکھا کہ مجھے تعجب ہے فرشتوں سے کہ اُنھوں نے صرف تائبین کا نام لے کر مجرموں کو چھوڑ دیا یہ اُن کے زہد کی دلیل ہے اگر وہ ہمارے نبی سرور پیغمبران صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کو سامنے رکھتے تو ایسا نہ کرتے۔ آپ کو باوجودیکہ دشمنوں نے آپ کو سخت ایذائیں دیں لیکن پھر بھی فرما رہے تھے:

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ نہیں جانتے۔

فرشتوں نے پہلے رحمت عام کر کے پھر تائبین کو خاص کر لیا کاش وہ اپنے پہلے قول پر قائم رہتے اور تائبین کو خاص نہ کرتے تو کیا اچھا ہوتا[2]۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ عاصی یا مومن ہوگا یا کافر۔ دوسرے یعنی کافر سے مغفرت کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ مغفرت مطلقاً اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب ملائکہ کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو ہرگز نہیں بخشے گا تو اس لیے ملائکہ نے مغفرت اہل ایمان کے ساتھ خاص کی تاکہ مشرکین خارج ہو جائیں۔ وقھم عذاب الجحیم۔ قِ وَقٰی یقی وقایۃ کا امر ہے بمعنی کسی کو اُس سے بچانا جو اسے ایذا دے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں عذاب جہنم سے بچا۔

فائدہ: کنایہ کے بعد اب تصریح تاکید کے لیے ہے کیونکہ غفران بمعنی اسقاط الذنوب ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ محض توبہ نجات کے لیے کافی نہیں جب تک اس میں ثبات نہ ہو نجات مشکل

---

[1] الاسئلۃ المقحمۃ ۱۲ — [2] تاویلات البقلی ۱۲

ہے اور عمل کو ریاء و سمعتہ سے دور رکھنا اور قلب کی خواہشاتِ نفسانیہ اور بدعت سیئہ کا ارتکاب کرنا ضروری ہے۔

ربنا و ادخلھم اس کا عطف قِھِمْ پر ہے۔ اے ہمارے پروردگار ان ہیں داخل فرما۔ ربنا کا تکرار دُعا میں آہ و فغاں میں مبالغہ کے لیے ہے یعنی تاکہ آہ وزاری و استغاثہ کے وقت دعا میں آواز زیادہ سے زیادہ بلند ہو۔ **جنات عدن** ۔ اقامت کے باغات میں **التی وعدتھم** ۔ جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو بھی **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہے گا اسے جنات عدن میں داخل فرمائے گا۔

جنات عدن کیا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ جنات عدن کیا ہے۔ عرض کی وہ بہشت میں سونے کے محلات ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوں گے اور وہ ائمہ (حکام) جنہوں نے رعایا کے ساتھ عدل و انصاف فرمایا۔

فائدہ: اس روایت سے ثابت ہوا کہ جنات عدن مخصوص حضرات کیلئے ہے عوام اس میں داخل نہ ہوں گے۔ ایسے ہی جنت الفردوس کا حال ہے کیونکہ ہر مقام کے لیے خاص عمل ہے جو اس کے سوا اور کوئی اس کا مستحق نہ ہوگا۔ جب عمل اخص و ارفع ہو تو مقام بھی بلند تر اور ارفع و اعلیٰ نصیب ہوتا ہے۔ **و من صلح من ابائھم و ازواجھم و ذریاتھم** ۔ یہ جملہ محلاً منصوب اس کا عطف وادخلھم کی منصوب ضمیر پر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ داخل کر ان کے ساتھ وہ جو صالح ہیں ان کے آباؤ ازواج سے ہیں یعنی ایسے کامل و مکمل صلاحیت والے جو منجملہ دخول جنت کے لائق و مستحق ہیں اگرچہ وہ اصول کے مراتب سے بہت کم مرتبہ ہوں۔ یہ اس لیے ہوگا تاکہ ان کو سرور و فرحت کی تکمیل اور رونق میں اضافہ ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ تائب کی برکات اس کے آباؤ ازواج و ذریات تک پہنچتے ہیں تاکہ وہ بھی اس کی وجہ سے جنت اور اس کی نعمتیں پائیں۔

محبوبانِ خدا کی عزت افزائی: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن بہشت میں داخل ہو کر کہے گا ابن ابی ۔ ابن ولدی ۔ ابن زوجی ۔ میرے ماں باپ کہاں ہیں ۔ میری اولاد ۔ میری بیوی کہاں ہیں ۔ جواب ملے گا انہوں نے تمہارے جیسے عمل نہیں کیے عرض کرے گا میرے عمل صرف میرے لیے نہیں تھے بلکہ ان کے لیے بھی تھے فرمان ہوگا ان کو اس کے ساتھ بہشت میں داخل کردو

اُمید است از آنانکہ طاعت کنند
کہ بے طاعتاں را شفاعت کنند

ترجمہ: اُمید ہے کہ طاعت کنندگان بے طاعت گزاروں کی سفارش کریں گے۔

ننھے منھے بچوں کی شفاعت کا نمونہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں مسلمانوں کے ننھے منے بچوں کو حکم ہوگا کہ قبروں سے نکل کر ٹولی بنا کر سیدھے بہشت میں چلے جاؤ۔ بچے عرض کریں گے اے پروردگار ہمارے ماں باپ بھی ہمارے ساتھ ہوں۔ دوبارہ وہی حکم ہوگا۔ وہ بھی وہی عرض کریں گے اس سے اللہ تعالیٰ تبسم فرمائے گا (جیسا کہ اُس کے لائق ہے) اور حکم دے گا کہ اپنے ماں باپ کو بھی ساتھ لے جاؤ اس سے ننھے منھے اپنے اپنے ماں باپ کی طرف دوڑ کر انھیں ہاتھوں سے پکڑ کر بہشت کو چل پڑیں گے اُس وقت وہ ننھے منھے اپنے ماں باپ کو ایسے پہچانیں گے جیسے گھر میں رہنے والے بچے اپنے ماں باپ کو پہچانتے ہیں۔

اعجوبہ: الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مرد بہشتی ہوگا اور اس کی عورت دوزخ کے لائق تو اس کے لیے اس جیسی عورت پیدا فرمائی جائے گی تاکہ اسے تسلی ہو۔

سوال: مثلی عورت کے ساتھ تسلی کیسی؟

جواب: اسے علم تک نہ ہوگا کہ یہ اصلی ہے یا مثلی کیونکہ اگر اسے مثلی کا علم ہو جائے تو مغموم ہوگا اور بہشت دار السرور ہے نہ کہ دار الحزن۔ اسی لیے آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا گیا تاکہ جنت میں محزوم و مغموم نہ ہوں۔ انك انت العزیز بیشک تو غالب ہے کہ تو کسی مقدور سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ الحکیم۔ تو وہ حکیم ہے کہ اس کا ہر کام حکمت کے عین تقاضا پر ہوتا ہے منجملہ ان کے ایک یہی وعدہ اور اس کا پورا کرنا ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انت العزیز تو ہی وہ عزیز ہے کہ تائبین کو عزت دیتا اور ان سے پیار کرتا ہے اگرچہ اُنھوں نے گناہ کیا الحکیم تو وہ حکیم ہے کہ تو نے اپنے محبوں کو گناہوں سے نہ بچایا پھر ان کی توبہ قبول کر لی ہے

زمن ہوس سر نہ حکمت بدر می برم
کہ حکمت چنیں می رود بر سرم

ترجمہ: میں اپنے سر سے حکمت کے خیالات نکال چکا ہوں کہ حکمت ایزدی کا میرے لیے یہی حکم ہے۔

وقہم السیّاٰت ۔ اور انھیں ان برائیوں سے بچایئے جو قیامت میں اُن کی رسوائی کا موجب نہیں اور ان سے عذاب رفع فرمایئے ۔ اس لیے بُرائی کی سزا بُری ہوتی ہے اسے سیئۃ کہنا یا اس لیے ہے کہ یہ ملزوم کا نام ہے یعنی اعمال سیئہ کا لیکن اس کا اطلاق اس کے لازم پر آیا ہے یعنی اس کی جزا اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں بُرائی کی جزا سے بچا یہاں مضاف محذوف ہے اور سیّاٰت بمعنی اعمال سیئہ ہے اور بہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے یعنی پہلے فرمایا انھیں عذابِ جہنم اور عذابِ قبر اور قیامت کے موقف اور حساب اور سوال اور پلصراط وغیرہ وغیرہ سے بچا ۔ یا یہ مخصوص ہے صالحین اور اُن کے اتباع کے لیے اور پہلا اصول کے لیے دعا ہے ۔ ومن تق السیّاٰت یومئذٍ اور جسے قیامت میں برائیوں سے بچا تا فقد رحمتہ تو بیشک تو نے اس پر رحم فرمایا کیونکہ جسے عذاب سے معافی نصیب ہو وہی مرحوم ہے ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ سیئات اول سے معاصی فی الدنیا مراد ہے ۔ اب ومن اتق الخ کا معنیٰ یہ ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں معاصی سے بچائے تو اس پر آخرت میں رحم فرمائے گا گویا ملائکہ نے ان کے لیے مسبب کے لیے سبب کا سوال کیا ۔

فائدہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے وقہم السیاٰت یعنی اُن کی توبہ کے بعد انھیں سیّاٰت سے بچا تا کہ وہ معاصی و آثم سے نا اُمید نہ ہوں اور جنہیں تو سیّاٰت سے بچاتا ہے تو تو نے اُس پر رحم فرمایا ۔ اس طرح سے وہ اپنے جملہ اُمور کو رحمتِ الٰہی کے حوالہ کر بیٹھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مومن پر رذیل ترین مخلوق مسلط نہیں فرمائی یعنی شیطان کو بلکہ ان کی شفاعت پر بزرگ و برتر مخلوق یعنی ملائکہ مقربین کو مقرر فرمایا ۔

فائدہ : مطرف نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں کے زیادہ خیر خواہ ملائکہ کرام اور سب سے زیادہ کھوٹ کرنے والے اور دغاباز شیاطین ہیں ۔ وذالک اور رحمت و وقایت جو ابھی مذکور ہوئیں ۔ ھو الفوز العظیم وہ بہت بڑی کامیابی ہے ۔ الفوز بمعنی الظفر مع حصول السلامۃ ۔ یعنی وہ بڑی کامیابی کہ جس کے بعد کسی طمع والے کو طمع نہ ہو یعنی ایسی بڑی کامیابی کہ جسے آج اللہ تعالیٰ کی عصمت کی پناہ نصیب ہوئی تو کل قیامت میں رحمت کے سایہ لامتناہی میں جگہ پائے گا ۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

امروز کسے را در آری بہ پناہ
فردا بمقام قربتش بخشی راہ
و آں را کہ رہش نداد بہ درگاہ
فردا چہ کند کہ نکند نالہ و آہ

ترجمہ: آج تو نے جسے پناہ بخشی ۔ کل قیامت میں اسے مقام قربت عطا فرمائے گا ۔

۲ اور جسے تو نے اپنی درگاہ سے ہٹا دیا تو وہ کل قیامت میں آنسو نہ بہائے گا تو اور کیا کرے گا ۔

تفسیر صوفیانہ: فقیر (صاحبِ رُوح البیان) کہتاہے کہ آیات عظام اور استغفار ملائکہ کرام سے واضح ہوتا ہے کہ انسان معاونت کا محتاج ہے کیونکہ اس پر امانتِ عظمٰی کا بوجھ ہے لیکن نور لطف وجمال الٰہی سے منور اور اس کے قہر وجلال کی نار سے محترق ہے اور اس کا راستہ بہت بڑا سخت ہے لیکن وہ بے نظیر ہے اس کا حال عجیب بہ ملائکہ مرغ مع بازی کے مشابہ ہے۔ بازی نے مرغ سے کہا کہ میں تجھ جیسا بے وفا اور کسی کو نہیں پاتا اس لیے کہ تیرے گھر والے تیری تربیت کرتے ہیں یعنی انڈے سے نکال کر باہر پھینکتے ہیں اور جب تک تو بڑا نہیں ہوتا تیری تربیت و پرورش میں جان کی بازی لگائی جاتی ہے لیکن جب تو بڑا ہوتا ہے تو تجھے اپنے سے دور کر دیتے ہیں کہ کبھی سونگھتے تک نہیں ہیں اور میرا حال یہ ہے کہ مجھے پہاڑوں سے پکڑ کر میری آنکھیں بند کر کے مجھے قید میں ڈال دیتے ہیں اور پھر کئی دن تک بھوکا رکھتے ہیں اور نہایت ہی تاریک جگہ پر چھپائے رکھتے ہیں۔ پھر جب مجھے چھوڑتے ہیں تو میں شکار کو پکڑتا ہوں لیکن میں شکار خود نہیں کھاتا بلکہ واپس آکر ان کو پیش کر دیتا ہوں۔ مرغ نے جواب دیا بازی بھائی بتاؤ بھلا تم نے کبھی کسی بازی کو سیخ پر بھی پکتے دیکھا اور مرغ بیچارے ہی ہر وقت سیخ پر پکائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم نے مرغ کو پنجروں میں کبھی مقید نہیں دیکھا (مطلب یہ ہوا کہ جتنا کسی کو آرام ملتا ہے اتنا دکھ بھی اٹھاتا ہے پھر جتنا دکھ دیکھتا ہے اتنا آرام بھی پاتا ہے۔

فائدہ: جو شخص کامیابی چاہتا ہے اسے اس کے طریقہ میں دکھ بھی اٹھانا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت کی سعادت کے لیے دنیا کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ آخرت میں اپنے لیے کچھ کام کر دکھلائے۔

پند لقمان: حضرت لقمان حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا اے عزیز چیونٹی سے کم نہ ہو کہ وہ گرمیوں میں سردی کا سرمایہ جمع کرتی رہتی ہے۔

حکایت: مینڈک نے چیونٹی سے سردی میں کچھ کھانے کو مانگا تو چیونٹی نے کہا پاگل تو گرمیوں میں آرام سے سوتا رہا سردیوں کے لیے کچھ جمع نہ کیا (اب بھیک مانگنے کا کیا فائدہ)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کنوں با خرد باید انبار گشت
کہ فردا نماند رہ بازگشت

ترجمہ: ابھی تجھے کچھ عقل ہے تو ذخیرہ جمع کر لے ورنہ کل تجھے واپس لوٹنے کا وقت نہیں دیا جائے گا۔

سبق: قیامت میں دنیا کی طرف لوٹنے کی اجازت نہ ہوگی (کہ جس سے تم سرمایہ حاصل کر سکو)۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ
إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ○ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ
أَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ○
ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ
فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ○ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ
السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ○ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي
الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ○ يَوْمَ
هُم بَارِزُونَ ۚ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ
الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ
إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ
لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ○ يَعْلَمُ
خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ○ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ
يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○

ترجمہ:۔ بیشک جنھوں نے کفر کیا ان کو ندا کی جائے گی کہ ضرور تم سے اللہ کی بیزاری اس سے بہت زیادہ ہے جیسے تم آج اپنی جان سے بیزار ہو جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تو تم کفر کرتے۔ کہیں گے اے رب ہمارے تو نے ہمیں دو بار مردہ کیا اور دو بار زندہ کیا۔ اب ہم اپنے گناہوں پر مقر ہوئے تو آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔ یہ اس پر ہُوا کہ جب ایک اللہ پکارا جاتا تو تم کفر کرتے اور اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تو حکم اللہ کے لیے ہے جو سب سے بلند بڑا وہی ہے کہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے روزی اُتارتا ہے اور نصیحت نہیں مانتا مگر جو رجوع لائے تو اللہ کی بندگی کرو نرے اللہ کے بندے ہو کر پڑے بُرا مانیں کافر بلند درجے دینے والا۔ عرش کا مالک ایمان کی جان وحی ڈالتا ہے اپنے حکم سے اپنے بندے ہیں جس پر چاہے کہ وہ ملنے کے

دن سے ڈرائے جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے۔ اللہ پر ان کا کچھ حال چھپا نہ ہوگا۔ آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ سب پر غالب کی۔ آج ہر جان اپنے کیے کا بدلہ پائے گی۔ آج کسی پر زیادتی نہیں بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اور انھیں ڈراؤ اُس نزدیک آنے والی آفت کے دن سے جب دل گلوں کے پاس آجائیں گے۔ غم میں بھرے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔ اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ۔ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے اور اللہ سچا فیصلہ فرماتا ہے اور اُس کے سوا جن کو پوجتے ہیں۔ وہ کچھ فیصلہ نہیں کرتے بیشک اللہ ہی سنتا دیکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: ان الذین کفروا ینادون۔ المناداۃ والنداء بمعنی الدعوۃ ورفع الصوت بیشک کافر پکارے جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ کفار جہنم میں اپنے نفس امارہ کو کوسیں گے کہ اس نے ہی کرایا جو کچھ کرایا کہ نہ وہ اتباع خواہشات کرتے نہ ایسے دائمی جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوتے اور وہ نفس پر ایسا شدید غضب ظاہر کریں گے کہ انگلیوں کو چبا چبا کر شدت غیظ و غضب کا مظاہرہ کریں گے اور ان کا یہ مظاہرہ برسر عام مجلس ہوگا تو اُس وقت اُنھیں ملائکہ پکار کر کہیں گے یہ پکارنے والے وہ فرشتے ہوں گے جو جہنم کے داروغے ہیں اور ان کا پکارنا بھی دور سے ہوگا تاکہ انھیں تنبیہہ ہو کہ وہ حق سے کتنا دور ہیں یعنی کفار جب جہنم میں پہنچیں گے تو اپنے نفسوں سے دشمنی کا آغاز کرتے ہوئے انھیں غیظ و غضب کے ساتھ جھڑکیں گے کہ تم نے باوجود اختیار کے ایمان قبول نہ کیا۔ اس پر ملائکہ ان کو پکاریں گے اور کہیں گے **لمقت اللہ**۔ بیشک غضب اللہ تعالیٰ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ **المقت بمعنی البغض الشدید** ہر اس شخص کے لیے کہ جسے کسی برائی میں دیکھا جائے۔ اور بغض بمعنی نفس اس شے سے نفرت کرتا جس سے وہ منہ موڑتا ہے۔ یہ حب کی نقیض ہے حب بمعنی نفس کا اس طرف انجذاب جس کی وہ رغبت رکھتا ہے اور مقت الٰہی بمعنی اس کا غضب یہ مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے جس پر مقت ثانی دلالت کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا اللہ تعالیٰ کا غضب تمھارے نفوس امارہ پر۔ **اکبر** بہت بڑا ہے۔ **من مقتکم انفسکم**۔ تمھارے اپنے نفسوں پر غصہ کرنے سے۔ **اذ تدعون**۔ یاد کرو جب تم دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی طرف بلائے جاتے تھے۔ **الی الایمان**۔ ایمان کی طرف۔ تو تم اسے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ **فتکفرون**۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید سے کفر کرتے تھے اپنے نفسوں کی اتباع اور اُن کی خواہشات کی طرف تیزی سے جانے سے۔

فائدہ: اذ کا تعلق مقت اول کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں حرج نہیں کہ اس کے درمیان میں خبر واقع ہوئی ہے کیونکہ ظروف میں ہوتی ہے کہ وہ دور و نزدیک سے عمل کو قبول کر لیتی ہیں۔ اب

معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب بہت بڑا ہے۔ تمھارے آج کے اپنے نفسوں پر غضب سے جبکہ تم نے دنیا میں کفر کر کے اسے ناراض کیا۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اذ تدعون الخ دلالت کرتا ہے کہ ان ہیں غضب کا سبب کفر ہے گویا انھیں کہا گیا ہے کہ یاد کرو کہ دنیا و آخرت میں غضب سخت آگ جلانے والی میں دخول کا سبب کفر ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آتی ہے۔ زیر آیت ذلکم بانہ اذا دعی اللہ الخ۔

تفسیر صوفیانہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احب المحبین ہے جیسے نفس امارہ اعدیٰ الاعداء ہے تو پھر جس احب المحبین کی محبت کو اعدی الاعداء میں صرف کر دی اور اُس کے ابرو اشارہ پر چلنے لگا تو اللہ تعالیٰ اس سے نظر عنایت پھیر لیتا ہے بلکہ اس پر غیظ و غضب فرماتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نظر دوست نا در کند سوئے تو
چو در دائے دشمن لبعد روئے تو
گرت دوست باید کز و بر خوری
نباید کہ فرمان دشمن بری
ندانی کہ کمتر نہد دوست پاکے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

ترجمہ: تیری طرف دوست آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جب تیری نگاہ اس کے دشمن پر ہو۔

۲: اگر تم اپنے دوست سے پھل کھانا چاہتے ہو تو چاہیئے کہ دشمن کی بات نہ مانو۔

۳: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ دوست اس گھر میں قدم رکھنے کو بھی تیار نہیں جس گھر میں دشمن بیٹھا ہوا دیکھ لے۔

فائدہ: کفر سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب ازلی پوشیدہ ہے یہ اُس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کافر سے کفر کا صدور ہو اور ایسی ابدی ہے کیونکہ وہ دنیا کے انقطاع سے بھی منقطع نہ ہو گی۔ اس معنیٰ پر کافر اللہ تعالیٰ کا دنیا و آخرت میں مبغوض و مغضوب ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب بندوں کے غضب سے بدرجہا بڑا ہے کیونکہ بندے کا غضب بھی اللہ تعالیٰ کے غضب سے ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کسی جرم سے نہ پکڑے تو پھر بندے کی مجرم پر ناراضگی اور غضب کیسا اور سب سے بڑا عذاب اللہ تعالیٰ کا کسی پر ناراضگی اور غضب کے آثار ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی

نعمت بندے سے راضی وخوش ہونا ہے۔ جب کافر دیکھے گا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہے تو اس وقت اس سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہ ہوگا کیونکہ اُس وقت اسے نہ رونا کام آئے گا اور نہ ہی اور کوئی اَمر کہ جس سے عذابِ الٰہی سے بچ سکے اور نہ ہی اس کی آہ وزاری سنی جائے گی اور نہ ہی کوئی حیلہ کام آسکے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو وعطا کا سوال کرتے ہیں اور وہی اپنے ماسویٰ سے کافی ہے۔ قالوا۔ جب انھیں مذکورہ بالا خطاب ہوگا تو کافر کہیں گے ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین۔ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دوبار مارا اور دوبارہ زندہ کیا اثنتین۔ پہلے اور دوسرے جملے میں اثنتین موصوف محذوف ہے صفت ہے۔ پہلے میں اماتتین اور دوسرے میں احیاء تین محذوف ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اماتتین (دو موتین دینا) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم (علیہ السلام) کو ان کی پشت سے باہر کر کے ان سے میثاق لیا یہ پہلی موت ہے اس کے بعد اسے نطفہ سے رحمِ مادر میں زندہ کیا۔ یہ پہلی زندگی ہے اس کے بعد دنیا میں موت دے گا یہ دوسری موت ہے اس کے بعد آخرت میں زندہ کر کے اُٹھائے گا۔ یہ دوسری حیات ہے۔[1]

فاعترفنا بذنوبنا۔ تو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا بالخصوص قیامت میں مر اُٹھنے کا جب کہ ہمیں حضرات انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لاؤ تم نے دھریہ (کمیونسٹ) کی طرح انکار کر دیا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا نہیں ہے۔ ہم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنے باطل عقیدہ پر ڈٹ گئے اور اسی پر ہمیں موت آئی اور اسی پر ہم اُٹھے جس کا ہم دنیا میں انکار کرتے تھے اس کا اَب ہم نے مشاہدہ کر لیا یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے کی بات اب ہمیں سمجھ آگئی اسی لیے ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

فھل الی خروج۔ تو کیا دوزخ سے نکلنے کا جلدی سے یا دیر سے یا کوئی عمل من سبیل کوئی چارہ جس پر ہم عمل کریں یا کوئی راستہ کہ جس پر چل کر عذاب سے نجات پاسکیں یا کوئی ایسا راستہ ہے جس سے ہم دنیا میں واپس جاسکیں تو جو عمل کرتے تھے اس کے برعکس (نیک) عمل کریں گے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ھل الی مرد من سبیل۔ کیا کوئی دنیا کی طرف واپس لوٹنے کا کوئی راستہ ہے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ ان کے سوال کا جواب فیقال (تو انھیں کہا جائے گا) محذوف ہے اور دوسروں نے کہا کہ ان کے سوال کا جواب آنے والا مضمون ہے یعنی ذٰلکم الخ

---

[1] تبیان ۱۲۔

اماتتین و احیائین کی تفاسیرِ عالمانہ

:- ۱. اُوپر مذکور ہوئی جسے علامہ کاشفی مرحوم نے لکھا۔

۲. اماتۃ اولیٰ سے بنو آدم کی تخلیق جب کہ نفخ روح سے پہلے بحالت نطفہ مادر رحم میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کنتم امواتا فاحیاکم ۔ تم مردہ تھے تو تمھیں اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور اماتۃ ثانیہ جب دنیا میں زندگی ختم کرکے موت کا شکار ہوں گے ۔ اماتۃ کا معنیٰ ہے حیات کو معدوم کر ڈالنا اور احیاء اول سے بطنِ مادر سے نکلنے سے پہلے کا وقت اور احیاء ثانی سے البعث بعد الموت مراد ہے ۔

سوال: اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں نہ عذاب ہے نہ وہاں حیات ہے نہ موت کیونکہ اس کا ذکر نہیں ہُوا ۔ اگر کچھ ہوتا تو اس کا بھی مفسرین بیان فرماتے ۔

جواب: ہم حیات و ممات عرفی کا ذکر کر رہے ہیں اور قبر کی زندگی نہ تو دنیوی زندگی کی طرح ہے اور نہ اُخروی حیات کی طرح (وہ ایک عجیب زندگی ہے جسے برزخی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی عوام کے لیے انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقی اور حسّی ہے ۔

ردِ معتزلہ اور ان کے ہم نوا وہابیہ وغیرہ

۱. رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بطریقِ تواتر ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عذابِ قبر سے پناہ مانگی ہے اور اس پر اسلاف صالحین کا اجماع ہے یہاں تک بتدعین (معتزلہ وغیرہ) پیدا ہوئے تو اس کا انکار ہونے لگا۔ بلکہ ہمارے مشائخ نے تو من اعراض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا (جو ذکر الٰہی سے روگردانی کرتا ہے تو اس کی قبر کی زندگی تنگ ہوگی) سے قبر کی معیشت مراد لی ہے۔ کیونکہ اگر یہاں دنیوی معیشت مراد ہوتی تو ہمارا مشاہدہ ہے کہ منکرین خدا کی ظاہری معاش دنیوی اہل ایمان کے بہت سے لوگوں سے بہتر اور برتر ہے ۔

۲. اماتۃ اولیٰ سے حیاتِ دنیا کے مابعد کا وقت اور اماتۃ ثانیہ سے حیات القبر کے مابعد کا وقت مراد ہے اور احیاءین سے وہ وقت جو قبر میں اور وہ جو بعث بعد الموت کے وقت نصیب ہوگا مراد ہے ۔

فیصلہ: الارشاد میں ہے کہ یہی تقریر ان کے مناسب حال کو موزوں تر ہے ۔

سوال: دنیوی حیات کا نام نہیں لیا گیا حالانکہ اس کا تحقق یقینی ہے ۔ یا تو یوں مانو کہ نص میں دو حیاۃ پر ایک تیسری حیات علاوہ ہے اس سے زیادہ علی النص کا ارتکاب لازم آتا ہے یا اس کا کوئی معقول

لہ الاسناد الاقحمہ ۱۲ : اسی لیے معتزلہ اور آج کل پرویزیوں اور نیچریوں اور اصولی طور پر وہابیوں کو انکار ہے ۱۲۔

جواب پیش کرو۔

جواب: کافروں نے دنیوی زندگی کو قابل اعتماد ہی نہیں سمجھا کیونکہ یہ تو زوال پذیر اور مٹنے والی اور اس کے آثار و احکام کا نام و نشان نہ رہے گا۔

سوال: یہ جواب نامعقول ہے اس لیے کہ بیوقوف غلطی کرے تو حقیقت ختم نہیں ہو جاتی۔

جواب: اس سے انکار دنیا کی زندگی کا انکار تو نہیں بلکہ اس کے عدم ذکر سے ان کا مقصد یہ ہے کہ جس کا انہیں دنیا میں انکار تھا اب اس کا انہیں اعتراف ہے اور پھر اس عزم کا اظہار ہے کہ جس کا اب ہم اعتراف کر رہے ہیں اس کے موجب و مطابق عمل بھی کریں گے۔ ان حیلوں بہانوں سے ان کا مقصد رجوع الی الدنیا ہے چنانچہ ان کے ارادہ کی تقریر فھل الی خروج من سبیل۔ میں واضح ہے۔ اگرچہ وہ اس کو بعید از امکان اور اس سے بالکل مایوسی کے بعد کہتے تھے ان کا یہ کہنا صرف اس لیے نہیں تھا کہ وہ اس سے صرف مایوس ہیں بلکہ اسے بعید از امکان بھی سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہیں چونکہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کا بالکل انکار تھا اسی سے اپنے فنون و کفر میں سرمست بھی تھے باقی رہا احیائے اول اس سے اگرچہ ان کے اعتراف کو کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس سے اپنا ایک قسم کا نفع محسوس کرتے تھے اس لیے اس کا ذکر کر دیا۔

سوال: موت اُولیٰ کا ذکر کیسا حالانکہ اس سے بھی تو ان کو کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔

جواب: چونکہ اس کے بغیر احیائین کا ترتب ناممکن تھا اس لیے اس کا ذکر ایسے ضروری ہے جیسے اس کا وجود ان دونوں کے وجود کے بغیر ناممکن ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ کفار اس سے اماتۃ القلوب واحیاء النفوس پھر اماتۃ الابدان واحیاء الابدان بالبعث مراد لیں گے۔

تفسیر عالمانہ: ذالکم۔ الارشاد میں ہے کہ یہ جواب جس کی وہ اُمید رکھتے ہوں گے اس سے نااُمیدی پر ہوگا اسی لیے اب ان کے اعمال سیئہ کا ذکر بھی ساتھ کر دیا گیا۔

یعنی وہی یہ ہے جس عذاب میں تم ہو۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر **بانہ** الخ یعنی بسبب اس کے کہ **اذا دعی اللّٰہ** جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جاتا یعنی ان کی عبادت کے لیے کیا جاتا **وحدہٗ** وہ اکیلا ہے یعنی درانحالیکہ وہ منفرد ہے یہ لفظ اللہ سے حال ہے **کفرتم** تو تم اس کی توحید کا انکار کر جاتے۔ **وان یشرک بہٖ**۔ اور اگر ان کا شریک بنایا جاتا۔ **تؤمنوا۔** تو تم مان جاتے یعنی اس کے شریک بنانے کو تیار ہو جاتے اور اس کی تصدیق کرتے بلکہ اسے بہت جلد قبول کر لیتے۔

فائدہ: لفظ استقبال (یشرک بہٖ) میں تنبیہ ہے کہ اگر وہ دنیا میں دوبارہ لوٹتے بھی تو اسی شرک

کا ارتکاب کرتے۔

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ اذا اور اُس کے بعد ماضی اور اِنْ اور اس کے بعد مستقبل لانے میں ان کے بُرے حال کے کمال کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے گویا انھیں سمجھایا جا رہا ہے کہ تمھارا اس طرح کا میرا حال ہوگا فالحکم للّٰہ تو حکم صرف اللہ کا ہے جو سوائے حق کے اور کوئی حکم نہیں فرماتا۔ العلی الکبیر۔ وہ بلند و بالا شان کا مالک ہے اس سے اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے کیونکہ نہ اس کی ذات میں اس جیسا کوئی ہے نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ مشرک کی ہرگز بخشش نہ ہو گی اور یہ بھی اس کا فیصلہ ہے کہ اس کے عذاب کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی اس کے عذاب سے بچ نکلنے کا کوئی چارہ ہے۔

خوارج کی اصلی تصویر: حروریہ (خوارج) کا مشہور مقولہ لا حکم الا اللہ (اللہ ہی حکم ہے اور بس) اسی سے لیا گیا ہے اور خوارج کو حروریہ[1] اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ (بستی) ان کے اجتماع و دیگر ضروری اُمور کا مرکز تھی۔

فائدہ: حروراء بروزن حیاولا رکبھی اسے مقصور بھی پڑھتے ہیں کوفہ میں ایک بستی ہے جس کا نام حروراء ہے اور خوارج کوفہ کے زاہد مشہور تھے اُنھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت کا قلادہ گردن سے اُتار کر بغاوت کی اور اسی کو گلے کا ہار بنا لیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحکیم پر فیصلہ چھوڑا اور اُن کی جنگ مشہور ہے اور جب بہت وقت اُس پر گزرا تو دونوں نے اتفاق کر لیا کہ امر خلافت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو فیصلہ فرمائیں گے ہمیں منظور ہے خوارج نے یہ سن کر کہا ان الحکم الا اللہ۔ فیصلہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کلمہ تو حق ہے لیکن اس سے ان کی مراد باطل ہے[2]۔ اس وقت خوارج بارہ ہزار تھے ان سب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کر دیا اور اتفاق رائے کر کے مخالفت کا علم بلند کر کے کشت و خون کا سلسلہ جاری کر دیا یہاں تک کہ مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کو لوٹنا عام ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور امر خلافت کی اطاعت میں واپس لوٹنے کی دعوت دی لیکن وہ اپنے پروگرام سے سرمو ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے بلکہ جنگ کرنے پر تل گئے یہاں تک نہروان میں گھمسان کی لڑائی

---

[1] ہمارے دور کے خوارج کو دیوبندیہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دیوبند قصبہ (انڈیا) ان کا مرکز ہے ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ

[2] یہی ہمارے زمانہ کے خوارج کا حال ہے کہ توحید کی رٹ لگاتے پھرتے ہیں اس پر ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ توحید کلمہ حق ہے لیکن ان سے ان کی مراد (تنقیص انبیاء و اولیاء) باطل ہے۔

نہ ہوئی۔

فائدہ: نہروان بروزن زعفران بغداد کے قریب میں ایک چھوٹا سا پرانا شہر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں خوب قتل کیا بلکہ ان کی جڑ کاٹ دی چند ایک جان بچاکر وہاں سے بھاگ نکلے (کاش وہ بھی مارے جاتے تو آج ہمیں ان کی نسل (وہابیہ۔ نجدیہ۔ دیوبندیہ وغیرہا) سے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب الاحادیث النبویہ فی علامات الوہابیہ)۔ (اویسی غفرلہٗ)

خوارج کی کہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی

حدیث: (۱) یخرج قوم من اُمتی فی اٰخر الزمان یحقر احدکم صلاتہ فی جنب صلوٰتھم وصومہ فی جنب صومھم ولکن لا یجاوز ایمانھم تراقیھم۔[1]

ترجمہ: میری اُمت کے آخری زمانہ (قرب قیامت) میں ایک قوم ظاہر ہوگی جس کی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں تمھاری نمازیں اور روزے حقیر محسوس ہوں گے لیکن ان کا ایمان ان کے حلقوم سے نیچے تجاوز نہیں کرے گا (یعنی پکے بے ایمان ہوں گے)۔

حدیث (۲) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الخوارج کلاب النار[2] (خوارج جہنم کے کتے ہیں)۔

صاحب روح کا فیصلہ: خلاصہ یہ کہ خوارج اسلامی فرقوں میں سے ایک گمراہ فرقہ کا نام ہے اس لیے کہ ان کے عقائد فاسدہ ہیں اور حق کا انھیں انکار ہے اور بُرے عقائد نے اکثر بلاد میں اکثر بندگان کو بگاڑ دیا ہے بالخصوص ہمارے دور میں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دعوت الٰہی و دعوت نبوی کو قولاً۔ عملاً۔ حالاً اور اعتقاداً قبول کرے یہاں تک کہ اسے سعادت ابدی اور دار السلام (بہشت) نصیب ہو۔ ایسا نہ کرے کہ ہاں عنقریب اپنا معاملہ و

---

[1] آخر الزمان کا غنچہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ہمارے دور کے خوارج نجدی۔ وہابی۔ دیوبندی۔ مودودی اور ان کی تمام شاخیں ہیں ۱۲۔

۔۔ ۔۔ ۔۔ ابن ماجہ ۱۲۰۸ء [2] ایضاً

عقیدہ وغیرہ صحیح کر لوں گا۔

ملوث مکن دامن از گرد شوی
کہ ناگہ زبالا بنسبند جوی
مگو مرغ دولت ز قیدم بجست
ہنوزش سررشتہ داری بدست
وگرد برشد گرم او باش و چست
زد بر آمدن غم ندارد درست

ترجمہ: اپنا دامن گرد وغبار سے آلودہ نہ کر کہ اچانک اُوپر سے ہی تجھ پر سیلاب آ کر غرق کر دے گا۔

۲: یہ نہ کہہ کہ مجھ سے مرغ دولت اُڑ گیا کیونکہ ابھی تو اس کی قید کا تاگہ تیرے ہاتھ میں ہے۔

۳: اگر دیر ہو گئی ہے تب بھی وقت ہے اُٹھ اور تیز چل کیونکہ کام درست آئے اگرچہ دیر سے ہی آئے تب بھی کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: اس میں توبہ کی ترغیب ہے اگرچہ بڑھاپے میں ہی بلکہ قرب موت کے وقت ہو تب بھی۔

تفسیر عالمانہ: ھو اللہ الذی یریکم ایاتہ۔ وہ ہے جو تمہیں اپنے آیات دکھاتا ہے یعنی انفس و آفاق میں اپنی قدرت کے دلائل اور وحدت کے شواہد تمہارے ادیان کی مصلحتوں کے لیے دکھاتا ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ انسان کے بس میں نہیں کہ وہ حقائق الاشیاء کو اپنی بصیرت سے دیکھ سکے جب تک اللہ تعالیٰ کا دکھانے کا ارادہ نہ ہو۔ وینزل لکم من السماء رزقا اور تمہارے لیے آسمان سے رزق اُتارتا ہے یعنی رزق کا سبب اس سے بارش مراد ہے۔ یہ تمہارے ابدان کی مصلحتوں کے لیے ہے۔ وما یتذکر اور انھیں نصیحت پکڑتا۔ تذکر بمعنی نصیحت حاصل کرنا یعنی وہ اُمور جن سے نصیحت اور آیات باہرہ سے عبرت حاصل کی جائے کہ اس کے مقتضا کے سوا اور کوئی عمل نہ کرے۔ الا من ینیب مگر وہ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی انکار نہیں کرتا اور غور و فکر کرتا ہے۔ اس میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصنوعات میں وہ شواہد قدرت کاملہ و نعمت شاملہ ظاہرہ و باطنہ کی امانتیں رکھی ہیں جو اُس کی عبادت کو خاص کرنے کی موجب ہیں اور جو ایسی صفت نہیں رکھتا ہے وہ معاند ہے اسے نہ تذکر نصیب ہوگا اور نہ وہ کسی شے سے نصیحت حاصل کر سکے گا جب ایسا معاملہ ہے کہ تذکر صرف اسے نصیب ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

فادعوا اللہ تو اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے لیے دین میں مخلص ہو کر یعنی تمہارا یہ حال ہو کہ تم اپنے دین میں مخلص ہو اور شرک سے خالص اسی لیے اطاعت کرو بوجہ تمہاری انابت اور ایمان کے ماسوی

اللہ سے التفات نہ کرو۔ ولو کرہ الکافرون اور اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو یعنی اگرچہ انھیں تمھارا اخلاص ناگوار ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اگرچہ کافر تمھارے اخلاص کو ناگوار سمجھتے ہیں کہ توحید کی نعمت ان کو نصیب نہیں اور تم اس نعمت پر شکر گزار ہو اسی لیے ان کے اور تمھارے درمیان منافرت ہے اسی لیے تمھیں اعمال واقوال نامرغوب وغیر محبوب ہیں۔ ایسے ہی ان کے کردار و گفتار تمھیں مکروہ و مبغوض ہیں ؎

زاہدے در سماع رندان بود
زاں میاں گفت شاہد بلخی
گر ملولی ز ما ترش منیش
کہ تو ہم در میان ما تلخی

ترجمہ: ایک زاہد رندوں کی مجلس میں تھا اس مجلس میں ایک بلخی محبوب نے کہا۔

۲: اے زاہد اگر تو غمگین ہے تو یہاں ترشرو ہو کر نہ بیٹھ اس لیے کہ تو ہمارے ہاں کڑوا محسوس ہو رہا ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ہر مومن اللہ کو لائق ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے عمل کرے اس میں دنیا و آخرت کے مقاصد میں کوئی مقصد ہے اگرچہ اس سے کافر کو کتنا ہی ناگوار ہو کیونکہ وہ اُمور اُن کے مشارب کے خلاف ہے ؎

خلافت طریقت بود اولیاء
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ اولیاء کی طریقت کے خلاف ہے کہ وہ خدا سے خدا کے سوا آرزو کرے۔

سبق: اخلاص مطلقاً اخلاص کے لیے ضروری ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے خالص طیب ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے۔

حدیث شریف: ابن آدم کو ہر خرچ کرنے کا ثواب ملے گا سوائے اس کے کہ جو اس نے مٹی اور پانی پر خرچ کیا (یعنی تعمیراتِ فضول میں)۔

شرح الحدیث: حضرت شیخ صدر الدین القنوی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ اعمال کی جزا اعراض ہے لیکن اُن کے جواہر عمل کرنے والوں کے مقاصد ہیں ایسے ان کے علوم و اعتقادات و متعلقات ہم بھی جواہر ہیں۔ اگرچہ یہ حدیث شریف صیغہ کی حیثیت سے مطلق ہے لیکن احوال و قرائن اسے مخصوص کرتے ہیں اس لیے کہ مساجد اور رباطات اور دیگر عبادت خانوں کی تعمیر سے

تعمیر کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ ؎

چوں بود قصدش از ریا منفک
مزد باید براں عمل بے شک

ترجمہ: جب کسی کا عمل ریا سے خالص ہو تو اس عمل پر اُسے بلا شک ثواب ملے گا۔

ازالۂ وہم: مذکورہ بالا حدیث کا مصداق وہ تعمیر ہے جو محض تنزہ و فراخی و استراحت در یاد و شہرت کے لیے ہو جب تعمیر کرنے والے کا مقصد مذکورہ بالا ہے تو آخرت میں اس کا کوئی ثمرہ و نتیجہ حاصل نہ ہوگا چونکہ اس کا مقصد آخرت کے لیے تو نہ تھا اس لیے اس کے اعراض زائل ہو جائیں گے اور اُن کے اثرات آخرت تک نہ پہنچیں گے اس لیے اس کا نہ کوئی اثر نہ اجر۔ ؎

ہر کہ ہمچو خواہد از عمارتِ گل
قسمت دارد نزہت منزل
یا تفاخر میانۂ اقران
کہ بنا کرد مسجد ویران
چوں باخلاص ہمت عامل
متجاوز نشد ز عالم گل
نفقاتش در آب و گل موضوع
ماند و اوز اجران بود مقطوع
بلکہ در حج و عمرہ و صلوات
چوں بود بہر عاجلت نفقات
ہمہ ماند در آب و گل مرہون
ندہد اجر صانع بیچوں

ترجمہ: جو کوئی مٹی کی عمارت تعمیر کرتا ہے وہ قسمت رکھتا ہے اور پاکیزہ منزل رکھتا ہے۔

۲ : یا فخر کے ساتھ ملنے والا ہے کہ اُس نے ویران مسجد تعمیر کی۔

۳ : جب عامل کا عمل اخلاص سے نہ تھا اس لیے عالمِ گل سے متجاوز نہ ہوا۔

۴ : اس کا تمام خرچہ پانی اور مٹی میں مل گیا اس لیے اُسے اجر بھی نصیب نہ ہوگا۔

۵ : بلکہ حج و عمرہ اور نمازوں میں بھی ارادہ ہو تو چونکہ یہ ارادہ اسی دنیا سے متعلق ہے۔

۶ : اسی لیے وہ خرچہ پانی اور مٹی میں گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے گا۔

ہر کہ از عمارت گل و آب
ہست مقصود کسب قرب و ثواب
چوں ز گل در گزشت ہمت وی
نفقاتش ہمہ رود در پی
کل ما کان عندکم ینفد
دام ما عندہ الی السرمد

ترجمہ: جس کا ارادہ قرب و ثواب کا ہو وہ پانی اور مٹی سے عمارت تعمیر کرے۔
۲-: جب مٹی سے گزر گئی اس کی حیثیت تو اس کا خرچہ بھی اس کے پیچھے چلا گیا (یعنی مقبول ہوگیا)
۳ کہ جو کچھ تمھارے ہاں ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ ہمیشہ رہے گا۔

فائدہ: پچھلا شعر آیت ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق کا ترجمہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتے ہیں کہ وہ فیض کمال اخلاص کے طفیل ہمیں اہل اختصاص سے بنائے۔

تفسیر عالمانہ: رفیع الدرجات۔ یہ ھُوَ کی دوسری خبر ہے۔ الرفیع صفت کا صیغہ ہے اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور یہ فَعُلَ (بفتح العین) کی طرف منتقل کیا گیا ہے جیساکہ مشہور ہے۔ اسے رافع کے معنیٰ میں لاکر فاعل کی مفعول کی طرف اضافت کرنا بعید از اسفال ہے[1]

فائدہ: درجۃ منزلۃ کی طرح ہے صرف فرق اتنا ہے کہ جب صرف صعود کا اعتبار ہو اور امتداد کو دخل نہ ہو تو درجہ کا استعمال ہوگا جیسے درجۃ السطح درجۃ السلم[2] وغیرہ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مرقاۃ کے معنیٰ میں ہو اس کی جمع درج آئے گی۔ اگر مرتبہ و طبقہ کے معنیٰ میں ہو تو اس کی جمع درجات آئے گی[3]

تفاسیر: اس آیت کی تفسیر میں علماء کرام کا اختلاف ہے:
۱۔ رفیع الدرجات ملائکہ کرام ہیں اس لیے کہ ان کے درجات و منازل عرش تک بلند ہیں[4]
۲۔ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں کا خالق اور ان کو مطلقاً وہی بلند کرنے والا ہے کہ طبق در طبق ایک دوسرے کے اوپر ہیں کہ ایک سے دوسرے تک پانچسو سال کی مسافت ہے[5]۔
۳۔ بندوں کے درجات بلند کرنے والا دنیا و آخرت میں دنیا کے متعلق خود فرمایا و رفع بعضکم فوق

---

[1] الارشاد ۱۲ [2] مفردات راغب ۱۲۔ [3] مشارق الانوار [4] الارشاد ۱۲ [5] تفسیر ابو اللیث

بعض درجات لیبلوکم فیما اٰ تاکم ۔ تمھارے بعض کے بعض پر درجات بلند کئے تاکہ تمھارا امتحان لے اس میں جو تمھیں عطا فرمایا ۔ یعنی بعض کو بعض پر یوں بلندی بخشی کہ کسی کو دانشور بنایا تو کسی کو صاحب نسب کسی کو مال بخشا تو کسی کو بزرگی ۔ کسی کو حسن وصورت سے نوازا تو کسی کو قوت و طاقت عطا فرمائی ۔

دوسرے مقام پر فرمایا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا یعنی ان کے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ۔ عزت و مال اور رزق و معیشت میں کہ کسی کو مالک بنایا تو کسی کو مملوک کسی کو خادم بنایا ۔ کسی کو مخدوم ۔ ایک حاکم ہے تو دوسرا افسر یا نبردار اور آخرت کے درجات کے متعلق فرمایا وللاٰخرۃ اکبر درجات و اکبر تفضیلا اور آخرت میں بڑے درجات اور بعض ایک دوسرے سے بڑی فضیلت والے ہوں گے یعنی جو دنیا میں طاعت و عبادت میں بڑا ہو گا وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوگا اس کی بزرگی بہت زیادہ ۔ خلاصہ یہ کہ وہی درجات بلند کرنے والا ہے دنیا و آخرت میں ۔ دنیا میں مختلف طبقات کے انسان بنائے اور آخرت میں انھیں متباین المراتب و المقامات بنایا۔[1]

حدیث شریف : مروی ہے کہ بہشت میں سب سے گھٹیا درجہ کا انسان دنیا کے برابر دس گنا جاگیر عطا کیا جائے گا عرض کرے گا یا الٰہ العالمین اجازت عطا ہو تاکہ میں تمام بہشت والوں کو مہمانی دوں ۔ کھلاؤں ۔ پلاؤں اس میں میری جائداد میں کمی تو نہیں آئے گی ۔ ایسے شخص کی دنیوی ازواج کے علاوہ بہتر حوریں ہوں گی ۔

۴ ۔ بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے درجات بلند کرنے والا ہے کہ آدم علیہ السلام کو صفوت سے نوح علیہ السلام کو دعوت سے ابراہیم علیہ السلام کو خلت سے موسیٰ علیہ السلام کو قربت سے عیسیٰ علیہ السلام کو زہد سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت سے نوازا ۔

۵ ۔ بعض نے کہا کہ گناہ گاروں کے لیے درجے بلند کرتا ہے نجات دے کر اور طاعت گزاروں کے اجر و ثواب سے اور حاجت مندوں کے کفایات سے اور اولیاء کرام کو کرامات سے عارفین کے کونین سے بے نیاز کر کے محبین کے فنا ء عن المحبۃ و بقاء بالمحبوبیۃ سے کسی بزرگ نے فرمایا کہ بقاء فناء کے بغیر نصیب نہیں ہوتی جب تک فناء کی شربت نہ پیو گے بقاء نہیں پاؤ گے ۔ ؎

نوش درد فنا گر بقا ہمی خواہی

کہ نہ ادارہ بقائے دردے خرابا تست

ترجمہ : اگر بقا چاہتا ہے تو درد فناؑ کا گھونٹ پی اس لیے کہ بقا کا زادِ راہ خرابات کا درد ہے یعنی فنا ۔

---

[1] کشف الاسرار ۱۲ ۔

ز حال خویش فنا شود دریں راہ اے عطار
کہ باقی رہ عشاق فانی الذاتست

ترجمہ: اے عطار اس راہ میں اپنے حال فنا پائے گا اس لیے عشاق کے نزدیک بقا کا خواہاں فانی الذات ہے۔

تفسیر صوفیانہ: فقیر (صاحب رُوح البیان حضرت اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ سادات صوفیہ قدست اسرارہم کے نزدیک آیت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء و صفات اور تنزلات و استرسالات میں اپنے ظہور کے طبقات کے درجات بلند کرتا ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل اول کو پیدا فرمایا اور عقل اول ہی کائنات کا پہلا صاحب وجود ہے یعنی حقیقی آدم اول یعنی رُوح کلی محمدی جسے علم اعلیٰ بھی کہا جاتا ہے یہی پہلی ذات ہے جس پر جملہ نعم الٰہیہ کا تحقق ہوا اور آخر الموجودات کہ جس پر انہی نعمتوں کا تحقق ہوگا وہ عیسٰی علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کے بعد قیامت تک زمین پر کوئی خلیفہ نہ ہوگا بلکہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے دنیا سے رخصت ہونے پر کوئی بھی دنیا میں مومن نہ ہوگا چہ جائیکہ اولیاء اللہ۔

حدیث شریف: قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر کوئی بندہ اللہ اللہ کرنے والا ہوگا۔

فائدہ: اس سے ہمیشہ اللہ اللہ کرنے والا مراد ہے نہ کہ وہ جو کبھی کبھی اللہ اللہ کہہ دیتا ہے۔

سبق: نمازی پر لازم ہے کہ صراط الذین انعمت علیہم الخ کے وقت وہ جملہ نعمتیں دل میں لائے جو علم اعلیٰ سے لے کر عیسٰی علیہ السلام تک اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں۔

فائدہ: علم اعلیٰ یعنی روح محمدی علیٰ صاحبہا الصلٰوۃ والسلام کے بعد نفس کلیہ پیدا فرمایا کہ جس سے تمام نفوس ناطقہ بنائے گئے یہ حقیقت اولیٰ کی حوا ہے اس کے بعد وہ طبیعت کلیہ پیدا کی گئیں جو اجسام جزئیہ میں ہیں۔ اسی کے واسطہ سے اشیاء میں فعل و انفعال ظاہر ہوئے پھر ہبا پھر شکل کو پیدا کیا گیا یہی ہیولی الجسمیہ ہے پھر جسم کلی پھر فلک اطلس پیدا ہوا اس سے عرش کریم مراد ہے۔ پھر کرسی پیدا کی گئی یہ وہ ہے جسے داؤد قیصری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا لیکن شیخ صدرالدین قنوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عرش اور فلک اطلس ایک نہیں ان کے ان کے نزدیک ترتیب یوں ہے عرش پھر کرسی پھر فلک اطلس اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ اس پر ستارے نہیں اسے اس اطلس سے تشبیہ ہے کہ جس پر نقوش نہ ہوں اس کے بعد منازل ہیں پھر سماء کیوان پھر سماء مشتری پھر سماء مریخ پھر سماء شمس پھر سماء زہرہ پھر سماء عطارد پھر سماء القمر پھر عنصر النار، پھر عنصر الھواء، پھر عنصر التراب، پھر معدن پھر نبات، پھر حیوان، پھر ملک، پھر جن، پھر انسان۔ یہی اسم جامع کا مظہر ہے۔ پھر یہ اپنے اس مرتبہ میں ظاہر ہوا جو اسم رفیع کا مظہر

ہے یہاں پر ملک و ملکوت ختم ہوئے یہی جملہ حقائق ہیں یہی درجات الٰہیہ و مراتب رحمانیہ ہیں جس پر رفیع الدرجات "ولایت" کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: ذوالعرش۔ یہ ھُوَ کی دوسری خبر ہے یعنی وہی عرش عظیم کا مالک ہے اور عرش جملہ عالم علوی و سفلی کے اکناف و اطراف کو محیط ہے اس کے چار سو ستون ہیں۔ ایک ستون سے دوسرے ستون تک چار ہزار سال کی مسافت ہے۔ ساتوں آسمانوں اور کرسی کے اوپر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تاکہ اس کی عظمت و قدرت کا اظہار ہو۔ اس نے اپنی تمکانیت کے طور نہیں بنایا کیونکہ وہ مکانیت سے منزہ اور پاک ہے وہ جیسے تھا اب بھی اسی طرح ہے اور اس کا طول اور عظمت کا ذکر صرف عقول کے لیے ہے کیونکہ عقول ایسی عظمت والی اشیاء کو عظیم ترین سمجھتی ہیں ورنہ اس کے لیے تو اس کی قدر و منزلت رائی کے دانہ سے بڑھ کر نہیں۔

تخلیق عرش کے وجوہ

۱۔ عرش کو ملائکہ کرام کے طواف کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۔ دعاؤں کا قبلہ ہے۔

۳۔ نزول البرکات کا مرکز ہے۔
کیونکہ یہی استوائے رحمت کلیہ کا مظہر ہے اسی لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے جاتے ہیں گویا اس سے سائل خزانہ سلطانیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہاں سے ہی گدا کو عطا ہوگی۔ اسی اشارہ پر وہ سلطان سے مانگتا ہے کہ وہ اپنے اسی خزانہ سے عطا کے دریا کا رُخ ادھر پھیر دے۔

مسئلہ: علماء کرام نے نماز کے وقت آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کو مکروہ کہا ہے۔

مسئلہ: غیر نماز میں بھی بعض کے نزدیک مکروہ ہے ان میں اکثر کے نزدیک مکروہ نہیں اس لیے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔

۴۔ کتاب الابرار کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کتاب الابرار لفی علیین۔ بیشک ابرار کی کتاب علیین ہے۔

۵۔ ملائکہ کا آئینہ ہے کہ وہ اسی سے ہی تمام آدمیوں کو دیکھتے ہیں اور اس سے ان کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں تاکہ قیامت میں ان کے اعمال کی گواہی دے سکیں۔

۶۔ قیامت میں ابرار و متقین کے لیے بمنزلہ شامیانہ کے ہوگا جبکہ وہ اُس وقت نہ آسمان پر ہوں گے نہ زمین پر۔

۷۔ امام الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بزرگی و شرافت کا اظہار

ہو جیسا کہ فرمایا عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ یہ مقام محمود عرش الٰہی کے نیچے ہے۔[1]

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کی ہر جنس سے ایک بلند قدر بنایا۔ مثلاً خوشبو میں مسک اجسام میں عرش۔ جواہر میں یاقوت ★ انوار میں سورج۔ کتابوں میں قرآن مجید۔ مٹھائیوں میں شہد۔ لباس میں ریشم۔ اشجار میں زیتون۔ درندوں میں شیر۔ شہور میں رمضان المبارک۔ ایام میں جمعہ۔ راتوں میں لیلۃ القدر۔ مقال میں توحید فعال میں نماز۔ رسل کرام میں حضرت محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وکرم وسلم اجمعین)۔ اُمتوں میں اُمت مصطفےٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

لغوی تحقیق: یہ عرش وہ ہے جو جسم محیط ہے کبھی عرش بمعنی ملک و بسیط ہونے اور عزت کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ ثل عرشہ یعنی اس کی قوت و طاقت ختم ہو گئی۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وصال کے بعد خواب میں پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا۔ آپ نے فرمایا لولا ان تدارکنی اللہ لثل عرشی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت مدد نہ فرماتی تو میری قوت جواب دے چکی تھی۔

تفسیر صوفیانہ

ذوالعرش کا معنیٰ تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ وہ بہت بڑے ملک کا مالک ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات سے بلند تر اور جسم کے لحاظ سے عظیم تر بنایا ہے تاکہ اس کی عظمت کا اظہار ہو اور دوسرا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ عرش القلوب کا مالک ہے کیونکہ درحقیقت عرش قلوب اولیاء ہیں جیسا کہ صوفیاء کرام نے فرمایا کہ وہ صفت رحمانیہ کے ساتھ عرش پر مستوی ہے اور عرش کو اس کا شعور بھی نہیں اور وہ اولیاء کے قلوب پر جمیع صفات کے ساتھ مستوی ہے۔ اولیاء کرام سے وہ عارف باللہ ہیں جو معرفت الٰہی میں مستغرق ہیں۔ جب عرش صوری و معنوی اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو وہی اس پر غالب اور متصرف ہے۔ اس کے سوا اس کا کوئی مالک و متصرف نہیں۔ اسی لیے لائق نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے بلکہ واجب صدقاً یقیناً ظاہراً اور باطناً صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

تفسیر عالمانہ

یلقی الروح یہاں سے اُس رزق روحانی کا ذکر ہے جو معنوی ملک سے نازل ہوتا ہے جبکہ اس سے پہلے رزق جسمانی کا ذکر تھا جو کہ وہ بھی معنوی ملک سے نازل ہوتا

---

[1] اسی لیے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

عرش است کمین پایہ ز ایوان محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہے اس لیے خود کو رفیع الدرجات و ذو العرش سے موصوف فرمایا ہے کیونکہ آثار رحمت مطلقاً از جانب آسمان بالخصوص عرش سے نازل ہوتے ہیں اس لیے وہ جمیع حرکات کا مرکز و مبدا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ وحی کو نازل فرماتا ہے جو قلوب کے لیے ایسے ہے جیسے روح جسم کے لیے جیسے روح اجساد کی حیات کا سبب ہے ایسے حیات قلوب کے لیے وحی ظاہر ہے کہ عارف باللہ کو ایسی حیات وحی کے ذریعہ نصیب ہوتی ہے۔

نکتہ: وحی کو روح سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ جہل و حیرت جیسی موت سے قلوب کو حیات بخش کر معرفت و طمانیت سے معمور فرماتی ہے۔

نکتہ: جبریل علیہ السلام کو روح الامین اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حیات قلوب کا موجب ہے یعنی وحی لاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جبریل علیہ السلام کے نفخ سے پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اضافت تعظیماً و تشریفاً ہے۔

فائدہ: ماسوی اللہ تمام اشیاء یا جسمانی ہیں یا روحانی اور یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جسمانی اشیاء میں سب سے بڑا عرش ہے۔ ذو العرش سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جمیع عالم اجسام پر تصرف رکھتا ہے اور یلقی الروح دلالت کرتا ہے کہ روحانیات اسی کے تابع ہیں۔ جب جبریل علیہ السلام جیسا فرشتہ اس کے حکم کے تابع ہے کہ اس کے فرمان پر انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی پہنچاتا ہے جبکہ یہ تمام ملائکہ کرام کا سردار ہے تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ دوسرے فرشتے اس کے زیر فرمان نہ ہوں گے اور خود وحی بھی امور معنویہ سے ہے اور اس کی صورت ظاہر ہوتی ہے جب کسی پر القاء کی جائے۔

من امرہ۔ اس کے حکم سے۔ یہ اس روح کا بیان ہے جس سے وحی مراد لی گئی ہے اور مکلف لوگوں کی طرف بھیجی گئی کہ اس پر عمل کرے گا تو فائدہ پائے گا اگر چھوڑ گیا تو نقصان اٹھائے گا اور امر سے یہاں معنی شان ہے یا اس سے ملا ہے۔ اب عبارت یوں ہو کہ حال کو ناشئا و مبتدأ من امر اللہ۔ علی من یشاء من عبادہ اپنے بندوں سے جن پر چاہے ان سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں اپنی رسالت و تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا۔

فائدہ: ضحاک نے فرمایا کہ روح سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ وحی اس کی طرف بھیجتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ یہ خطاب ان کو ہے جو حضور سرور انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے کراہت کرتا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل ایمان کو روح الدرایۃ و اہل عرفان کو روح ولایت اور انبیاء علیہم السلام کو روح النبوۃ عطا ہوتی ہے۔

ردِ مرزائیت: صاحب روح البیان قدس سرہٗ لکھتے ہیں۔ و فی الآیۃ دلیل علی ان النبوۃ عطائیہ الا کسبیۃ۔ آیت سے ثابت ہوا کہ نبوت عطا ہے کسبی نہیں (قادیانی مرزا کا عقیدہ ہے کہ نبوت کسبی ہے)

مسئلہ: درحقیقت ولایت بھی عطائی ہے اس میں بھی اسبابِ خارجیہ کی طرف نہیں دیکھا جاتا بلکہ اختصاص الٰہی کی طرف نظر ہوتی ہے۔ **لینذر۔** یہ القاء کی غایت ہے یعنی تاکہ اللہ یا ملقی الیہ یعنی نبی علیہ السلام یا رُوح ڈرائے۔ انذار بمعنی دعوۃ ابلاغ مع تخویف۔ **یوم التلاق۔** یہ مفعول ثانی کی طرف ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تاکہ ملاقات کے دن یعنی قیامت کے دن سے لوگوں کو ڈرائے یا مفعول ثانی ہے بوجہ وسعت واصالت کے اس لیے کہ وہ شدت ہول وغیرہ کے اس لائق ہے کہ وہ دوسروں کو ڈرائے۔

قیامت ملاقات کا دن کیوں؟

قیامت کو ملاقات کا دن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں اَرواح واجساد اور آسمان وزمین والوں اور عابدوں ومعبودوں اور عالمین وعمال اور اولین وآخرین اور ظالمین ومظلومین اور دوزخیوں وزبانیہ فرشتوں کی ملاقات ہوگی۔ **یوم ھم بارزون۔** یہ یوم التلاق سے بدل ہے۔ اس دن کہ تمام لوگ فضاء اور میدان میں کھل کر باہر آجائیں گے۔ اہل لغت کہتے ہیں برز برزاً بمعنی خرج الی البراز بمعنی وہ فضاء کی طرف نکلا۔ **تبرز** کی طرح بمعنی وہ خفاء کے بعد ظاہر ہوا جیسے برز (بالکسر) یعنی وہ قبور سے نکل کر ظاہر ہوں گے یا یہ معنیٰ ہے کہ اُس وقت انہیں ایسے ظاہر ہوں گے کہ انھیں نہ کوئی پہاڑ چھپا سکے گا نہ ٹیلہ نہ کوئی اور تعمیر کیونکہ اُس وقت توزمین برابر کردی جائے گی اور نہ ہی ان پر کپڑے ہوں گے کیونکہ قبور سے ننگے جسم اور کھلے اُٹھائے جائیں گے۔

حدیث شریف: یحشرون حفاۃ عراۃ غرلا۔ پاؤں اور جسم ننگے اور بے ختنہ شدہ اُٹھائے جائیں گے۔

فائدہ: حفات حاف کی جمع ہے وہ جس کا جوتا نہ ہو۔ عراۃ۔ عا کی جمع ہے وہ کہ جس کے جسم پر لباس نہ ہو۔ غرل اغرل کی جمع ہے وہ کہ جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو۔

بقیۃ الحدیث: الا قوما ماتوا فی الغربۃ مومنین لم یزنوا الخ مگر جو مومن ہو کر مسافری میں مرے اور ان سے زندگی بھر زنا بھی سرزد نہ ہوا تو وہ قیامت میں اُٹھائے جائیں گے

لہ روح البیان صفحہ ۱٦ ج ۵

تو انھیں بہشت کی پوشاک پہنائے جائے گی اور حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت بھی کیونکہ ایک دن حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

بالغوا فی اکفان موتاکم فان امتی یحشر باکفنہا وسائر الامم حفاۃ عراۃ۔

اپنے مردوں کے کفنوں میں مبالغہ کرو یعنی اچھے کفن پہناؤ اس لیے کہ میری اُمت کفنوں سمیت اُٹھائی جائے گی اور دوسری اُمتیں پاؤں اور جسم ننگی۔

لا یخفی علی اللہ منہم شئی۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے پوشیدہ نہیں نہ وہ خود نہ اُن کے اعمال کبیرہ صغیرہ پہلے پچھلے سب اللہ تعالیٰ کے آگے عیاں ہوں گے اگرچہ اُس وقت شمار سے باہر ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا یومئذ تعرضون لا تخفی منکم خافیۃ۔ آج کے دن تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوگے جبکہ تمھاری کوئی شے مخفی نہ ہوگی۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں تو ایسا کر سکتے تھے کہ کسی سے ڈر کے مارے دیوار کی اوٹ میں چھپ گئے یا کسی اور شے سے لیکن قیامت کے دن تو یہ توہم بھی ختم کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے آگے ظاہر باہر ہوگی کہ وہاں نہ دیوار نہ کوئی اور شے کہ جس سے چھپ سکیں۔ لمن الملک الیوم آج کے دن کس کا مالک ہے یعنی اُن کے قبور سے نکلنے اور احوال کے ظہور کے بعد ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ کس کے لیے ہے آج کے دن کی بادشاہی۔ پھر وہی منادی خود جواب دے گا للہ الواحد القہار۔ اللہ واحد قہار کے لیے۔ یا یہ جواب محشر کے مومن و کافر دیں گے۔ جب اُس وقت کافر کو بھی توحید کا علم بدیہی حاصل ہو جائے گا لیکن کافر ذلت سے کہے گا یا بسبیل تحسر و ندامت کہے گا اور مومن خوش ہو کر لذت سے کہے گا جبکہ وہ دنیا میں بھی خوشی اور لذت سے اسے پکارتا تھا۔ یہ سوال تقریر کا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا یہ جواب ادریس علیہ السلام دیں گے۔

سوال: ملک و شاہی اُسی دن اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کیوں حالانکہ ہر وقت ہر آن اللہ تعالیٰ کی شاہی اور اسی کا ملک ہے۔

جواب: واقعی ہر وقت اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی شاہی اور ملک ہے لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عارضی ملکیت عطا فرمادی تھی لیکن قیامت میں اُن کے دعاوی ختم ہو جائیں گے۔ اُس وقت کوئی مدعی بھی نہ ہوگا کہ کہہ سکے کہ فلاں شے میری ملک ہے اور نہ ہی کوئی کسی شے کا مالک ہوگا۔ اسی لیے فرمایا لمن الملک الیوم۔

فائدہ: اس دن تمام راز آشکارا اور تمام چھپے اُمور کے پردے ہٹ جائیں گے ناشکرے دولت مند کو حساب میں لایا جائے گا اور بے صبر درویشوں کے نفاق کے پردے اُٹھائے جائیں گے اور رسوائی

کے چادر علماء بے عمل کو پہنائے جائیں گی اور ندامت کی خاک ریا کاروں کے سر پر ڈالی جائے گی۔ کوئی تو اُس وقت وحشت کی خاک سے ایسے باہر آئے گا جیسے آگ سے راکھ کوئی ان میں ایسے نکلے گا جیسے صدف سے گوہر۔ کوئی کہہ رہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔ کوئی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اِل کونسا راستہ جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہوگا کہ اس کتاب (عملنامہ) کو کیا ہے کہ کسی چھوٹے بڑے عمل کو نہیں چھوڑتی۔ ہر ایک کو ظاہر کر رہی ہے۔ کوئی کہے گا تمام تعریفیں اُس ذات کو جس نے ہم سے غم اور حزن کو دور فرمایا اُس وقت تمام روئے زمین کے بادشاہوں کو میدان میں لایا جائے گا ان کی سلطنت کے سامنے اعلان ہوگا کہ آج کس کی شاہی ہے۔ جواب آئے گا صرف اللہ تعالیٰ واحد قہار کی شاہی ہے اور وہی تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کی بادشاہی کو حشم و سپاہ کی ضرورت نہیں۔ دنیا کے بادشاہ ملک و مال اور نعمت اور سواریوں اور پیدل چلنے والی رعیت اور دربار گاہ پر فخر کرتے تھے اور ملک الٰہی کو ان میں کسی شئے کی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ بے نیاز ہے وہ تمام رسوم ظاہری کو آگ میں ڈالتا ہے اور جملہ عالم کو ایک آن میں ہوا پر اُڑا سکتا ہے اور تمام آسمانوں پر قہر و جلال کی تلوار چلا سکتا ہے اُس وقت اعلان ہوگا کہ آج کس کی شاہی ہے لیکن کسے ہمت کہ اس کا جواب دے سکے سوائے اُس بادشاہ حقیقی کے کہ وہ خود فرمائے گا:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

اے مسکین کہ کل قیامت میں بہت بڑوں کے سر اُس کی درگاہ میں جھک جائیں گے۔ مجھے سمجھ نہیں

سبق: آیا کہ تو مسکین ہو کر اپنے اعمال آلودہ اغلاط سے کیوں پاک نہیں ہوتا خود سوچ لے کہ جب اتنی بڑی گردن والوں کا یہ حال ہوگا تو تجھے کہاں پناہ ملے گی۔ اے مسکین اگر تیرے سر پہ عذاب نہ ہوگا تو پھر اُس وقت تیری آہ وزاری کیوں۔ اگر تیرے جسم کو آگ نہ جلائے گی تو تیرے سے دھواں کیوں نکل رہا ہوگا۔ اگر کسی کی عمل صالح کے بغیر ہزار دل سال زندگی بسر ہوئی تو کیا فائدہ۔ اسے موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اور ہارون علیہ السلام کے جوتے کیا کام دیں گے۔ اگر اس کے اوپر فرعون کی تکبر کی چادر تنی ہوئی ہے[1] (یعنی کتنا حشمت و جاہ و جلال ہو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب نہ ہوئی)

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ لمن الملک الخ کو اُس وقت کے ظاہری حال کی حکایت بنائی جائے کہ وہ وقت ایسا ہوگا کہ تمام اسباب اور ذرائع ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ اگر اسباب نہ ہوتے تو کوئی شک نہ کرتا لیکن حقیقت حال اس پر ناطق ہے۔ بعض نے کہا کہ اس مضمون کا سائل بھی اللہ تعالیٰ خود ہے اور جواب دینے والا بھی وہی ہے لیکن یہ مخلوق کی فنا کے بعد ہوگا اس معنیٰ پر کلام کا ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہوگا۔

---

[1] کشف الاسرار [2] اضافہ اُویسی غفرلہٗ

لطیفہ: یہاں پر ایک عجیب لطیفہ ہے وہ یہ کہ سورۃ الفاتحہ کا پہلا نصف حصہ مبنی بر ثنائے الٰہی ہے۔ دوسرا مبنی بر دعاء۔ بندہ پر واجب ہے کہ جب دوسرا حصہ دعائیہ ختم کرے تو آمین کہے مثلاً جب کہے ولا الضالین تو اس پر ضروری ہے کہ وہ کہے آمین۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے کہ میرا بندہ تو میرا نائب ہے مجھے کہہ دے آمین۔ اے اللہ قبول کر۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو میں کہوں گا لمن الملک الیوم۔ تجھ پر لازم ہے کہ کہو للہ الواحد القہار۔ جب تو قبر میں ہوگا تو میں تیری جانب سے کہوں گا للہ الواحد القہار۔ ایسے ہی قیامت میں بھی میں تیری طرف سے کہوں گا للہ الواحد القہار۔

فائدہ: حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر غلط طبائع ایسے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کبھی لمن الملک الیوم الخ نہ فرماتا اس لیے کہ سب کو یقین ہے کہ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ تو ہے ہی اور ملک ہمیشہ اسی کا ہے اور اسی کا رہے گا لیکن غلط طبائع اس سے محجوب ہوئے۔ اور اس کی معرفت سے لاعلم رہے اسی لیے اس کے ملک کو اپنا ملک سمجھ لیا لیکن جب آخرت میں حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی تو مجبوراً انھیں کہنا پڑے گا للہ الواحد القہار۔

فائدہ: واحد وہ ہے جس کے آگے اعداد کا نام و نشان نہ رہے اور قہار وہ ہے کہ وہ سب پر غالب ہو اور ان سب کو اس کی عبودیت کا طوعاً یا کرہاً اقرار ہو۔

تفسیر صوفیانہ: میرے شیخ سیدی سندی قدس سرہ نے فرمایا کہ للہ الواحد القہار میں عجیب ترتیب ہے وہ یوں کہ واحد میں ذاتِ احدیت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس کی وحدت کثرت کو دفع کرتی ہے اور قہار میں اشارہ ہے کہ وہ اپنی قہاریت سے ہر شے کو مٹا کر رکھ دیتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا وجود نہیں رہنے دیتا۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یوم ھم بارزون کا معنی ہے کہ تمام مخلوق اللہ فانی ہوکر اپنے وجود سے خارج ہونے والے ہیں سوائے وجود باری تعالیٰ کے کسی کا وجود باقی نہ رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لمن الملک الیوم یعنی وجود کا ملک کس کا ہے۔ خود فرمائے گا للہ الواحد القہار اس مقام پر حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ ما سوی اللہ کے کسی کا وجود نہیں۔ جب وجود کا ملک کسی کا نہیں تو پھر داعی بھی وہی ہے اور مجیب بھی خود ہے اسی لیے لمن الملک الیوم کے اعلان پر خود فرمائے گا للہ الواحد القہار اس لیے کہ جب اس نے صفت قہاریت کی تجلی ڈالی تو پھر نہ کوئی داعی رہا نہ

مجیب سوائے اُسی ذات حق کے۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

جامی معاد و مبدأ ما وحدتست وبس
ما درمیانہ کثرت موہوم والسلام

ترجمہ: اے جامی ہمارا معاد و مبدأ وحدت ہے اور بس۔ ہماری درمیانی کثرت موہومی ہے۔

تفسیر عالمانہ: الیوم تجزیٰ کل بما کسبت (آج ہر ایک اپنے کردار پہ جزا دیا جائے گا) یہ یا تو جواب کا تتمہ ہے یا اللہ تعالیٰ سوال و جواب کے بعد کہے گا یعنی اس دن ہر نیک اور بد۔ نیکی اور بُرائی کی جزا و سزا دیا جائے گا۔ لا ظلم الیوم۔ آج کوئی ظلم نہ ہوگا۔ نہ کسی کا ثواب کم ہوگا نہ ہی کسی بُرائی میں اضافہ۔ یعنی نہ کسی کا ثواب کم کریں گے اور نہ کسی کا عذاب بڑھائیں گے۔ نہ کسی کے گناہ کی وجہ سے کسی دوسرے کو پکڑیں گے۔ نہ کسی کو نیکی کے بجائے برائی کی سزا دیں گے۔

ان اللہ سریع الحساب۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی اس کے حساب کی تکمیل میں بہت کم وقت لگے گا۔ کوئی شے بھی اسے حساب لینے میں آڑے نہیں آئے گی۔ یعنی باوجودیکہ اُس وقت مخلوق کی کثرت ہوگی لیکن ان سب کے حساب میں بہت کم وقت خرچ آئے گا۔ ہر ایک کو تھوڑے سے وقت میں ان کے استحقاق پر جزا و سزا مرتب ہو جائے گی۔ اس معنیٰ پر یہ الیوم تجزیٰ کی علت ہوگی کیونکہ وہی دن ہے جس میں سب قبور سے نکل کر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ اسی لیے کفار کو اس دن کے وقوع کے لیے بُعد کی تمنا ہوگی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حساب لیا جائے گا تو اہل جنت بہشت میں ہی قیلولہ کریں گے ایسے ہی دوزخی دوزخ میں۔

فائدہ: قیلولہ بمعنی دوپہر کے وقت آرام کرنا۔

سبق: کشف الاسرار میں ہے کہ جسے یقین ہو جائے کہ اس کا حساب ہونا ہے اور ہر نیکی بدی کے متعلق اس سے سوال ہوگا اور بُرائی پر سزا ملے گی تو اسے چاہیئے کہ شب و روز بے قرار رہے اور ہمہ وقت نیکی میں مشغول و مستغرق رہے اپنے تمام اُمور کا محاسبہ کرتا رہے۔ اپنے عیوب پر نگاہ رکھے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حساب ہونے سے پہلے اپنا حساب بنا لو اور بہت بڑی پیشی کی تیاری کر لو۔

حکایت: کسی ایک بزرگ کی رہائش ایک عاریت کے مکان میں تھی انھیں خیال گزرا کہ اسے توڑ پھوڑ دوں پھر خیال آیا کہ بیگانہ مکان ہے اگر میں نے نقصان کر دیا تو کل اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا ان کے خیال پر ہاتف نے آواز دی کہ جو آج اپنے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتا اور برائی کو کچھ نہیں سمجھتا تو کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کس منہ سے حاضر ہوگا جو مکان کے گرانے کا خیال کر رہا ہے وہ سوچ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح حساب دے گا۔

حدیث شریف، میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ میں ہی حساب لینے والا ہوں۔ نہ کوئی بہشتی بہشت میں داخل ہو سکے گا اور نہ ہی کوئی دوزخ میں داخل کیا جائے گا جب تک کسی حق دار کا حق ادا نہ کرے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی آیت ان اللہ سریع الحساب تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف: قیامت میں سینگ والی بکری سے بے سینگی قصاص لے گی۔
فائدہ: یہ بحیثیت مقابلہ کے ہوگا ورنہ جانور تو غیر مکلف ہیں ؎

در وعدۂ اہل ظلم حالے عجبست
و لرزیدن ظلم را و بالے
از ظلم پرہیز کہ در روز جزا
لا ظلم الیوم گوشمالے عجبست

ترجمہ: اہل ظلم کے لیے وعدہ میں حال عجیب ہے۔ ظلم کے عمل کا وبال بھی عجیب ہے۔
۲: ظلم سے پرہیز کرو کہ قیامت میں لاظلم الیوم کی گوشمالی بھی عجیب ہے۔

وانذرھم۔ اے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل مکہ کو ڈرایئے۔ یوم الازفۃ۔ قیامت کے دن سے۔

یہ انذرھم کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ آپ کو ڈرایا جا رہا ہے۔ آزفۃ بروزن فاعلۃ۔ ازف الامر سے ہے۔ از باب علم بمعنی قرب۔ اسی سے قیامت مراد ہے اسی لیے صیغہ مونث لایا گیا ہے اس کی نظیر ازفت الآزفۃ ہے بمعنی قیامت قریب ہوگئی اور قیامت کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وقوع کے لحاظ سے وہ قریب ہے اس لیے ہر آنے والی شے قریب ہی ہوتی ہے۔ اگرچہ اس سے ناامید ہونے والا کتنا ہی دور سمجھے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت (دو انگلیوں کے اشارہ کرکے) کی طرح ہیں بلکہ ممکن ہے کہ وہ مجھ سے سبقت کر جائے۔

فائدہ: جن انگلیوں سے اشارہ فرمایا وہ سبابہ اور وسطیٰ (درمیانی انگلی) تھی۔ اس میں اشارہ تھا کہ دنیا کا کافی وقت گزر چکا ہے باقی اتنا ہے جتنا سبابہ سے درمیانی انگلی کا بقایا ہے۔ قرب زمانی کو قرب مساحت سے تشبیہہ دی گئی ہے تاکہ اس کے بہت زیادہ قریب ہونے کا مفہوم ذہن میں اترے ازوف میں بھی تنگی وقت کی طرف اشارہ ہے اسی لیے قیامت کو ساعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اتی امر اللہ میں اسی طرف اشارہ ہے اسی لیے اسے صیغۂ ماضی سے لایا گیا ہے تاکہ اس کے قرب اور تنگی وقت پر تنبیہہ ہو۔[1]

فائدہ: بعض نے اس کا معنی کیا ہے انذرھم یوم الخطۃ الآزفۃ۔ اس کے وقت سے ڈرایئے۔ یہ وہ وقت ہے جب جہنمی دوزخ میں داخل ہونے کے لیے متوجہ ہوں گے الخطۃ بمعنی الامر والقصہ۔ اس کا اکثر استعمال ان عظیم امور کے لیے ہوتا ہے جو اس لائق ہوں کہ انھیں لکھا جائے بوجہ ان کے عجیب و غریب ہونے کے۔[2]

اذ القلوب لدی الحناجر۔ حنجرہ کی جمع ہے بمعنی حلقوم (گلا) یہ جملہ یوم الآزفۃ سے بدل ہے یعنی اس دل کی سخت گھبراہٹ کی وجہ سے قلوب اپنی جگہوں سے اٹھ کر حلقوم سے چپاں ہو جائے گی کہ پھر واپس نہ لوٹ سکیں گی کہ جس سے آرام پائیں یا سانس نکال سکیں اور نہ ہی باہر نکلنے کی کہ موت آئے تو جان چھوٹے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خوف سے رگ پھول جائے گی اور دل حلقوم کو چپٹ جائے گی

کاظمین یہ اصحاب القلوب سے حال ہے اس معنی پر کہ یہ دراصل اذا قلوبہم لدی حناجرھم (اس لیے کہ ان کے دل ان کے حلقوموں کے نزدیک ہوں گے) تھا۔ کیونکہ تحریف لامی تحریف اضافی سے بدل ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں کظم غیظہ بمعنی رد غضبہ الخ یعنی اس نے اپنے غصہ کو لوٹایا اور صبر کر کے اپنے اندر روکا اور اس کا اثر ظاہر نہ ہونے دیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ غم و حزن پر غصہ پیتے ہیں اور باوجودیکہ غم اور حزن سے پر ہوتے ہیں لیکن خاموشی اختیار کرتے ہیں یعنی حزن و خوف پر بولنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنا مافی الضمیر ظاہر کر سکتے ہیں بوجہ شدت کربت اور غلبۂ غم کے۔

فائدہ: اذ القلوب لدی الحناجر ان کے شدید خوف کی اور کاظمین کلام نہ کر سکنے کی تقریر ہے کیونکہ پریشان حال اگر بولنے اور شکوہ ظاہر کرنے پر قادر ہو تو اسے ایک قسم کی خفت اور سکون

---

[1] المفردات ۱۲ [2] حواشی سعدی المفتی۔

مل جاتا ہے ورنہ اس کا اضطراب بڑھ جاتا ہے اور غم و حزن کی کیفیت میں اشتداد ہو جاتا ہے۔

ما للظالمین۔ کافروں کا کوئی نہ ہوگا۔ **من حمیم**۔ کوئی مشفق قریبی کہ اس پر شفقت اور مہربانی کر کے ان سے عذاب دفع کر سکے۔

ولا شفیع یطاع اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی سفارش قبول کی جا سکے۔ اس معنیٰ پر شفاعت و طاعت دونوں کی بیک وقت نفی ہو گی اگر یطاع مجازاً معنیٰ یجاب ہو اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کا کوئی ایسا سفارشی نہ ہوگا کہ جس کی شفاعت قبول ہو اس لیے کہ مطیع مطاع سے مرتبہ میں بہت کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ جس کی ہر وقت اطاعت کرے۔

مسئلہ: کفار کے لیے کسی طرح کی بھی شفاعت قبول نہ ہو گی۔ اس لیے کہ ان کی مذمت کی گئی ہے۔

نکتہ: کافرین کے بجائے ظالمین کہتے ہیں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ کافرین کے علاوہ اور لوگ بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ ظالمین کا لفظ عام ہے لیکن یہاں صرف کفار مراد ہیں تاکہ ثابت ہو کہ ان سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں اور ان کے ظلم پر مہر ثبت ہو اور یقین کیا جائے کہ یہی ہیں کہ نہ ان کا کوئی مشفق و مہربان ہوگا اور نہ ہی کوئی سفارشی۔

ردِ وہابیہ: اس سے ثابت ہوا کہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے مشفق و مہربان بھی ہوں گے اور ایسے سفارشی بھی جو ان کے لیے شفاعت کریں گے اور وہ ہیں نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء مقربین و ملائکہ اجمعین۔

یعلم۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ **خائنۃ الاعین**۔ ان آنکھوں کو جو خیانت کرتی ہیں یہاں پر خیانت کا اسناد اعین کی طرف مجازاً ہے اس لیے کہ حقیقت میں دیکھنے والے سے ہوتی ہے یا خائنۃ اسم فاعل بمعنی مصدر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔

فائدہ: اندرونی طور پر عہد توڑ کر حق کی مخالفت کرنے کا نام خیانت ہے۔ اس کی نقیض امانت ہے۔ یہاں پر آنکھ چرا کر غیر محرم عورتوں کا دیکھنا مراد ہے جیسے عموماً غلط نگاہ والوں کا کام ہے کہ دوسری بار دیکھنے سے گناہ لکھا جاتا ہے۔

حدیث شریف: اے ابن آدم پہلا دیکھنا (غیر محرم کو) تجھے معاف ہے اس لیے کہ اچانک ہوا ہے لیکن دوسری بار دیکھے گا تو تجھ پر گناہ ہو گا کیونکہ وہ قصداً ہے اور یہ بھی آنکھ کے زنا سے ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

گر زناۓ چشم حظے می بری
نے کباب از پہلوۓ خود می خوری

ترجمہ: اگر آنکھ کے زنا سے حظ لے رہے ہو تو یوں سمجھو کہ اپنے جسم کے کباب کھا رہے ہو۔

اس لیے کہ بُری نگاہ سے دیکھنا زہریلا تیر ہے اور یہ تیر ابلیس کا ہی ہے۔ یاد رکھئے کہ بُری نگاہ دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے اور انسان کے لیے یہی فتنہ کافی ہے۔

حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
چشم نظر بآنچہ حرام است یا غمز کردن بمصایب مردم یعنی نگاہ
وہ بری ہے جو عیوب مردمان پر ہو ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فروگیرد و دوست

ترجمہ: دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے لیے ہیں۔ بھائی اور دوست کے عیب سے آنکھ کو بند رکھ۔

یا کذب رویت و عدم رویت میں یعنی رؤیت کا جھوٹا ہو کر دعویٰ کرتا ہے اور پھر اس کا انکار بھی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر خیانت سے یہ مراد ہے کہ محب ہو کر ماسوئی محبوب کے دوسروں کو اچھی نگاہ سے دیکھتا ہے بلکہ غیر محبوب کی طرف دیکھتا ہے۔ اس معنی پر کہا گیا ہے ؎

شعینی اذا استحسنت غیرکم
امرت الدموع بتادیبہا

ترجمہ: میری آنکھ جب تمہارے غیر کو اچھا سمجھتی ہے تو میں اسے سزا کے طور پر آنسو بہانے کا حکم کرتا ہوں۔

حکایت: ایک شخص کسی دکان سے گزرا اس پر ایک بندھنا لٹکتا ہوا دیکھا۔ اسے اچھا لگا۔ جب وہ دکان سے دور گیا تو وہ بندھنا غائب ہو گیا۔ دکاندار اس کے پیچھے ہو لیا اور واویلا کیا کہ اس نے میرا بندھنا چرایا ہے۔ چنانچہ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کی کمر میں بندھا ہوا تھا۔ یہ اسے اللہ تعالیٰ سے اس لیے سزا ہوئی کہ اس نے بندھنے سے کیوں دل لگایا۔ اسی لیے اسے چوری کی تہمت سے سزا دی گئی۔

فائدہ: حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خیانت العین یہی ہے کہ محارم سے آنکھ کو نہ بچائے بلکہ اسے خواہشات و شہوات کی طرف لگا دے۔ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آنکھ کو جانتا ہے جو ارادۂ شہوت سے دیکھتی ہے۔ حضرت ابو جعفر نیشاپوری

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عارف کا زنا یہ ہے کہ وہ شہوت سے کسی شے کو دیکھے اور حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عشاق کی آنکھ کی خیانت یہ ہے کہ وہ مناجات کے وقت نیند کرے جیسا کہ زبور شریف میں ہے وہ محبت میں جھوٹا ہے کہ تو محبت کا مدعی ہو کر رات کو نیند میں گزارتا ہے۔

ع من نام عینا نام عنه وصالنا

ترجمہ: جو آنکھ کو نیند میں لگا دیتا ہے وہ ہمارے وصال سے محروم ہے۔

ے خواب را با دیدۂ عاشق چہ کار
چشم او چوں شمع باشد اشکبار
چشم ہائے عاشقاں را خواب نیست
یک نفس آں چشم ہا بے آب نیست

ترجمہ: نیند کو عاشقوں سے کیا کام۔ عاشق کی آنکھ تو شمع کی طرح آنسو بہاتی ہے۔
۲: عشاق کی آنکھ کو نیند نہیں۔ ایک گھڑی بھی عاشق کی آنکھ آنسو کے بغیر نہیں گزارتی۔

تفسیر عالمانہ: وما تخفی الصدور۔ اور وہ جو سینے کے اسرار و رموز کو چھپاتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہ بُرے اسرار ہیں یا اچھے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو قلوب کے افعال معلوم ہیں ایسے ہی اس سے افعال جوارح بھی مخفی نہیں اس لیے کہ ان میں سب سے زیادہ پوشیدہ افعال صدور کی خیانت ہے جب اسے یہ معلوم ہیں تو باقی کیا۔

مسئلہ: حاکم وقت کو جب ایسی خیانت کا یقین ہو جائے تو مجرم کو سزا دے کیونکہ ایسے افعال جرائم میں سخت اور قوی تر ہیں۔

فائدہ: یعلم خائنة الاعین الخ امر انذار کے لیے بمنزلہ تعلیل کے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نفوس کی تمناؤں اور قلوب کی دلچسپ باتوں اور ارواح کی مرغوبات کو جانتا ہے اور سالک سلوک میں لٹکا رہتا ہے جب تک ان امور سے فراغت نہ پائے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ صدور کی خیانت یہ ہے کہ مقام قبض[۱] میں آئے کیونکہ جو قبض میں مبتلا ہو اس پر احکام حقیقت کا اجرا نہیں ہوتا اس کے بعد ہی اس پر عالم بسط کے حقائق منکشف ہوتے

---

[۱] قبض صوفیاء کا ایک اصطلاحی لفظ ہے ۱۲۔

ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ خیانت العیون اور اسرار صدور کو جانتا ہے بلکہ اس پر تو کوئی شے پوشیدہ نہیں۔

فائدہ: آنکھ قلوب کے ابواب میں سے ایک دروازہ ہے یہی وجہ ہے کہ جو کچھ آنکھ دیتی ہے اس سے قلب کو راحت پہنچتی ہے۔ اسے پہلے نفس کو علم ہوتا ہے۔ پھر قلب کو حظ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ دل کا آنکھ میں ایک دروازہ ہے جس پر نفس کے خیالات، جاری ہوتے ہیں۔ اس دروازے کے نیچے قلب پر اثرات پہنچتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنکھ کی خیانت کے امور مانی الصدور سے متعلق ہیں۔

نسخہ روحانی: جب عارف باللہ نفس کی حرکتوں سے باخبر ہوتا ہے تو اسے طویل ریاضت میں ڈال کر مجاہدات کثیرہ سے صاف کرتا ہے اور زنا، خوف و آداب شریعت سے اسے قابو کرتا ہے تو حظوظ نفسانیہ سے صاف اور پاک ہو جاتا ہے لیکن جبلی شہوات اس کے اندر (بسرّ) میں باقی رہتی ہیں جو ہر لحظہ طلب حظوظ میں سر اٹھاتی رہتی ہیں۔ مجاہدات و ریاضات کے خطرات اتنا پوشیدہ ہوتے ہیں کہ عقل و روح ان سے بے خبر ہوتی ہیں۔ جب بھی انھیں وقت مل جاتا ہے تو وہ آنکھ کی طرف دوڑ پڑتی ہیں جو اپنی مراد و مقصد کو دیکھ کر محارم سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ یہ اتنا جلدی ہوتا ہے کہ گویا آنکھ کو اس کا علم تک نہیں۔ اسے اصطلاح تصوف میں نظر مخفی اور شہوت خفی کہا جاتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آیت میں فرمایا ہے اس سے آپ نے پناہ مانگی ہے چنانچہ فرمایا اعوذ بک من شھوۃ خفیۃ (میں تجھ سے شہوۃ خفیہ سے پناہ مانگتا ہوں)

روحانی نکتہ: عاشق روح جمال ازل کے مشاہدہ سے جب سے محجوب ہوا ہے تو وہ ہر وقت اس کے وصال اور دیدار میں تڑپ رہا ہے اور تاک میں رہتا ہے کہ کسی طرح وہ جھلک نصیب ہو لیکن دیدار حق کہاں اور نہ اس کے امکان میں ہے کہ اسے آسانی سے حاصل کر سکے اسی لیے وہ اسے صورت انسانیہ میں ڈھونڈتا ہے کیونکہ اس میں آثار روحانیہ نہیں اس کا منظر عقل ہیں اور عقل کا منظر قلب میں اور قلب کا منظر نفس میں اور نفس کا منظر صورت دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنکھ کو ہر حسین شے بھلی لگتی ہے صرف اسی امید پر کہ شاید شواہد حق منکشف ہو جائیں اسی لیے نفس اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اس سے شہوانی نگاہ فائدہ اٹھا لیتی ہے لیکن یہ نگاہ شرعًا اور طریقت و حقیقت میں ناپسند ہے یعنی وہ حسن و جمال کہ جس سے نفسانی شہوات کو سہارا ملے انھیں دیکھنا ناجائز ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا سے روح کے حق کو وسائط سے دیکھنا بھی خیانت ہے (اسی لیے عشق مجازی کو موصل الی الحق سمجھنے والوں کا رد ہے)

نسخہ روحانی: سالک پر لازم ہے کہ ہجر کے کڑوے گھونٹ پی کر صبر کرے ایک ایسا وقت بھی

نصیب ہوگا کہ بلا واسطہ جمال حق کا نقاب ہٹ جائے گا جس سے سیر ہو کر دیدار سے سرشار ہوگا۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

طفل یک روزہ ہوشش نہ برد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد
محقق ہمی بیند اندر ابلی
کہ در خوبرویان چین و چگل

ترجمہ: یکروزہ بچے یعنی چھوٹے بچے نے اس کا ہوش کیوں نہ اڑایا جبکہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں چھوٹے بڑے برابر ہیں۔

۲: اہل حق اونٹ میں وہی دیکھتے ہیں جو انھیں چین و چگل کے حسینوں میں نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں حق کے جلوے دیکھنے کی توفیق بخشے ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ: واللہ یقضی ۔ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا۔ بالحق۔ ہر نیک و بد میں صدق و عدل کے ساتھ۔ کیونکہ وہی علی الاطلاق مالک و حاکم ہے جس کا مکلف مستحق ہوگا۔ اس کے مطابق ہی حق و عدل کا فیصلہ فرمائے گا۔ ان میں مکلف کو سخت خوف دلایا گیا ہے۔

والذین یدعون یَعْبُدُوْنَ۔ اور وہ جو عبادت کرتے ہیں۔ من دونہ وھم الاصنام۔ یعنی من دون اللہ سے مراد بت ہیں اس کا ترجمہ فارسی میں لکھا کہ وانانکہ می پرستند مشرکاں بدوں خدا) اور وہ مشرک جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پرستش (پوجا) کرتے ہیں۔[۲]

اس سے وہابیہ کا رد ہے کہ ایسی آیات کو اہل اسلام پر چسپاں کرتے ہیں اور من دون اللہ ۔ اولیاء اور انبیاء علیہم السلام مراد لیتے ہیں حالانکہ اس سے بت مراد ہیں۔ ہم اہل اسلام کو اس حرکت سے خوشی ہے کہ ہمارے دور میں ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ظاہر ہوا جس کی آپ نے سینکڑوں سال پہلے خبر دی کہ دعا سے یہاں پکارنا مراد نہیں بلکہ عبادت مراد ہے۔

الحمد للہ ہم اہل سنت انبیاء و اولیاء کرام کو معظم و مکرم بندگانِ خدا مان کر ان کو بارگاہِ خدا کا وسیلہ بناتے ہیں۔ اگر ان کو پکار کر عرض کرتے ہیں تو ہمارا یہ مسئلہ مراد ہوتا ہے ۱۲

یقضون بشئ ۔ کسی قسم کا فیصلہ نہ کر سکیں گے کیونکہ اگر پتھر ہیں تو بھی۔ اگر حیوان ہوں گے تو بھی اس لیے کہ

---

[۱] روح البیان ص ۱۸۲ ج ۸   [۲] ۔ ایضاً

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن
قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ
بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت
تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ○ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ○ إِلَىٰ
فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ○ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْحَقِّ
مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ
وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ○ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ
مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِي
الْأَرْضِ الْفَسَادَ ○ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ
مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ○

ترجمہ:۔ تو کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان سے اگلوں کا ان کی قوت اور زمین میں جو نشانیاں چھوڑ گئے ان سے زائد تو اللہ نے انھیں ان کے گناہوں پر پکڑا اور ان سے ان کا کوئی بچانے والا نہ ہوا یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے پھر وہ کفر کرتے تو اللہ نے انھیں پکڑا بے شک اللہ زبردست سخت عذاب والا ہے اور بیشک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو وہ بولے جادوگر ہے بڑا جھوٹا پھر جب وہ ان پر ہمارے پاس سے حق لایا بولے جو اس پر ایمان لائے ان کے بیٹے قتل کر دو اور عورتیں زندہ رکھو اور کافروں کا داؤں نہیں مگر بھٹکتا پھرتا اور فرعون بولا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکارے میں ڈرتا ہوں کہیں وہ تمھارا دین بدل دے یا زمین میں فساد چمکائے اور موسیٰ نے کہا میں تمھارے اور اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں ہر متکبر سے کہ حساب کے دن پر یقین نہیں لاتا۔

بقیہ صنا ۱۶۰ کا

انہیں کسی قسم کی قدرت نہیں اور مخلوق و مملوک خدا ہیں تو مخلوق و مملوک کو حکمرانی اور فرمانروائی کیسی۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں بت کے پجاریوں سے تہکم ہے کہ تمہارے بت پتھر ہیں اور پتھروں کے لیے فیصلہ کی صفت کیسی۔

ان اللہ ھو السمیع البصیر (بیشک وہ سمیع بصیر ہے) یہ علم الٰہی کی تذییر ہے کہ وہ واقعی خیانت آنکھوں کو جانتا ہے اور اس کا قیامت کا فیصلہ حق ہے کیونکہ جو ذات کسی کی ہر بات سنے اور اس کا ہر کام دیکھے تو وہ جو فیصلہ کرے گا حق ہی ہوگا۔ اس میں افعال و اقوال پر وعید اور بت پرستی پر ان کے بتوں پر تعریض ہے کہ جب وہ بت ان دونوں صفات (سمع و بصر) سے محروم ہیں تو پھر وہ معبود کیسے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بُعد کو ہجر کی سزا اور اہل محبت کو وصال کی جزا بخشے گا اور سالکین کو ازل سے قدر و قضا میں لکھے ہوئے تعلقات سے نکالتا ہے۔ اگرچہ ان کے ایمان و اعمال صالحہ کو ذریعہ بنا کر کیونکہ اللہ تعالیٰ حاجات کے سوال ازل سے سُن چکا ہے حالانکہ وہ ابھی معدوم تھے۔ اور ازل سے ہی گنہگاروں اور نفوس اور نیکوکاروں کے قلوب کی آہ و بکا سن چکا اور اُن کی حاجات کو ازل سے دیکھ چکا۔

تفسیر عالمانہ: اولم یسیروا فی الارض۔

ربط: کفار کو آخرت کے سخت عذاب کا ڈر سنانے کے بعد اب دنیا کے عذاب سے ڈرانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ کیا زمین کی سیر نہیں کرتے یعنی تجارت کے لیے مشرکین مکہ شام و یمن کی طرف جاتے ہیں۔

فینظروا۔ تو دیکھیں۔ مجزوم ہے کہ اس کا عطف یسیروا ہے یا منصوب ہے اس لیے کہ استفہام کا جواب ہے۔ کیف کان عاقبۃ الذین کانوا من قبلھم۔ ان لوگوں کا انجام جو ان سے پہلے تھے۔ یعنی ان سے پہلی وہ قومیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی جیسے عاد و ثمود اور ان جیسے دیگر کیونکہ ان کے علاقے کفار مکہ کا گزرگاہ تھے۔ کانوا ھم اشد منھم قوۃ۔ وہ ان سے زیادہ قوت والے تھے۔ یعنی تصرفات میں ان کو بہت زیادہ قوت و طاقت حاصل تھی۔

سوال: ھم ضمیر فاصلہ یہاں کیوں ہے حالانکہ یہ تو دو اسم معرفوں کے درمیان آیا کرتی ہے۔

جواب: افعل التفضیل جو من سے مستعمل ہوتا ہے وہ اسم معرفہ کے مشابہ ہو جاتا ہے کہ جس طرح اس پہ لام کا داخلہ ممتنع ہے۔ ایسے ہی اس پہ اسی لیے اس میں ضمیر فاصلہ کا آنا بے جا نہیں۔

وآثارا فی الارض۔ اور زمین کے نشانات۔ جیسے ان کے مضبوط قلعے اور پختہ دیوار دں وعمارتوں والے شہر فاخذھم اللہ بذنوبھم۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی شامت سے ان کی گرفت فرمائی۔ یعنی ان کے کفر و تکذیب کے سبب سے ان کی گرفت کی اور انھیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ وما کان لھم من اللہ۔ اور نہ تھا انھیں عذاب الٰہی سے۔ من واق۔ کوئی بچانے والا۔ جو انہیں عذاب سے بچا کر محفوظ کر لیتا۔ ذلک۔ وہ جو ان کی گرفت مذکور ہوتی۔ بانھم۔ اس سبب سے ہوتی کہ بیشک وہ ایسے تھے کہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینات۔ جب ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام معجزات باظاہری احکام لاتے۔ فکفروا۔ تو وہ انکار کرتے اور پیغمبران عظام علیہم السلام کی تکذیب کرتے۔ فاخذھم اللہ۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی بہت تیزی سے۔ انہ قوی۔ کیونکہ وہ جسے تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو وہ اس پہ بہت بڑی قوت و طاقت رکھتا ہے شدید العقاب۔ مشرکین کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے کہ ان کے عذاب کا کوئی کبھی سامنا نہیں کر سکتا اور یہ اہل مکہ ان کے ٹلنے کی جگہوں اور ان کی تباہی کے نشانات کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے تو پھر یہ کیوں۔ اس سے بے خوف و خطر ہیں کہ ان پر عذاب نازل ہو جیسے ان پر عذاب نازل ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: سعادت مند لوگ نعمتِ وجود پر شکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی نعمتِ ایمان میں اضافہ فرماتا ہے۔ پھر وہ نعمتِ ایمان پر شکر کرتے ہیں تو اُن کی نعمت ولایت میں اضافہ فرماتا ہے۔ پھر وہ نعمت ولایت پر شکر کرتے ہیں تو انہیں دنیا میں نعمت قرب و معرفت میں بڑھاتا ہے اور آخرت میں نعمت جوار میں اضافہ فرمائے گا اور اہل شقاوت جب نعمتِ وجود میں ناشکر کرتے ہیں تو انہیں کفر و بُعد و فراق اور دنیا میں لعنت اور اپنے سے دُور رہنے کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور آخرت میں نار جہنم اور قسم قسم کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا اور ذلک بانھم الخ میں اشارہ ہے کہ اگر بعض سالکین اور طالبانِ خدا مقصد تک نہ پہنچ سکیں۔

گستاخِ اولیاء کی سزا: یہاں معلوم ہونا چاہیئے کہ حجاب و حرمان اپنے شیخ یا کسی ولی کامل پر اعتراض کی وجہ سے ہوتا ہے اس کا تدارک توبہ سے ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے رجوع سے ہوتا ہے کیونکہ مشائخ کرام کہ وہ مریدین کے لیے بمنزلہ انبیاء علیہم السلام کے ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے:

الشیخ فی قومہ کالنبی فی اُمتہ

ترجمہ:- شیخ اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں

مثنوی شریف میں ہے ؎

گفت پیغمبر کہ شیخے رفتہ پیش
چوں نبی باشد میان قوم خویش

ترجمہ: فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے کہ شیخ اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں۔

وہ اولیاء اللہ کے دشمنوں پر بدلہ لینے پر بڑی قوت والا ہے ایسے ہی دشمنانِ اولیاء سے سخت عذاب دے کر بدلہ لیتا ہے۔

فائدہ: شرح الاسماء اللزورقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے کہ قوی وہ ہے کہ ذات وصفات وافعال میں کبھی عجز لاحق نہ ہو تو اسے تھکان نہ پہنچے نہ تکلیف نہ دکھ اور نہ کوئی تصور کسی امر کو توڑنے یا کسی کام کو مضبوط کرنے میں اسے کوئی کمی نہیں آتی جسے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ قوی ہے تو وہ کبھی اپنی قوت وطاقت پر بھروسہ نہیں کرے گا۔

خاصیت قوی: اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ وہ وجود کو قوت بخشتا ہے کتنا ہی بہت ضعیف یا کتنا ہی جسم کمزور ہو اس کا وظیفہ کرے گا تو اسے خوب قوت اور جسمانیت میں برکت ہو گی۔ کوئی مظلوم اگر ظالم کو تباہ وبرباد کرنے کے ارادہ پر ایک ہزار دفعہ پڑھے تو اس کے لیے یہی اسم مبارک کفایت کرے گا۔

تفسیر عالمانہ: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا۔ اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آیات دے کر بھیجا۔ یہاں آیات سے مراد معجزات نو ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ **وسلطان مبین۔** اور ظاہری دلیل یعنی حجۃ قاہرہ ظاہرہ جیسے عصا۔

سوال: سلطن مبین کو علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ جبکہ وہ آیات میں مندرج ہے۔

جواب: اس کی شان کی عظمت وبزرگی کے اظہار کے لیے یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ الی فرعون کی طرف جو کہ عمالقہ مصر کا سرغنہ اور ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ **وھامان۔** اور ہامان جو فرعون کا وزیر تھا۔ ان دونوں کی تخصیص کے لیے فرمائی کہ یہ دونوں کثرت جان ومال اور خزائن کی وجہ سے گویا وہ بادشاہ تھے۔

فائدہ: قارون کے ہاں فرعون کے بعد حکم لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے۔ اس کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ بنی اسرائیل کی طرف ایمان لایا تھا اور تورات کا حافظ تھا

پھر دولت کی وجہ سے بگڑ گیا اور سامری کی طرح منافق تھا۔ پھر وہاں فرعونیوں کے ساتھ مل گیا اور کفر کے گڑھے میں گر کر تباہ و برباد ہو گیا۔

انتباہ: ہمارے اس مضمون کو یاد کر لے دیگر ان مضامین کا قصہ ختم کر دے جو دیگر اہل تفاسیر نے لاعینی باتیں لکھی ہیں۔

فقلوا۔ تو معجزات بالخصوص عصا کے بارے میں کہا۔ ساحر یہ تو جادو ہے کہ عادت کے خلاف باتیں سرزد کر رہا ہے اور جو رب العالمین کی طرف سے رسالت کا دعویٰ کرتا تھا اسے کہتے کذاب"۔ جھوٹا ہے یعنی کہتا ہے کہ خدا ایک ہے جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ غلط کہتا ہے کذاب وہ ہے جسے بار بار جھوٹ بولنے کی عادت ہو اور انھیں سحار اس لیے نہ کہا کہ ان کا گمان تھا کہ ان سے بڑھ کر کوئی جادو گر نہیں ہے۔ چنانچہ کہا یاتوک بکل سحار علیم۔ تیرے ہاں بہت بڑا جادوگر اور بڑے علم والا لائیں گے۔

فائدہ: اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ کے زمانہ کے قریب قریش سے بڑھ کر سخت گرفت والا فرعون گزرا ہے اس کا کیا انجام ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولقد ارسلنا الخ میں اشارہ ہے کہ رذیل ترین مخلوق میں افضل ترین بندے رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ اس کا عظیم احسان ہے اور یہ بھی اس کا کرم ہے کہ خسیس ترین انسانوں میں مخصوص ترین محبوبوں کو اسی لیے بھیجتا ہے کہ وہ اس کے فضل پر سے ان کی اصلاح کر کے اس کی بارگاہ تک پہنچنے کی دعوت دے۔ پھر انسان اپنی خباست طبع اور بلادتِ عقل کی وجہ سے اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ الٹا اسے جادوگر کی تہمت لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے اظہار اور لطف و کرم کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کرنے میں جلدی نہیں فرماتا بلکہ اسے اس وقت تک مہلت دیتا ہے کہ اس کی شقاوت مکمل طور پر ظاہر ہو جائے۔ پھر اسے اپنی صفت قہر کا مظہر بناتا ہے اور اپنے بھیجے ہوئے بندے کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی صفت لطف و کرم کا مظہر بنایا ہے ؎

نردبان خلق این باؤ منیست
عاقبت زین نردبان افتادنیست
ہر کہ سرکش بود او مقہور شد
ہر کہ خالی بود او منصور شد

ترجمہ: مخلوق کی سیڑھی ہم تم ہیں بالآخر اس سیڑھی سے گرنا ہی ہے۔

۲: جو سرکش ہوتا ہے وہ قہر کی لپیٹ میں آجاتا ہے جو اس سے خالی ہوتا ہے اسے نصرت الٰہی نصیب

ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: فلما جاءهم بالحق من عندنا۔ تو جب وہ ہماری طرف سے حق لے کر آئے اس سے وہ معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے۔ قالوا۔ اپنی شقاوت کی تکمیل کرتے ہوئے کہا اقتلوا ابناء الذین امنوا۔ ان کے بچوں کو قتل کرو جو اس کے ساتھ ایمان لائے یعنی ایمان میں ان کے تابع ہوئے۔ اس کا قائل فرعون ہے اور اس کے خصوصی مشیر یا صرف فرعون ہے کیونکہ وہ بمنزلہ بڑی جماعت کے تھا۔ چنانچہ خود کہا سنقتل ابناءهم ہم ان کے بچوں کو قتل کریں گے اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑیں گے۔ واستحیوا نساءهم اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو انہیں قتل نہ کرو تاکہ ان کی لڑکیاں قبطی عورتوں کی خدمت کرتی رہیں۔ معنیٰ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کے قتل کی مثال زندہ کردو۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے فرعون کو نجومیوں نے کہا تھا کہ ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری شاہی کے زوال کا سبب بنے گا۔ اس سے وہ بنی اسرائیل کے بچے ایک عرصہ تک قتل کراتا رہا۔ پھر اس خوف سے چھوڑ دیا کہ بنی اسرائیل ختم ہو گئے تو قبطیوں کی خدمت کون کرے گا اور اتنا بڑے اُمور قبطیوں سے کیسے سرانجام ہو سکیں گے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو فرعون نے آپ کی نبوت کو محسوس کیا تو غیظ و غضب میں آکر دوبارہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا تاکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے بد دل ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ جس لڑکے کی نجومیوں نے خبر دی تھی کہ اس سے فرعون کی سلطنت کو زوال ہوگا وہ یہی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وما کید الکافرین اور نہیں کافروں کا مکر۔ اس سے فرعون اور اس کی قوم یا ان کے علاوہ دیگر کفار مراد ہیں یعنی انبیاء (اولیاء) اور اہل ایمان کے حق میں کافروں کی تدبیریں نہیں ہیں۔ الا فی ضلال۔ مگر گمراہی و بیہودگی اور ضیاع و بطلان میں اس کی یہ تدبیریں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں جو تقدیر میں ان کے متعلق لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا کیونکہ تقدیر کا حتمی فیصلہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے ہلاک کرنے پر اپنا لشکر سوار اور پیدل تیار کیا تاکہ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے لیکن جسے خدا رکھے اُسے کون مٹا سکتا ہے۔ چنانچہ خود فرمایا کہ وما کید الکافرین الا فی ضلال۔ یعنی کفار کی تدبیریں گمراہی میں ہیں یعنی ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ قانون قدرت ہے کہ جو کوئی اس کے ولی کے لیے کنواں کھودتا ہے یعنی ہلاک کرنے کی تدبیر بناتا ہے تو وہ خود کنوئیں میں گر کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

حکایت: شام کے مفتی نے حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کے قتل کا فتویٰ دیا۔ اس کے بعد وہ حوض میں نہانے کے لیے داخل ہوا تو غیب سے ایک ہاتھ نکلا جس نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ کنوئیں سے مردہ ہو کر نکلا۔

حکایت: ایک نوجوان امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا تھا اسے ہارون الرشید نے ایک حجرے میں بند کر کے ہر طرف سے راستے بند کر دیئے تاکہ وہ اس میں تڑپ تڑپ کر مر جائے چند دنوں کے بعد اسے نکالا گیا تو وہ ایک بہت بڑے باغ میں ٹہل رہا تھا۔ ہارون الرشید نے اسے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تجھے کس نے حجرے سے نکالا۔ کہا جس نے مجھے باغ میں پہنچایا۔ پوچھا باغ میں کون لے گیا۔ کہا جس نے مجھے حجرے سے نکالا۔ اس پر ہارون الرشید خاموش ہو گیا پھر روپڑا اور حکم دیا کہ اسے انعام واکرام سے نوازا جائے اور گھوڑے پر سوار کر کے اعلان کیا جائے کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کی اہانت کا ہارون الرشید نے ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی فرمائی۔ اسی لیے پھر وہ بھی اس کے اعزاز واکرام پر مجبور ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ: وقال فرعون۔ فرعون نے اپنی جماعت سے کہا ذرونی۔ مجھے چھوڑو موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو عذاب میں مبتلا کرنے سے نہ روکو۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں ذرہ ای۔ اسے چھوڑ دے۔ یذرہ تَرَکَ گا۔ اسے چھوڑتا ہے۔ اے وذر یذر وسع یسع کی طرح بھی کہہ سکتے ہیں لیکن اس کی ماضی اور مصدر ایسے نہیں آتا اور نہ ہی اسم فاعل اس طرح مستعمل ہوا ہے (قاموس)

اقتل موسیٰ۔ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے ملک کی بہتری اسی میں ہے یہ اُس وقت کہا جب اُس کے مشیروں نے اسے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے سے روکا تھا اور کہا تھا کہ یہ وہ نہیں کہ جس کے متعلق تمہیں نجومیوں نے خبر دی تھی کیونکہ یہ ایک معمولی انسان اور بہت کمزور آدمی ہے وہ کوئی ہو گا جو بڑا جادوگر ہو گا۔ علاوہ ازیں اس کے قتل پر لوگ شبہ میں پڑ جائیں گے کہ تم اس کے مقابلہ سے عاجز تھے اسی لیے حجت قائم کرنے کے بجائے اسے قتل کرا دیا۔ اس سے فرعون لعین کو خیال گزرا کہ یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے کترا رہے ہیں اور ہے بھی یہی صحیح بات کہ اگر اس کے مشیر آڑے نہ آتے تو وہ موسیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیتا اور جس سے وہ رو کتا رہا وہ اس سے خطرہ میں رہا کیونکہ اسے یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام برحق اور سچے نبی ہیں لیکن قتل اس لیے نہیں کرتا تھا کہ اس سے وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔

ولیدع ربہ۔ اور چاہیئے وہ اپنے رب کو بلائے جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ اس نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے میرے قتل سے روک دے۔

اعجوبہ: فرعون بظاہر تو اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج کرتا لیکن باطن میں خود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا تھا اور نہ اس کے لیے تو موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دینا معمولی بات تھی۔ صرف باتوں پر قوم کو طفل تسلیاں دیتا تھا۔

انی اخاف۔ بیشک مجھے خوف ہے کہ اگر میں اسے قتل نہ کروں۔ **ان یبدل دینکم۔** تو وہ تمھارا دین بدل دے گا یعنی جس دین پر تم ہو کہ میری اور بتوں کی پرستش کرتے ہو اس سے ہٹا کر کسی دوسرے دین میں لے جائے گا اور اس دین میں کہ تمھیں میرا قرب نصیب ہے۔ اس سے تم یکسر محروم ہو جاؤ گے۔ او **ان یظھر فی الارض الفساد۔** یہ کہ زمین پر فساد برپا کرے گا یعنی اگر وہ تمھارا دین تبدیل بھی نہ کر سکا تو تمھارے ملک میں خانہ جنگی اور فتنہ فساد برپا کر کے تمھارا آرام و قرار چھین لے گا۔

فائدہ: لفظ او دلالت کرتا ہے کہ ان دو باتوں میں ایک ضروری ہو گی۔

اعجوبہ: آیت میں اشارہ ہے کہ فرعون دل کا اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اسے یہ گمان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بچ کر اپنی قوت و ہمت سے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو قتل کر دے گا۔ یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی حفاظت فرمائے گا اور خود فرعون اور اس کی قوم کو تباہ و برباد کر دے گا۔ اسے یہ خطرہ تو تھا کہ موسیٰ علیہ السلام دین میں تبدیلی فرمائیں گے یا زمین پر فساد برپا کر دیں گے لیکن اسے یہ خیال نہ آیا کہ وہ خود بھی ہلاک ہو گا اور اس کی قوم بھی اور ان کا دونوں جہانوں میں بیڑا غرق ہو گا۔

وقال موسیٰ۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون لعین کی قتل کی سازش کی باتیں سنیں تو آپ نے اپنی قوم کو فرمایا **انی عذت۔** میں نے پناہ لی اور فریاد کی۔ **العوذ** بمعنی غیر کی پناہ لینا اور اس کے ساتھ متعلق ہونا۔ **بربی وربکم** اپنے اور تمھارے پروردگار سے۔

نکتہ: اسم رب کی تخصیص صرف اسی لیے ہے کہ یہاں حفاظت و تربیت مراد ہے اور وہ اسم رب سے متعلق ہے اور پھر اس کی اپنے اور قوم کی طرف مضاف کرنے میں آپس کی موافقت کا اظہار فرمایا بلکہ انھیں توکل پر ابھارا کیونکہ کثرت نفوس کی فریاد و زاری اور پناہ دعا کی قبولیت کے لیے قوی اثر رکھتی ہے۔

نکتہ: ادائے صلوات خمس و جمعات و اعیاد و استسقاء وغیرہ کے اجماع میں بھی یہی نکتہ ہے کہ کثرت نفوس کی الحاح و زاری میں قبولیت کی قوی امید ہو جاتی ہے۔

من کل متکبر۔ ہر سرکش سے یعنی ایمان سے منہ موڑ کر سرکشی کرنے والا۔ فرعون کا نام نہیں لیا بلکہ

اس کی ایک صفت کا ذکر فرمایا تاکہ وہ استعاذہ عام ہو کہ ہماری پناہ ہر طرح کے سرکش سے ہے وہ فرعون ہو یا کوئی اور۔ ساتھ ہی اشارہ فرمایا کہ تکبر ایک ایسی گندی بیماری ہے کہ اس سے قساوت قلبی اور جرأت علی اللہ جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں کہ جن سے بندہ اللہ تعالیٰ اور دیگر ضروری اُمور پر ایمان لانے سے محروم ہو جاتا ہے۔

ازالۂ وہم: یہاں پر امام رازی اور اس کی اتباع میں قاضی بیضاوی رحمہما اللہ تعالیٰ کو تسامح ہوا ہے وہ یہ کہ یہاں فرعون کا نام نہ لے کر موسیٰ علیہ السلام اور اس کی تربیت کو ملحوظ رکھا ہے لیکن یہ اس لیے صحیح نہیں کہ دوسرے اس سے سخت ترین مقامات ہیں جہاں موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا بلکہ بالمشافہ گفتگو کی اور اس کا نام لے کر سخت سے سخت الفاظ استعمال فرمائے مثلاً فرمایا انی لاظنک یفرعون مثبور (بیشک میرا گمان یہ ہے کہ اے فرعون تو تباہ و برباد انسان ہے) اور یہاں تو غائبانہ کہہ رہے ہیں اور سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت میں بالمشافہ فرمایا اور غائب سے بالمشافہ سخت بات کہنا زیادہ سنگین ہوتی ہے۔

لا یومن بیوم الحساب (وہ یوم حساب پر ایمان نہیں لاتا) یہ ماقبل کی صفت ہے اسے تکبیر کے بعد اس لیے لائے ہیں تاکہ اشارہ ہے کہ جسے تکبیر کا مرض ہو اس کا یہی حال ہو جاتا ہے کہ وہ حق کا بطلان اور خلق خدا کی تحقیر کرتا ہے اسے اس مرض سے نجات مل سکتی ہے جو یقین رکھتا ہو کہ اس سے قیامت میں حساب ہوگا لیکن جسے تکبر کے ساتھ تکذیب کی بیماری بھی ہو تو سب سے بڑھ کر ظالم اور حد درجہ کا سرکش بن جاتا ہے۔ پھر وہ لا محالہ خلق خدا پر بھی ظلم و ستم سے باز نہیں آتا۔ اسی لیے زیادہ لائق ہے کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔

امام ابو حنیفہ کے ارشادات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا کہ کس گناہ پر سلب ایمان کا زیادہ خطرہ ہے فرمایا وہ تین اُمور ہیں:

۱۔ ایمان پر ترک شکر۔ ۲۔ خوف خاتمہ کا ترک۔

۳۔ بندگان خدا پر ظلم و ستم

جس میں تینوں صفات پائی جائیں۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ وہ دنیا سے بے ایمان ہو کر جائے۔ ہاں سعادت ازلی نصیب ہو تو علیحدہ بات ہے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا تابع کر دی ہوا آپ کو قوم سمیت آسمان کے قریب لے گئی جہاں سے سلیمان علیہ السلام ملائکہ کی گفتگو سن

رہے تھے۔ ایک فرشتہ اپنے قریبی سے کہہ رہا تھا کہ اگر ذرہ برابر بھی سلیمان علیہ السلام کے دل میں تکبر ہوتو جتنا اُوپر آپ آسمان کی بلندیوں پر پہنچے ہیں۔ اتنا ہی تکبر کی نحوست سے زمین میں دھنس جائیں (لیکن نہ ان میں نہ تکبر ہے نہ زمین میں دھنسیں گے۔)

حدیث شریف: انسان کے سر میں دو زنجیریں ہیں۔ ایک کا سرا ساتویں آسمان میں دوسری کا ساتویں زمین میں۔ اگر وہ تواضع کرتا ہے تو اسے وہ زنجیر ساتویں آسمان تک لے جاتی ہے۔ اگر تکبر کرتا ہے تو اسے دوسری زنجیر ساتویں زمین میں دھنسا دیتی ہے۔

تکبر کی مذمت: متکبر جیسا بھی ہو بالآخر ذلیل و خوار ہوتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک سفید موتی پیدا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ہیبت کی نگاہ ڈالی تو وہ پگھل کر پانی ہوگیا۔ اس کے اُوپر ایک جھاگ کا ٹکڑا بلند ہوا جس سے زمین پیدا کی گئی۔ اس نے فخر کیا تو اس کے فخر کرنے کے لیے اس پر پہاڑ بچھادیئے جو اس کے لیے بمنزلہ میخوں کے ہوئے اس طرح زمین کو تکبر کی سزا ملی پھر پہاڑوں نے فخر کیا تو ان کے فخر ختم کرنے کے لیے لوہا پیدا فرمایا تو لوہے نے تکبر کیا تو اسے آگ سے کمزور کیا۔ آگ نے تکبر کیا تو پانی کو پیدا کرکے پھیلادیا۔ بادل نے فخر کیا تو ہوا نے اسے منتشر کردیا ہوا نے فخر کیا تو آدمیوں کو پیدا کرکے انھیں اس کی حفاظت کا طریقہ سکھادیا کہ گرمی وسردی سے بچنے کے لیے گھر بنائیں تاکہ ہوا کی محتاجی نہ ہو اور نہ ہی اسے فخر کرنے کا موقع ملے۔ آدمی کو تکبر ہوا تو اس پر نیند مسلّط کردی نیند نے تکبر کیا تو اس پر مرض کا حملہ کرادیا۔ مرض نے تکبر کیا تو اس پر موت طاری کردی۔ موت نے تکبر کیا تو اسے قیامت جنت و نار کے درمیان ذبح کردیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانذرھم یوم الحسرۃ اذ اقضی الامر۔ اور انھیں حسرت کے دن سے ڈرائیے جبکہ ایک امر کا فیصلہ ہوگا۔ پہلے جب موت کو ذبح کیا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سب پر غالب صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانا فوقھم قاھرون۔ اور ہم ان سب پر غالب ہیں۔

فائدہ: تکبر نفس امارہ کی بہت گندی اور خراب بیماریوں میں سے ہے۔ اس لیے اس کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

لاف بے کبری مزن کان از نشان پائے مور
در شب تاریک برسنگ سیاہ پنہاں تر است

ترجمہ: یہ دعویٰ نہ کر کہ میں کبر سے فارغ ہوں اس لیے تکبر کا انسان اس سیاہ چیونٹی سے باریک تر ہے جو کالی رات میں سیاہ پتھر پر ہوتی ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا
أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَاذِبًا
فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ يَا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ
ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِن بَأْسِ اللَّهِ إِن جَاءَنَا ۚ قَالَ
فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ○
وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ○
مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ
يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ○ وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ○
يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ
فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ○ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ
فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ
رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ○ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ
فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ
كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ
ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ○ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ
إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۚ وَكَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَ
صُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ○

ترجمہ:۔ اور بولا فرعون والوں میں ایک مرد مسلمان کہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ کیا ایک مرد کو اس پر مار ڈالتے ہو
کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور بیشک وہ روشن نشانیاں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے
لائے۔ اور اگر بالفرض وہ غلط کہتے ہیں تو اُن کی غلط گوئی کا وبال ان پر۔ اور اگر وہ سچے ہیں تو تمہیں
پہنچ جائے گا کچھ وہ جس کا تمہیں وعدہ دیتے ہیں۔ بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے
والا بڑا جھوٹا ہو۔ اے میری قوم آج بادشاہی تمہاری ہے اس زمین میں غلبہ رکھتے ہو تو اللہ کے عذاب

سے ہمیں کون بچائے گا اگر ہم پر آئے فرعون بولا میں تمہیں وہی سمجھاتا ہوں جو میری سوجھ ہے اور میں تمہیں وہی بتاتا ہوں جو بھلائی کی راہ ہے اور وہ ایمان والا بولا اے میری قوم مجھے تم پر اگلے گروہوں کے دن کا سا خوف ہے جیسا دستور گزرا نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد اوروں کا۔ اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں چاہتا اور اے میری قوم میں تم پر اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن پکار مچے گی۔ جس دن پیٹھ دے کر بھاگو گے اللہ سے کوئی تمہیں کوئی بچانے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ اور بیشک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف روشن نشانیاں لے کر آئے۔ تو تم ان کے لائے ہوئے سے شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب انہوں نے انتقال فرمایا تم بولے ہرگز اب اللہ کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ اللہ یوں ہی گمراہ کرتا ہے اسے جو حد سے بڑھنے والا شک لانے والا ہے۔ وہ جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں۔ بے کسی سند کے کہ انہیں ملی ہو کس قدر سخت بیزاری کی بات ہے اللہ کے نزدیک۔ اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر اور فرعون بولا اے ہامان میرے لیے اونچا محل بنا شاید میں پہنچ جاؤں راستوں تک کاہے کے راستے آسمانوں کے تو موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور بیشک میرے گمان میں تو وہ جھوٹا ہے۔ اور یوں ہی فرعون کی نگاہ میں اس کا برا کام بھلا کر دکھایا گیا اور وہ راستے سے روکا گیا اور فرعون کا داؤں ہلاک ہونے ہی کو تھا۔

بقیہ صفحہ

و نہ دروں کہ دن بروں آسان مگیر آنرا کزان
کوہ را کندن بسوزاں از زمین آساں تر است

ترجمہ: اور اسے اپنے دل سے دور کرنے کو آسان بھی نہ سمجھ اس لیے کہ پہاڑ کو سوئی سے کھودنا بہ نسبت زمین کے آسان تر ہے۔

تفسیر عالمانہ: و قال رجل۔

ربط: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرانے کی سازش منظر عام پہ آگئی جس سے دشمن خوش ہوئے اور دوستوں کو صدمہ ہوا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی اور اس پر توکل کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے

فضل وکرم سے محفوظ رکھا بلکہ انہیں اپنے مقاصد میں کامیاب فرمایا اور اس کام کے لیے ایک غیر واقف آدمی کو مقرر فرمایا جس نے اس سازش کو بالکل ناکام بنادیا۔ چنانچہ فرمایا۔ اور ایک مرد نے کہا ھو من من آل فرعون۔ جو فرعون کی قوم میں ایک اہل ایمان تھا۔ مومن رجل کی صفت اول اور من آل فرعون اس کی حقیقت ثانیہ اور یکتم ایمانہ۔ اس کی صفت ثالثہ ہے۔ پہلی صفت اول ہے۔ اس کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے دوسری دوسرے نمبر پر ہے تاکہ مقصود کے بندے دل میں وہم وگمان نہ ہو اس لیے کہ جب معلوم ہوگا کہ وہ مومن خود فرعون کی برادری کا آدمی تھا اور اگر اسے تیسرے نمبر پہ لایا جاتا تو من آل فرعون اس کے صلہ بننے کا وہم ہوتا اس سے معلوم نہ ہوتا کہ وہ مرد فرعون کی برادری سے تھا یا کون تھا۔

فائدہ: آل الرجل اس کے ان خاص آدمیوں سے ہوتا ہے جس کی طرف سے اس کی قرابت یا صحبت یا موافقت فی الدین کی وجہ سے اس کے اُمور کا مرجع ہو۔

رجل موسیٰ علیہ السلام کا تعارف: یہ مرد فرعون کے قریبی رشتہ داروں سے تھا یعنی اس کا چچا زاد تھا۔ یہ وہی ہے جس نے ان الملأ یاتمرون بك لیقتلوك۔ ایک جماعت تیرے متعلق مشورہ کر رہی ہے تاکہ وہ تجھے قتل کردیں) سے مخبری کرکے موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا اور مشورہ دیا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ اس کا نام شمعان (بالشین المعجمہ) یہی تمام اقوال سے صحیح تر ہے۔ امام سہیلی نے اسی طرح فرمایا ہے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ اس کا نام جبر ہے۔ بعض نے اس کا نام حبیب نجار بتایا ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا وہ صندوق تیار کیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو دریا میں ڈالنے کا ارادہ فرمایا یہ وہ حبیب نجار نہیں جن کا ذکر خیر سورۂ یٰسین میں ہے۔ بعض نے کہا اس کا خربیل بن نوحائیل نام بتایا ہے۔ بعض نے حزقیل لکھا ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اُمم میں ایمان میں سبقت کرنے والوں میں تین ایسے ہیں کہ اُنہوں نے آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی کفر نہیں کیا۔

۱۔ حزقیل مومن آل فرعون۔ ۲۔ حبیب نجار صاحب یٰسین۔ ۳۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب سے افضل ہیں[۱]۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ صدیقین تین ہیں:۔

---

[۱] انسان العیون نقلاً عن عرائس البیان ۱۲

۱۔ حبیب النجار مؤمن آل یٰسین۔

۲۔ مومن آل فرعون جس نے کہا تھا اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ کیا تم ایسے مرد کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

۳۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور یہ ان تمام سے افضل ہیں[۱]۔

ازالۂ وہم: ان دو روایتوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں اس لیے کہ صدیق اکبر کی افضلیت صدیقیت کے متعلق ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت سبقت ایمان اور عدم صدور کفر اگرچہ ایک لمحہ میں ہے اور ان پر ہر دونوں کی افضلیت جہات مختلف ہیں اور ان دو روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آل فرعون کا رجل قبطی تھا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرعون نے اس بات کی طرف توجہ کی اور نہایت غور سے سُنا۔ اگر وہ اسرائیلی تھا تو وہ اسے دشمن سمجھ کر قریب بھی نہ پھٹکنے دیتا چہ جائیکہ اس کی بات کو غور سے سنتا۔

سوال: التکمیل میں ہے کہ آل کا لفظ کبھی غیر قرابت پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب۔ فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ یہاں پر آل سے رشتہ دار مراد نہیں اس لیے کہ دوزخ میں اس کے ساتھ صرف اس کے رشتہ دار داخل نہ ہوں گے بلکہ اس کا غیر بھی۔

جواب: رجل مذکور فرعون کے دین کا تو تھا نہیں کیونکہ وہ مومن تھا اس کے بعد آل میں رشتہ داری کے سوا اور کوئی مفہوم باقی نہ رہا۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں وہ اسرائیلی قارون کا چچازاد تھا۔ بعض نے کہا کہ اس کا باپ آل فرعون سے اور اس کی ماں بنو اسرائیل سے تھی۔ اور من اٰل فرعون یکتم کا صلہ ہے لیکن تقدیم متعلق کا مقتضی کوئی نہیں۔ علاوہ ازیں فرعون تمام بنی اسرائیل کے ایمان کو جانتا تھا تو پھر اسے کیسے اپنے پاس رہنے دیا۔ بعض نے کہا وہ عربی تھا اور پکا مومن موحد تھا۔ مصلحۃً منافقت کے طور ان کے ساتھ رہتا تھا۔ یکتم ایمانہ۔ ایمان چھپاتا تھا۔ فرعون اور اس کی قوم سے مخفی رکھتا تھا۔ کسی دیگر خطرے سے نہیں بلکہ اس ارادہ پر کہ اس کی بات کا اعتبار ہو اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر ایمان قبول کیا یا سو سال پہلے ایمان لا چکا تھا لیکن ایمان کو مصلحۃً چھپائے رکھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون شہید کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو فرمایا اتقتلون رجلا۔ کیا تم بلا دلیل ظلماً قتل کا ارادہ

---

[۱] حواشی ابن الشیخ ۱۲۔

کر رہے ہو (یہ استفہام انکاری ہے) ایسے مرد کے لیے۔ ان یقول ربی اللہ جو کہتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے یعنی ان کے قتل کا یہی گناہ ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کو مانتا ہے یا تمھیں اس سے کراہت ہے کہ وہ ایک اللہ کا قائل ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ حصر جملہ کے دونوں اطراف معرفہ کی وجہ سے حاصل ہوئی جیسے کہا جاتا ہے۔ صدیقی زید۔ میرا دوست صرف زید ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ قد جاءکم بالبینات۔ حالانکہ وہ تمہارے ہاں معجزات لے کر آیا ہے۔ ان سے وہ تمھیں دعوت دیتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو مانو اور اس کے بارے میں غور و فکر کر کے اس کی ذات کا اعتراف کرو اس کے ساتھ مکابرہ نہ کرو کیونکہ جواب الارباب کا پیام لائے اور اس کی اتباع لازم اور ضروری ہے۔

قریش مکّہ کے ظلم کا نمونہ: عروہ بن الزبیر نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کوئی ایسا واقعہ سنائیے جس جس سے معلوم ہو کہ مشرکین مکہ نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت سخت ظلم و ستم کیا ہو اُنھوں نے فرمایا ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ میں نماز پڑھ رہے تھے یا طواف کر رہے تھے کہ عقبہ بن معیط نے آپ کی چادر مبارک لے کر آپ کے گلے میں ڈال کر خوب کھینچا اور کہا وہی ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے روکتے ہو آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں یہ کیفیت دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کی چادر عقبہ بن معیط سے چھین لی اور دھکیل کر آپ سے اسے دور کر کے کہا اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات اور یہ زور زور سے کہتے تھے اور آنکھوں سے خون کے آنسو بہاتے تھے۔ یہاں تک کہ کفار رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

نکتہ: جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کارنامہ دکھایا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارنامہ اور جاں نثاری بھی کم نہیں اس لیے کہ آپ کھلم کھلا ایمان کا اظہار فرما رہے تھے اور قریش مکہ کے سرکشوں کے مجمع میں بے دھڑک رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرفداری کر رہے تھے۔

فضیلت صحابہ: ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں اپنے باپ سے روایت کیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے ابوالفضل بن الجوہری سے منبر پر فرماتے سنا جب انہیں کہا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کرو تو تھوڑی دیر سر جھکایا اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

عن المرء لا تسئال وسل عن قرینہ
فکل قرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کے متعلق معلومات کرنے ہوں تو اس کے ساتھی کو دیکھ لو کیونکہ ہر ساتھی اپنے ساتھی کی اقتدا کرتا ہے۔

ایسے لوگوں کے فضائل معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی رفاقت کے لیے منتخب فرمایا اور انھیں ان کی زیارت و مشاہدہ کا شرف بخشا اور ان کی ارواح کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح کی ملاقات عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی بھی تعریف کر ڈالی اور اس کا قصہ قرآن مجید میں درج فرمادیا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان تو رکھتا تھا لیکن اُسے چھپاتا تھا اور اس نے بھی کوئی بڑا کارنامہ سرانجام بھی نہیں دیا صرف کافروں کی مجلس میں اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سرسری طور ذکر کردیا۔ لیکن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا کہنا کہ مکہ میں دشمنوں کے سامنے تلوار نیام سے نکال کر کہا کہ آج کے بعد ہم چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے اس کے بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح کھلم کھلا عبادت خداوندی ہونے لگی۔

ربط: فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھنے کے لیے فرعون سے احتیاطی تدبیر بتاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر محض گمان ہی ہے کہ یہ وہی ہوں جو تیری شاہی کی تباہی کا سبب بنے اور قتل کا ارتکاب ایک غلط کردار ہے چنانچہ فرمایا **وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ**۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے کذب کا زوال اس کے سر ہوگا اور اس کا نقصان اُٹھائے گا یعنی اس کے قتل کی خود بخود ضرورت سامنے آجائے گی کیونکہ کاذب کو اس وقت قتل کیا جاتا ہے جب اس کے کذب کا ضرر دوسروں تک پہنچ جائے جیسے زندیق کہ وہ لوگوں کو زندیقیت کی دعوت دے گا تو قتل کیا جائے گا۔ ایسے بتدع بُرے عقائد کی بدعات کا پرچار کرنے والا جو عوام کو بدعت کی دعوت دے گا تو اس کا قتل کرنا موزونیت رکھتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام اپنے دعووں کی دعوت میں ناکام رہیں گے کیونکہ لوگ ان کی دعوت قبول نہیں کریں گے کیونکہ ان کی طبائع تیرے دین کی طرف مائل ہیں۔ ان کے دین سے قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ اگر وہ کچھ اپنا دینی مشن آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے تو تم اسے روکنے اور دفع کرنے کی بہت بڑی طاقت رکھتے ہو۔ **وان یک صادقا یصیبکم**۔ اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ جس کی تم تکذیب کر رہے ہو اور اسے تکالیف کا نشانہ بنا رہے ہو۔ سچے ہیں تو جن باتوں کا وہ تمھارے ساتھ وعدہ کر رہے ہیں وہ تمھیں ضرور پہنچے گا۔ اگر تمام بھی نہ پہنچا تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو گا کہ تم پر بعض باتوں کے پہنچنے کے بعد وہ تھوڑے میں تم انھیں بہت جلد ختم کر سکتے ہو۔

فائدہ: بعض کا ذکر کیا جو وہ بھی کل کے پہنچنے کا سبب ہے اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہی بعض کل ہے یہ گفتگو مبنی بر انصاف ہے اس میں اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرفداری کا ثبوت نہیں دیا کہ جس سے

تعصب کی بو آئے اسی لیے کذب کی شق پہلے لائے تاکہ تعصب کا شبہ نہ ہو اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر کل عذاب کے بجائے بعض کا ذکر کیا تاکہ تعصب کا تصور ذہن میں نہ آئے ورنہ سچے رسول علیہ السلام کی تکذیب پر عذاب آتا ہے تو کل عذاب آتا ہے نہ کہ بعض۔ اور بعض عذاب وغیرہ کا پہنچنا کاہنوں اور نجومیوں سے ہوتا ہے (یہ گفتگو ان کی توریت پر محمول کی جائے گی ورنہ مومن کی شان نہیں کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے لیے ایسے تصور ذہن میں لائے۔) ممکن ہے کہ انہوں نے بعض سے دنیوی تکالیف مراد لی ہوں کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بعض ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام انھیں دونوں یعنی دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے اور انہوں نے فرعون کو اسی ظاہری عذاب دنیا سے ڈرانے کا احتمال فرما دیا (یہی تقریر موزوں ہے)۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو ایمان لانے سے نجات کا وعدہ اور کفر پر ہلاکت و تباہی کا ڈر سنایا تھا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں بعض بمعنی کل ہو جیسا کہ شاعر کے شعر میں ہے ؎

قد یدرک المتأنی بعض حاجته
و قد یکون مع المستعجل الزلل

ترجمہ: کبھی حوصلہ والا اپنی جملہ مرادیں پاتا ہے اور کبھی جلد باز پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی بعض معنے کا مستعمل ہوا ہے حالانکہ فرمایا ولا بین لکم بعض الذی تختلفون فیه تاکہ میں بیان کردوں وہ جملہ امور جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ اس آیت میں بعض بمعنی کل ہے اور فرمایا یرید الله ان یصیبکم ببعض ذنوبکم۔ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں جملہ گناہوں پر عذاب پہنچائے۔ یہاں بھی بعض بمعنی کل ہے[۱]

فائدہ: حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پر بعض یصیبکم کا صلہ ہے یعنی بمعنی الذی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ پہنچے گا تمھیں وہ کہ جس سے تمھیں ڈراتا ہے۔

ان الله لا یهدی من هو مسرف کذاب (بیشک اللہ تعالیٰ مسرف و کذاب کو ہدایت نہیں دیتا۔) مسرف وہ ہے جو گناہوں میں حد سے تجاوز کرے یا جو وہ جو ناحق خون بہائے۔

کذاب وہ ہے جو بار بار جھوٹ کا ارتکاب کرے۔ بعض نے کہا کہ کذاب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے کیونکہ اس پر جھوٹا افتراء دوسروں جیسا جھوٹ نہیں ہوتا۔

---

[۱] کشف الاسرار ۱۲

فائدہ: یہ اس مومن کی طرف سے دوسرا احتجاج ہے اور یہ بھی ذو وجہین ۔ ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ اگر وہ مسرف وکذاب ہے تو اسے اللہ تعالیٰ بینات کی ہدایت نہ دے گا اور نہ ہی اس کی معجزات سے تائید ہوگی۔ دوسرا معنیٰ یہ کہ اگر وہ مسرف وکذاب ہے تو اسے اللہ تعالیٰ رسوا اور ہلاک کرے گا۔ تمھیں اس کے قتل کرنے کی ضرورت ہی نہیں غالباً اس سے اس کی مراد پہلا معنیٰ ہے تاکہ ان کی طبیعت موسیٰ علیہ السلام پر نرم ہو۔ اس سے فرعون کو تعریض بھی ہے کہ وہی بنی اسرائیل کے بچوں کو ناحق قتل کرکے مسرف کہلانے کا مستحق تھا اور کذاب بھی تھا کہ الوہیت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا اس لیے اسے ہی راہ ثواب نصیب نہ ہوگا اور نہ ہی نجات پائے گا بلکہ رسوا ہوکر تباہ وبرباد ہوگا۔

یا قوم۔ اے میری قوم **لکم الملك الیوم۔** آج سلطنت تمھاری ہی ہے۔ **ظاھرین** درانحالیکہ تم غالب اور بنی اسرائیل پر حاوی ہو۔ حال اور الیوم کا عامل لکم کا متعلق ہے۔ **فی الارض۔** ارض مصر میں اُس وقت تمھارا کون مقابلہ کرسکتا ہے۔ **فمن ینصرنا من باس اللہ۔** تو عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے ہماری کون مدد کرے گا۔ **ان جاءنا۔** اگر اس کا عذاب اور اُس کی گرفت ہمیں گھیر لے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرکے اپنا کام نہ بگاڑو اور نہ ہی عذابِ الٰہی کو دعوت دو ورنہ اگر عذابِ الٰہی نے گھیر لیا تو اسے کوئی بھی نہ روک سکے گا۔

نکتہ: پہلے انھیں خوش کیا کہ تمھارا ملک اور شاہی ہے اور تم بہت بڑی طاقت والے ہو۔ ان باتوں میں صرف ان کا نام لیا تاکہ وہ خوش ہوں اور عذاب کی حیثیت میں خود کو ان کے ساتھ ملایا ہے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ یہ ان کا ہی ہے اور ان کا بہت بڑا خیر خواہ ہے۔ بلکہ جو امر انھیں نقصان دے گا اس کے دفع کرنے میں بہت بڑی جدوجہد کرتا ہے۔ بلکہ وہ ان کی خاطر اپنی جان ان پر قربان کرنے کو تیار ہے اتنا بہت بڑی خواہی اظہار صرف اسی لیے تھا کہ ان کی بات ان پر گہرا اثر چھوڑے۔

قال فرعون۔ فرعون نے ان کی بات سننے کے بعد بحث ومجادلہ سے ہٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے خیر خواہ اور دوسرے حاضرین کو کہا کہ **ما اریکم۔** جس کا میں تمھیں اشارہ کر رہا ہوں۔ ایسے نہیں کہ وہ فضول بات ہے۔ **الا ما اریٰ** بلکہ حقیقت ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے پر مادۂ فتنہ وفساد ختم کرنے کے ارادہ پر کہہ رہا ہوں۔ **وما اھدیکم۔** اور میں تمھیں نہیں ہدایت دیتا۔ اس رائے سے **الا سبیل الرشاد** مگر راہ صواب کا۔

فائدہ۔ رأی سے ہے مثلاً کہا جاتا ہے رآی فیہ رأیا یعنی اُس نے اس طرح کا اعتقاد رکھا اور کہتے ہیں رایتہ بمعنی شاورتہ میں نے اسے مشورہ دیا۔

قاعدہ: جب افعال کی طرف منتقل کیا جائے تو اسے ضمیر منصوب کے ساتھ متعدی کرکے بعد کو استثناء مفرغ لایا جاتا ہے جیسے الا ما اری اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ رؤیت سے ہو بمعنی علم مثلاً کہتے ہیں رآہ بعینہ۔ اس نے اسے آنکھ سے دیکھا اور کہا جاتا ہے راٰھی بقلبہ اسے اس نے جان لیا اُس

وقت دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا۔ یہاں پر یہ معنی ہو تو اس کا دوسرا مفعول الا ما اریٰ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے
کہ میں تمہیں وہی بتاتا ہوں جس کا مجھے علم ہے اور اس کے خلاف نہیں بتاتا جو میرے دل میں ہے بلکہ
اس نے صاف جھوٹ کہا اس لیے کہ وہ خوف شدید سے ہی مشورہ لیتا تھا جسے وہ اپنی طاقت اور پر
سے تعبیر کرتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ کبھی کسی سے مشورہ نہ لیتا۔

فائدہ : مثنوی شریف میں ہے کہ مشورہ لینا اس کی عادت میں داخل تھا یہاں تک کہ بعض اوقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کی طرف مائل ہوجاتا یہاں تک ایمان کی طرف مائل ہوجاتا تو اپنی زوجہ بی بی آسیہ سے مشورہ کرتا تو وہ اسے ایمان کے لیے مشورہ دیتیں اور فرماتیں موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کر لو فائدہ پاؤ گے پھر ہامان اپنے وزیر سے مشورہ کرتا تو وہ اسے ایمان سے روکتا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس بگفتی تاکنوں بودی خدیو
بند کردی ژندہ پوشی را بریو
ہم چو سنگ منجنیقی آمدی
آں سخن بر شیشۂ خانۂ اوزدی
ہر چہ صد روز آں کلیم خوش خطاب
ساختی در یکدم او کردی خراب
عقل تو دستور مغلوب ہواست
در وجودت رہزن راہ خداست
وائے آں شہ کہ وزیرش ایں بود
جائے ہر دو دوزخ پر کین بود

ترجمہ: پس تو نے کہا میں ابھی دانا ہوا تو نے خود کو بند کر کے مکر کی گدڑی پہنی۔
۲ : جیسے فلاخن میں پتھر رکھ کر اس کے شیشہ کے گھر کو توڑ ڈالا۔
۳ : جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے سو دن میں محنت کی تو نے اسے ایک آن میں ختم کر ڈالا۔
۴ : تیری عقل خواہش وزیر سے مغلوب ہے تیرے وجود میں خدا کا رہزن موجود ہے۔
۵ : ایسے بادشاہ پر افسوس ہے جس کا ایسا وزیر ہو ہر دونوں کی جگہ پُر کینہ جہنم میں ہے

ہر ہوا را تو وزیر خود مساز
کہ بر آرد جان پاکت از نماز
شاد آں شاہی کہ اورا دستگیر
باشد اندر کار چوں آصف وزیر
شاہ عادل چوں قرین او شود
نام او نور علی نور بود
شاہ چوں فرعون و ہامانش وزیر
ہر دو را نبود ز بدبختی گزیر
پس بود ظلمات بعضہا فوق بعض
نے خرد یار و نے دولت روز عرض

ترجمہ: خواہش اور وزیر کی موافقت نہ کر اس لیے کہ وہ پاک جان نماز سے باہر لائے گی۔
۲ : وہ بادشاہ خوش نصیب ہے جس کا وزیر آصف جیسا ہو۔
۳ : ایسا بادشاہ عادل ہوتا ہے جب اسے ایسا وزیر مل جائے تو اس کا نام نور علی نور ہو جاتا ہے۔
۴ : اگر بادشاہ فرعون اور وزیر ہامان ہو تو ہر دونوں کو بدبختی لازم ہے۔
۵ : ایسوں پر ظلمات در ظلمات ہوگی اسے نہ عقل نصیب نہ دولت۔
ہم اللہ تعالیٰ سے رُوح کا جلاء اور دل کی روشنی کا سوال کرتے ہیں۔

وقال الذی اٰمن ۔ اور اس مومن نے کہا جو آل فرعون سے تھا اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

حدیث شریف: افضل جہاد ظالم بادشاہ کو کلمۂ حق کہنا ہے۔
اس لیے کہ اس سے بہت بڑا خوف اور قہر و غضب کا خطرہ ہوتا ہے۔

فائدہ: **مسئلہ:** تیر و تلوار کے جہاد سے حجت و برہان کا جہاد مرتبہ و فضیلت میں بڑھ کر ہے۔ یاقوم۔ اے میری قوم انی اخاف علیکم ۔ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر مجھے تمہارا خطرہ ہے۔ اگر تم نے ایذا پہنچائی یا قتل کیا۔ مثل یوم الاحزاب ۔ امم ماضیہ کے ایام کی طرح ہے یعنی ان کے عظیم واقعات اور سخت عذاب کے امور محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔

مثل ایام الاحزاب ہونا تو زیادہ موزوں تھا اس لیے کہ ہر گروہ کا علیحدہ علیحدہ دن

سوال: تھا مثلاً قوم نوح کا حال اور ان کے عذاب کی نوعیت اور تھی ایسے ہی اوروں کو سمجھئے۔

احزاب حزب کی جمع ہے اور ان میں ہر ایک کی علیٰحدہ علیٰحدہ تفسیر آئے گی اور ان کے ہر
جواب: ایک کے واقعات آئیں گے۔ ان کے ازمان و امکنہ کا ذکر ہوگا اسی لیے ایام کی ضرورت
نہیں۔ اس سے خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یوم سے ایام مراد ہیں۔ **مثل داب قوم نوح**
داب بمعنی عادت مستمرہ اور یہ مثل اور پہلے مثل سے بدل ہے اور داب و یوم ایک شے ہے کیونکہ معنیٰ
یہ ہے کہ قوم نوح کا حال اور عذاب میں ان کا معاملہ یوں ہوا کہ طوفان سے تباہ و برباد ہوئے **و عاد**
اور قوم عاد کہ باد صرصر سے ان کی جڑ کٹ گئی۔

و ثمود۔ اور قوم ثمود کہ ایک چنگھاڑ سے تباہ ہوئی۔ **والذین من بعدھم** اور ایسے ہی جو ان
کے بعد آئے جیسے اہل مؤتفکہ کہ ان کے آباد شہر بہت جلد ویران ہوئے اور اہل ایکہ کہ یوم الظلۃ میں گرفتار ہوئے
و ما اللہ یرید ظلما للعباد اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا کہ انھیں بلا حجت ہلاک کرے
اور گناہوں کے بغیر سزا دے اور ظالم سے بدلہ لیے نہیں چھوڑتا۔ تمھیں چاہیئے کہ تم کبھی ظلم نہ کرو ورنہ سخت
عذاب میں گرفتار ہو گے۔

و یا قوم انی اخاف علیکم و یوم التناد۔ اور اے میری قوم مجھے تمھارا یوم تناد کا خوف ہے۔

حل لغات: التناد دراصل التنادی تھا یاد کے ساتھ **تنادی القوم بعضھم بعضًا تنادیا** کا مصدر ہے۔ (بضم الدال) یاء کیوجہ سے دال کو مکسور کیا گیا ہے۔ پھر یاء محذوف ہوئی
تاکہ آیات کے فواصل برابر رہیں۔ **التنادی** بمعنی ایک دوسرے کو پکارنا اور یوم کی نصب ظرفیت کی ہے
ای **من ذلک الیوم** وہ اس لیے کہ اس دن گناہوں پر اصرار کرنے والوں پر عذاب ہوگا تو چیخیں گے اور
ایک دوسرے کو پکاریں گے یا یوم التناد مفعول بہ ہے کہ یہاں عذاب مضاف محذوف کر کے مضاف الیہ
اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس لیے اس میں استغاثہ کے لیے ایک
دوسرے کو پکاریں گے اور کہیں گے **فھل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا**۔ کیا کوئی ہمارا بھی سفارشی
ہے کہ ہماری شفاعت کرے لیکن کوئی بھی ان کی سفارش کو نہ پہنچے گا یا فریاد و زاری سے آوازیں دیں گے
مثلاً کہیں گے **یا ویلنا من بعثنا**۔ ہائے ہائے ہمیں کس نے اٹھایا یا کہیں گے **یا مھذا الکتاب**
اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے۔ یا یہ ہے بہشتی اور دوزخی ایک دوسرے کو پکاریں گے مثلاً بہشتی دوزخیوں
سے کہیں گے۔ **ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا**۔ ہم نے پا لیا جس کا ہمیں بہشت کی نعمتوں پر وعدہ
تھا۔ کیا تم نے بھی پا یا وہ جو تمھیں دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی گئی یا نہ دوزخی اس کے جواب میں
کہیں گے ہاں ہم نے وعید کے مطابق عذاب پا لیا اور پا رہے ہیں۔ اسی طرح جب دوزخی بہشتیوں
کی چہل پہل دیکھیں گے تو کہیں گے **ان افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم اللہ**۔ ہمیں

پانی کا ایک گھونٹ دو یا وہ جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے انعامات فرمائے ان میں سے تھوڑا سا ہمیں عطا کرو۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ پکار موت کی ذبح کے بعد ہو گی مثلاً اعلان ہو گا اے بہشتیو اب ہمیشہ بہشت میں رہو گے اس کے بعد کوئی موت نہیں اور دوزخیوں کو اعلان ہو گا اے دوزخیو! اب ہمیشہ دوزخ میں رہو اس کے بعد موت نہ آئے گی۔ یا یوں اعلان ہو گا کہ فلاں نیک بخت ہے اس کے بعد وہ کبھی بدبخت نہ ہو گا اور فلاں بدبخت ہے اس کے بعد کبھی نیک بخت نہ ہو سکے گا۔

یوم تولون ۔ یوم التناد سے بدل ہے اس دن کہ موقف حساب سے پھیرے جاؤ گے ۔**مدبرین** دوزخ کی طرف جاتے ہوئے موقف حساب کو پیٹھ کر کے یعنی موقف حساب سے فراغت پا کر دوزخ کی طرف جاؤ گے **مالکم من اللہ من عاصم** ۔ درانحالیکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی تمہارا بچانے والا نہ ہو گا جو تمہیں عذاب سے بچا سکے **ومن یضلل اللہ** اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے ۔ **فما لہ من ھاد** ۔ اس کا کوئی ہادی نہ ہو گا جو اسے راہ نجات بتا سکے۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیر خواہ نے جب دیکھا کہ یہ میری نصیحت قبول نہیں کر رہے اور ان سے بالکل مایوس ہو گئے تو آخری خطرہ سنایا۔

تفسیر صوفیانہ: آیات میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی قدرت کا کمال اور اپنا فضل و کرم ظاہر کرنا چاہتا ہے تو زندہ کو مردے سے نکالتا ہے جیسے آل فرعون سے اس مومن کو نکال لیا جس کا دل ایمان سے زندہ تھا اور ان کافروں سے جن کے قلوب کفر کی تاریکی سے مردہ تھے تاکہ ثابت ہو جائے کہ اس کا ارشاد گرامی **ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھدٰھا** (اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت عطا فرما دیں) حق ہے اور اگر چاہے تو بہت بڑے بڑے بادشاہوں اور سمجھداروں کو اندھا اور بہرہ بنا دے جیسے فرعون اور اس کی قوم تاکہ آیات الٰہی نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی روشن دلائل سن سکیں۔ باوجودیکہ ان کے اپنے نے خیر خواہانہ نصیحت کی تاکہ تعین ہو جائے کہ **ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد** ۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ حق اور سچ ہے۔ ایسے ہی اس کا ارشاد **ولکن حق القول منی** بھی۔ (تاویلات نجمیہ)

فائدہ: اضلال کو اپنی طرف اس لیے منسوب کیا کہ ضلالت کا خالق ہے اور شیطان وغیرہ تو اسباب و وسائط ہیں۔ جاہل تو سمجھتا ہے کہ قلم کاتب کے ہاتھ سے چل رہا ہے لیکن عارف سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ قدرت کے قبضہ میں ہے کیونکہ قلم و کاتب ہر دونوں کا خالق وہی ہے ایسے ہی کاتب

کے فضل کا بھی۔

مسئلہ: فما لہ من ھاد میں اشارہ ہے کہ توفیق و اختیار اللہ واحد قہار کے ہاتھ میں ہے۔ اگر چہ آدم علیہ السلام کو اختیار (تخلیقی) ہوتا تو وہ قابیل کو ہلاک نہ ہونے دیتا ایسے ہی نوح علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو کنعان کو غرق نہ ہونے دیتا اور ابراہیم کو اختیار ہوتا تو آذر کو کافر نہ ہونے دیتا موسیٰ علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو فرعون کو مسلمان بنا لیتے۔ حضور علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو ابو طالب کو کلمہ پڑھا دیتے۔

لطیفہ: سات امور عام ہیں لیکن اُن کے متعلقات خاص ہیں:۔

۱۔ امر عام ہے توفیق خاص ہے۔
۲۔ نہی عام ہے عصمت خاص ہے۔
۳۔ دعوت عام ہے ہدایت خاص ہے۔
۴۔ موت عام ہے بشارت خاص ہے۔
۵۔ حشر یوم القیمۃ عام ہے سعادت خاص ہے۔
۶۔ ورود نار عام ہے نجات خاص ہے۔
۷۔ تخلیق عام ہے اختیار خاص ہے۔

یہ ضروری نہیں جسے اللہ تعالیٰ پیدا کرے اسے اختیار بھی کرے بلکہ ان میں خاص قوم کو مخصوص فرماتا ہے۔ ایسے ہی بہت مخلوق کو پیدا فرمایا لیکن بعض کو بعض خواص کی وجہ سے مخصوص فرمایا۔ اس بدبخت قوم پر تعجب ہے کہ ان میں موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی موجود تھا لیکن ہدایت نہ پاسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صفراوی مزاج کو شہد میٹھا محسوس نہیں۔ اندھا سورج کو نہیں دیکھ سکتا یہ صرف سوء مزاجی اور فساد الحال وفقدان الاستعداد کی وجہ سے ہے۔

عنکبوت از طبع عنقا در شتی
از لعابے خیمہ کے افراشتی

ترجمہ: مکڑی اگر چہ عنقا کی طبیعت رکھتی ہے وہ اپنی تھوک سے تانا کیوں تنتی۔

تفسیر عالمانہ: ولقد جاءکم۔ اور بیشک اے اہل مصر تمھارے ہاں یوسف۔ حضرت یوسف بن یعقوب بن ابراھیم الخلیل (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) تشریف لائے من قبل۔ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے۔ بالبینات۔ معجزاتِ واضحہ لاکر جو منجملہ ان کے تعبیر رؤیا اور شہادت طفل جس نے موسیٰ علیہ السلام کی برات ظاہر کی۔ یوسف علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے قبطیوں

کے ہاں مبعوث ہوئے یہ اس وقت ہوا جب مصر کا بادشاہ مرگیا۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے طویل عمر پائی جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے وقت زندہ تھا اس کی عمر چار سو سال سے بھی زائد تھی اور ابراھیم و موسیٰ علیہما السلام کے درمیان نو سو سال کا فاصلہ تھا[1]۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی درمیانی مدت اتنی ہو جتنی فرعون کی عمر تھی۔ تو یہ خطاب فرعون اور اس کی قوم کو ہوگا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا اس کے ہاں تشریف لے جانا گویا تمام قوم کے ہاں مترادف ہے ورنہ موسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر لوگوں نے تو یوسف علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا تو یہ انھیں خطاب کیا۔ لیکن قوی قول یہ ہے کہ آباء کے احوال کا اولاد کو خطاب ہوا کرتا ہے اور معاصرین کی زجرو توبیخ سابقین کی وجہ سے عام ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل۔ انبیاء کو ہم کیوں قتل کرتے تھے۔ یہ زجر معاصرین رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے حالانکہ یہ برائی ان کے آباد کی تھی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون۔ یوسف علیہ السلام کا فرعون کی اولاد سے ہو جیساکہ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں۔

فائدہ: بعض نے کہا یہاں یوسف سے یوسف علیہ السلام کا پوتا یوسف بن افرائیم بن یوسف مراد ہے جو کہ وہ بھی بیس سال تک نبوت کے مرتبہ پر فائز رہے۔ فما زلتم۔ زال سے ہے بمعنی ثَبَتَ بمعنی مَادُمْتُمْ۔ پس تم ہمیشہ رہے۔ فی شك مما جاءكم به۔ شک میں اس سے جو وہ لائے دین حق۔ حتی هذا هلك۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہوئے۔ قلتم۔ ان کی رسالت کے ساتھ دوسروں کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے تم نے کہا لمن يبعث الله من بعده رسولا۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجے گا۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انھوں نے کہا جب ہم نے اس رسول کی بات نہیں سنی تو دوسرے رسول آکر کیا کریں گے کیا ان کو یہ بات سامنے نہ ہوگی کہ ہم کسی کی بات نہیں سنتے۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ انسان میں ظلومیت وجہولیت ہے اگر اسے اپنی طبیعت پر چھوڑا جائے تو وہ کسی کو بھی نبی نہ مانے اور نہ ہی ان کے معجزات کو اور صاف انکار کر دے کہ وہ کچھ نہیں حالانکہ وہ حق ہیں یہی کفار کے متقدمین و متاخرین کی عادت تھی اس سے ثابت ہوا کہ ہدایت یافتہ وہی ہے جسے وہ اپنے فضل وکرم سے ہدایت بخشے منجملہ ان کے انکار کے یہ بھی ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں اور سچے مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے علاوہ جملہ انبیاء

---

[1] رواہ ابن قتیبہ فی کتاب المعارف ۱۲

علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لائے۔

کذلك اضلال قطیع کی طرح یضل اللہ ۔ اللہ گمراہ کرتا ہے اور وادی طغیان میں بھٹکاتا ہے اسے من ھو مسرف ۔ جو گناہوں میں حد سے بڑھکر ہو مرتاب اور دین اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں شک کرنے والا ہو بوجہ غلبۂ وہم و تقلید کے ۔ الذین یجادلون فی آیات اللہ ۔ وہ آیات الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں ۔ یہ پہلے موصول سے بدل ہے کیونکہ وہ جمع کے معنیٰ میں ہے کیونکہ اس سے ایک مسرف نہیں بلکہ جملہ مسرفین مراد ہے اور مجادلہ سے آیات کا رد اور اس میں طعن و تشنیع مراد ہے بغیر سلطان دلیل کے بغیر یہ یجادلون کے متعلق اور سلطان سے حجت اور برہان صالح مراد ہے کہ جس سے کسی طریق سے استدلال کیا جا سکے ۔ اتاھم ۔ ان کے ہاں آئی یہ سلطان کی صفت ہے ۔ کبر ۔ جو مسرف مرتاب بڑا ہے یا جدال عظیم ہے ۔ مقتاً ۔ بغض شدید و نفوس قوی کی وجہ سے عند اللہ و عند الذین آمنوا ۔ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے نزدیک ۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ کفار کا جدال جو اہل ایمان کے ساتھ کرتے ہیں کا عذاب ہوگا ۔ کذلك ۔ سخت ترین مہر کی طرح ۔ یطبع اللہ ۔ اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے ہدایت سے محجوب رکھتا ہے ۔ علی کل قلب متکبر جبار ۔ متکبر و سرکش کے قلب پر ہر دل شخص و متکبر کہ سرکش ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے منہ موڑ کر دوسروں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے ایسے لوگوں سے اسراف و ارتیاب و مجادلہ بالباطل صادر ہوتے ہیں ۔

فائدہ: امام راغب نے فرمایا کہ جبار وہ شخص ہے جو اپنی کمی پورا کرے یعنی جس صفت کا وہ مستحق نہیں خود کو بلند سمجھ کر اس کا دعویٰ کر کے اپنی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرے اسی لیے اس کا اطلاق انسان میں مذمت کے طور پر ہوتا ہے اور اس بادشاہ کو جبار کہا جاتا ہے جو لوگوں پر اپنا ارادہ پورا کرنے کے لیے قہر و تشدد کرے اور اپنے امور کی اصلاح کے لیے بھی ان پر سختی کرے اسی لیے جبر کبھی محض اصلاح کے مستعمل ہوتا ہے اور کبھی محض قہر کے لیے آتا ہے ۔

فائدہ: حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسے ہی کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سرکش کے دل پر مہر لگاتا ہے ۔ قلب تنوین کے بغیر ہے کیونکہ وہ متکبر کی طرف مضاف ہے اس لیے متکبر انسان ہی ہوتا ہے ۔ ایک قرأت میں قلب کو تنوین کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس لیے کہ کبر کی نسبت قلب کی طرف ہے اس سے مراد صاحب کبر مراد ہے کیونکہ جس کا دل تکبر کرتا ہے گویا اس کا سالم جسم تکبر کرتا ہے ایسے ہی نحو تکبر تو کرتا ہے تو گویا دل تکبر کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اس سے

آنکھ کے زنا سے آنکھ والے کا اپنا نامراد ہے۔

فائدہ: کواشی (تفسیر) میں ہے دونوں قرأتوں میں جمیع القلب پر عموم طبع مراد ہے نہ کہ جمیع القلوب کا عموم معاوب۔

صاحب روح البیان کی تحقیق:

فقیر اسمٰعیل حقی حنفی (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے:

۱. طابع (مہر لگانے والا) اللہ تعالیٰ۔

۲. مطبوع وہ قلب ہے جس پر مہر لگائی گئی اور مہر لگانے کا سبب تکبر و جباریت۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب مہر لگ جاتی ہے تو پھر اس سے کفر و نفاق اور زیغ و ضلال خارج نہیں ہو سکتا اور جو چیز اس سے خارج ہو چکی یعنی ایمان و اخلاص و سداد و ہدایت اس میں داخل نہیں ہو سکے گا اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب یہی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ ان امور کا دامن مضبوط پکڑے جو شرح صدر کے اسباب ہیں اور ان امور سے بچے جو دل پر مہر لگنے کا موجب ہیں۔

روحانی نسخے: حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ قلب کے پانچ دوا ہیں:

۱. تدبر سے قرآن مجید کی تلاوت۔

۲. پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔

۳. قیام اللیل۔

۴. سحر کے وقت تضرع الی اللہ۔

۵. نیک لوگوں کی صحبت۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات

حضرت امام حسن بصری قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی سے قلوب کی تجدید کرو اس لیے کہ دل جلد تر میلا کچیلا ہو جاتا ہے۔ یہ ان قلوب کے لیے ہے جو میل کچیل کو قبول کرتے ہیں ورنہ بہت سے قلوب میل کچیل کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

آہنے را کہ موریانہ خورد
نتواں بردازد بصیقل زنگ

ترجمہ اپراسے نے لوہے کو زنگ کھا جاتی ہے ایسے لوہے سے زنگ ہٹانا مشکل ہے۔

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ
نرود میخ آہنین در سنگ

ترجمہ: سیہ دل کو وعظ سنانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ پتھر میں میخ داخل نہیں ہو سکتی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قلب پر غین آجاتا ہے اسی لیے میں ہر روز سو بار استغفار کرتا ہوں۔

حدیث مذکورہ کی تاویل کی تقاریر مبارکہ

۱۔ سیدنا حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عبد مقدس ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے جب وہ پہلے مرتبہ سے دوسرے اعلیٰ مرتبہ میں پہنچتا ہے تو نچلا مرتبہ کم درجہ محسوس کرتا ہے تو اصلاح کے پیش نظر اس کی تصحیح فرماتا ہے (جسے استغفار سے تعبیر کیا گیا) اہل معرفت فرماتے ہیں کہ عبد اور حق تعالیٰ کے درمیان ایک ہزار مقام یا ایک سو نور یا ظلمات کے حجابات ہیں اسی قاعدہ پر جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مقام کو طے فرماتے ہیں تو استغفار فرماتے ہیں کیونکہ آپ ہر روز جمیع حجابات کو طے فرما لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام ہے اور آپ کی جلالت و کمال کا کیا کہنا۔

۲۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ غین سے مراد لباس بشریت اور وہ ماہیت امکانیہ مراد ہے جو شہودِ حضرت احدیت کے لیے بمنزلہ پردہ ہے۔ اور چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر روز سو مراتب کا انکشاف ہوتا تھا (اور یہی اسمائے حسنیٰ کے مراتب ہیں۔ اسی لیے آپ کے قلب کے لیے غین کا وہم و گمان تک نہیں اور استغفار میں مرتبہ کی تبدیلی کی طرف اشارہ ہے کہ آپ غین (بالمعجمہ) کو عین (بالمہملہ) سے اور عالم کو شہود میں تبدیل فرماتے تھے۔ اس میں اشارہ تھا کہ وہ مقام اگرچہ غین کا حامل ہوتا ہے لیکن استغفار سے ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی تعلیم امت کے لیے فرمایا ورنہ آپ کو اس مقام پر غین کیسا۔ اگرچہ تھوڑی سمجھ والا عام آدمی وہم و گمان میں مبتلا ہو سکتا ہے لیکن اس کے وہم و گمان سے حقیقت پر کوئی دھبہ نہیں آتا۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ تکبر و جبر سخت مذموم ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں جبار، سرکش، متکبر چیونٹی کی طرح اٹھائے جائیں گے جنہیں لوگ پاؤں میں روندتے ہوئے چلیں گے

اس سے ان کو تکبر و جبر (سرکشی) کی وجہ سے ذلیل و خوار کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ متکبر و جبار (سرکش) کو چیونٹی کی شکل و صورت لائق ہے جیسا کہ اہل دل اس سے بخوبی باخبر ہے۔

تفسیر عالمانہ: وقال فرعون (اور فرعون نے اپنے وزیر سے آسمانوں پر چڑھ جانے کے لیے از راہ تکبر و تجبر کہا۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب فرعون نے دیکھا کہ خرنبیل کی باتیں موثر ہیں اسی لیے سامعین کی توجہ دوسری طرف مبذول فرمائی اسی لیے وزیر کو بلا کر خود اور سامعین کو مشغولی میں ڈال دیا۔

یاھامان۔ اے ہامان۔ یہ فرعون کا وزیر تھا نہ قبطی تھا نہ بنو اسرائیل سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فرعون کے ساتھ غرق نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد سو سال زندہ رہا۔ غم سے پچھتاتا رہا۔ بدبخت ہو کر مرا۔ اور لوگوں سے دور زندگی گزاری۔

ابنِ۔ بنیٰ یبنیِ کا امر ہے معنی تیار کر۔ **لی۔** میرے لیے۔ **صرحًا** محل کہلاجسے ہر دیکھنے والا دیکھے اونچا اور اسے پکی اینٹوں سے تیار کیا جائے۔ القصص میں ہے کہ اے ہامان آگ گارے پر جلا کر محل تیار کر۔ (یعنی پکی اینٹوں سے)

مسئلہ: قبور میں پکی اینٹ لگانا مکروہ ہے (عین المعانی) اس لیے کہ سب سے پہلے اسے فرعون نے تیار کیا۔

وہ صرح الشی: (تشدید الراء) سے مشتق ہے بمعنی ظھر کیونکہ یہ لازم (فعل ہے) **لعلی۔** امید ہے کہ میں۔ **ابلغ۔** پہنچوں۔ **الاسباب۔** راستوں کے ذریعے۔ **اسباب السمٰوٰت۔** پہلے اسباب کا بیان ہے یعنی آسمانی راہوں سے آسمانوں تک۔

نکتہ: پہلے اسباب کو مبہم پھر اسے واضح کر کے لانے میں ان کی تفخیم شان اور سامع کو اس کی معرفت کا شوق دلانا ہے۔

فاطلع الی الٰہ موسٰی۔ ہمزہ قطعی ہے اور لام (عین) مفتوح ہے اس لیے کہ ترجی کا جواب ہے یعنی تو میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھوں۔

فائدہ: تاج المصادر میں ہے کہ الاطلاع بمعنی دیدہ ور ہونا اور عین المعانی میں ہے بمعنی اوپر ہو کر کسی کو جھانکنا۔ **وانی لاظنہ کاذبا۔** اور میرا گمان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ رسالت میں جھوٹے ہیں۔

نکتہ: یہاں کاذبًا پہلے کذابًا کہنے میں اشارہ ہے اس کا قائل صرف فرعون ہے اور اس سے قبل فرعون کے ساتھ ہامان اور قارون بھی تھا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے اس کلام کو ظاہر پر محمول فرمایا ہے اور فرعون کا آسمان کی طرف محل بنانے کا تفصیلی قصہ سورۂ قصص میں مذکور ہو چکا ہے۔ بعض مفسرین نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر فرعون مجنون تھا تو اس کی طرف سے ایسی بات نقل کرنا بے سود ہے اور ایسے ہی مجنون ہوتا تو ان کو دعوت دینے کے لیے رسول بھیجنے کے کیا معنیٰ۔ اگر وہ سمجھ دار تھا تو عقل مند سے ایسا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسا بلند مکان تیار کر لے کا حکم دے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ پہاڑوں سے اونچا مکان نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ یہ قوتِ بشر سے باہر ہے۔ اور آسمان کا دیکھنا پہاڑ کی طرح نہیں کہ اس کے اوپر نیچے کا فرق کیا جا سکے۔ اسی لیے اسے حقیقی معنیٰ پر محمول کر کے فرعون کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔

فرعون کے محل کی تیاری کی دو توجیہیں: مفسرین نے مذکورہ بالا تقریر کے بعد فرمایا کہ اس کا مطلب دو طریقوں سے بیان کیا جا سکتا ہے جو کہ عین عقل کے مطابق ہیں:

۱۔ ہامان کو حکم ہوا کہ وہ اونچی جگہ پر رصدگاہ تیار کرے جس سے وہ کواکب کے احوال جان سکے اور یہی ستارے آسمان کے اسباب ہیں جو حوادثِ ارضیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی سے فرعون کو خیال ہوا کہ وہ بیٹھ کر اندازہ لگائے گا کہ کیا واقعی موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

۲۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے قول میں فساد سمجھتا تھا اور کہتا تھا یہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے خبر دیتا ہے اور ہر بات میں یہی کہتے ہیں کہ جو اس کا حکم ہوگا اور جب تک اس کا پیغام نہ آئے گا کوئی کام نہ ہوگا اور میں جب تک خود آسمان تک پہنچ کر مطلع نہ ہوں گا اطمینان نہ ہوگا۔ کوئی انسان بھی اس پر طاقت نہیں رکھتا کہ آسمانوں پر رہ سکے اگر وہ ایسا ہے کہ وہ آسمان پر رہتا ہے تو وہ تمام زمین کے بادشاہوں پر زیادہ قدرت رکھتا ہوگا۔ اسی لیے میں آسمانوں پر جا کر دیکھوں گا کہ وہ کیسا ہے اگر وہ آسمانوں پر موجود نہیں تو موسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ جھوٹا ہوگا۔ اس توجیہ ثانی پر فرعون کے متعلق یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دہریہ اور زندیق تھا اور اس کا شبہ مذکور غلط اور فاسد ہوگا۔ اس لیے کہ جو محسوس نہ ہو تو وہ سرے سے موجود بھی نہ ہو کیونکہ ایسی ذات کی معرفت آثار و دیگر دلائل و براہین سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ تمہارے آباء اولین کے پروردگار نے فرمایا اور مشرق و مغرب اور ان کے مابین کا پروردگار ہے۔

فائدہ: فرعون لعین اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے خبر تھا اور اسے انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کا علم نہ تھا اسی لیے بنا ڈالی وہم کو دلیل کے رنگ میں بیان کر کے اپنے ماننے والوں کو الجھن میں ڈال دیا۔

فائدہ: کلبی نے کہا کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مشغولیت کی وجہ سے مذکورہ بالا تعمیر تیار نہ کر سکا بعض نے کہا کہ فرعون نے اس طریقہ کا اٹھایا دھوکہ دہی کے طور پر کیا۔ بعض نے کہا کہ یہ اس کی جہالت تھی لیکن ظاہر یہ ہے کہ جب چاہے اور جسے چاہے اندھا اور بہرہ بنا دے اور اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ایسے محل کے بنانے کا موقع دیا تاکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی آیت کا نظارہ دیکھے اور اس پر سزا کی حجت قائم ہو۔

فائدہ: مروی ہے کہ وہ محل بناتا تھا اللہ تعالیٰ اسے توڑتا تھا جیسا کہ سورۃ قصص میں تفصیل کے ساتھ گزرا اپنے تکبر و تجبر کا تقاضا یہی ہے جیسا کہ منقول ہوا۔ ایسے ہی بخت نصر کے ساتھ ہوا کہ وہ بھی پرلے درجہ کا سرکش اور متکبر تھا اس نے بھی بابل میں ایک محل تیار کرایا تھا تاکہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو مٹا دے۔ اس کا قصہ اس سے پہلے بھی گزرا۔

ازالہ وہم: فرعون دہریہ نہ تھا کیونکہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ فرعون خلوت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تفرع و زاری کرتا تھا تاکہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے سمجھ دے جس پر مہربانی فرمائے۔ ہمارے قول کی تائید اس قول سے ہوتی ہے۔

و کذلک۔ ایسی بلیغ اور حد سے زائد تزئین کی طرح۔ زین۔ سنگار اگیا۔ **لفرعون سوء عمله** فرعون کے لیے اس کے بُرے کردار جن میں وہ ایسا منہمک ہوا کہ معمولی طور پر بھی اس سے نہ ہٹتا تھا۔ **وصد** اور روکا گیا۔ **عن السبیل**۔ سیدھے راستہ سے روکنے والا اور حقیقت اللہ تعالیٰ تھا اور شیطان اس کا سبب بنا اسی لیے دوسرے مقام پر فرمایا **زین لھم الشیطان اعمالھم**۔ ان کے کردار کو شیطان نے ان کے لیے سنگارا۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے اور معتزلہ نے کہا سنگارنے والا بھی شیطان تھا اور روکنے والا بھی۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کی توحید میں ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ بُرے کام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوتے)

وما کید فرعون۔ ابطال آیات اور محل کی تیاری کا مکر فرعون کا نہ تھا **الا فی تباب** مگر خسارے اور گھاٹے اور ہلاکت میں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف آسمانوں میں ہے وہ اپنے وقت کا فرعون ہے کافر کے کفر کے اثبات میں اتنا کافی ہے کہ وہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ اس غلط عقیدہ اور گندے مذہب پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ فرعون کا وہم تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے۔ اگر وہ آسمانوں میں ہوتا تو فرعون اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا۔ ایسے عقیدہ والا اخطاء کا مرتکب اور اللہ تعالیٰ سے کوسوں دور ہے اور جب

فرعون اللہ تعالیٰ کی طلب میں آسمانوں پر اعتقاد رکھ کر خسارہ و گمراہی میں تھا ایسے ہی یہ ۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جیسے آنکھوں سے محجوب ہے ایسے ہی بصائر سے بھی پوشیدہ ہے۔ ملاء اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی تلاش کرتے ہیں جیسے تم ۔

فائدہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد مبارک یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہوتا تو اسے آسمان والے کیوں تلاش کرتے اگر وہ زمین پر ہوتا تو زمین والے اسے کیسے تلاش کرتے ۔ وہ اب بھی اسی طرح مکان سے منزہ و مقدس ہے جیسے پہلا تھا ۔

مسئلہ: ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے اس سے اس کی مخصوص مکان مراد ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہو جائے گا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے جسم کے ثبوت نہ ہو تب بھی کافر ہو جائے گا۔ یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔ اگر اس سے اخبار آثار کے ظاہر کے مطابق حکایت کرتا ہے تو کافر نہ ہوگا ۔

حکایت: حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میری ایک لونڈی ہے جو بکریاں چراتی ہے میں اس کے ہاں آیا تو وہ ایک بکری گم کر چکی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا تو کہا کہ اسے بھیڑیا نے کھا لیا ہے مجھے اس کا افسوس ہوا لیکن میری غلطی ہوئی کہ میں نے بتقاضائے بشری ایک تھپڑ اس کے چہرے پر اور ایک گردن پر مارا۔ اب میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسے آزاد کر دوں ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے کہا آسمان میں ۔ پھر پوچھا کہ میں کون ہوں عرض کی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اے معاویہ (رضی اللہ عنہ) اسے آزاد کر دے اس لیے کہ وہ مومنہ ہے ۔

مسئلہ: دلیل عقلی بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اینیت محال ہے اسے اینیت میں محصور نہیں کیا جاتا ہے ۔

نکتہ: جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لونڈی اللہ تعالیٰ کو کس طرح جانتی ہے تو آپ نے اس سے اسی طرح مخاطب فرمایا۔ اگر آپ اس سے کسی اور طریقہ سے مخاطب ہوتے تو مطلب حاصل نہ ہوتا اور نہ ہی لونڈی کی دوسری بات قبول ہوتی اسی لیے یہی حکمت تھی کہ آپ نے ایسی لونڈی سے اس طرح کا سوال فرمایا جس کی وہ اہل تھی اسی لیے لونڈی نے جب آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا اللہ تعالیٰ وہاں ہے

توحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ایمان کی تصدیق فرما دی اس لیے کہ کم از کم وہ لونڈی خدا تعالیٰ کے وجود کو تو جان کر اس کی تصدیق کرتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ عالمہ نہیں اگر وہ علم رکھتی ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مقید نہ کرتی۔

مسئلہ : عالم پر لازم ہے کہ وہ جاہل کے ساتھ ایسی بات کرے جو اس کی عقل کے مطابق ہو اور جاہل بھی مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک عالم کی صحبت سے بہرہ ور نہ ہو۔

فتوحات مکیہ : اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فوقیت کے اقرار سے جہت لازم نہیں آتی اگرچہ فوقیت اس کے لیے ثابت ہے اس میں رائے زنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس مسئلہ میں اہلسنت کا مذہب اختیار کرنا لازم ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

قرب نے بالا نہ پستی رفتن است
قرب حق از حبس ہستی رستن است

ترجمہ : اس کے حق میں قرب اور اونچا و نیچا کا تصور نہیں ہونا چاہیئے اس کے قرب سے ہستی کو قید سے نجات پانا ہے۔

نیست ما چہ جائے بالا است وزیر
نیست را زود و نہ دور است و نہ دیر

ترجمہ : اس کے لیے نہ بالا ہونے کا تصور ہے نہ نیچے ہونے کا اس لیے نہ جلدی ہے نہ دور ہے نہ دیر (یعنی وہ ہمارے ہر تصور سے منزہ و مقدس ہے)۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء کا وجود اور ان کی ماہیات اعتباری نہیں اور حقیقت میں اعتباری شے کا کوئی وجود نہیں حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اگر کوئی وجود ہے تو اس کا ظل اور اس سے قائم ہے۔ جب تمام موجودات کا حکم عدمی ہے تو پھر اس کے وجود کو عدم کے ساتھ مقید کرنے کا کیا معنیٰ یعنی اسے ایسا مقید کیا جائے کہ جس سے اینیت کا ثبوت ہو اور اینیت مخصوصہ سے اللہ تعالیٰ منزہ و مقدس ہے۔ ہاں دوسروں کے لیے جیسی اینیت چاہو ثابت کر سکتے ہو۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۝
یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ۫ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ
دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ
فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ
اِلَی النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۫
وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ
لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ
الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ
اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ
مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ
عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ
اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ۝
قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ۝
وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا
مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوْا
بَلٰی ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝

ترجمہ:۔ اور وہ ایمان والا بولا اے میری قوم میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کی راہ بتاؤں۔ اے میری قوم یہ دنیا کا جینا تو کچھ برتنا ہی ہے اور بیشک وہ پچھلا ہمیشہ رہنے کا گھر ہے جو برا کام کرے تو اُسے بدلہ نہ ملے گا مگر اتنا ہی اور جو اچھا کام کرے مرد خواہ عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے وہاں بے گنتی رزق پائیں گے اور اے میری قوم مجھے کیا ہوا میں تمہیں بلاتا ہوں

نجات کی طرف اور تم مجھے بلاتے ہو دوزخ کی طرف ۔ مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ اللہ کا انکار کروں اور ایسے کو اس کا شریک کروں جو میرے علم میں نہیں اور میں تمھیں اس عزت والے بہت بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں ۔ آپ ہی ثابت ہوا کہ جس کی طرف مجھے بلاتے ہو اُسے بلانا کہیں کام کا نہیں دنیا میں نہ آخرت میں اور یہ ہمارا پھرنا اللہ کی طرف ہے اور یہ کہ حد سے گزرنے والے ہی دوزخی ہیں تو جلد وقت آتا ہے کہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے یاد کرو گے اور میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے تو اللہ نے اسے بچا لیا ان کے مکر کی برائیوں سے اور فرعون والوں کو بُرے عذاب نے آگھیرا آگ جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی حکم ہو گا فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو اور جب وہ آگ میں باہم جھگڑیں گے تو کمزور ان سے کہیں گے جو بڑے بنتے تھے ہم تمھارے تابع تھے تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ گھٹا لو گے وہ تکبر والے بولے ہم سب آگ میں ہیں بے شک اللہ بندوں پر فیصلہ فرما چکا اور جو لوگ آگ میں ہیں اس کے داروغوں سے بولے اپنے رب سے دعا کرو ۔ ہم پر عذاب کا ایک دن ہلکا کر دے اُنھوں نے کہا کیا تمھارے پاس تمھارے رسول روشن نشانیاں لاتے تھے بولے کیوں نہیں بولے تو تمھیں دعا کرو ۔ اور کافروں کی دعا نہیں مگر بھٹکتے پھرنے کو ۔

تفسیر عالمانہ: وقال الذی اٰمن ۔ اس نے کہا جو ایمان لایا یعنی فرعون کی جماعت میں رہنے والا مومن ۔ یا قوم اتبعونی ۔ اے میری قوم میری اتباع کرو ۔ یا قوم اتبعون اے میری قوم جن امور کی میں نے تمھیں رہبری کی اس میں میری اتباع کرو یہ دراصل یاقوم اتبعونی ۔ تمھاری اھدکم سبیل الرشاد ۔ میں تمھیں ایسے راستہ کی رہبری کروں گا جو تمھیں مقصد تک پہنچا دے ۔ رشد و رشاد مصالح دین و دنیا کی رہبری کرنا " اس میں تعریف ہے کہ وہ راستہ کہ جس پر فرعون اور اس کی قوم چل رہی ہے وہ گمراہی کی طرف لے جانے والا ہے ۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ سیدھا راستہ انبیاء و اولیاء کی اتباع میں امانت رکھا ہوا ہے اور ولی اللہ پر بھی لازم ہے کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں سیدھا راستہ تلاش کرے

لہ ۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل کرتا ہے وہ ولی اللہ نہیں ولی الشیطان ہے ۔ (اویسی غفرلہ)

جیسے خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی راہ پائی۔ منجملہ ہدایت کے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یا قوم انما ھذہ الحیوٰۃ الدنیا متاع ۔ اے میری قوم یہ حیاۃ دنیا ایک متاع ہے۔ متاع متعہ کا اسم ہے بمعنی تمتع و انتفاع نہ بمعنی سامان اس لیے کہ اس کا جہوۃ دنیا سے خبر بننا اس معنی سے مانع ہے یعنی یہ دنیا تھوڑا سا نفع پانا ہے پھر وہ نہایت جلد مٹنے والا ہے کیونکہ دنیا ساری کی ساری ایک لحظہ ہے جب ساری دنیا ایک لحظہ ہے تو پھر انسان کی اپنی کل عمر کا کیا حال ہوگا۔

سبق: عیش کا بستر تھوڑی دیر کے بعد لپیٹ لیں گے اور اس کے معاشرہ کی کتاب کے حروف ختم کر ڈالیں گے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ اس سے جی لگانے کا کیا فائدہ ہوا۔

بباغ دہر کہ بس تازہ رنگ و خوش بوئیست
مباش غرہ کہ رنج خزاں زپے دارد

ترجمہ: باغ دہر جو نہایت تازہ رنگ اور خوشبودار ہے اس پر غرہ نہ ہو اس لیے کہ اس کے پیچھے خزاں کے جھونکے آرہے ہیں۔

زماں زماں بد مدایچ نکبت واد بار
چہ رنگ و بو کہ نشانی ازاں نگذرد

ترجمہ: اس پر خزاں کے جھونکے لحظہ بہ لحظہ آکر نہ اس کا رنگ بچے گا اور نہ خوشبو رہے گی۔

فائدہ: حضرت محمد بن علی ترمذی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سابقہ امم میں عقلا کے نزدیک مذموم رہی ہے اور حکمائے سابقہ کے نزدیک اس کے طالب ذلیل و خوار سمجھے جاتے رہے جو بھی سابقہ دور میں داعی حق اٹھا دنیا کی متابعت اور اس کے جمع کرنے اور اس کی محبت سے ڈراتا رہا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مومن آل فرعون نے یہی تو فرمایا کہ اتبعونی اھدکم سبیل الرشاد۔ گویا انہوں نے پوچھا کہ سبیل الرشاد کیا ہے تو اس نے یہی فرمایا انما ھذہ الحیوٰۃ الدنیا الخ یعنی تم سبیل الرشاد کو حاصل نہیں کر سکو گے اگر تمھارے دل میں بال برابر بھی دنیا کی محبت یا طلب ہوگی۔

و ان الآخرۃ ھی دار القرار ۔ اور بیشک آخرت ہی دار القرار ہے کیونکہ اسی میں خلود و دوام ہے اور ظاہر ہے کہ جو شے دائمی ہو وہ ختم ہو جانے والی سے بہتر ہوتی ہے۔

فائدہ صوفیانہ: کسی عارف نے فرمایا کہ اگر دنیا سونا اور فانی ہوتی اور آخرت ٹھیکری اور دائمی تو بھی دنیا سے آخرت بھلی ہے اس لیے کہ دنیا تو ہے بھی ٹھیکری اور فانی اور آخرت سونا اور دائمی ہے اسی لیے بہتر ہے۔

حدیث شریف ۱: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چٹائی پر آرام فرمایا تو آپ کے جسم مبارک پر نشان پڑ گئے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ فرمائیں تو آپ کے لیے گدا (روئی سے بھرا ہوا) بنالیں۔ آپ نے فرمایا مجھے دنیا کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ میری دنیا اس سوار جیسی ہے جو درخت کے نیچے آرام کرے اور پھر وہ اٹھ کر چل پڑے۔

حدیث شریف ۲: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عزیز! موت کو زیادہ یاد کیا کرو کہ جب تم موت کو زیادہ یاد کرو گے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت پیدا ہو گی اور آخرت دار القرار اور دنیا سراسر دھوکہ ہے جو اس سے دل لگائے گا وہ فریب خوردہ ہے ؎

تو غافل در اندیشۂ سود مال
کہ سرمایہ عمر شد پائمال
چہ خوش گفت کودک آموزگار
کہ کارے نکردیم و شد روزگار

ترجمہ: تو سود مال کے فکر میں رہ کہ غافل ہے کہ تیری عمر کا سرمایہ خراب ہو رہا ہے۔
۲۔ اُستاد نے شاگرد کیا خوب فرمایا کہ ہم کوئی کام نہ کر سکے ہائے زندگی ضائع ہو گئی۔

من عمل سیئتہ - جو دنیا میں بُرے عمل کرتا ہے۔ **فلا یجزی** تو آخرت میں نہ جزا دیا جائے گا۔ **الا مثلہا**۔ مگر اس کی مثل اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ اس کا عدل ہو گا کہ کافر کو کفر کی سزا میں اسے ہمیشہ دوزخ نصیب ہو۔ اگر چہ اس کے کفر کو لمحہ بھی نہ گزرا ہو کہ یہ سزا اس کے اسی طرح کے دائمی عقیدہ کی وجہ سے ہو گی کیونکہ وہ بقایا زندگی جتنا طویل بسر کرتا تب بھی اسی عقیدہ میں رہتا۔

مسئلہ: مومن فاسق کی سزا منقطع ہو گی کیونکہ اس کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ وہ اسی جرم پر زندگی بسر کرے گا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جنایات کی سزا برابر ہے خواہ نفوس سے سرزد ہوں یا اعضاء سے یا اموال سے ارتکاب جرم پر زائد سزا نہیں ہو گی کیونکہ یہ ظلم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

ومن عمل صالحا - اور وہ جو نیک عمل کرتا ہے یعنی جن اعمال میں صرف اور صرف رضائے الٰہی

مطلوب ہو جو بھی مشروع عمل ہو۔
من ذکر او انثیٰ ۔ مرد ہو یا عورت دونوں کا ذکر انھیں نیک عمل کی ترغیب دینے کے لیے ہے ۔ وھو مؤمنٌ ۔ اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتا ہو۔ عمل کے بعد ایمان کو حال بنانے میں اشارہ ہے کہ ایمان کے بغیر اعمال بے کار ہیں جیسا کہ فن اصول میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ حال کا وقوع بمنزلہ شرط کے ہوتا ہے۔

فاولٰئک ۔ تو وہ جو نیک عمل والے ہیں۔

یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا ۔ بہشت میں داخل ہو کر عطا کیے جائیں گے از قسم پاکیزہ فواکہ "میوہ جات" اور لذیذ طعاموں سے ۔ بغیر حساب بے انداز اور یہ صرف ان کے اعمال کے مطابق نہ ہوگا بلکہ شمار سے باہر ہوں گے ۔ یہ محض فضل ربانی اور رحمت رب کریم سے ہوگا ۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حساب سے مراد وہی حساب ہے جو بندگان خدا آپس میں حساب اور شمار کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ عطیہ ایسی گنتی اور شمار جیسا نہ ہوگا۔

بہشت کی نعمتیں :

حدیث شریف : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہل جنت کو اعمال صالحہ کی فضیلت پر جہانی دی جائے گی اور انھیں حکم ہوگا کہ دنیوی ایام کے مطابق جمعہ کے دن ایک کھلے میدان میں حاضر ہوں ۔ انھیں انھیں اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے شرف بخشے گا چنانچہ ان کے لیے اپنا عرش ظاہر فرمائے گا اور انھیں حکم ہوگا کہ بہشت باغیچوں کے ایک باغیچہ میں جمع ہو جاؤ ۔ جب وہ حاضر ہوں گے تو ان کے لیے موتی، یاقوت، زبرجد، سونے ، چاندی کے منبر بچھائے جائیں گے اور ہر ایک اپنے قریب لوگوں کے منبر پر ہوگا اور ادنیٰ لوگ مشک و کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے ۔ لیکن ان کو یہ خیال تک نہ آئے گا کہ کرسی نشین حضرات ان سے افضل ہیں ۔

سوال ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے ۔

جواب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم : حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیا تم سورج اور چودھویں کے چاند کو دیکھنے میں کچھ شک و شبہ کر سکتے ہو ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم سب نے عرض کی نہیں تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا ایسے ہی تم اپنے رب

تعالیٰ کے دیدار کرو گے جس میں تمھیں شک و شبہ نہ ہوگا اور اس مجلس میں تمام اہل بہشت کو زیارت نہ ہو گی۔

سوال آقا جواب بندہ: آقا اس مجلس میں کسی ایک بندے سے فرمائے گا اے فلاں بن فلاں کیا تو نے فلاں فلاں دن یہ بات کہی تھی یا نہیں۔

بندہ: تھوڑی سوچ کے بعد عرض کرے گا ہاں آقا مجھے یاد پڑتا ہے واقعی مجھ سے غلطیاں سرزد ہوئی تھیں کیا تو نے بخش نہیں دیا۔

آقا: بخش دیا مگر سات مغفرتوں کے برابر اور تیرا انھی کے برابر مرتبہ بنا دیا۔ وہ بندگان اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک انھیں بادل چھا جائے گا جس سے خوشبو برسے گی ایسی کہ اُنھوں نے کبھی نہ سونگھی ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ میں نے تمھارے لیے کرامتیں (عطیات) تیار فرمائی ہیں جو چاہو حاصل کر لو پھر وہ ایسے بازار میں آئیں گے جنھیں ملائکہ نے گھیر رکھا ہوگا اور ایسا منظر نہ ہی کبھی دیکھا اور نہ ہی کبھی سنا ہوگا۔ اور نہ ہی کسی کے ذہن میں اس کا تصور ہو سکتا ہے۔ اس بازار میں پہنچ کر ہر چیز بلا قیمت حاصل کر سکیں گے اور وہاں اہل بہشت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے وہاں اچھے لباس والا گھٹیے لباس والے کو ملے گا تو گھٹیے لباس والا اعلیٰ لباس والے سے ملال کرے گا کہ اسے اچھا لباس عطا ہوا ہے کاش مجھے بھی ایسے ہی عطا ہوتا) ابھی وہ باتیں ہی کر رہے ہوں گے تو اس کا لباس اس سے بہتر و احسن ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہشت میں کسی قسم کا حزن و ملال نہ ہوگا اس کے بعد اہل بہشت اپنی منازل میں لوٹیں گے وہاں ان کی عورتیں منتظر ہوں گی وہ اپنے شوہروں کو دیکھ کر خوش آمدید کہیں گی اب تو دیدار الٰہی کی وجہ سے تمھارے حسن و جمال میں مزید نکھار آ گیا ہے اہل بہشت کہیں گے کہ آج ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا نصیب ہوا اور پھر آرزو رکھتے ہیں کہ پھر اسی طرح ہمیں دیدار نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ: ویا قوم۔ علامہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آلِ فرعون حضرت خربیل رضی اللہ عنہ کی باتوں سے یقین کر لیں گے کہ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں اس پر انھیں وہ ملامت کرنے لگے کہ تمھیں شرم ہونی چاہیئے کہ فرعون کی پرستش سے منہ موڑ کر کسی دوسرے کو پوجنے لگے ہو۔ حضرت خربیل رضی اللہ عنہ انھیں بار بار یا قومی کہتے شاید کہ ان کے دل پر کوئی اثر ہو اور خواب غفلت سے بیدار ہوں اسی لیے فرمایا بھائیو ! مالی۔ یہ استفہام توبیخ کا ہے۔ مجھے کوئی انکار نہیں کہ ادعوکم الی النجاۃ۔ میں تمھیں دوزخ کی آگ سے نجات پانے کی دعوت دوں اور تمھیں توحید کی طرف

بلاؤں۔ وتدعوننی الی النار اور تمھارا حال یہ ہے کہ تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔

فائدہ: ادعوکم فعل منوی فی الخبر سے حال کے مقام میں ہے اور تدعوننی کا اس پر عطف ہے اور تعجب ان پر ہے کہ وہ الطاخربیل رضی اللہ عنہ کو دوزخ کی دعوت دیتے تھے اور اس پر تعجب نہیں کہ خربیل نے انھیں بہشت کی دعوت کیوں دی گویا فرمایا کہ مجھے خبر دو کہ میں تو تمھاں نجات کی دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو یہ کس طرح کا معاملہ ہے۔

فائدہ: بعض نے اسے مالی ارات جزینا (مجھے کیا ہے کہ تمھیں یجزادن دیکھتا ہوں) کے قبیل سے بنا یا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مجھے جہنم کی دعوت دیتے ہو۔ تدعوننی لاکفر باللہ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کروں۔ یہ بدل ہے اور دعا کا استعمال ہدایت کی طرح ہے کہ کبھی الی سے متعدی ہوتا ہے اور کبھی لام سے۔ واشرک به مالیس لی به۔ اور شریک کروں اس کی معبودیت میں اسے جس کا مجھے علم نہیں۔ علمٌ۔ علم۔ اس سے معلوم کی نفی مراد ہے یعنی بطریق کنایہ ان کے مزعومہ معبودوں کا اللہ تعالیٰ کا شریک کا مجھے نہیں (اس سے معبودانِ باطلہ کی بالکلیہ نفی مراد ہے کہ نہ وہ ہیں اور نہ مجھے ان کا علم ہے) یہ نفی الشیء بنفی الالازم کے قبیل سے ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ الوہیت کے لیے اقامت برہان ضروری ہے تاکہ اس برہان سے علم یقینی حاصل ہو۔ وانا ادعوکم الی العزیز۔ اور میں تمھیں اس عزیز (غالب رب) کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی کفو نہیں اور مخلوق میں سے ہر ایک دوسرے سے کفو ہوا کرتے ہیں اور وہ مشرکین کو عذاب میں مبتلا کرنے پر بھی قادر ہے الغفار۔ جو اس کی طرف رجوع کرے اور نہ دل سے تائب ہو تو وہ مذنبین کے گناہ بخشنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

لا جرم۔ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ لاجرم بمعنی یقیناً دوسروں نے فرمایا کہ یہ کلمہ علیحدہ ہے اور سابق کلام سے متعلق ہے یعنی جس کی انھوں نے خربیل رضی اللہ عنہ کو دعوت دی آپ نے لفظ لا سے ان کی رد کی ہے۔ جرم فعل ماضی ہے بمعنی حق اور ان کا فاعل ان ما تدعوننی ہے۔ بیشک جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کر کے اس کی عبادت کروں۔ لیس له دعوة فی الدنیا والاخرة (اس کی نہ دنیا میں کوئی دعوت کا ثبوت ہے نہ آخرت میں) یعنی یقین ہے کہ تمھارے معبودوں نے اپنی عبادت کی کوئی دعوت نہیں دی حالانکہ معبود حق وہ ہے جو رسل کرام علیہم السلام اور کتب آسمانی بھیج کر اپنی عبادت کی دعوت دے اور تمھارے معبودوں اور بتوں میں یہ بالکل نہیں کیونکہ وہ صرف مٹی کے ڈھیلے ہیں انھیں کسی کو دعوت دینے کی استطاعت نہیں اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ ان کو بولنے کی طاقت دے گا تو وہ اپنے عبادت گزاروں سے برأت ظاہر کریں گے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بت دنیا میں کسی کی دعا قبول کرنے کے اہل نہیں۔ دنیا میں تو اس لیے نہیں کہ وہ نہ کسی کو باقی رکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کو تندرستی دے سکتے ہیں اور نہ کسی کو دولت مند بنا

سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور آخرت میں نہ کسی کو نجات دے سکتے ہیں اور نہ کسی کے درجات بلند کر سکتے ہیں[۱] وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم۔ اگر تم انہیں بلاؤ تو وہ تمہارے پکارنے کو نہیں سنتے اور اگر سنیں بھی تو اس کا تمہیں کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ تو پھر بت کس طرح رب ہو سکتے ہیں کیونکہ انہیں پکارنے والوں کی دعا قبول کرنے کی قدرت نہیں اور معبود حقیقی کا کام ہے کہ پکارنے والے کی دعا قبول کرے اور اُن کی ضروری حاجات پوری کر سکے۔

فائدہ: بعض نے کہا جرم بمعنی کَسَبَ اور اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے یعنی اس کا کفر و اشراک کی دعوت کا عمل مدعو الیہ کی دعوت کا بطلان کرنا ہے یعنی اس سے سوائے اس کی دعوت کے بطلان کچھ ظاہر نہ ہوا گویا انہیں کہا گیا کہ شاید تمہارا خیال ہو کہ تمہارے شرک و کفر کی دعوت مجھے اس کے قبول کرنے کی طرف متوجہ کرے۔ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ یہ اعراض اور ظہور بطلان کا سبب ہے۔ بعض نے کہا کہ جرم جُرْم کی ماضی ہے بمعنی القطع جیسے بُدّ کا لفظ بدیبن تبدید کی ماضی ہے یعنی اصنام کی اُلوہیت کا بطلان قطعی ہے کہ کسی وقت بھی اس کے برعکس نہیں ہو سکتا کہ وہ حق ہو سکے اس معنیٰ پر جرم اسم ہوگا لیکن نہ مبنی علی الفتح ہوگا اور یہ فعل ماضی جیسے سابقہ دونوں وجہوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ اسم مبنی علی الفتح ہے یا فعل ماضی ہے اور القاموس میں ہے کہ لاجرم بمعنی لابد بمعنی حقا یا لامحالہ اور یہی اس کا اصلی معنیٰ ہے پھر کثیر الوقوع ہو کر قسم کے معنیٰ میں مستعمل ہونے لگا اس لیے اس کے جواب لام آتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ لاجرم لآتینک۔ بخدا میں تیرے پاس آؤں گا۔ وان مردنا۔ اور بیشک ہمارا رجوع الی اللہ۔ اللہ تعالیٰ یعنی موت اور مفارقت الارواح من الاجساد کی طرف ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہمیں جزا و سزا دے گا۔ اس کا عطف ان ما تدعوننی پر ہے اسی لیے اس کے حکم میں داخل ہے۔ ایسے ہی وان المسرفین اور بیشک ضلال و طغیان میں ایسے ہی شرک کے ارتکاب و خون بہانے میں حد سے بڑھنے والے ھم اصحاب النار۔ وہی ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ فتذکرون۔ عنقریب عذاب دیکھ کر تم ایک دوسرے کو یاد کرو گے۔ ما اقول لکم۔ جو میں تمہیں نصیحتیں کہتا ہوں۔ لیکن اُس وقت کا یاد کرنا تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ وافوض امری الی اللہ۔ اور میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرتا ہوں۔ وہی مجھے ہر دکھ تکلیف

---

[۱] وہابیہ و دیوبندیہ نجدیہ کا انبیاء و اولیاء کو بتوں کی طرح سمجھنے کا اس مضمون سے رد ہوا کہ انبیاء و اولیاء نے دنیا میں بے شمار خلق خدا کو فوائد بخشے اور آخرت میں بے شمار بندگان خدا کو شفاعت سے نوازیں گے۔ اویسی غفرلہٗ

سے بچائے گا۔ خربیل رضی اللہ عنہ نے یہ اُس وقت کہا کہ جب اُنھوں نے آپ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی۔

حل لغات: القاموس میں ہے فوض الیہ امرہ یعنی فلاں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سپرد کیا التفویض کا حقیقی معنیٰ ہے۔ تعطیل الارادۃ فی تدبیرہ اللّٰہ تعالیٰ۔ ارادہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے آگے چھوڑ دینا۔ اور تفویض میں انسانی کمال یہ ہے کہ اپنے میں نہ ہی مخلوق میں نفع وضرر کی قدرت کا خیال دل میں لائے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی نفع ونقصان کا وسیلہ بنانا جسے بنانا ہے)

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نزول تقدیر سے پہلے کا نام تفویض اور نزول کے بعد کا نام تسلیم ہے۔

ان اللّٰہ بصیر بالعباد۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھتا ہے۔ وہی حق و باطل والوں کو جانتا ہے جو اس سے پناہ مانگے اور اس پر توکل کرے تو اسے تکلیف ومصائب سے پناہ بخشتا ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے تفویض کا معنیٰ ہے اپنے تین اُمور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور وہ تین اُمور یہ ہیں:۔

۱. دین ۲. قسم ۳. حساب خلق

دین میں تفویض یوں کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اُمور میں بہ تکلف موافقت نہ کرے بلکہ یہ بلا تکلف عقیدہ رکھے کہ جو کچھ اس نے ہمارے لیے بنایا ہے وہ ہمارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اور تفویض در قسم یہ ہے کہ دعا کا حیلہ بنا کر حکم الٰہی کا معارضہ نہ کرے۔ اور تفویض در حساب یہ ہے کہ اُمور میں بُرائی دیکھے تو اسے بدبختی نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرے۔ اگر کسی میں نیکی دیکھے تو اسے دائمی سعادت نہ سمجھے ہاں اس کی رحمت پر اُمید رکھنی چاہیئے۔ اور ظاہری حال پر حکم جاری ہوتا ہے لیکن اس کی صداقت پر دلائل طلب نہیں کرنا چاہیئے۔ اسی کے مطابق ایک حدیث شریف وارد ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل کے دو شخص آپس میں محبت کرتے تھے ایک ان میں عبادت و ریاضت میں لگا رہتا تھا اور دوسرا کہتا تھا میں تو گنہ گار ہوں۔ عبادت گزار دوسرے کو بار بار کہتا گناہ کرنا چھوڑ دے گناہ گار کہتا مجھے میرے حال پہ چھوڑ دے میں بھی گناہوں کو بُرا سمجھتا ہوں لیکن شومیٔ قسمت جب وہ اسے سخت تاکید کرتا تو کہتا مجھے اپنے حال پہ رہنے دے تو میرا نگران نہیں تیرا سمجھا نا فرض تھا وہ تو نے ادا کر دیا۔ نیکی پر گھمنڈ کرنے والے نے گناہ گار کو کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہرگز نہ بخشے گا اور نہ ہی تجھے بہشت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے پاس فرشتہ بھیج کر دونوں کی رُوح قبض کر لی اور

لہ۔ عین المعانی ۱۲ لہ عرائس البیان البقلی ۱۲

دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے ۔ گناہ گار کو فرمایا میں نے اپنی رحمت سے تجھے بہشت میں داخل کیا۔ دوسرے کو کہا کیا تو میری رحمت کو میرے بندے سے روک سکتا ہے۔ عرض کی نہیں فرمایا اسے دوزخ میں لے جاؤ۔

سبق : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کسی وقت انسان سے ایسا کلمہ منہ سے نکل جاتا ہے جس سے اس کی دنیا و آخرت خراب ہو جاتی ہے ۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا پتہ ہے اور اُن کے حالات سے مکمل طور پر باخبر ہے۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں اپنی اصلاح کا خیال رکھے ۔

حکایت صحابہ : حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند ساتھیوں کے ساتھ جنگل کو سیر کرنے نکلے ۔ ایک جگہ قیام کیا اور طعام پکا کر کھانے کے لیے تیار ہوئے تو دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے اسے کھانے کو کہا تو معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں ۔ سب کو اس کے روزے سے تعجب ہوا کہ ایسی شدید گرمی اور جنگل میں بکریاں چراتے ہوئے بھی روزہ ۔ اس نے کہا کہ جہنم کی گرمی اس سے سخت تر ہے ۔ اس کے جواب سے انھیں اور حیرانی بڑھی پھر کہا ایک بکری ہمیں قیمتاً دے دے کہا بکریاں میری نہیں میرے مالک کی ہیں اس کی اجازت کے بغیر میں نہیں بیچ سکتا ۔ اُنھوں نے کہا مالک کو کہہ دینا اسے بھیڑیا لے گیا ہے یا گم ہو گئی ہے ۔ چرواہے نے کہا این اللہ اللہ کہاں جائے گا یعنی میں اسے کیا جواب دوں گا ۔ اس سے اور تعجب ہُوا ۔ مدینہ طیبہ واپس پہنچ کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چرواہے کو بکریوں سمیت اس کے مالک سے خرید لیا اور اسے بکریوں سمیت آزاد کر دیا ۔ پھر کبھی اسے دل لگی کے طور پر کہا کرتے ارے میاں این اللہ ۔

حکایت نبی علیہ السلام : کسی زمانے کے نبی علیہ السلام ایک پہاڑ میں عبادت میں مشغول تھے ۔ وہاں ایک پانی کا چشمہ تھا وہاں سے ایک سوار کا گزر ہُوا چشمہ سے پانی پی کر چل دیا اور ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی بھول گیا اس کے بعد اور شخص آیا اس نے تھیلی اُٹھالی اور چلتا بنا ۔ پھر ایک مسکین آیا جس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا وہ پانی پی کر سستا رہا ہی تھا کہ تھیلی والا واپس آیا ۔ بسیار تلاش کے باوجود تھیلی نہ ملی ۔ اسے اسی مسکین پر شک گزرا اور اسے پکڑ کر خوب باز پرس کی لیکن تھیلی اس کے پاس تھی ۔ تھیلی والے نے غصہ سے مسکین کو مار مار کر جان نکال لی ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ اس غریب کا کونسا گناہ تھا جبکہ تھیلی تو اور لے گیا لیکن ظالم نے اس مسکین کی جان لے لی ۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنا کام کیجئے ۔ عبادت میں مشغول رہو میرے امر میں دخل نہ دو لیکن سن لو کہ اس مسکین نے تھیلی والے سوار کے باپ کو قتل کر دیا تھا اب ہم نے قصاص کے طور پر اس کے لڑکے سے اسے قتل کرا دیا اور تھیلی والے سوار نے دوسرے کے ہزار دینار دبا رکھے تھے اب ہم نے اس کے ترکہ سے حقدار کو حق دلوایا ہے (تذکرہ الغزالی)

حضرت حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ؎

در گاو خانہ کہ دہ عقل و فضل نیست
فہم ضعیف ورائے فضولی چرا کنند

ترجمہ: خس وخاشاک کے جھونپڑے میں عقل و فضل نہ ہو تو ایسے ضعیف الفہم والرائے کیوں قیاس آرائیاں کریں۔

خربیل رضی اللہ عنہ کی کرامت: منقول ہے کہ فرعون نے حکم دیا کہ خربیل رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جائے۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ بھاگ کر پہاڑ میں چلے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لیے درندے بھیج دیئے تاکہ ان کے ارد گرد پھرتے رہیں۔ انھوں نے اُفوض امری الی اللّٰہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کی تفویض قبول فرما کر ان کو فرعون کے ظلم سے بچا لیا۔[1]

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ فرعون نے خربیل کے پیچھے اپنے خواص کو لشکر دے کر آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا تو دیکھا کہ وہ خود تو نماز میں مشغول ہیں اور درندے اُن کے ارد گرد پہرہ دے رہے ہیں۔ فرعونی یہ حال دیکھ کر گھبرا گئے اور واپس ہو کر فرعون کو ان کا حال سنایا۔ فرعون نے سیاست کے طور پر سب کو کہہ دیا کہ خربیل کا حال کسی کو نہ سنانا تاکہ عوام فرعون سے منحرف نہ ہو جائیں۔ بعض نے کہا کہ فرعون کو اطلاع دی اور اس نے سیاستاً ان سب کو سولی چڑھا دیا تاکہ راز فاش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خربیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر دی کہ فوقاہ اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا سیّاٰت مکروا۔ ان کی بُری تدبیروں سے اور ان کے ان بد ارادوں سے جو اس کے بارے میں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرنے کا پروگرام بنا کر آئے تھے۔ بعض نے کہا کہ خربیل رضی اللہ عنہ نے بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات پائی تھی۔

وحاق اور گھیر لیا۔ بآل فرعون۔ فرعون اور اُس کی قوم کو۔

سوال: فرعون کی تصریح تو نہیں تم نے اسے کیسے شامل کر دیا۔

جواب: قوم کے ساتھ اس کا ہونا لازمی اَمر ہے اس لیے کہ اصل تو وہی تھا بلکہ اس نے ہی ان سب کو گمراہ کیا تو اگرچہ تصریح نہ بھی ہو تب بھی اس کا اسی امر ہونا ضروری ہے۔

سُوء العذاب۔ بُرا عذاب یعنی دریا میں ڈوب کر مرجانا اور یہ دنیوی عذاب تھا۔ آخرت کا عذاب

---

[1] آج بھی اگر کسی کو دشمن سے خطرہ ہو تو اُفوض امری الی اللّٰہ کی کثرت کرے تو دشمن کے حملہ سے محفوظ رہے گا۔ اویسی غفرلہٗ۔

یوں ظاہر فرمایا النار یعرضون۔ فرعون اور اُس کی قوم کو جہنم کی آگ میں پیشی کی جاتی ہے۔ علیہا یعنی نار پر۔ ان کا آگ کے سامنے پیش کرنے کا معنیٰ ہے ان کا آگ میں جلنا اور عذاب میں مبتلا ہونا جیسے کہا جاتا ہے عرض الاساری علی السیف۔ قیدیوں کو تلوار کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب انہیں تلوار سے قتل کیا جائے۔ القاموس میں عرض القوم علی السیف بمعنی انہیں تلوار سے قتل کرنا اور عرض القوم علی السوء بمعنی انہیں ڈنڈا مارنا ہے۔ غدوا و عشیا۔ صبح اور شام یعنی ہمیشہ۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرعون اور اس کی قوم کی اَرواح سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہیں اور صبح و شام یعنی دونوں وقت روزانہ ان کو دوزخ پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے فرعونیوں یہی تمہارا ٹھکانا ہے۔ اس سے دو مخصوص وقت مراد ہیں یا ان دو وقتوں میں کسی وقت (اللہ ہی جانے ان کے حال کو) نامعلوم انہیں مقید کرکے عذاب دیا جاتا ہے یا کچھ مہلت بھی پاتے ہیں یا دائمی عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ دوام کا قرینہ قوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بہشت کے لیے فرمایا۔ ولھم رزقھم فیھا بکرۃ و عشیا۔ ان کے لیے صبح و شام رزق ہے یعنی انہیں دائمی رزق سے نوازا جاتا ہے۔

فائدہ: ابن الشیخ نے اپنے حاشی میں لکھا کہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ عرض و احراق تعذیب کے لیے نہیں بلکہ اظہار و ابراز کے لیے ہے اور یہ القلب کے طریق پر ہے جیسے کہا جاتا ہے عرضت الناقۃ علی الحوض۔ کہ دراصل عرضت الحوض علی الناقۃ یعنی اُونٹنی کو ہانک کر یا پکڑ کر حوض پر لایا گیا۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ فرعونیوں کی اَرواح جن سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہیں انہیں جہنم کی آگ کی طرف لایا جائے گا۔

حدیث شریف: جب انسان مرتا ہے تو روزانہ اسے اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اگر وہ بہشتی ہے تو اسے بہشت دکھائی جاتی ہے اگر وہ دوزخی ہے تو دوزخ اور کہا جاتا ہے کہ یہی تیرا ٹھکانہ ہے۔ جب تو قیامت میں اُٹھایا جائے گا تو اسی میں قیام کرے گا۔

ازالۂ وہم: ارواح[1] کا سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہونے سے تناسب ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ان کی برزخی صورتوں کے نقشہ کا اظہار ہے اور عرض بمعنی اظہار ہے۔ یہ عدم تعذیب کا مقتضی نہیں کیونکہ ہر رُوح یا تو عذاب میں ہے یا نعمتوں میں اور تعذیب و تنعیم کے مراتب ہیں۔ اور آل فرعون کی اَرواح کا آگ کے سامنے پیش کرنے کا وہ طریقہ نہ ہوگا جیسے دوسری اَرواح خبیثہ کا ہوتا ہے (بلکہ یہ اُن سے بھی بڑھ کر ہوگا)۔

---

[1] یہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تقریر ہے۔

حکایت: حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی نے کہا کہ میں نے ان گنت پرندے دیکھے ہیں جن کی گنتی خدا جانتا ہے وہ صبح کو دریا میں سفید ہو کر داخل ہوتے ہیں اور شام کو سیاہ ہو کر نکلتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کیا ماجرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آل فرعون کی ارواح ہیں جو صبح و شام دوزخ کے پیش کی جاتی ہیں اور ان کے سیاہ ہو جانے سے ان کا آگ میں جلنا مراد ہے اور جب تک دنیا قائم ہے ان کے ساتھ ایسے ہی ہوتا رہے گا[1]

و یوم تقوم الساعۃ ۔ اور قیامت قائم ہو گی اور ارواح ابدان میں لوٹیں گے تو ملائکہ کو کہا جائے گا **اُدخلوا آل فرعون اشد العذاب** اور آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو یعنی جہنم کے عذاب میں کیونکہ روح و جسم کے لیے وہی سخت ترین عذاب ہے بہ نسبت اس کے کہ صرف روح کو عذابِ شدید ہو جیسے برزخ میں تھا وہ اس لیے کہ موت کے بعد ارواح کو حسی جسمانی عذاب یا نعمت حاصل نہیں ہوتی بلکہ صرف روحانی یا معنوی عذاب یا نعمت ملتی ہے یہاں تک کہ وہ اجسام قیامت میں اُٹھیں گے ان میں ارواح لوٹائی جائے گی۔ اس وقت ان کو عذاب یا نعمتِ حسی حاصل ہو گا۔

حکایت: حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا عرض کی گئی آپ کے ساتھ کیا گزری فرمایا آدھی جنت مل گئی ہے یعنی روحانی نعمتوں سے نوازا گیا ہوں باقی آدھی اُس وقت ملے گی جب روح جسم میں داخل ہو گی۔

سوال: بہت سے لوگوں کو مرنے کے بعد کھاتا پیتا دیکھا گیا ہے وہ کھانا پینا کیسا؟

جواب: وہ ایسے ہے جیسے خواب میں کھانا پینا محسوس ہوتا ہے تو خواب کا کھانا پینا روح کی لذت ہے پھر جس طرح خواب کے جاگنے کے بعد حالات مختلف ہوتے ہیں کہ بعض تو خواب سے اُٹھے اور وہاں کھایا پیا تو وہ اب سیر شکم اُٹھتے ہیں ایسے ہی اہل اموات بھی حالات مختلف ہوتے ہیں مثلاً شہدا حیات دنیا کی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں ان کو جو نعمتیں ملتی ہیں وہ حسی نعمتوں کے قریب قریب ہوتی ہیں۔

فائدہ: اس کا معنیٰ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آلِ فرعون کو جہنم کے سخت ترین عذاب میں داخل کرو کیونکہ جہنم کے عذاب مختلف ہیں ان میں کوئی شدید ترین ہیں اور بعض اس سے کم۔

حدیث شریف: سب سے نرم تر عذاب اسے ہے جس کے پاؤں میں نار کے دو جوتے ہیں جب وہ جوش مارتے ہیں تو اس کا دماغ کھولنے لگ جاتا ہے[2]

---

[1] عین المعانی ۱۲۔ [2] وہ ہے ابوطالب جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ یوم تقوم الساعۃ میں موت کے وقت روح کے جسم سے جدا ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جو مرتا ہے اس کے لیے قیامت ہو جاتی ہے ادخلوا آل فرعون الخ میں نفس مراد ہے اس لیے نفس کے لیے موت سے بڑھ کر اور کوئی عذاب نہیں ہوتا کیونکہ یکبارگی اس سے جمیع اشیاء محبوبہ چھین لی جاتی ہیں اور محبوب شے کو یک لخت چھین لینا سب سے بڑا گناہ ہے اور یہ عذاب اتنا ہی کم و بیش ہوگا جتنا اس شے سے تعلق و پیار ہوگا۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

غلام ہمت آنم کہ زیر خرخ کبود
زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد ست

کسی دوسرے بزرگ نے فرمایا ؎

الف میگر ہیچ الف ہیچ با کسے
تا بستۂ الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ: میں ہمت کا اس لیے غلام ہوں کہ یہ دنیا کے ہر رنگ سے آزاد ہے۔
۲: الف کی طرح کسی سے الفت نہ کرتا کہ اس کے انقطاع کا دردنہ ہو۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ انسانی روح کو بقا اور عذاب قبر حق ہے کیونکہ عرض (دوزخ کا پیش کیا جانا) منجملہ عذاب سے ایک ہے۔ یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ یہ قیامت میں ہوگا اس لیے کہ قیامت کا ذکر تو بعد کو ہے کہ و یوم تقوم الساعۃ الخ۔

مسئلہ: یہ ثبوت جب آل فرعون کے لیے ہے تو باقی سب کے لیے بھی ہوگا کیونکہ آل فرعون کی تخصیص اور دوسروں سے نفی کا کوئی قائل نہیں۔

اثبات عذاب قبر

حدیث نمبر (۱): حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

حدیث نمبر (۲): حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کے ایذا سے باز رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

حکایت: حضرت سالم بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے فرماتے سنا کہ میں مکہ معظمہ سے اونٹنی پر سوار ہو کر واپس مدینہ طیبہ آرہا تھا اور میرے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا ایک گورستان کی طرف اشارہ فرمایا جو کہ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے کہ اس سے قبر سے ایک مرد نکلا جو سر سے پاؤں تک آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھا اور اس کے گلے میں لوہے کا طوق تھا جو وہ بھی

آگ کے شعلے مار رہا تھا۔ میں نے اونٹنی کو اس طرف موڑا تاکہ دیکھوں کیا ماجرا ہے وہ مجھے دیکھ کر کہتا تھا اے عبداللہ! مجھ پر پانی ڈال دے۔ اس کے بعد ایک اور مرد نے قبر سے نکل کر پہلے شخص کے زنجیر کو پکڑ کر مجھے کہا کہ اس پر پانی مت ڈالنا یہ کسی قسم کی عزت کے لائق نہیں۔ اس کے بعد اسے کھینچ کر قبر میں لے گیا اور اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا جس سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے جس سے اسے مار مار کر قبر میں داخل کیا[1]۔

عذابِ قبر سے نجات کا وظیفہ: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص میت کو دفناتے وقت بسم اللہ و باللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھے تو اللہ تعالیٰ صاحبِ قبر سے چالیس سال تک عذاب اُٹھالے گا۔

مسئلہ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ عذاب القبر برزخی عذاب مراد ہے بوجہ غلبہ قبر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جسے عذاب دینا چاہے تو اسے عذاب ہوگا اسے قبر میں دفنایا جائے یا نہ مثلاً سولی چڑھا کر وہاں چھوڑ دیا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے یا جلایا جائے یہاں تک کہ راکھ ہو کر ہوا میں اڑایا جائے۔

مسئلہ: حضرت امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کے مرنے کے بعد اجزاء متفرق ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے بعض یا کل میں حیات پیدا کرے گا تاکہ اس سے نکیرین سوال کریں۔

مسئلہ: قبر میں عذاب روح و جسم دونوں کو ہوگا اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے اور امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب تک ارواح علیین اور سجین میں ہوں گے تو عذاب و نعمت صرف ارواح کو ہوگا۔

مسئلہ: حضرت فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ عذاب و نعمت قبر کا اقرار ضروری ہے اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے۔

مسئلہ: احادیث میں ہے کہ محبوبانِ خدا فتنۂ قبر سے محفوظ ہوتے ہیں یعنی انبیاء و اولیاء شہداء فتنۂ قبر سے مستثنیٰ ہیں۔

---

[1] یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے فرمایا پانی مانگنے والا عذاب رسیدہ ابو جہل تھا اسے مار مار کر قبر میں لے جانے والا فرشتہ تھا اور یہ واقعہ بدر کے گورستان کا ہے (الحاوی للفتاویٰ للسیوطی) اویسی غفرلہ۔

مسئلہ:۔ حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب شہداء محفوظ ہیں تو صدیقین بطریق اولیٰ محفوظ ہیں۔

فائدہ:۔ صدیق وہ ہے جو نفس کے صفات سے بالکل فارغ ہو اور شہید اہل صفوہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ صدیق وہ ہے جسے دین کی استقامت نصیب ہو۔

حکایت:۔ کسی کو مرنے کے بعد بہتر صورت میں پا کر کسی نے سبب پوچھا تو کہا میں لا الٰہ الا اللہ کی کثرت کرتا تھا۔

سبق:۔ تجھے بھی اے بھائی کلمہ طیبہ اور نیک کلمات کی کثرت کرنی چاہیئے۔

اللّٰھم اختم لنا بالخیر والحسنیٰ

اے اللہ ہمارا خیر و بھلائی پر خاتمہ فرما۔

تفسیر عالمانہ:۔ واذ یتحاجون فی النار۔ اور جب جہنم میں آپس میں جھگڑیں گے۔

حل لغات:۔ التحاج (بالتشدید) بمعنی تخاصم الحاجۃ کی طرح بمعنی ایک دوسرے سے جھگڑنا اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یاد کیجئے جب تیری قوم (کفار مکہ وغیرہ) اہل نار کا جہنم میں جھگڑا کرنے کو وہ آل فرعون ہو یا دیگر کفار۔ ان کے جھگڑنے کا مضمون بیان فرمایا کہ فیقول الضعفاء۔ ان کے دنیا میں قدر و منزلت اور حال میں کمزور یعنی قوم کے عاجز اور بیچارے لوگ کہیں گے للذین استکبروا انھیں جنہوں نے باطل کو تکبر کے طور پر ظاہر کیا تھا یعنی ان کے لیڈر۔ کبراء نہیں فرمایا اس لیے کہ کبراء فی نفس الامر ان کی صفت نہ تھی۔ انا کنا لکم۔ بیشک دنیا میں ہم تمہارے تبعًا۔ تابع تھے۔

حل لغات:۔ تبعا تابع کی جمع ہے جیسے خدم خادم کی جمع ہے۔ القاموس میں لکھا ہے کہ التبع (متحرکہ) تابع ایک ہو یا زیادہ وہ جو کسی دوسرے کی تابع داری کرے وہ کہیں گے ہم تمہاری ہر بات کی اتباع کرتے تھے بالخصوص شرک کے بارے میں جب تم نے دعوت دی تو ہم نے تمہاری اتباع کی اور تکذیب رسل بھی تمہارے کہنے پر کی اور تمھیں ہمارے دوزخ میں داخل ہونے کے سبب ہو۔ فھل انتم۔ تو کیا تم۔ معنون عنا نصیبا من النار۔ ہمیں دوزخ سے کچھ نجات دلا سکتے ہو کہ اس کا عذاب ہم سے اٹھا لو یا اس کا عذاب ہمارے سے ہٹا لو۔

لہ۔ المفردات ۱۲

حل لغات: کہا جاتا ہے ما یغنی عنك ھذا مجھے کفایت کرے گا نہ بچائے گا نصیبا بمعنی مقررہ حصہ[1] یہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جس پر مغنون دلالت کرتا ہے۔

قاعدہ: اغنی جب عن سے متعدی ہو تو دوسرے مفعول کو نہیں چاہے گا۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا ہمارے سے دوزخ کا بعض حصہ عذاب کا ہٹا سکتے ہو کیونکہ ہم نے تمہاری اتباع کی تھی اور دنیا میں تمہارے ہر دکھ درد کو ہم ہٹاتے تھے (اب تمہارا فرض ہے کہ ہماری مدد کرو)

قال الذین استکبروا۔ ان کے لیڈر جواب دیں گے کہ یہاں کوئی بات کرنے کی نہیں۔ انا کل بیشک ہم سب۔ یہ مبتدا ہے (یعنی کل کا مضاف الیہ محذوف ہے یہ دراصل کلنا تھا) اس کی خبر فیھا ہے یعنی دوزخ میں تو پھر ہم تمہیں کیسے بچا سکتے ہیں ہاں اگر ہمیں کچھ قدرت ہوتی تو ہم عذاب میں کیوں مبتلا ہوتے۔

ان اللہ قد حکم بین العباد۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا فیصلہ فرمایا ہے اور حق فرمایا ہے کہ جس کا جو حق تھا اسے مل گیا کہ اہل ایمان کو بہشت بخشی اور جو جن درجات کا مستحق تھا اسے ملا اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل فرمایا اور وہ جن سزاؤں کے مستحق تھے دوزخ کے طبقات میں داخل ہوئے اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ و قال الذین فی النار۔ اور دوزخ میں رہنے والے کمزور اور طاقت والے سب جب دوزخ کا سخت عذاب پائیں گے اور اس کی برداشت نہ کر سکیں گے تو لخزنۃ جہنم۔ جہنم کے منتظمین (جو عذاب مسلط کرنے والے ہیں) کو کہیں گے۔

حل لغات: خزنۃ۔ خازن کی جمع ہے ان الخزن بمعنی خزانہ میں شے کو محفوظ کرنا اب ہر حفظ کو کہا جاتا ہے مثلاً راز کی حفاظت وغیرہ وغیرہ۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ جہنم کو ضمیر کی جگہ پر رکھنے میں ہولناکی اور گھبراہٹ کا اظہار مطلوب ہے کیونکہ جہنم اس آگ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سخت عذاب دینے کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ ادعوا ربکم اپنے رب کو پکارو اور اس کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کرو۔ یخفف عنا یوما۔ صرف ایک دن کے لیے ہمارے عذاب کی تخفیف فرما دے یعنی کم از کم دنیا کے ایام کے مطابق صرف ایک دن ہمیں عذاب سے تخفیف مل جائے۔ من العذاب۔ تھوڑے عذاب سے۔

ترکیب: یوما یخفف کی ظرف یعنی مفعول فیہ ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے من العذاب محذوف مفعول کا بیان ہے۔

سوال: کافروں نے اتنا طویل زمانہ کے بالمقابل تھوڑے سے عذاب کی تخفیف کیوں طلب کی۔ سرے سے تمام کے اٹھ جانے کی التجا کرتے یا زیادہ عرصہ عذاب سے تخفیف کی تمنا کیوں نہ کی۔

---

[1] المفردات ۱۲:

جواب :۔ انھیں یقین تھا کہ یہ ممکنات سے نہیں ہے ۔

قالوا ۔ عرصہ دراز کے بعد جہنم کے منتظمین کافروں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے اولم تک کیا نہ تھے ہمزہ استفہامیہ واو عاطفہ ہے اس کا عطف مقدار پر ہے کیا تمھیں یاد نہیں کہ تاتیکم دسکم تمھارے ہاں پے درپے رسل کرام لاتے رہے ۔ بالبینات ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلائل واضحہ جو تمھارے انجام بدپر دلالت کرتے کہ کفرو معاصی سے تمھارا انجام برباد ہوگا ۔ اس سے ان پر لازم و توبیخ مراد ہے کہ تم نے دعا مانگنے کے اوقات ضائع کر دیئے اور اب تمھاری دعاؤں کی قبولیت کا دور لد گیا ۔ قالوا بلیٰ ۔ کہیں گے یہی صحیح ہے کہ رسل کرام علیہم السلام ہمارے ہاں آئے اور ہم نے ان کی تکذیب کی (اس کی تصریح سورہ ملک شریف میں موجود ہے) قالوا فرشتے کہیں گے جب بات یہی صحیح ۔ فادعوا ۔ تو پکارتے رہو اب اس کی قبولیت ناممکن ہے ۔

سوال : جب قبولیت ناممکن ہے تو پھر ان کو دُعا کا امر کیوں ؟

جواب :۔ اس سے قبولیت کی اُمید دلانا مطلوب نہیں بلکہ اس سے نا اُمید کرنا مقصود ہے اور ان کی حقیقت ظاہر کردی جیسے کہ وہ تھے چنانچہ اس کی تصریح بھی کردی کہ ۔ وما دعاء الکفرین اور کافروں کی اپنے لیے دعا مانگنا نہیں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے ۔یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دوسروں کا کافروں کے لیے دعا مانگنا تخفیف عذاب کے لیے اُس وقت مصدر مضمون کی طرف مضاف ہے ۔ الا فی ضلال ۔ مگر گمراہی اور بطلان ایجاب میں اس لیے اب ایسے وقت میں دعا کی جارہی ہے جس میں ان کے لیے قبولیت کا دور ختم ہے ۔

کافر کی دعا کی تحقیق :۔ کیا کافر کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے جمہور نفی کے قائل ہیں ۔ ان کا استدلال اسی جملہ وما دعاء الکفرین الا فی ضلال سے ہے اور فرماتے ہیں کافر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا اگر کچھ جانتا ہے تو اُس کے ان اوصاف سے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں بلکہ اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف برعکس ہیں ۔

سوال :۔ حدیث شریف میں ہے ان دعوۃ المظلوم وان کان کافرا تستجاب ۔ مظلوم کی دعا قبول ہوجاتی ہے اگرچہ کافر ہو ۔

جواب ۔ یہاں کافر[1] بمعنی نعمت کی ناشکری کرنے والا مراد ہے (حقیقی کافر مراد نہیں)

مسئلہ :۔ بعض علماء کافروں کی دُعا کے مستجاب ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل ابلیس کی دعا ہے کہ اس نے عرض کی

---

[1] متقدمین تو صریح الفاظ کفر کو بھی کافر سے ہٹا کر اہل ایمان کو کافر کہنے سے بچتے تھے لیکن ہمارے

انظرنی یعنی مجھے مہلت دے اور مجھے بہت جلد موت نہ دینا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا انک من المنظرین بیشک تجھے مہلت دی گئی ہے۔ یہی استجاب دعا ہے اسی لیے فتویٰ اس پر ہے کہ کبھی کافر کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

مغی دربروے از جہاں بستہ بود
را بخدمت میان بستہ بود
پس از چند سال آں نکوہیدہ کیش
قضا حالتی صعبش آورد پیش
بپائے بت آمدہ بامید خیر
بغلطید بیچارہ برخاک دیر
کہ درماندہ ام دست گیر ای صنم
بجاں آمدم رحم کن برتنم
بزارید در خدمتش بارھا
کہ ہیچش بسامان نشد کارہا
بتی چوں برادر مہمات کس
کہ نتواند از خود براند مگس

ترجمہ: ایک بت پرست جہاں سے دروازے بند کر کے بت کی عبادت میں کمربستہ ہو گیا۔
۲: وہ اچھے طریقے والا چند سالی تو ایسے رہا قدرت نے اس کے آگے ایک سخت کام پیش کر دیا۔
۳: بت کے آگے خیر کی امید پر سر جھکا دیا اور خوب گڑگڑایا کافی دیر زاریاں کرتا رہا۔
۴: کہ میں بہت عاجز ذلیل وخوار ہوا اے بت میری مدد کر۔ تیرے ہاں حاضر ہوں میرے حال پر رحم فرما۔
۵: اس کی خدمت میں بہت بارزاری کی لیکن کسی حالت میں بھی اس کا کام نہ ہوا۔
۶: بھلا بت کسی کا خاک کام کریں گے جبکہ وہ خود اپنے سے مکھی نہیں ہٹا سکتے۔

حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۱۱

دور میں اہل ایمان کو ایمان کی باتوں پر کافر بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غیر مقلدین تو بے نماز اور دیگر نیک اعمال میں کوتاہی کرنے والے کو کافر کہہ دیتے ہیں اور دیوبندی نجدی ان کے ساتھ مل کر اہل اسلام کو مشرک گردانتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ۔

آشفت کای پای بند ضلال
باطل پرستیدیت چند سال
مهی کہ در پیش دارم بر آر
وگرنہ بخواہم نہ پروردگار
ہنوز از بت آلودہ رویش بخاک
کہ کامش بہ آورد یزدان پاک
حقائق شناسی دریں باخیرہ شد
سر وقت صافی برو تیرہ شد
کہ سرگشتہ دون باطل پرست
ہنوزش سر از خیانت نشست
دل کفر و دست از خیانت نشست
خدائش بر آورد کامی کہ چشد
کہ فروخت خاطر دریں مشکلش
کہ پیغامی آمد درون دلش
کہ پیش صنم پیر ناقص عقول
بسی گفت و قولش نیامد قبول

ترجمہ :- پریشان ہوکر کہا کہ اے گمراہی کا پھندنا کئی سال میں نے تیری باطل پرستش کی۔
۲ :- میرا مقصد ضرور پورا کر ورنہ میں پروردگار سے سوال کرتا ہوں۔
۳ :- ابھی بت کے آگے چہرہ رگڑ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کر دی۔
۴ :- اسے حقائق شناسی اس سے قبل تاریک تھی وقت صافی کے اسرار اس سے پوشیدہ تھے۔
۵ :- وہ باطل پرست سرگشتہ تھا۔ ابھی تک وہ بت پرستی کے خمار میں تھا۔
۶ :- اس کا دل کفر سے اور ہاتھ خیانت سے بندھ گیا اللہ تعالیٰ نے اس کا کام بنا دیا جسے وہ چاہتا تھا۔
۷ :- اس مشکل میں اس کا دل پریشان تھا کہ کیا کرے یہاں تک کہ اسے دل سے آواز آئی۔
۸ :- ناقص عقل بت کے سامنے جھکنا چاہیئے لیکن دل اسے قبول نہیں کر رہا۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ
الْأَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي
إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ۝ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ فَاصْبِرْ
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ
وَالْإِبْكَارِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ
إِن فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُم بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ۝ إِنَّ السَّاعَةَ
لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي
أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ
جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝

ترجمہ:۔ بیشک ضرور ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے اور ایمان والوں کی۔ دنیا کی زندگی میں اور
جس دن گواہ کھڑے ہوں گے جس دن ظالموں کو ان کے بہانے کچھ کام نہ دیں گے اور ان
کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر اور بیشک ہم نے موسیٰ کو رہنمائی عطا فرمائی اور بنی
اسرائیل کو کتاب کا وارث کیا۔ عقل مندوں کی ہدایت اور نصیحت کو۔ تو اے محبوب تم صبر کرو
بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنوں کے گناہوں کی معافی چاہو اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے
صبح اور شام اس کی پاکی بولو۔ وہ جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں بے کسی سند کے جو انہیں ملی ہو
ان کے دلوں میں نہیں مگر ایک بڑائی کی ہوس جسے نہ پہنچیں گے تو اللہ کی پناہ مانگو بیشک وہی
سنتا دیکھتا ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش آدمیوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔
لیکن بہت لوگ نہیں جانتے اور اندھا اور انکھیارا برابر نہیں اور نہ وہ جو ایمان لائے اور اچھے

کام کیے اور بدکار کتنا کم دھیان کرتے ہو بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں لیکن بہت لوگ ایمان نہیں لاتے اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھینچتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔

بقیہ صہ ۲۱۲

گر از در کہ ماشود نیسر زد
پس آنکہ چہ فرن از صنم تا صمد
دل اندر صمد باید ای دوست بست
کہ عاجز ترند از صنم ہر کہ ہست
محالست اگر سر بریں در نہی
کہ باز آیدت دست حاجت تہی

ترجمہ درگاہِ حق سے بھی کچھ حاصل نہ ہوتا تو صنم و صمد میں کیا فرق رہتا۔

۲ ۔ دل صمد میں لگانا چاہیئے اس لیے کہ بت سے عاجز تر کوئی نہیں۔

۳ ۔ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر سر جھکاؤ اور کام نہ ہو یعنی اس سے خالی ہاتھ لوٹو یہ نہیں ہو سکتا۔

سبق: جب ثابت ہوا کہ صرف اللہ ہی دعائیں قبول کرتا ہے اور بتوں کو اس کی اہلیت نہیں تو اس کی توحید اور اطاعت و عبادت میں صرف اور صرف وہی نفع دیتا ہے اور اس کے آگے پیش کی جائیں کیونکہ دنیا و آخرت میں وہی نفع دیتا ہے اور بس اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کا تابع اور خواہشات نفسانی کی اتباع سے محفوظ فرمائے۔

تفسیر عالمانہ: انا لننصر رسلنا۔ بیشک ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے۔ نون جمع کا تعظیم کے لیے ہے یا باعتبار صفات یا مظاہر کے لیے۔ النصر بمعنی عون ہے۔ والذین امنوا۔ اور ہم مدد کر دیں گے ایمان والوں کی جو ان رسل کرام کے فرماں بردار ہیں۔ فی الحیوٰۃ الدنیا۔ حیوٰۃ دنیا میں حجت و فتح مندی اور کافروں سے بدلہ لیں گے ان کی جڑ کاٹ دیں گے یا قتل یا قید کرائیں گے و دیگر سزائیں دیں گے۔

لے انبیاء اولیاء اس کی درگاہ میں وسیلہ ہیں۔ ان کا کسی کو نفع دینا دراصل اللہ تعالیٰ کا ہی نفع دینا ہے۔

سوال: کبھی تو رسل اکرام کے اتباع (تابعدار) مغلوب بھی ہوئے۔

جواب: یہ بطور امتحان تھا تاکہ عبرت حاصل ہو۔ غلبہ کا دارومدار انجام اور اکثریت پر ہے۔

سوال: بعض اوقات مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی اگرچہ عارضی سہی۔

جواب: ایسی شکست یا تو حاکم کے حکم کی خلافت ورزی کی وجہ سے ہوئی جیسے اُحد کے غزوہ میں ہُوا یا اس سے دنیا کا حصول مطلوب ہوگا یا لشکر کے غرور و عجب توڑنا مقصد ہوگا جیسے اہل ایمان کی بعض غزوات میں ہوا۔

سوال: بہت سے غزوات ان اُمور کے نہ ہونے کے باوجود تب بھی اہلِ ایمان کو شکست ہوئی۔

جواب: ان کے لیے بدلہ لینے کا پروگرام اُمت کے نبی علیہ السلام کے وصال کے بعد مقرر ہوا ہوگا جیسے یحییٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد دشمنان اسلام (بنی اسرائیل) سے خوب بدلہ لیا کہ ان پر بخت نصر کو مسلّط کر کے ان کے ستر ہزار کو قتل کر دیا گیا[۱]۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس اُمت نے کسی نبی کو شہید کیا تو اس کے بدلہ

اعجوبہ: میں ستر ہزار انسان قتل کر دیئے جاتے کسی خلیفہ کو شہید کیا تو پینتیس ہزار (جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہُوا۔)

سوال: حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو خلیفہ نہ تھے ان کی شہادت کے بعد بے شمار اُمت ماری گئی۔

جواب: یہ اُن کے جدامجد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے ہوا۔ **خلاصہ** یہ کہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حکم بنی اسرائیل کے انبیاء (علیٰ نبینا و علیہم السلام) جیسا ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت (قریبی یا بعیدی ظاہری معنوی) ہوگی۔ اسے شرافت و بزرگی ضرور نصیب ہوگی جو ان کی تعظیم و تکریم کرے گا وہ گویا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کر رہا ہے۔ ایسے ہی ان کی توہین و تحقیر کو سمجھیئے۔ (تطبیق الآیات) مذکورہ بالا تقریر مندرجہ ذیل آیات میں کوئی اختلاف نہیں رہے گا۔ مثلاً فرمایا **انا لننصر رسلنا** اور اس کے خلاف فرمایا **و یقتلون النبیین** الخ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ شہید وہ انبیاء علیہم السلام ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم نہیں فرمایا اور نہ جنہیں جنگ کا حکم ہُوا ان کو کافر شہید نہ کر سکے[۲]۔

---

[۱] بخت نصر کے زمانہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت معد بن عدنان رضی اللہ عنہما زندہ موجود تھے ان کو قتل کرنے کی باری آئی تو کسی نے بخت نصر کو کہا کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور اس کی پشت سے ہوگا۔ بخت نصر نے حیا کر کے انھیں چھوڑ دیا۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب آدم تا ایں دم کا مطالعہ کیجئے۔

[۲] تفسیر القرطبی فی تفسیر البقرۃ ۱۲؛ اویسی غفرلہٗ

فائدہ :۔ وہ انبیاء علیہم السلام جنہیں جنگ کا حکم نہ ہوا وہ یہ ہیں : زکریا ۔ یحیٰی ۔ شعیب (علیٰ نبینا و علیہم السلام)

تحقیق از صاحب رُوح البیان :۔ فقیر (مصنف رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے نصرہ خواص مراد ہے اور ان کی یہ مدد کبھی امداد ملکوتی ہوتی اور کبھی ظاہری بلاد کی صورت میں ہوتی ۔ قتل وغیرہ یہ اسی امداد کی علامات ہیں ۔ (الحمد للہ الذی بیدہ الخیر ۔ اس ذات کی جس کے ہاتھ میں خیر و بھلائی ہے ۔)

دو وہابی نجدی :۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا قال الشیخ الشہیر باقتادہ ۔ آفندی قدس سرہٗ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی تخلیص الحسنین رضی اللہ عنہما بالشفاعۃ من اللہ تعالیٰ لکنہ رآی کما لہما فی الشہادۃ راجی علی الخلاص[1] ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو بچانے کی قدرت رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو شفاعت کرتے لیکن آپ نے ان کا کمال شہادت میں دیکھ کر انہیں نجات دلانے کے بجائے ان کی شہادت کو ترجیح دی ۔

تفسیر صوفیانہ :۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کمال نصرت و فتح مندی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس پر غالب ہو کہ وہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور یہی جہاد اکبر ہے اور قلب نفس پر غلبہ پانا اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت کے بغیر ناممکن ہے اور جب انسان کو یقین ہو جائے کہ مخلوق تو صرف نمونہ کا ڈھانچہ ہے ۔ اس پر تقدیر کا اجراء ہوتا رہتا ہے ۔ ولی اللہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دوست و دشمن نہیں سمجھتا اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے ۔ اللھم انی اعوذ بك منك ۔ اے میرے رب تیری مدد سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ۔

تفسیر عالمانہ :۔ و یوم یقوم الاشہاد ۔ اور اس دن کہ گواہ گواہی کے لیے اٹھیں گے ۔

حل لغات : اشہاد شاہد کی جمع ہے جیسے اصحاب صاحب کی یعنی ہم رسل کرام اور ان کے فرماں برداروں کی دنیا و آخرت میں مدد کریں گے ۔

نکتہ :۔ یوم القیمۃ ۔ کو یوم یقوم الاشہاد سے تعبیر کرنے میں اپنی مدد کی وسعت کا اظہار ہے کہ ان حضرات کی ہر حال میں مدد کی جائے گی ۔ بالخصوص اس دن جبکہ وہاں پر تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے اور وہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ حق کی اور کفار کی تکذیب کی گواہی دیں گے ۔

---

[1] روح البیان تحت آیت ہذا صفحہ ۱۹۳ ج ۸ ۔ اس سے وہابیوں نجدیوں کا رد ہے ۔ ان کے اس عقیدہ کا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوتا تو امام حسین و دیگر شہدائے کربلا کو کیوں نہ بچایا ۔ اویسی غفرلہٗ

فائدہ: اشہاد سے ملائکہ اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی مراد ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکذلک جعلناکم اُمۃ وسطًا لتکونوا شہداء علی الناس اور ایسے ہی ہم نے تمھیں نیک اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ ویوم ینفع الظلمین معذرتہم اور اس دن کہ لوگوں کو معذرت نفع نہ دے گی۔ یہ یوم اول سے بدل ہے۔ المعذرۃ بمعنی العذر ہے اس کا معنیٰ اول سورہ میں بیان ہوچکا ہے یعنی آج انکار کفر کرنے کا عذر یعنی غیر مسموع ہوگا اگرچہ بعض اوقات میں معذرت کریں گے اس لیے کہ اب ان کی معذرت باطل ہوگی اسی لیے انہیں معذرت کے وقت کہا جائے گا اخسئوا ولا تکلمون۔ ہٹ جاؤ میرے ساتھ بات بھی نہ کرو یا ان کی معذرت غیر مفید ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں عذر داری کی اجازت ہی نہ ہوگی کہ وہ اپنے دکھ درد سنا سکیں۔ اس معنیٰ پر مقید وقید ہر دونوں کی نفی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس وقت معذرت و نفع نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: عرائس البیان میں ہے کہ ان کے ظلم کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حق سے منہ موڑ کر خلق کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان کا یہ عذر آخرت میں حالانکہ انھیں یہ عذر دنیا میں کرنا چاہیئے تھا اور اس میں اشارہ ہے کہ موثر وہی ہے جس کی نعمتیں ہیں نہ کہ اوقات۔

تفسیر عالمانہ: ولہم اللعنۃ اور ان کے لیے رحمت سے بعد ہے ولہم سوء الدار۔ اور ان کے لیے برا ٹھکانا ہے یعنی جہنم بخلاف اہل ایمان عارفین کے کہ معذرت انہیں نفع بخشے گا اس لیے کہ وہ گناہوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اسی لیے ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کے لیے بہتر ٹھکانہ ہوگا۔

جہنم کا تعارف: جہنم بُرا ٹھکانا اس لیے ہے کہ اس کی گرمی تیز اور گہرائی سخت اور اس کے زیور لوہے کی بیڑیاں اور پینے کا پانی پیپ اور اس کا کلام ھل من مزید۔ کیا کچھ اور ہے اور سب سے بڑے ظالم مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں فرمایا ان الشرک لظلم عظیم۔ بیشک شرک بڑا ظلم ہے اور شدید ترین عذاب منافقین کو ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان المنافقین فی الدرک الاسفل بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ منافقین اہل ایمان سے ٹھٹھہ مذاق کرتے تھے۔

سبق: سمجھ دار پر لازم ہے کہ وہ ظلم سے بچے خواہ وہ اس کی اپنی ذات کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا یا معصیت یا غیر پر جیسے کسی کی بے عزتی کرنا اور غیر کا مال چھیننا وغیرہ وغیرہ۔ انسان کو چاہیئے کہ اس دن کو یاد رکھے جس دن ظالم کہیں گے کہ اے پروردگار ہمیں دوزخ سے نکال ہم نیک عمل کریں گے وہ عمل ہرگز نہیں کریں گے جو پہلے ہم کرتے تھے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اولم نعمرکم ما

یتذکر فیہ من تذکر و جاء کم النذیر۔ کیاہم نے تمہیں لمبی عمریں نہیں دی تھیں اس میں جس نے نصیحت پائی اور تمہارے ہاں ڈرانے والے تشریف لائے تھے فذوقوا فما للظٰلمین من نصیر۔ تو عذاب چکھو اب ظالمین کا کوئی مددگار نہیں۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ دوزخی خوب روئیں گے یہاں تک کہ خون کے آنسو بہائیں گے۔ دوزخ کا داروغہ (مالک) فرشتہ کہے گا کہ کاش تم اس طرح دنیا میں روتے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

کنونت کہ چشمست اشکی بیار
زباں دردہانست عذری بیار
کنون بایدت عذر تقصیر گفت
نہ چوں نفس ناطق زگفتن بخفت
کنوں باید ای خفتہ بیدار بود
چو مرگ اندر آید زخوابت چہ سود
کنوں وقت تخمست اگر پروری
گر اُمید داری کہ خرمن بری

ترجمہ:۔ ابھی تیری آنکھیں ہیں فلہذا آنسو بہا۔ زباں منہ میں ہے تو عذر پیش کرلے۔
۲:۔ ابھی سے تجھے گناہ کا عذر کرنا چاہیئے نہ اُس وقت کہ جب زبان بولنے سے بند ہو جائے۔
۳:۔ اے سونے والو ابھی سے جاگو جب موت نے نیند میں سلا دیا تو کیا فائدہ۔
۴:۔ ابھی تیرے پاس بیج ہے اسے بو۔ اگر خرمن اُٹھانے کی اُمید رکھتا ہے تو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں نہ رونا کام آئے گا نہ معذرت۔ عقلمند کو دنیا میں ندامت و صلاح و تقویٰ سے تدارک کرنا چاہیئے۔ تاکہ آخرت میں آرام پائے اور انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے ساتھ بلند مراتب و درجات حاصل کرسکے۔

صحابہ کی آرزو رضی اللہ عنہم: مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم آپ کو جنت میں کہاں پائیں جبکہ آپ تو بلند مرتبہ میں ہوں گے۔ اس پر آیت نازل ہوئی من یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔ جو اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا۔ وہ انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء صالحین کے

ساتھ ہوگا یہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا اور یہی بہتر رفیق ہیں۔

سبق :۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان پر اطاعت ضروری ہے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

شکایت دریا کی کش : حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص زنا کر کے نہر میں غسل کرنے گیا تو نہر سے آواز آئی کہ تجھے اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں اس پر وہ تائب ہو کر بارہ بزرگ انسانوں کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد وہ حضرات اس نہر کو عبور کرنے لگے تو وہ شخص شرم کے مارے دور رہا۔ نہر سے آواز آئی کہ توبہ کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کا مقبول ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے باپ بیٹے پر ناراض ہو تو وہ باپ سے معذرت کرلے تو باپ راضی ہو جاتا ہے۔ اے بندگانِ خدا تم اسی نہر کے کنارے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ وہ حضرات اسی کنارہ نہر پر ایک عرصہ تک مقیم رہے۔ اسی اثناء میں وہ شخص فوت ہو گیا جس نے تائب ہو کر ان کی صحبت اختیار کرلی تھی۔ اس کے دفنانے کے بعد اس کی قبر پر صبح کے وقت بارہ سرو کے درخت پیدا ہوگئے۔ سرو کی ابتداء یہاں سے ہوئی ورنہ اس سے پہلے سرو کا درخت روئے زمین پر نہیں تھا۔ اس کے بعد ان بارہ بزرگوں میں سے جو بھی فوت ہوتا وہیں دفنایا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل ان کی قبروں کی زیارت کو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا اولیاء اللہ کی مزارات کی زیارت کے لیے جانا قدیم سے اہل ایمان کا طریقہ ہے (اویسی)

تفسیر عالمانہ : ولقد اٰتینا۔ اور بیشک ہم نے اپنے فضل سے دیا۔ موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو ھدی۔ ایسے اُمور جن سے ہدایت حاصل کی جا سکے یعنی معجزات۔ صحف۔ شرائع۔ واورثنا بنی اسرائیل الکتاب۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا۔ الایراث۔ میراث دینا۔ الکتاب سے تورات مراد ہے۔

فائدہ : چونکہ ایراث کا اطلاق حقیقی مال کے لیے ہوتا ہے اور وہ یہاں محال ہے۔ اسی لیے مجازاً برکت حاصل کرنا مراد ہے اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث علم اور کتاب جو دین میں ہدایت کا سبب بنیں (اس میں شیعہ فرقہ کا رد ہے جو فدک ملکی وراثت کا جھگڑا کرتے ہیں) اب معنیٰ یہ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد بنی اسرائیل کے لیے کتاب چھوڑی۔

فائدہ : صرف کتاب کا نام اس لیے لیا گیا ہے کہ باقی وہ جملہ اُمور جو ہدایت کا سبب تھے وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد اُٹھا لیے گئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے بنی اسرائیل یعنی اولاد یعقوب علیہ السلام کے لیے تورات چھوڑی وہ ایک دوسرے سے عرصہ دراز تک اس کے وارث بنے رہے۔

ھدی۔ مفعول بہ ہے بمعنی ہدایت اور گمراہی سے بچنے کے طریقہ کا بیان یا مصدر بمعنی اسم فاعل اور وحال ہے بمعنی ہادیًا یعنی رہبر۔ و ذکرٰی۔ اور نصیحت و تذکیر باحال ہے بمعنی پند و نصیحت کرنے والا۔ للاولی الالباب۔ عقل مندوں کے لیے۔ یعنی وہ عقول سلیم جو باعمل ہیں نہ وہ ناکارے جو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

ہُدی و ذکرٰی کا فرق:۔ ہُدی دوسری کی دلیل بنتی ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ معلوم شے (جو بھول گئی ہو) کو یاد کیا جائے بخلاف ذکرٰی کے کہ وہ بھولی شے (جو پہلے معلوم تھی) کو یاد نہیں دلاتی بلکہ مطلق کسی شے کا بیان ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کی کتب ان دونوں باتوں پر مشتمل تھیں یا تو صرف رہبری کی باتیں بتاتی تھیں یا کتب الٰہیہ میں وارد شدہ اُمور کو یاد دلاتی تھیں۔ لمفاصبر۔ تو صبر کیجئے۔ اس کا ترتب۔ انا لننصر نا اور ولقد اٰتینا الخ پر ہے جملہ معترضہ بیانیہ اور انبیاء علیہم السلام کی نصرت کی تائید کے لیے تھا گویا فرمایا گیا ہے کہ جب تم نے سن پایا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی مدد کرتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو کتاب دی۔ اس سے ہمارے وعدے کی پختگی کا تمھیں یقین ہو گیا تو پھر تم پر جو مصائب و تکالیف مشرکین کی طرف سے پہنچیں صبر کرو۔

فائدہ:۔ یہ آیت آیات السیف سے منسوخ نہیں کیونکہ صبر ہر معاملہ میں محمود ہے ان وعد اللہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی مدد اور اسلام کا جملہ ادیان پر غلبہ و فتح مکہ وغیرہ کا وعدہ حق۔ حق ہے اس کے خلاف ہونا محال ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون پر غلبہ کا حال سن چکے ہو۔ واستغفر لذنبك اپنوں کے گناہوں کی بخشش مانگیئے۔ ان افعال کے تدارک کے لیے جو تمھارے خواص سے خلاف اولیٰ کا صدور ہوا اس لیے کہ نصرت دین و غلبہ علی الادیان پر غلبہ دیتے ہیں تمھیں اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

فائدہ:۔ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر کاف کا مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنا کر خلافِ اولیٰ مراد لی ہے۔ ہم نے ادبًا خلاف اولیٰ سے عمدًا احتراز کیا ہے تاکہ عوام کے اذہان کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائیں اگرچہ خواص کے نزدیک خلافِ اولیٰ کا مطلب بھی بے غبار ہے۔ آپ صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ دوسرے مفسرین کی آراء درج فرماتے ہیں۔ ہم نمبر وار انھیں لکھتے ہیں۔ صاحب رُوح البیان کی توجیہ مذکور ہو چکی[1]۔ اور فیصلہ آگے فرماتے ہیں:۔

۱۔ عین المعانی میں ہے کہ اگر بفرض محال کوئی گناہ ہوا ہو تو اس کے لیے استغفار کیجئے۔ بعض نے کہا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بندگی کے اظہار کا حکم فرمایا ہے تاکہ اس سے آپ کے درجات

---

[1] :۔ اضافہ اویسی غفرلہٗ یاد رہے کہ مذکورہ رائے صاحب روح البیان کی اپنی نہیں اپنی رائے بعد کو ذکر فرمائیں گے جو نہایت ہی لطیف ہے۔ اویسی غفرلہٗ

بلند ہوں نیز تاکہ آنے والے فرمانبرداروں کے لیے سنت بن جائے۔

۲۔ عرائس البیان میں ہے جو تمھارے قلب اقدس احکام بشریہ کے احکام کا اجراء ہوا اس کے لیے بخشش مانگیے۔

۳۔ اپنے وجود کے تصور کو وجود حق کے سامنے لانے کی بخشش مانگئے کیونکہ وجود حادث کو وجود قدیم کے سامنے لانا بھی ایک قسم کا گناہ ہے۔

۴۔ اپنی اُمت کے گناہوں کی بخشش مانگئے لیکن یہ معنی دوسری آیت جو سورۃ محمد میں مذکور ہے کہ واستغفر لذنبك و للمومنین و للمؤمنات کی وجہ سے صحیح نہیں اُترتا۔

۵۔ ابن الشیخ نے حواشی میں لکھا کہ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اسے ذنب گناہ سے تعبیر کریں۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کا محبوب فیصلہ

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے ابن الشیخ کا کلام شیخ الکلمات ہے اس لیے کہ نبوت کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ ولایت کو وہاں پہنچنا مشکل ہے کیونکہ ولی اللہ کتنا ہی بلند قدر کیوں نہ ہو وہ نبوت کے حال کو معلوم نہیں کر سکتا ہے۔ جب ولی اللہ نبی کے حال سے بے خبر ہے تو پھر اس کی طرف کس طرح گناہ کی نسبت کر سکتا ہے۔ ہاں نبی علیہ السلام کے حال کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ ذنب کی نسبت اس کی طرف کرے گا تو اسی کو علم ہوگا کہ وہ کس طرح کا ذنب ہے (جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو پھر ہم کون لگتے ہیں نبی علیہ السلام کی طرف گناہ کی نسبت کرنے والے) ذنب کی نسبت کا حال وہی ہے جو درود الٰہی کا ہے جیسے فرمایا ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی۔ یہ ایک پوشیدہ راز ہے جو خدا جانے یا خدا کا رسول جانے۔

کسی کو اس کی معرفت کی طرف راہ نہیں۔ یہی حال سہو کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو نماز میں ہوا۔ اس کے لیے بھی یہی کہنا چاہیئے۔ ؎

خدا و مصطفٰے کی کنہ میں ادراک عاجز ہے
خدا کو مصطفٰے جانے مصطفٰے کو خدا جانے[۱]

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ سہو ایسا نہیں جسے عوام سمجھتے ہیں۔ اسی لیے شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت پہلے فرما گئے ؎

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ندانم کہ این سخن گوئیست
کہ والا تری زانچہ من گوئیست

ترجمہ: میں نہیں جانتا آپ کو کون سا مدحیہ کلمہ عرض کروں۔ آپ ہر طرح میری مدح سے بالا تر ہیں۔

فسبح بحمد ربك بالعشی والابكار (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے صبح و شام) یعنی اللہ تعالیٰ تسبیح جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہو پر مداومت کیجئے۔ یا سبحان اللہ اور الحمد للہ ہر وقت کہتے رہیئے۔

فائدہ: صبح و مسا کے ذکر سے جملہ اوقات مراد ہیں اس لیے کہ ابکار صبح سے دوپہر اور عشی سے دوپہر سے دن کے اول حصہ تک کو کہا جاتا ہے تو اس سے جملہ اوقات مراد ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ سالک صادق کے قلب پر نفس و ہوی اور شیطان کی طرف سے جتنا اذیتیں پہنچیں سے صبر کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا قلب مجاہد کے ساتھ وعدہ حق ہے کہ اس کافر نفس پر فتح و نصرت بخشے گا۔ اے قلب مجاہد اپنے ان گناہوں کی معافی مانگ جو تجھ پر صفات نفس کا گزر ہوا اور تو اس کے اخلاق سے متخلق ہوا۔ گناہ کی اس لیے بخشش مانگ کہ اس سے قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے اور طاعات و اذکار پر مداومت و ملازمت کر کیونکہ قلب کے آئینہ سے اخلاق ذمیمہ کی زنگ طاعت و ذکر الٰہی سے اترتی ہے۔

فلسفہ قلب: انسان کا ظاہری بدن عالم شہادت سے اور اس کا دل عالم ملکوت سے ہے جیسے قلب کے معارف سے اعضاء پر آثار اترتے ہیں۔ ایسے ہی اعضاء کے احوال سے (جو کہ عالم شہادت سے ہیں) قلب پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی لیے اعمال صالحہ کی مشغولی ضروری ہے تاکہ احوال کی اصلاح اور قلب کو روشنی خیالات کی صفائی ہو جس کا دنیا میں کوئی شغل نہ ہو اور وہ دنیا اہل دنیا کے لیے چھوڑ دے تو وہ خدمتِ الٰہی سے فائدہ نہ پائے گا جب تک کہ نیک اعمال پر صرف رضائے الٰہی کے لیے ملاومت نہ کرے اور ہر وقت اس میں مشغول نہ ہو ظاہراً بھی باطناً بھی جسم سے بھی قلب سے بھی۔

عبادت الٰہی کی بہترین ترتیب و تدبیر

جب تک انسان کا دل لگا رہے نماز (نوافل) پڑھتا رہے جب اس سے طبیعت اکتائے تو تلاوت

ل اضافہ اویسی غفرلہٗ

قرآن میں مشغول ہو جائے کیونکہ نفس پر بہ نسبت نوافل کے تلاوت آسان ہے۔ اگر تلاوت سے بھی دل بھر جائے تو ذکر الٰہی میں لگ جائے۔ زبان اور قلب ہر دونوں سے کیونکہ یہ بہ نسبت تلاوت کے زیادہ آسان ہیں اگر ان سے دل چل جائے تو مراقبہ قلب میں مشغول ہو اور مراقبہ قلب یہ ہے کہ دل کو اللہ تعالیٰ کے خیال و تصور میں مستغرق کر دے۔ جب تک دل اسی تصور میں ہوگا مراقب کہلائے گا اور مراقبہ بھی ذکر ہے بلکہ لسانی ذکر سے افضل ہے اگر اس سے بھی عاجز ہو اور اس پر وساوس شیطانیہ کا غلبہ ہو جائے اور اس کے قلب پر خطرات نفسانیہ کا ہجوم ہو تو سو جائے کیونکہ سالک کو نیند میں بھی سلامتی ہے ورنہ کثرت وساوس و خطرات نفسانی کثرت کلام فضول کی طرح قلب کو زنگ آلود کر دیتا ہے اس لیے کہ یہ زبان کی گفتگو کے بغیر بھی کلام کے حکم میں ہے اس سے انسان کو بچنا لازم ہے۔

نسخہ روحانی:۔ ۱۔ جیسے ظاہری عمل صالح و ذکر الٰہی اور تسبیح مفید ہے ایسے ہی مراقبہ در رعایت تصور سے قلب کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۲۔ توجہ الی اللہ اور قلبی مداومت اور لسانی ذکر پہ مداومت سے قلب کو ذکر ذات کی طرف ترقی نصیب ہوتی ہے بلکہ قلب عرش خدا کے بالمقابل ہو جاتی ہے اور عالم خلق و حکمت میں عرش کائنات کی قلب ہے اور قلب عالم امر و قدرت میں عرش ہے۔ جب دل کو ذکر ذات کا سرمہ نصیب ہوتا ہے اور نسیمات قرب کا دریا بن جاتی ہے تو اخلاق نفس کی کیاریوں میں نعوت و صفات کی صفائی نصیب ہوتی ہے اور اس کے لیے تخلق باخلاق اللہ متحقق ہو جاتا ہے ؎

غیر ذکر خدا چہ سر چہ جہر
نیست دل را نصیب و جاں را بہر
نور حق چوں دل ظہور کند
ظلمت تن چہ شر و شور کند

ترجمہ:۔ ذکر الٰہی سری و جہری سے حصہ نصیب نہیں تو دل اور روح کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔
۲۔ ذکر الٰہی سری دل سے ظاہر ہوتا ہے تو جسم کی ظلمت شر اور شور کرتی ہے۔

اعمال صالحہ کی برکت:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ وہ اپنے سے آگ کے شعلوں اور چنگاریوں کو ہٹا رہا ہے لیکن وہ اس سے نہیں ہٹ رہے پھر اس کا صدقہ آیا اور اس کے لیے آگ کے آگے سے پردہ بن کر اسے جہنم کی آگ سے بچا لیا۔ پھر ایک اور کو دیکھا جو گھٹنوں کے بل پڑا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان حجاب ہے جس سے

زیارت کے شرف سے محروم پڑا ہے تو اس کے حسن خلق نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دیا (یعنی حجابات اُٹھ گئے) پھر ایک اور کو دیکھا کہ اس پر ابواب جنت نہیں کھل رہے تو کلمہ شہادت نے آکر دروازے کھول کر اسے بہشت میں پہنچا دیا (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے اخلاق و احوال اور اعمال والا بنائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ : ان الذین۔ بیشک وہ جو۔

شان نزول : منقول ہے کہ کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن کلام الٰہی نہیں اور نہ ہی مرنے کے بعد اُٹھنا ہے کیونکہ یہ محالات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یجادلون فی ایات اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑتے یعنی انکار کرتے ہیں۔ بغیر سلطان حجت اور واضح دلیل کے بغیر۔ اتاھم۔ جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو مجادلہ کو دلیل سے مقید کرنے میں اشارہ ہے کہ دین کی باتیں نہیں مانی جا سکتیں۔ جب ان پر واضح اور مدلل ثبوت نہ ہو۔ ان فی فی صدورھم۔ ان کے سینوں میں الا کبر مگر تکبر۔ یہ جملہ ان کی خبر ہے۔ قلب کے بجائے صدر اس لیے آیا ہے کہ قلب (سینہ) میں ہوتی ہے۔

فائدہ : حصر میں اشارہ ہے کہ ان کے قلوب سے ہر شے نکل گئی لیکن تکبر نے گھر کر رکھا ہے کہ وہ حق کو ماننے کا نام نہ لیتے اور نہ ہی تفکر کے درپے ہوتے اور نہ ہی دین کی باتیں سمجھتے یا اس خیال سے کہ ان کی حکومت ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور وہ ہمیشہ نبی علیہ السلام اور اہل ایمان پر فائق رہیں یا اس سے ان کے حسد کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حسد کرتے۔ عموماً ان کی بغاوت بھی اسی لیے ہوتی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کیوں نصیب ہوئی یہ ہمیں حاصل ہوتی۔ اسی لیے یہ ہر وقت حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ برسرپیکار رہتے اور ان کا برسرپیکار رہنے کا بھی موجب صرف یہی تھا یا ہر دونوں یعنی نبوت و ریاست (حکومت) اور یہ بھی خیالی طور ورنہ نہ وہ نبوت کے مستحق تھے اور نہ ہی کوئی ان کے پاس ریاست (حکومت) ماھم ببالغیہ نہ وہ اسے پہنچنے والے۔ یہ کبر کی صفت ہے اور ضمیر کبر کی طرف راجع ہے۔ یہاں مضاف مقدر ہے۔ دراصل ماھم ببالغی۔ مقتضی کبرھم یعنی وہ اپنے کبر کے مقتضیٰ کو پہنچ نہیں سکتے یعنی آیات الٰہی کو دفع نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے انوار میں ہی پھیلاتا ہوں اور آپ کی قدر و منزلت بھی میں خود بڑھاتا ہوں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کبر کے اس مقتضیٰ کو نہیں پہنچا سکتے جس سے انہیں حسد نے گھیر رکھا ہے یعنی نہ انہیں نبوت نصیب ہو گی نہ ریاست (حکومت)

فاستعذ باللہ۔ تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کیجئے تاکہ آپ حاسد کے مکروفریب سے سلامتی پاسکیں اور نہ ہی وہ آپ پر حملہ کرسکے۔ انہ ھو السمیع۔ بیشک وہ تمہاری باتوں کو خوب سنتا ہے۔ البصیر اور تمہارے افعال کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر یجادلین سے یہود مراد ہیں وہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا کرتے کہ جس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق تورات میں تشریف لانے کا وعدہ ہے وہ مسیح بن داؤد ہیں آپ نہیں ہیں اور کاشفی ہیں ہے وہ ابو یوسف بن مسیح بن داؤد ہیں اور ان کا ارادہ تھا کہ دجال جو آخر زمانہ میں آئے گا اور اس کی شاہی بحر و بر تک ہمہ گیر ہوگی جس کے ساتھ نہریں چلیں گی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے ایک آیت ہے۔ اُس وقت بادشاہی ہمیں نصیب ہوگی اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ دجال قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی بھی نجات نہ پا سکے گا۔ اب فاستعذ باللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگیں کیونکہ اس کے فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہیں ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذابِ نار سے پناہ مانگو صحابہ کرام نے عرض کی ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے عذابِ نار سے پناہ مانگتے ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ مانگو۔ صحابہ کرام نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر فرمایا مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگو۔ صحابہ کرام نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتے ہیں۔

تعارف دجال:۔ کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دجال آدمی ہے اس کا قد اُونچا اور جسم بھاری اور اس کی صرف ایک آنکھ۔ اس کا ظہور قیامت اور علاماتِ قیامت سے ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے ظہور کی علامات بیان فرمائی ہیں۔

علاماتِ ظہورِ قیامت

۱۔ اس کے آنے سے پہلے تمام عالمِ دنیا میں تین سال مسلسل مہنگائی اور قحط زوروں پر ہوگی۔

۲۔ بارشوں کی کمی ہوجائے گی یہاں تک کہ ایک سال صرف معمول سے تہائی بارش کم ہوگی ایسے ہی زمین سے بھی تہائی حصہ خوراک کم آئے گی۔ دوسرے سال دوسرا حصہ بارش اور دوسری تہائی خوراک ختم ہوجائے گی۔ تیسرے سال نہ بارش آئے گی نہ خوراک بلکہ گھاس تک نہ اُگے گی۔

۳۔ اس پر اہل ایمان کی غذا آسمان والوں کی طرح تسبیح و تقدیس ہوگی اس وقت علامات دجال مذکورہ بالا امور کے ظہور پر سحر و مکر و فریب سے کام لے گا۔ اگر لوگ اس کی تابعداری کریں گے سوائے

ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ بچالے اس کے ساتھ دیو ہوں گے جو آدمیوں کی صورتوں میں متشکل ہو سکیں گے۔ دجال کہے گا جو کوئی چاہے میں اس کے ماں باپ کو زندہ کر دکھاؤں گا۔ بشرطیکہ میری ربوبیت کا اقرار کرے۔ اگر چاہے گا کہ اس کے ماں باپ کو زندہ کر دے تو وہ دیوں کو کہدے گا کہ وہ اس کے ماں باپ کی شکلوں میں متشکل ہو کر اس کے سامنے آجائیں چنانچہ وہ اس کے ماں باپ کی شکل میں ہو کر اسے کہیں گے بیٹا اس کی تابعداری قبول کر لے کیونکہ یہی تیرا پروردگار ہے۔

مکہ و مدینہ کی شان:۔ اسی طرح دجال اپنے دعویٰ کو منواتا ہوا عالم دنیا میں چکر لگائے گا سوائے مکہ و مدینہ کے کہ ان کی ملائکہ کرام نگرانی کر رہیں ہوں گے۔

نزول عیسٰی علیہ السلام:۔ جب اہل ایمان پر دجال کا دائرہ تنگ ہو جائے گا تو وہ بارگاہِ حق میں اس سے نجات کی دعائیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے عیسٰی علیہ السلام کو زمین پر تشریف لانے کا حکم فرمائے گا وہ تشریف لا کر دجال کو قتل کر دیں گے چونکہ اس کے لشکر میں یہودی بہت زیادہ ہوں گے اسی لیے عیسٰی علیہ السلام ان سب کی بیخ کنی کریں گے۔ نزول عیسٰی علیہ السلام کا تفصیلی ذکر سورہ زخرف میں آئے گا۔

حدیث شریف نمبر (۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ تیس دجال آئیں گے۔ سب کا یہی خیال ہو گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے۔

حدیث شریف نمبر (۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے بہت جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔ ان سے بچتے رہنا (المصابیح)

فائدہ: ان جھوٹوں سے وہ مذہبی پیشوا افراد ہیں جو دوسروں کو گمراہ کریں گے (ہم جھوٹے دجالوں سے پناہ مانگتے ہیں ایسے ہی ہر گمراہ کن فتنہ سے۔

فائدہ: مفسرین نے فرمایا کہ آیت ان الذین یجادلون الخ اگرچہ خصوصیت سے مشرکین کہ کے لیے نازل ہوئی لیکن ہر مجادل و مبطل کو شامل ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خاص سبب کا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ ارباب حقائق کے ساتھ ہمیشہ سے اہل طلب کا جھگڑا رہتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نوازے جاتے ہیں تو وہ اسی جھگڑے میں کوئی حجت و برہان نہیں رکھتے بلکہ یوں سمجھو کہ وہ اس میں حسد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ حق کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی صدیقین کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ ہی ان حقائق کو مانتے ہیں جو یہ محبوبانِ خدا ان کو پیش کرتے ہیں۔ یہ صرف ان کا تکبر

ہی ہوتا ہے جو انھیں ابلیس کی صفت خاص نصیب ہوتی ہے اسی نے تو سجدۂ آدم علیہ السلام سے انکار کر کے تکبر کیا اور کہا انا خیر منہ اور یہ صفت ہر نفس میں گھر کئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض وہ اہلِ علم جو اپنے علوم سے دھوکہ کھائے ہوئے ہیں وہ مشائخ راسخین کے بعض ملفوظات کا انکار کر دیتے ہیں حالانکہ وہ مشائخ علوم میں ان اہل علم فریب خوردہ از علم سے بہت وافر حصہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ منکر مدعی ان کی مراد تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی اہلِ حقائق کے مراتب کو پا سکتے اسی لیے انکار کر دیتے ہیں۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا کہ انکار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ انکار نحوست ہے اور رائے منکر تو حقائق سے محروم ہے لیکن اے طالبِ حق تمھیں شرِ نفس سے پناہ مانگنی چاہیئے اور نفوس ستمزدہ اسی طرح جمیع آفات تجھے حق سے روک دیں گے اور طریق حق تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ مشائخ کے اسرار کے منکرین بدعتی ہیں۔ درحقیقت یہ صفاتِ الٰہیہ کے منکر ہیں کیونکہ ایسے اُمور میں جھگڑنا ایسے بیوقوفوں کا کام ہے اور معترضین کا اعتراض اور مبتدعین کا جدال و تاویل جہمیان اور بناوٹی اصول و شعریان و تزدید فلیسفیان و قانون دہریان ہر دور میں پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ چونکہ قدریہ فرقہ کا غیلان اور بشر رسی و شیطان الطاق و ابن داؤد و جہم صفوان و عمرو علید اور ان جیسے اور جنھوں نے صفاتِ الٰہیہ کا انکار کیا اور دین قدیم (اصلی) کو ترک کر دیا اور قرآن و سنت کے مضامین سمجھنے میں غلطی کر کے اپنے رائے و قیاس کو مضبوط و مستحکم سمجھا۔ اُنھوں نے قرآن و سنت کو پیچھے کر دیا اور عقول و افہام کو پیشوا بنایا۔ ان کی یہی خواہش دل میں رکھی کہ وہ اپنے اصول کو غالب کر دیں لیکن کچھ نہ کر سکے بلکہ وہ اپنی خواہش کو قبر میں لے کر چلے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

شمع حق را پف کنی تو اے عجوز
ہم تو سوزی ہم سرت اے گندہ بوز
کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس
ہر کہ بر شمع خدا آرد تفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

ترجمہ: شمع حق کو اے بڑھیا تو پھونک مارتی ہے اس سے خود تم اور تمھارا سر جل جائے گا اے گندی خصلت والی۔

۲: دریا کو بر سے کب نجس ہو سکتا ہے ایسے کو سورج کی روشنی کسی کی پھونک سے کب بجھ سکتی ہے۔

۳: جو شمع خدا پر تھوکتا ہے شمع کیا بجھے گی اس کا اپنا چہرہ جلے گا۔

چوں تو خفاشاں بسے بنیند خواب
کیں جہاں ماند یتیم از آفتاب
اے بریدہ آں لب و حلق و دھان
کے کنند تف سوئے مہ یا آسمان
تف بروئیش باز گردد بیش کے
تف سوئے گردوں نیاید مسلکے
تا قیامت تف برو بارد ز رب
ہمچو تبت بر روان بولہب

ترجمہ: ۱۔ جیسے چمگادڑ بہت خواب دیکھتے ہیں کہ جہاں دنیا سورج سے یتیم ہو جائے گا۔
۲۔ منہ لب حلق کٹا ہوا کب تھوک آسمان اور چاند کی طرح پھینک سکتا ہے۔
۳۔ تھوک اس کے منہ پر واپس آئے گی آسمان کی طرف تھوک کا راستہ کہاں۔
۴۔ بلکہ تاقیامت ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی رہے گی جیسے تباہی و بربادی ابولہب پر برس رہی ہے۔

لخلق السموات والارض۔ آسمانوں و زمینوں کو پیدا کرنا) اس سے تحقیق حق اور ان کے مشہور ترین جھگڑے کو بیان کرنا مطلوب ہے یعنی ان کا بڑا جھگڑا مرنے کے بعد اٹھنے کا تھا۔ اکبر۔ قدرت ایزدی کا بہت بڑا کارنامہ۔ من خلق الناس۔ انسانوں کے دوبارہ پیدا کر کے اٹھانے سے تو جو ذات بہت بڑی قوی و عظیم شے کے بلا اصل و بلا مادہ پیدا کرتے ہیں قدرت رکھتی ہے تو وہ کم طاقت اور ضعیف تر شے سے بلا اصل و مادہ سے پیدا کرنے میں بطریق اولیٰ قدرت رکھتی ہے تو پھر تم اس کا تو اقرار کرتے ہو کہ وہ آسمان و زمین پیدا کرتا ہے لیکن قیامت میں مرنے کے بعد پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو۔ ولکن اکثر الناس لیکن اکثر لوگ یعنی کفار لا یعلمون۔ نہیں جانتے کہ اعادہ ابتدا کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ نظر و تامل میں کوتاہی و قصور کی وجہ سے اس لیے کہ ان میں غفلت اور اتباع خواہشات نفسانیہ بہت زیادہ ہے۔ وما یستوی الاعمیٰ والبصیرہ۔ آنکھوں والا اور اندھا برابر ہے یعنی غافل اور بیدار مغز برابر ہے۔ اعمیٰ سے وہ مراد ہے جس کا دل۔ وہ آیات کے دیکھنے اور ان سے استدلال سے اندھی ہے اور بصیر سے وہ ہے جو آیات اور ان سے استدلال سے باخبر ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے

ایہا المنکح الثریا سہیلا
عمرك الله کیف یلتقیان
ھی شامیہ اذا ما استقلت
وسہیل اذا استقل یمانی

ترجمہ:۔ اے ثریا و سہیل کو آپس میں ملانے والا اللہ تعالیٰ تجھے بڑی عمر دے۔ بھلا یہ دونوں کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ جب ثریا آسمان پہ طلوع کرتا ہے تو وہ شامی ہے اور جب سہیل طلوع کرتا ہے تو وہ یمنی ہے۔
تو جیسے یہ دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتے ایسے مؤمن و کافر اور عالم و جاہل یکجا اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

والذین آمنوا و عملوا الصلحات۔ اور اہل ایمان نیک عمل والے۔ اسے مقدم کیا گیا ہے بوجہ بصیر کے قریب ہونے کے اور یہ بھی ابواب بلاغت کا ایک باب ہے ذکر قرب کی وجہ سے اس کے ہم جنس (کسی وجہ سے بھی) کو اس کے ساتھ لایا جاتا ہے) ان سے محسن (صالح اعمال والے) حضرات مراد ہیں۔ ولا المسیئ اور یہ اسم جنس ہے جو جملہ بُرے اعمال والوں کو عام ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ صالح و طالح برابر نہیں کیونکہ ایک کی حالت دوسرے کی حالت کے مخالف ہے۔ دونوں فریقوں کا فرق ظاہر ہو گا یعنی مرنے کے بعد یہ بعث و جزا کی حقیقت پہ دوسری حجت و دلیل ہے اور صرف المسی میں لایا گیا تاکہ کلام طویل نہ ہو کیونکہ آمنوا و عملوا الصلحات کے بالمقابل کفروا و اساؤا۔ کہا جاتا ہے تو کلام طویل ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ المسیٔ۔ المحسن سے نفی مساوات مطلوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ محسن و مسیٔ برابر نہیں کیونکہ مسیٔ بُرا حقارت و ذلت (خواری) کا مستحق ہے اور محسن فضل و کرامت کا مستحق ہے۔ والذین کا عاطف وہی ہے جو اعمیٰ و بصیر کا ہے۔ اگرچہ غافل و مستبصیر کے مجموعہ کا مطلب وہی ہے جو مسی و محسن کا ہے لیکن چونکہ ظاہری صفت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے متغایر نہیں اسی لیے ان کا ایک دوسرے پر عطف جائز ہے اس لیے کہ پہلے دو یعنی اعمیٰ والبصیر کے عمی دلبصر کا تعلق قلب سے ہے اور اس سے علم مطلوب ہے اور دوسروں کا تعلق جوارح سے ہے یعنی ایمان و اعمال اعضاء سے متعلق ہیں اور اس سے عمل مطلوب ہے ورنہ درحقیقت الا الذین آمنوا و عملوا الصلحات۔ ایک شے ہیں۔ ایسے ہی اعمیٰ۔ المسیٔ ایک شے ہیں نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صراحۃً و تمثیل سے دلالت مراد ہو کہ دونوں وصفیں۔ مقد ہیں متحد نہیں یعنی ہر دونوں سے مطالب۔ محسن و مسی ہی ہیں مثلاً صراحت تو الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت اور المسی میں ہے اور اس کے ماقبل سے تمثیل مراد ہے یعنی لا عمیٰ والبصیر صرف تمثیلاً لائے گئے ہیں۔ لمتیلاً تتذکرون قلیلاً مصدر محذوف کی صفت ہے اور ما معنیٰ تلت کی تاکید ہے اور تذکر علی طریق الالتفات کفار کو خطاب

ہے اگر ضمیر کفار کے لیے ہو تو۔ مقام توبیخ میں التفات کا ایک فائدہ ہوتا ہے کہ کفار کو معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر ترین مخلوق ہیں اور ان کے رد یہ سے سخت طریقہ سے انکار ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے جھگڑنے والے کافرو تم بہت تھوڑی نصیحت پاتے ہو یعنی اگر چہ تمہیں معلوم ہے آگاہی غفلت سے بہتر ہے یہ دونوں برابر نہیں۔ ایسے ہی تمہیں یقین ہے کہ اچھا عمل بُرے عمل سے بہتر ہے۔ لیکن تم بہت تھوڑی نصیحت پاتے ہو بلکہ پاتے ہی نہیں ہو کیونکہ قلت کی نفی سے عدم محض مراد ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں قلیل الحیاء یعنی اس سرے سے حیا ہے ہی نہیں۔

حل لغات:۔ تاج المصادر میں ہے کہ التذکر بمعنی یاد کرنا یا یاد دلانا یا نصیحت حاصل کرنا۔ ان الساعۃ۔ بیشک قیامت۔ بارہا عرض کیا گیا کہ قیامت کو ساعت سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

الآتیۃ۔ البتہ آنے والی ہے۔ اسے لام سے مؤکد کیا گیا ہے کیوں مخاطبین کفار ہیں اور سورۂ طٰہٰ میں لام کے بغیر ہے مثلاً کہا گیا ہے ان الساعۃ اٰتیۃ۔ اس لیے کہ وہاں مخبر اس خبر پر شک کرنے والا نہیں[1] لاریب فیھا۔ اس میں شک نہیں یعنی اس کے آنے میں کسی قسم کا شک نہیں کیونکہ اس کے شواہد واضح ہیں۔ ان کے بعض وہ ہیں جو مذکور ہوئے مثلاً لخلق السمٰوٰت الخ و لکن اکثر الناس لیکن اکثر یعنی کفار لا یؤمنون۔ اس کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ ان کی نگاہیں ظواہر تک محدود ہیں اور فہم کی قوت بھی بہت کم رکھتے ہیں اور وہ بھی صرف محسوسات تک پھر یہ کفر و تکذیب انسان کی طبیعت کے تقاضے ہیں سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے اور اس کی دل کو نگاہ لطف سے نوازے۔

فائدہ:۔ پل صراط پر سات موقف ہیں۔
سوال ہوگا ایمان سے اور یہی تمام سے سخت ترین ہے اور اس میں کامیاب ہو گیا تو نجات پا گیا ورنہ گر کر سب سے نچلے طبقہ میں پہنچے گا۔
پھر نماز کا سوال ہوگا۔
تیسری منزل پر زکوٰۃ کی پرسش ہوگی۔
چوتھے پر روزہ پوچھا جائے گا۔
پانچویں پر حج کا سوال ہوگا۔

---

[1] برہان القرآن ۱۲۔

چھٹے اور ساتویں پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سوال ہو گا۔
اگر ساتوں کے جوابات صحیح دیئے گئے تو نجات ورنہ جہنم ؎

کرد بعث محمد عربی
تا بود خلق را رسول و نبی
ہرچہ ثابت شود بقول ثقات
کہ محمد علیہ الف صلوات
داد مارا خبر بموجب آں
واجب آمد زما ایماں

ترجمہ:۔ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھیجا تا کہ آپ جملہ مخلوق کے لیے نبی و رسول ہوں۔
۲ :۔ جو معتبر بزرگوں سے روایت ثابت ہے کہ محمد پر ہزاروں صلوٰت و سلام۔
۳ :۔ معتبر لوگوں سے ہم تک خبر پہنچی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس کی خبر دی ہے اس پر ہمارا ایمان ہے۔

فائدہ :۔ اساس اور بنیاد ایمان و توحید ہے انہی پر ہی تمام واجبات کا دارو مدار ہے۔

حکایت :۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے بصرہ میں ایک جنازہ کو دیکھا کہ اُسے سوائے اُٹھانے والوں کے اور کوئی ساتھ نہ تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ شہر کے بہت بڑے جرائم پیشہ کا جنازہ ہے۔ میں نے اس کی نماز جنازہ پڑھ کر قبر میں اُتارا اور جا کر ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان سے دو فرشتے اُترے اور اُس کی قبر میں صرف ایک فرشتہ داخل ہوا اور کہا اسے اہل نار میں لکھو اس لیے کہ اس کا کوئی عضو بھی گناہ سے خالی نہیں۔ دوسرے نے کہا جلدی نہ کرو ذرا مجھے بھی دیکھنے دو۔ دوسرے فرشتے نے لت غور سے دیکھ کر کہا کہ واقعی اس کے تمام اعضاء جرائم میں ملوث ہیں لیکن اس کا دل ایمان سے معمور ہے اسی لیے اسے اہل جنت میں لکھ دو۔

سبق :۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو دل ایمان و توحید سے معمور ہو اُس کے لیے اُمید کی جا سکتی ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جائیں۔

مسئلہ :۔ قیامت کے قیام کے متعلق باوجودیکہ دلائل و آثار واضح اور روشن ہیں لیکن منکرین ایک نہیں ماننے اور انکار ہی انکار کیے جا رہے ہیں۔ اور اہل ایمان و توحید پرست قیامت کو ہر وقت اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔

حکایت:- حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیف اصبحت یا حارثہ۔ اے حارثہ رات کیسے گزری۔ عرض کی اصبحت مؤمنا حقا۔ الحمد للہ ایمان کی سلامتی سے رات بسر ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے حارثہ ہر شے کی حقیقت ہوا کرتی ہے بتلایئے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ عرض کی عزفت نفسی عن الدنیا میں نے دنیا کو خود سے دور رکھا فاطمأنت نہادھا و اسہرت لیلہا و استوی عندی حجرھا و ذھبھا۔ اور دن کو روزے سے رات کو بیداری سے گزارا۔ اب میرے نزدیک پتھر اور سونا برابر ہے۔ وکانی انظر الی اھل الجنۃ یتزاورون والی۔ اھل النار یتضاغون گویا میں بہشتیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے آجا رہے ہیں اور دوزخیوں کے شور و غل کو دیکھ رہا ہوں۔ وکانی الی عرش ربی بارزا۔ اور عرش الٰہی کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصبت فالزم۔ بہت خوب اسی پر رہو۔

ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ اگر مجھ سے پردے ہٹ بھی جائیں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ ؎

حال خلد و جحیم دانستم
بیقین آنچنانکہ می باید
گر حجاب از میانہ برگیرند
آں یقین ذرہٗ نیفزاید

ترجمہ:- بہشت اور دوزخ کا حال میں نے جان لیا اور جیسا کہ وہ نہیں۔

۲:- میں نے یقین سے جانا اگر درمیان سے حجابات اُٹھ جائیں تو پھر یقین ہی یقین ہے اس میں اضافہ کا کیا معنی۔

سبق:- اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اولیاء اہل عیان کے سامنے کوئی شے محجوب نہیں۔ دنیا کی کوئی شے بھی ان کے علم و شہود و معرفت سے پوشیدہ نہیں ایسے ہی آخرت میں درجات و قربات اور مراتب میں اُن کے برابر کا اور کوئی نہیں ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں صالحین محسنین اور ان حضرات سے بنائے جو مطالب دنیا و دین و آخرت کے مطالب میں کامیاب ہیں۔

تفسیر عالمانہ:- وقال ربکم۔ اور اے لوگو تمہارے پروردگار نے فرمایا ادعونی میری عبادت کرو۔ میری توحید مانو۔ استجب لکم۔ تمہاری عبادت قبول کروں گا۔ یعنی تمھیں ثابت قدم رکھوں گا۔ اس معنیٰ کا قرینہ اگلا جملہ ہے

ان الذین یستکبرون عن عبادتی۔ بیشک وہ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں یعنی میری عبادت سے اطاعت سے جی کتراتے ہیں۔

سیدخلون جہنم، عنقریب جہنم میں داخل کریں گے۔

داخرین، درآنحالیکہ وہ ذلیل ہیں یعنی وہ کمزور و ضعیف ہیں۔ یہ دخور سے ہے بمعنی خوار ہونا۔ دخر سے ہے بمعنی منع دفرح بمعنی صغروذل۔

ردّ وہابیہ:- دورِ حاضرہ ۱۴۰۶ھ میں ہمارے زمانہ کے خوارج ومعتزلہ کا دعویٰ ہے کہ دعا صرف بمعنی سوال (پکارنا، مانگنا ہے) اس کا رد کرتے ہوئے صاحبِ روح البیان لکھتے ہیں:

وان فسر الدعاء بالسؤال کان الاستکبار الصادف عنہ منزلۃ منزلۃ الاستکبار وعن العبادۃ خاقیم الثانی مقام الاول للمبالغۃ۔

ترجمہ:- اگر دعا کو صرف سوال کے معنیٰ میں بیا جائے تو جو اس سے تکبر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عبادت سے تکبر کرتے ہیں اس معنیٰ پر مبالغہ کے طور پر دوسرا پہلے قائم مقام ہے۔

جواب تنزلی:- اس کا اعتراف کرکے کہ عبادتی میں بمعنی دعا ہو تو بھی حرج نہیں اس لیے کہ دعا بھی عبادت کے افضل العبادات سے ہے تو مجازاً اطلاق العام علی الخاص کے قبیل سے ہے۔

فائدہ:- حضرت علامہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعا بمعنی سوال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ سے سوال کرو کہ میرے خزانے مالا مال ہیں اور میرا کرم ہر اُمیدوار کی اُمیدیں پوری کرتا ہے کون سا گدا ہے جو بھی میرے آستانے پر جبین نیاز خم کرے میں تقدم مراد اس کے ساتھ میں بخشتا ہوں جو سائل مجھ سے سوال کا دست دراز پھیلاتا ہے۔ میں اس کی گودڑی رحمت سے بھر دیتا ہوں ؎

بر آستان ارادت کہ سر نہاد شبے
کہ لطف دوست بروئش دریچہ بکشو

ترجمہ:- جس نے بھی آستانِ الٰہی پر کسی شب سر رکھا دوست کا لطف اس پر دریچہ رحمت کھول دیتا ہے۔

۱؎ یہاں مفسرین نے ادعونی بمعنی اعبدونی لکھا ہے صنا۲ ج ۴

تفسیر صوفیانہ: بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھ سے غفلت بلا کر کچھ مانگو تو میں تمھیں بلامہلت دے دوں گا۔ تم مجھ سے بلا خفاء مانگو تو میں تمھیں تمھارا مدعا عطا کروں گا۔ مجھ سے بلا خطاء مانگو تو میں تمھیں عطا فرماؤں گا تم مجھ سے دُعا کی شرائط پوری کر کے مانگو یعنی اکل حلال کے بعد دُعا مانگو (تو تمھاری یہ دعا مستجاب ہو گی۔

فائدہ: مشائخ فرماتے ہیں کہ دعا ہر حاجت کی کنجی ہے لیکن اس کے دندانے اکل حلال ہیں۔

حکیم ترمذی کی تقریر: حضرت حکیم ترمذی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس نے دُعا مانگی لیکن اس سے پہلے توبہ و انابۃ و اکل حلال و اتباع سنت و مرامات سر سے دعاء کا راستہ صاف نہیں کیا تو اس کی دعا مردود ہو گی بلکہ مجھے خطرہ ہے کہ اس کی دعاء کا جواب طرد و لعن سے نہ دیا جائے۔

ہر دعا مُستجاب: مشائخ فرماتے ہیں کہ مومن کی ہر دعا مستجاب ہوتی ہے بایں معنی کہ یا تو اس کا مطلب پورا کر دیا جاتا ہے۔ یا اسے ایسا کام پورا کر دیا جاتا ہے جو اس کے سوال کردہ مُدعا سے بہتر ہوتا ہے۔

مسئلہ: کافر دراصل اللہ تعالیٰ سے تو مانگتا نہیں وہ تو اس کے شریک سے سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

ردّ بدمذہب فرقہ معطلہ: فرقہ معطلہ کی دعا بھی قبول نہیں کیونکہ وہ اس معبود کی پرستش کرتے ہیں جس کے صفات نہیں مثلاً وہ کہتے ہیں خدا وہ ہے جس کی صفات، حیات و سمع و بصر و کلام و قدرت و ارادہ نہیں۔ یہ ان کا گندا اور غلط عقیدہ ہے۔ اس معنیٰ پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے (ایسے ہی وہابیہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے کذب کے امکان کے قائل ہیں۔ وہ بھی حقیقی معبود کی پرستش سے محروم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہر نقص و عیب سے منزہ و مقدس ہے)۔

مشبہ فرقہ کا ردّ: مشبہ فرقہ بھی اس خدا کی پرستش کرتے ہیں جس کے اعضاء ہیں اور حقیقی معبود تو جوارح و اعضاء سے منزہ اور پاک ہے (وہابیہ غیر مقلدین بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء کے قائل ہیں اگرچہ وہ کہتے ہیں اس کے ہاتھ نہ ہمارے جیسے۔ اس کا پیر ہے لیکن ہمارے جیسا وغیرہ۔ (ہدی المهدی)

ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ وہ جوارح و اعضاء سے منزہ و مقدس ہے اس کی کوئی مثل نہیں۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔

مشبہ فرقہ کی نشانی: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جو مدبر (باری تعالیٰ) کی طلب میں فکر کو دوڑا کر کسی موجود شے کو اللہ سمجھتا ہے وہ مشبہ فرقہ سے ہے اور جو بالکل وجود باری تعالیٰ کی نفی کرتا ہے وہ فرقہ معطلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر اس کے وجود کا قائل ہے لیکن اس کے سمجھنے سے قاصر ہے اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہے تو وہ پکا موحد مسلمان ہے۔

عقیدۂ اہلسنت: اہلسنت اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات اور اُن اُمور (جو اُن کی شان کے لائق نہیں) کی نفی کرتے ہیں۔ اسی لیے یہ حقیقی معبود سے دُعا مانگتے اور ہر مومن کی دُعا مستجاب ہوتی ہے کیونکہ وہ جب اس سے سوال کرتا ہے تو وہ اس کا مدعا یا دنیا میں پورا فرما دیتا ہے یا اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا دیتا ہے۔ پھر کل قیامت میں اسے فرمائے گا جو تو نے مجھ سے سوال کیا تھا وہ تجھے دیا گیا لیکن جو نہیں دیا گیا تو وہ یہ ہے جو تیرے لیے آج کے دن کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھا گیا تھا اُس وقت بندہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دنیا میں میرا مدعا نہ ملتا۔

نکتہ: بندے کو دُعا کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر مبنی ہے کہ وہ چاہے تو اس کی دُعا قبول کرے لیکن فوراً اجابت کا بھی ایک وقت مقرر ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ بادشاہ خوشی میں بیٹھا ہو تو اس وقت سائل سوال کرے تو اس کے سوال کو رد نہیں کرتا۔

ملفوظ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ آج عرفات میں اللہ تعالیٰ کے وفود اس کے در اقدس پر بھیک مانگنے کے لیے حاضر ہیں اسے ان کے مطالب پورے کرنے کے لیے کوئی کمی نہیں بھلا بتاؤ کسی بادشہ سے کوئی ایک ٹیڈی پیسہ مانگے تو کیا بادشاہ کو دینے میں تامل ہو گا یا اس کے خزانے میں کمی آسکتی ہے تو بلاتمثیل اللہ تعالیٰ کے لیے جمیع مخلوق کے جمیع مطالب پورے کرنے میں کوئی کمی نہیں آتی۔

اجابت کے مقامات: عرفات میں وقوف اجابت دعا کا بہترین محل ہے ایسے ہی جمیع عبادات کے مقامات واوقات الطاعات بھی اجابت کے بہترین محل ہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وہ میرے حکم پر چل رہا ہے تو اس سے راضی ہوتا ہے۔ اُس وقت اس سے جو کچھ مانگتا ہے وہ اسے عطا فرما دیتا ہے۔

سفیان ثوری کا جواب:۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دعا کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ ترک ذنوب سے ہی دعا مستجاب ہوتی ہے۔

عبادتی نسخہ:۔ بعض عارفین باللہ فرماتے ہیں کہ نماز افضل الحرکات اور روزہ افضل السکنات اور تضرع عبادات کے ہیاکل ہیں ہے۔ افلاک دائرہ جن امور کو باندھ دیتا ہے تو انہیں عبادات ہی کھولتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ضروری ہے۔

حکایت:۔ ایک مجنوں طواف کر رہا تھا اسے کسی نے مزاحاً کہا کہ کیا تجھے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے برأت کا پروانہ عطا فرمایا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پوچھا کیا تم نے پروانہ لے لیا ہے انہوں نے کہا ہاں ہم سب نے لے لیا ہے۔ یہ سنتے ہی آہ وفغاں کر کے کعبہ شریف کے پردوں کو لٹک کر رونے لگا کہ الٰہی مجھے بھی جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا فرما اس کے ساتھی اور دوسرے طواف کرنے والوں نے کہا بھائی یہاں سے پروانہ ملنے کا کیا معنیٰ تیرے ساتھی نے تو تیرے ساتھ مذاق کی ہے - اس نے کسی کی نہ مانی۔ بدستور روتا رہا اور کہتا تھا الٰہی مجھے بھی جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا فرما اس کا رونا اللہ تعالیٰ کو پسند آیا چنانچہ غیب سے ایک پرچہ اس کے ہاتھ میں گرا جس پر لکھا تھا کہ اسے جہنم سے آزاد کیا۔ پرچہ دیکھ کر وہ مجنون بہت خوش ہوا۔

عجوبہ:۔ پرچہ کو دیکھ کر لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور پرچے کو دیکھنے لگے اس کی یہ خاصیت تھی کہ وہ ہر طرف سے برابر پڑھا جاتا اسے اُلٹایا جاتا تو کتابت بھی اُلٹ کر سیدھی پڑھی جاتی۔ اس سے لوگوں نے یقین کیا کہ واقعی اسے اللہ تعالیٰ سے برأت کا پروانہ عطا ہوا ہے۔

دُعا معجون ہے:۔ دُعا ہیں بہترین خصلتوں کی جامع ہے جو اس کے ضمن میں حاصل ہوتی ہیں یہ معجون کی طرح ہے کہ وہ بھی بہترین اجزاء ہوتا ہے۔ مثلاً دُعا سے مندرجہ ذیل عبادات نصیب ہوتی ہیں:۔

۱۔ عبادت	۲۔ اخلاص	۳۔ حمد
۴۔ شکر	۵۔ ثنار	۶۔ تہلیل
۷۔ توحید	۸۔ سوال	۹۔ رغبت
۱۰۔ رہبت	۱۱۔ ندار	۱۲۔ طلب
۱۳۔ مناجات	۱۴۔ افتقار	۱۵۔ خضوع
۱۶۔ تذلل	۱۷۔ مسکنت	۱۸۔ استعانت
۱۹۔ استکانت	۲۰۔ التجار۔	

رب العالمین نے ادعونی استجب لکم جیسے مختصر کلمات میں ان ہیں خصائل حمیدہ سے بندے کو نوازا

مثلاً فرمایا اگر تم مجھ سے دعا مانگو تو میں تمھیں ان خصائل حمیدہ سے نوازوں گا تاکہ تمھیں معلوم ہو کہ یہ قرآن کیسا بہترین جوامع الکلم ہے۔

وسیلہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: تروِیح القلوب میں ہے کہ ہر نیک کام میں توجہ الی اللہ ضروری ہے اور ایسے دعا اور توبہ کے وقت اور ایسے ہی اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا نام اور اُس کے محامد و ثناء اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کا وسیلہ اور آپ پر صلوٰۃ و سلام کیونکہ یہ سعادت کی کنجی ہے ایسے ہی اکل حلال۔ ایسے ہی ہر طاقت و قوت سے بیزاری کا اظہار اور غیر اللہ کی التجا سے ترک اور حسن ظن بہ حق و جمع الہمۃ و حضور القلب و غایۃ الدعاء اور اظہار الفاقہ کا ہونا ضروری ہے۔ تب دعا مستجاب ہونے پر پُر اُمید ہو ویسے ہو گا وہی جو منظور خدا ہو گا ؎

جز خضوع و بندگی و اضطرار

اندریں حضرت ندارد اعتبار

ترجمہ:۔ سوائے خضوع و بندگی و اضطرار کے اس بارگاہ میں کوئی اعتبار نہیں۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے اندرون حصہ سے ہاتھوں کی اُلٹی جانب سوال نہ کرو اور جب تم دعا سے فراغت پاؤ تو انھیں اپنے چہروں پر ملو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین سوال عافیت طلبی ہے۔[1]

مسئلہ:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا سنت ہے اور یہی اصح ہے اور اسرار محمدیہ میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کرتے کہ وہ دُعا کے بعد ہاتھوں کو چہروں پر مل لیا کریں اور اس پر بہت بڑی تحریض فرماتے۔

نکتہ:۔ اس میں راز یہ ہے کہ انسان دُعا کے وقت خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے ظاہراً بھی باطناً بھی۔ یہی وجہ ہے کہ دُعا کے وقت حضور قلبی شرط ہے اور ضروری ہوتا ہے کہ دعا کے وقت یوں سمجھے کہ وہ حق کے آستان کے سامنے حاضر ہے۔ ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا اور پھر ہاتھوں کو منہ پر ملنے میں یہی راز ہے کہ اس کا ایک ہاتھ ظاہر کی توجہ اور دوسرا باطن کی توجہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور زبان ان دونوں کی ترجمان ہے اور ہاتھوں کو منہ پر ملنے میں حصول برکت کی وجہ سے ہے یعنی تبرک۔[2]

۱۔ کشف الاسرار

۲۔ یہ حوالہ گو صحیح ہے لیکن قنیہ غیر معتبر کتاب ہے لیکن اس سے وہ قنیہ مراد ہے جس کا مصنف معتزلی ہے ۱۲۔

اعجوبہ: فرقہ وہابیہ دیوبندیہ تبرک سے گھبراتا ہے لیکن اس کی شومئ قسمت کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلامی اُمور کی ادائیگی کے بہت سے مسائل میں تبرک پر مامور فرمایا ہے جس کا اسے علم تک نہیں ہوتا یہ اس فرقہ کی بدقسمتی ہے کہ جن اُمور کو وہ شرک کہتے ہیں وہی اُمور درحقیقت عین عبادت ہیں۔

نکتہ صوفیانہ: دُعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے میں انسان کو تنبیہہ ہے کہ وہ اس حقیقت کی طرف رجوع کرے جو رُوح و بدن کی جامع ہے کیونکہ ہر شے چہرہ اس کی حقیقت ہے اور یہ چہرہ اس حقیقت کا مظہر ہے۔

مسئلہ: دُعا کے وقت سینہ کے برابر ہاتھ اُٹھانا مستحب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے ہی کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ دعا کے وقت دونوں ہتھیلیوں کو کھلا رکھے اور ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ضرور کرے اگرچہ معمولی سا ہو۔

مسئلہ: دعا کے وقت ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر نہ رکھے۔

مسئلہ: اگرچہ سردی ہو یا کوئی اور عذر ہو تو اُنگلی کے اشارہ سے دعا مانگے یہی دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے قائم مقام ہوگا۔

مسئلہ: ہاتھوں کو آستین سے باہر نکال کر دعا مانگنا سنت ہے۔

حکایت بایزید: حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک رات میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اُس وقت ایک ہاتھ اُٹھایا دوسرا نہ اُٹھا سکا کیونکہ سخت سردی تھی دوسرا ہاتھ اُٹھایا نہ جا سکا اس کے بعد میں سو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا ایک ہاتھ نور سے پُر ہو گیا ہے اور دوسرا خالی ہے۔ میں نے عرض کی یارب یہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سے جواب ملا کہ جو ہاتھ تم نے دعا کے وقت ہمارے سامنے پیش کیا اسے ہم نے بھر دیا اور جو تو نے نہیں اُٹھایا وہ خالی رہا۔

تفسیر صوفیانہ: ادعونی الخ میں اشارہ ہے کہ مجھ سے مجھے مانگو۔ میرے غیر سے نہ مانگو اس لیے کہ جس کا میں ہو جاتا ہوں اس کے لیے وہی ہے جو میرا ہے اور مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے ضرور پالے گا۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

خلاف طریقت بود کاولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ خدا تعالیٰ کے سوا خدا کے آرزو کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان دُعا گوؤں اور عبادت گزاروں سے بنائے جو اخلاص کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝
كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ
وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ
طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى
مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

ترجمہ:۔ اللہ ہے جس نے تمھارے لیے رات بنائی کہ اس میں آرام پاؤ اور دن بنایا آنکھیں کھولتا بیشک اللہ لوگوں پر فضل والا ہے لیکن بہت آدمی شکر نہیں کرتے وہ ہے اللہ تمھارا رب ہر چیز کا بنانے والا اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔ یونہی اوندھے ہوتے ہیں وہ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ ہے جس نے تمھارے لیے زمین ٹھہراؤ بنائی اور آسمان چھت اور تمھاری تصویر کی تو تمھاری صورتیں اچھی بنائیں اور تمھیں ستھری چیزیں روزی دیں۔ یہ ہے اللہ تمھارا رب تو بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا۔ وہی زندہ ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو اسے پوجو نرے اسی کے بندے ہو کر۔ سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا رب تم فرماؤ میں منع کیا گیا ہوں کہ انھیں پوجوں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو جب کہ میرے پاس روشن دلیلیں میرے رب کی طرف سے آئیں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ رب العالمین کے حضور

گردن رکھوں ۔ وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی بوند سے ۔ پھر خون کی پھٹک سے پھر تمھیں نکالتا ہے بچہ ۔ پھر تمھیں باقی رکھتا ہے کہ اپنی جوانی کو پہنچو ۔ پھر اس لیے کہ بوڑھے ہو اور تم میں کوئی پہلے ہی اٹھا لیا جاتا ہے اور اس لیے کہ تم ایک مقررہ وعدہ تک پہنچو اور اس لیے کہ سمجھو وہی ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے ۔ پھر جب کوئی حکم فرماتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا ۔ جبھی وہ ہو جاتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ:۔ اللہ الذی جعل ۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا کیا ۔ لکم ۔ تمھارے نفع کے لیے اللیل ۔ اندھیری رات ۔ لتسکنوا فیہ ۔ تاکہ تم اس میں آرام کر سکو ۔ رات بارد رطب ہے یہ نفس اور قویٰ و حواس کو کمزور بناتی ہے ۔ اسے اندھیری بنایا گیا تاکہ حواس کو سکون پا سکے اس لیے کہ نفس و قویٰ اور حواس بوجہ قلت اشتغال و اعمال سکون پاکر راحت حاصل کریں گے ۔

طبی اصول:۔ ابن ہیثم نے کہا کہ رات کو حرکت سے سکون کے مناسب بتایا گیا اس لیے کہ حرکت دو قسم ہے :۔

۱۔ حرکت طبعی از حرارت ۔

۲۔ حرکت اختیاری از خطرات جو بسبب حواس کے پے در پے واقع ہوتے ہیں اسی لیے رات سیاہ بنائی گئی تاکہ حواس حرکت نہ کر سکیں اور اسے بارد بنایا تاکہ حرکت متحرک نہ ہو اسی مناسبت سے برد (ٹھنڈک) کو قرّ (قرار) کہا جاتا ہے کیونکہ برد سکون کی مقتضی ہے اور حر د (گرمی) حرکت چاہتی ہے ۔ والنہار اور دن کو راہ دکھانے والے کہ اس میں راستہ ملتا ہے کہ چلنے والے اس کی روشنی کے ذریعے راہ پاتے اور اشیاء کو دیکھتے ہیں اور اس لیے کہ دن میں گرمی ہوتی ہے ۔ یہ اکتساب معاش میں حرکات کو گرماتا ہے اسی لیے نہار کی ابصار کی طرف نسبت مجاز ہے اس سے مبالغہ مطلوب ہے اسی لیے تعلیل سے حال کی طرف عدول کیا ہے یعنی تبصروا کے بجائے مبصراً کہا گیا ہے یعنی جب نفس نہار کو مبصرا کہا گیا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمال بسبب ابصار اور کثرت آثار قوت باصرہ کی وجہ سے مبصراً کہا گیا ۔

سوال :۔ اللیل میں مبالغہ کیوں نہیں کیا گیا۔

جواب :۔ چونکہ دن ایک بڑی نعمت ہے اس لیے کہ اسے حیات سے بہت زیادہ مکمل ومشابہت ہے بہ نسبت اللیل کے کیونکہ اسے موت سے مشابہت ہے اس لیے نہار مبالغہ کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ یہ امتنان کے قائم مقام ہے۔ علاوہ ازیں اللیل سکون سے موصوف ہوئی اس لیے اس کی ہوا ساکن ہے اور یہ اس کی مجازی وصف ہے جس کا سبب کو علم ہے اس میں مبالغہ اظہار شان پیدا کرتا ہے جس کا کشاف میں اشارہ ملتا ہے۔

فائدہ :۔ اسے اگر احتساك (مناسبت) پر محمول کیا جائے تو بعض نے کہا اس کا معنی ہوگا۔ جعل لکم اللیل مظلما لتسکنوا فیه والنهار مبصرا لتبشروا فیه ولتبتغوا من فضل الله ۔ اس تقریر پر پہلا حذف کیا گیا۔ دوسرے کے قرینہ سے اور دوسرا پہلے کے قرینہ سے

اب پہلی تقریر کی ضرورت نہ رہی کہ جس میں مجاز کا ارتکاب کیا گیا ہے (کذا افادہ سعدی المفتی)

تفسیر صوفیانہ :۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رات بنائی تاکہ تم روح مناجات کی طرف سکون پاسکو اور دن کو بنایا تاکہ اس میں تم قدرت کے جلوات دیکھ سکو۔

فائدہ :۔ اس میں اشارہ ہے کہ ~~بعض~~ ~~اس لیے بنائی~~ ریاضات ومجاہدات قلوب کے لیے استراحت سے تھوڑا سا سکون حاصل کر سکیں تاکہ وہ مداومت ذکر و تعبد اور اعباء امانت کے بوجھ سے اکتا نہ جائیں اور روحانیت کا دن بنایا تاکہ اسے طلب کی جدوجہد کا مظہر بنائے اور دکھ و تکلیف پر برداشت کرنے پر صبر کر سکے۔

سکون الناس فی اللیل کے اقسام :۔ لوگوں کا رات میں سکون چار قسم ہے :۔

۱۔ اہل غفلت استراحت نفوس وابدان سے سکون پاتے ہیں۔ ۲۔ اہل شہوت اپنے جیسے مردوں عورتوں سے سکون پاتے ہیں۔

۳۔ اہل طاعت حلاوت اعمال اور ان میں کثرت اور ان پر استقلال سے سکون پاتے ہیں۔

۴۔ اہل نفوس وقلوب کے گریہ اور اسرار کے لیے عاجزی اور نار شوق سے ارواح میں شعلہ زنی سے سکون پاتے ہیں بلکہ یہ رات و دن کے قرار کو ختم کر دیتے ہیں یہی وہی لوگ ہیں جو ہمیشہ شوق کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ ؎

ہر کہ از درد خدا آگاہ شد ذکر و فکرش دائما اللہ شد

ترجمہ :۔ جو درد خداوندی سے آگاہ ہوا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول ہوا۔

ان الله لذو فضل ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) علی الناس ۔ لوگوں پر رات اور دن کے پیدا کرنے میں اس کے فضل کے برابر کا کوئی نہیں نہ اس جیسا کوئی ہو سکتا ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یشکرون ۔ لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

فائدہ :- الناس کا تکرار اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہی ہیں جو ان سے بہت ناشکری ہوتی ہے ورنہ یہاں پر ضمیر لائی جاتی۔ تصریح مطلوب ہے کہ انسان کا عمومی حال یہی ہے بلکہ ان کا اکثر یہی رویہ ہے یعنی اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا شکر نہیں کرتے یہ ان کی جہالت ہے کہ وہ اپنے منعم کو نہیں سمجھتے اور ان پر ایسی غفلت چھائی ہوئی ہے کہ نعمتوں کے مواقع سے بھی بے خبر ہو گئے ہیں یعنی انہیں چاہیئے تھا کہ وہ نعمت کے مواقع کی رفعت شان اور بلند قدری کو سمجھتے ہاں جب نعمت ان کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پھر ہاتھ ملتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہاں ہمارے لیے وہ نعمت بہت بڑی عظیم الشان تھی جیسے بعض لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہو جاتا ہے۔ خدانخواستہ کسی کو گھرے کنوئیں میں کوئی ظالم مدت دراز تک قید میں ڈال دے پھر اسے ہوا اور خالی میدان کی نعمت کا پتہ چلتا ہے۔ اب سمجھتا ہے کہ روشنی کی کیا قدر ہے۔ ؎

یکے را عسس دست بربستہ بود
ہمہ شب پریشان دل خستہ بود
بگوشش آمدش در شب تیرہ رنگ
ہر شخصے ہمی نالد از دست تنگ
شنید ایں سخن دزد مسکین و گفت
ز بیچارگی چند نالے بخفت
برو شکر یزداں کن اے تنگ دست
کہ دستت عسس تنگ برہم نہ بست

یعنی اب تجھے قدرت ہے عمل کر لے ؎

ندانند کسے قدر روز خوشی
مگر روزے افتد بسختی کشی

ترجمہ :۔ کسی کے کوتوال نے ہاتھ باندھ دیئے وہ تمام شب پریشان دل خستہ رہا۔
۲ :۔ اس کے کان میں آواز آئی کہ ایک شخص رات کو پریشان ہے اور وہ تنگی سے رو رہا ہے۔
۳ :۔ یہ بات چور نے سنی اور کہا کہ وہ مسکین صرف روزی کی تنگی سے پریشان ہے۔
۴ :۔ وہ شکر کرے کہ اس کے ہاتھ کو توال نے تو نہیں باندھ رکھے۔
۵ :۔ خوشی کے ایام کی وہ قدر کیا جانے ہاں جب وہ دکھ میں مبتلا ہو تو اسے قدر معلوم ہو گی۔

زمستان درویش بس تنگ سال
چہ سہلبت پیش خداوند مال
چہ دانند جیحونیاں قدر اب
نزدا ماندگاں پرس در آفتاب
کسے قیمت تندرستی شناخت
کہ یک چند بیچارہ درتپ گداخت
ببانگ دہل خواجہ بیدار گشت
چہ داند شب پاسباں چوں گشت

ترجمہ:۔ مست درویش تنگ سال کا حال خداوند مال کو کیا معلوم ۔
۲ :۔ جیحوں (دریا والے) پانی کی قدر کیا جانیں ان غریبوں سے پانی کی قدر پوچھئے جو دھوپ میں پیاسا مر رہا ہو۔
۳ :۔ تندرستی کی قدر اُسے معلوم ہے جو چند لمحات بخار کی گرمی میں تڑپتا رہا ہو ۔
۴ :۔ جو صاحب نقارہ کی آواز سے بیدار ہوتا ہو اُسے کیا معلوم کہ رات کو پہرے دار پر کیا گزری ۔

ذلکم ۔ وہی ان افعال میں منفرد ہے جو الوہیت و ربوبیت کے مقتضی ہیں
اللہ ربکم خالق کل شئ ۔ اللہ تمہارا پروردگار ہر شے کا خالق ہے ۔
لا الہ الا ھو ۔ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں ۔
یہ اخبار مترادفہ ہیں جس کی لاحقہ سابقہ کی تخصیص و تقریر کرتی ہے ۔

فائدہ :۔ کشف الاسرار میں ہے کہ کل یہاں پر بمعنی بعض ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ مخصوص عنہ بعض ہے جس میں وہ بعض داخل نہیں جو خلق سے تعلق نہیں رکھتا ۔

فانی تؤفکون ۔ تو پھر کیسے پھیرے جا رہے ہو یعنی عبادتِ الٰہی سے غیر اللہ کی عبادت میں کس وجہ سے پھیرے جاتے ہو ۔

کذلك یؤفك الذین کانوا بآیات اللہ یجحدون ۔ ایسے ہی وہ لوگ پھیرے جاتے تھے جو آیات الٰہی کا انکار کرتے تھے یعنی اس پھرنے عجیب کے کہ جس کی نہ کوئی وجہ ہے اور نہ صحت قریش کو حق سے پھیرا ہے کہ لڑائی پہ آمادہ ہو گئے اور حق سے بالکل نکل گئے حالانکہ ان کے اِں توحید اور دین حق کے دلائل بھی ہیں ایسے پہلے لوگ جنہیں حق سے انکار تھا وہ بھی حق سے پھر جاتے ایسے ہی آنے والے منکرین کا حال ہوگا کہ وہ آیات میں کسی آیت کا انکار کرتے رہے یا کرتے رہیں گے جو ان کو اس کے خلاف کوئی اور غلط دلیل مدنظر ہوتی ہے جس کو وہ اپنی

دلیل کو حق سمجھ کر انکار کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

حل لغات: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ افک ہر وہ امر جو اصلیت اور حقانیت اکہ جس پر اسے ہونا چاہیئے تھا) سے پھرا ہوا ہو اسی لیے ان ہواؤں کو مؤتفکات کہا جاتا ہے جو اپنی سمت سے مڑ کر دوسری طرف چلیں۔ اَب انی تؤفکون معنی یہ ہوا کہ اے کافرو اعتقاد حق سے باطل کی طرف اور صدق سے کذب کی طرف اور جمیل فعل سے قبیح کی طرف کیسے پھرے جا رہے ہو اور رجل ما فوک اس مرد کو کہتے ہیں جو حق سے باطل کی طرف پھرا ہوا ہو۔

الجحود بمعنی جس کا اثبات مطلوب ہے اس کی نفی کرنا اور جس کی نفی مقصود ہو اُس کا اثبات کرنا لیکن تجحد فعل سے مخصوص ہے۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ اور اُس کی آیات کا اقرار کرے کیونکہ وہی اُس کا خالق و رازق ہے۔

حدیث معراج: معراج کی احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو جسے تم اس لیے محبوب سمجھتے ہو کہ وہ تمھارا محسن ہے تو اس کا میں ہی سب سے زیادہ مستحق ہوں اس لیے کہ میری تمھارے لیے بہت بڑی نعمتیں ہیں اور آسمان و زمین والوں میں سے تم جس سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو اس کا بھی میں مستحق تر ہوں کیونکہ کمال قدرت کا مالک میں ہوں۔ اگر تم کسی سے اُمیدیں وابستہ رکھتے ہو اس کا بھی میں ہی مستحق ہوں کیونکہ مجھے اپنے بندوں سے بہت بڑا پیار ہے اگر تم کسی پر جفا کر کے اس پر شرمسار ہو تو بھی اس کا مستحق میں ہی ہوں کیونکہ تم جفا کرتے ہو اور میں وفا کرتا ہوں اگر اپنے اموال و انفس سے کسی کو ترجیح دیتے ہو تو بھی اس کا مستحق میں ہی ہوں کیونکہ میں تمھارا معبود ہوں۔ اگر تم کسی کے ساتھ وعدہ ایفا کرنے کا خیال رکھتے ہو تو بھی اس کا مستحق میں ہی ہوں کیونکہ میں صادق ہوں۔

سبق: عبودیت و معرفت کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔

ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے خوشی ہرگز نہیں کہ میں بچپنے ہو کر فوت ہو جاتا اور بہشت میں داخل ہوتا بلکہ مجھے اس سے بہت مسرت ہے کہ میں جوان ہو کر عرفان الٰہی حاصل کروں اس لیے انسان عبادت و معرفت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کسی کو وقت مل جائے اور عمر طویل حاصل ہو تو اسے چاہیئے کہ مطالب کے انتہائی منازل پر اور اپنی استعداد کے لیے عالی مراتب پر پہنچنے کی کوشش کرے۔

سبق: جس نے زندگی گنوا دی اور سستی میں وقت ضائع کر دیا تو وہ اس بچے کی طرح ہے جو بچپن میں مر گیا جو کمالات و سعادات کے زیور سے مزین نہ ہو سکا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عرفان کے لیے جد و جہد کرنے والوں سے بنائے (آمین)

تفسیر عالمانہ :۔ اللہ الذی جعل لکم۔

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے مصالح و حوائج کے لیے بنایا۔ الارض قراراً۔ زمین ٹھہرنے کی جگہ یعنی جائے قرار و مکان ثبوت و سکون اس لیے کہ قرار جیسے ثبات و سکون کے لیے آتا ہے ایسے ہی اس معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے جس میں قرار ہو اور زمین مطلقاً پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

فائدہ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قرار بمعنی حیات و بعد الممات کی منزل زمین کو بنایا۔ والسماء بناء۔ البناء بمعنی مبنی یعنی تمہارے لیے آسمان بنایا ہوا بلند قبہ بنایا جو تمہارے اوپر ہے۔ ابنیۃ العرب اسی سے ہے بمعنی وہ جگہیں جو ٹھہرنے کے لیے تیار کی جاتی ہیں وہ اس لیے کہ آسمان آنکھوں میں فضائے زمین پر بلند قبہ کی طرح محسوس ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ :۔ تاویلات نجمیہ میں اشارہ ہے کہ خلق لکم۔ زمین کو مستقل تمہارے لیے پیدا کیا ہے دوسرے تمہارے طفیلی اور تبعا ہیں تاکہ تم اس میں ٹھہرو اور آسمان بھی صرف تمہارے لیے بنایا ہے تاکہ وہ تمہارے لیے چھت کا کام دے اور وہ بھی تمہارے لیے مستقلاً ہے باقی تمہارے طفیلی ہیں۔

فائدہ :۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ زمین اپنے اولیاء کے قرار کے لیے بنائی اور آسمان ملائکہ کے لیے اس میں اشارہ ہے۔ اس حدیث قدسی کی طرف جس میں فرمایا اولیاء تحت قبائی (میرے دوست میری قباؤں میں ہیں) یعنی وہ ملکوت کی قباؤں میں پوشیدہ ہیں۔ ان کا حال کسی کے منکشف نہیں ہوتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ خود بتائے۔

فائدہ :۔ پہلے اللہ تعالیٰ کے اس فضل کا بیان تھا جو زمانہ کے متعلق تھا۔ اب اس فضل کا بیان ہے جو مکان سے تعلق رکھتا ہے۔

وصورکم فاحسن صورکم میں اس فضل کا ذکر انسانوں کے نفوس سے متعلق ہے (اور تمہاری صورتیں بنائیں تو بہتر صورتیں بنائیں) فاحسن صورکم میں فا تفسیریہ ہے کیونکہ احسان تصویر کا عین ہے جیسے حدیث ان اللہ ادبنی فاحسن تادیبی (بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا تو بہتر ادب سکھایا) میں احسان تادیب کا عین ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا تادیب (ادب سکھانا) حسن ہی حسن

---

[1] قاموس

بلکہ احسن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہترین صورت تیار فرمائی ہے کہ تمہارا قد و قامت سرو نما ہے، صاف چہرے سے نوازا اور متناسب اعضا بنائے اور ہر موقعہ پر بہترین لکیریں کھینچی ہیں اور تم کو ہر طرح کی صنعت کے حاصل کرنے والا بنایا بلکہ ہر کمال کے حاصل کرنے کی تمھیں استمداد بخشی۔

حدیث شریف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم (علیہ السلام) کو قائم و معتدل بنایا کہ اپنے ہاتھ سے کھاتا پیتا اور لیتا دیتا ہے بخلاف دوسری مخلوق کے کہ وہ منہ سے شے کو لے کر کھاتی پیتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ بشریت انسان کی زمین کو رُوح کی قرارگاہ بنایا اور آسمان و روحانیت تمہاری صورتوں کے عالم میں جمع فرمایا اس جیسی صورت کی حقیقت کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی نہ ملائکہ کو نہ جنات کو نہ شیاطین و حیوانات کو اسی مطلب کی طرف۔ آیت لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ بیشک ہم نے انسان کو اچھی تقویم میں پیدا فرمایا) اور آیت فاحسن صورکم میں اشارہ ہے اس لیے کہ انسان کو اپنے جمال کا آئینہ ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل جمیل من جمال اللہ۔ ہر جمیل اللہ تعالیٰ کے جمال کی جھلک ہے اور انسان کو جمیل اس لیے بنایا تاکہ اس سے پیار کرے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ان اللہ جمیل یحب الجمال۔ بیشک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔

فائدہ: صورتِ انسانی اس لیے حسین ہے کہ یہ آئینہ جہان نما ہے اور یہ جملہ حقائق علوی و سفلی و جمیع دقائق صوری و معنوی کا جامع ہے اور ذات کے انوار معرفت و صفات کے آثار شناخت اس کے آئینہ جامعہ سے چمکتے نظر آتے ہیں ؎

اے صورت تو آئینہ سر وجود
روشن زرخت پرتو انوار شہود
مجموعہ ہر دو کونے و نیست چو تو
در مملکت صورت و معنیٰ موجود

ترجمہ: تیری صورت سرِ وجود کا آئینہ ہے انوار شہود کے پرتو تیرے رُخ روشن ہے۔
٭ مجموعہ ہر دو کون میں تیرے جیسا نہیں۔ صورت و معنی کی مملکت میں تیرے جیسا موجود ہے۔

نکتہ: اس میں ملائکہ کی خطا کا اظہار ہے، جب اُنھوں نے انسان کی صورت پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفك الدماء۔ کیا تو زمین پر ایسا پیدا کرتا ہے جو فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا۔

نکتہ:- حسن وہ نہیں جسے لوگ حسین سمجھیں بلکہ حسین وہ ہے جسے محبوب حسین سمجھے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ معترضین وہ نہیں جنہوں نے تمہاری قبیح صورتوں کا اظہار کیا بلکہ قباحت وہ ہے جو تمہارے بُرے اعمال تمہارے اعمالنامے میں لکھ کر لائے لیکن ہم نے تمہاری سیئات کو مٹا کر تمہارے دفتروں میں حسنات لکھوا دیئے۔ چنانچہ فرمایا یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت (مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے) اور فرمایا فاولئٹ یبدل اللہ سیاتہم حسنات۔ وہی اللہ تعالیٰ جو ان کے سیئات کو حسنات سے تبدیل کرتا ہے۔

یاد رہے کہ صوری و معنوی حسن انسان سے مخصوص ہے اصل مدار انسان ہے اس کا ماسوا اس کے گرد گھومتے ہیں۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

اسرار چار دفتر و مضمون نہ کتاب
در نقطۂ تو ساختہ ایزد نہاں ہمہ
ز بہر خدمت تو فلک ہا چو بندگان
ز اخلاص بستہ اند کمر بر میاں ہمہ
پیش تو سر بخاک مذلت نہادہ اند
باں علوم و مرتبہ روحانیاں ہمہ

ترجمہ:۔ چار دفتروں کے اسرار اور نو کتابوں کے مضامین اللہ تعالیٰ نے تیرے نقطہ میں مخفی رکھے ہیں۔
۲ ،، نوکروں کی طرح تیری خدمت کے لیے تمام افلاک اخلاص سے تیری خدمت کے لیے کمربستہ ہیں۔
۳ ،، روحانیوں کے (باوجود علوم و مراتب کے) تیرے سامنے عاجزی سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:- ورزقکم من الطیبات۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزیں بخشیں یعنی کھانے کی لذیذ اشیاء اور تیری غذا جملہ حیوانات سے ممتاز بنائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ:- تاویلات نجمیہ میں ہے کہ طیب وہ نہیں جسے لوگ طیب سمجھیں بلکہ طیب وہ ہے جسے حق تعالیٰ پاکیزہ بنائے وہ خود بھی پاک ذات ہے اور پاکیزہ چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ اور ایسی پاکیزہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قبول فرماتا ہے اور بندے کی پاکیزہ کمائی سے کلمات طیبہ بھی ہیں یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، جیسا کہ فرماتا ہے الیہ یصعد الکلم الطیب۔ اللہ تعالیٰ کی طرف کلمات طیبہ ہی پہنچتے ہیں اور یہ کلمہ اللہ

مقدس و

تعالیٰ کے عطیات سے ہے۔ یہی اس کی صفات جمالیہ وجلالیہ کی تجلی ہے۔ اسی کی طرف ذٰلکم من الطیبات میں اشارہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ طیب کی کئی قسم ہے :۔

۱۔ ارزاق ۲۔ اذکار ۳۔ حالات

تفسیر عالمانہ :۔ ذٰلکم وہ ذات جس کی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات بیان کی گئی ہیں۔ اللّٰہ۔ اللہ (معبود برحق ہے) ذٰلکم کی خبر ہے۔ ربکم۔ تمہارا پروردگار ہے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ یہ دوسری خبر ہے۔ فتبارک اللّٰہ۔ پس برکت والا ہے اللہ تعالیٰ۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے یعنی وہ مقدس ومنزہ ہے اور اپنی ذات میں اس سے منزہ ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو اس کی عبادت میں کیونکہ مذکورہ بالا نعمتوں کے عطا کرنے میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔

رب العالمین۔ وہ جملہ عالمین یعنی انسانوں، جنوں وغیرہ کا پروردگار ہے یعنی وہ ان سب کا مالک ومربی ہے تمام اس کی ملک ہیں اور سب کے سب اس کی ذات ووجود کے محتاج ہیں اپنے جملہ احوال میں یہاں تک کہ اگر لمحہ بھر اس کا فیض ان سے معدوم ہو تو یہ سب کے سب مٹ جائیں۔

ھوالحی۔ وہی زندہ ہے یعنی حیات ذاتیہ حقیقیہ میں وہی منفرد ہے۔ اس پر موت نہیں وہ سب پر موت طاری فرمائے گا۔

لا الٰہ الا ھو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ کوئی موجود شے ایسی نہیں جو اس کی ذات وصفات وافعال میں اس کا مقابلہ کر سکے۔

فادعوہ۔ صرف اُسی کی ہی عبادت کرو اس لیے عبادت کے موجبات صرف اسی سے خاص ہیں۔

مخلصین لہ الدین۔ درانحالیکہ اسی کے لیے دین کو خالص کرنے والے ہو یعنی خالص اسی کی طاعت کرو جس میں شرک جلی وخفی کو دخل نہ ہو۔ درانحالیکہ کہنے والے ہو۔

الحمد للّٰہ رب العالمین۔ جملہ تعریفیں اللہ تعالیٰ عالمین کے پروردگار کے لیے ہیں۔

حدیث شریف :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جو لا الٰہ الا اللّٰہ کہے اسے چاہیئے کہ اس کے بعد پڑھے الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تفسیر صوفیانہ :۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ھوالحی یعنی اسی کے لیے ہے حیات حقیقیہ ازلیہ ابدیہ اور کوئی زندہ ہے تو اسی کے زندہ کرنے سے جسے اپنی صفات کے نور

سے زندہ کرتا ہے جیساکہ فرمایا کہ فاحیناہ و جعلنا لہ نورا۔ تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے نور بنایا۔

ھوالحی کے بعد لا الہ الا اللہ اشارہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنی حیات کی صفت کے نور سے زندگی بخشے وہ مرتبہ الہیہ کو نہیں پہنچ سکتا فلہذا الہیت صرف اسی کے لیے مخصوص ہے اسی لیے تم اپنے چاہیے کہ دین میں اخلاص کر کے اسی کی عبادت کرو۔ یعنی خلوص سے اپنی عبودیت کا اقرار کرو کہ اس میں زبانی نبوت کا دعویٰ نہ ہو۔ جیسے بعض درویشوں نے کہا انا الحق کا اور بعض نے سبحانی ما اعظم شانی کا دعویٰ کیا۔

الحمد للہ رب العلمین۔ یعنی رب رب العالمین کی حمد کرو اس میں کہ تمہیں عدم سے وجود میں اُتار کر اپنے فضل و کرم سے مقام وحدت تک پہنچایا کیونکہ یہ ایسا مقام تھا جہاں پر پہنچنا اس کے بس میں نہ تھا یعنی وہ اپنی کوشش سے نہیں پہنچ سکتا تھا اس کا فضل و کرم ہوا کہ اس نے اسے یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

نیستم از کشش جذبۂ رحمت نومید
گرچہ از قلزم وحدت بکنار افتاد

ترجمہ:۔ جذبہ رحمت کی کشش سے ناامید نہیں ہوں۔ اگرچہ قلزم وحدت سے کنارے پہ پڑا ہوں۔

فائدہ:۔ جیسے انسان کا مقام وحدت تک پہنچنا اس کے فضل سے نصیب ہوتا ہے ایسے ہی اس مقام کے دعویٰ سے نجات پانا بھی اس کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں یا تو محض اس کے باطنی فضل سے کہ جس کا ظاہری سبب نہ ہو یا اس مرشد کامل کی رہبری سے جو خود ایسا انتہائی مقامات کا واصل ہو۔ جب ان دونوں اسباب سے کوئی نہ ہو تو مقام وحدت تک پہنچنے والا ہمیشہ نشہ و خمار میں رہتا ہے۔ پھر اس سے خلافِ شرع باتیں صادر ہوتی ہیں جیسا کہ اسلاف میں بعض نادانوں سے ایسی باتوں کا صدور ہوا۔

تفسیر عالمانہ:۔ قل (حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے۔)

شانِ نزول:۔ مروی ہے کہ کفار قریش نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے باپ[1] عبداللہ اور دادا عبدالمطلب (رضی اللہ عنہما) کے دین کو نہیں اپناتے۔ اس پر یہ

---

[1] یہ آیت یکہ ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کا ایمان لانا بعد کو ہے جبکہ حضور سرور

آیت اُتری کہ اے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایئے ۔ انی نہیت ۔ بیشک میں روکا گیا ہوں ۔

حاشیہ بقیہ صہ۲۴۹ کا

عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطور معجزہ زندہ کر کے اپنے دین میں داخل فرمایا اور وہ شرف مومن بآیمہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے عالی مراتب و کمالات کے مالک بن گئے تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے یہاں محل وموقعہ کی مناسبت سے اپنے زمانہ کے اخبارات اور بچشم مدینہ طیبہ پہنچ کر مشاہدہ کرنے والوں کے بیانات سے عرض کر دوں کہ :-

"مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما کا جسد مبارک جس کو دفن کیے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے بالکل صحیح سالم حالت میں برآمد ہوا ۔ علاوہ ازیں صحابئ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت مالک بن سنان کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے جسد مبارک بھی اصلی حالت میں پائے گئے ہیں ۔ جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ دفنایا گیا ۔ جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کے چہرے نہایت تر وتازہ اور اجسام اصلی حالت میں تھے "

اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں اس طرح کے ہزاروں واقعات ہوئے اور ان شاء اللہ ہوتے رہیں گے اسی طرح ایک عرصہ پہلے ہم نے اخبارات میں پڑھا اور یہ صرف اخباری بات نہیں بلکہ بنی برحقیقت ہے اس لیے کہ جنہوں نے آنکھوں سے دیکھا ان کا مشاہدہ کہتا ہے کہ ۱۹۳۲ء میں شاہ عراق کو مسلسل کئی دن خواب آتا رہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو صحابہ ان سے کہتے ہیں کہ ہماری قبروں میں نمی آگئی ہے ۔ اور ایک قبر میں تو دجلے کا پانی رسنا شروع ہو گیا ہے اس لیے ہمیں یہاں سے اٹھا کر سلمان پاک (مدائن کا نیا نام) میں دفن کیا جائے ۔ بادشاہ نے علماء کرام سے پوچھا تو سب نے بالاتفاق مشورہ دیا کہ قبریں کھول کر حال معلوم کیا جائے ۔ شاہ عراق نے اعلان کر دیا کہ عید النحر کی نماز کے بعد دونوں قبریں کھولی جائیں گی ۔ عربی کے اخبار "النجم" میں یہ خبر شائع ہوئی اور جہاں جہاں مسلمان آباد تھے ۔ وہاں وہاں سے اپیلیں اور درخواستیں آنی شروع ہو گئیں کہ تاریخ ابھی رکھی جائے جس پر ... دوسرے ملکوں کے مسلمان بھی اس سعادت میں شریک ہو سکیں ، چنانچہ تاریخ تبدیل کر دی گئی ۔ مقررہ تاریخ پر جب قبروں کو کھولا گیا تو واقعی ، قبر کی حد میں نمی تھی ۔ لیکن دونوں صحابی جن میں

النہی یعنی کسی شے سے روکنا۔ ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ۔ یہ کہ میں عبادت

حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۴۹ کا

سے ایک کا نام جابر عبد اللہ اور دوسرے غالباً معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما اسی انداز میں آسودہ لحد پائے گئے جیسے انہیں شہادت کے بعد دفن کیا گیا تھا (شہید کا کفن ہی لباس ہوتا ہے جسے پہنے ہوئے وہ شہادت حاصل کرتا ہے) بالکل بوسیدہ تھا۔ ہاتھ لگانے سے بکھر جاتا تھا لیکن جسم دونوں کے تروتازہ زخم ہرے اور خونچکاں تھے اور جابر بن عبد اللہ کی آنکھوں میں تو چمک ایسی تھی کہ ایک جرمن ڈاکٹر جو موقع پر موجود تھا پہلے تو وہ حیرت میں گم رہا۔ اور جب حیرت کم ہوگئی تو اسی موقع پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ (فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

دوبارہ دفن:۔ پھر ان اجساد مطہرہ کو غسل دے کر سلمان فارسی کے روضے کے احاطے میں نئی قبروں میں دفن کیا گیا اور یہ واقعہ مسلسل کئی برس تک دنیا بھر کے اخباروں میں مختلف زبانوں میں شائع ہوتا رہا اور کلام الٰہی کی ان آیات مقدسہ کی تائید کرتا رہا کہ "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تم ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہو"۔ کوئی مادہ پرست کوئی منکرِ خدا کوئی دہریہ (بدعقیدہ) بتائے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ (روزنامہ نوائے وقت ۲۰ جنوری ۱۹۷۸ء) (روزنامہ امروز لاہور، ۱ ستمبر ۱۹۱۵ء)

پاکستان میں:۔ واقعات مذکورہ غیر ملکی ہیں بفضلہ تعالیٰ ہمارے اپنے ملک پاکستان میں بھی ہوبان خدا کی نہیں ۱۹۶۵ء کے پاک بھارت جنگ میں یہاں بھی اس قسم کے سینکڑوں واقعات رونما ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں جنگ، مشرق، نوائے وقت، امروز میں تازہ واقعہ ہم نے پڑھا۔ قارئین تفسیر بھی پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کریں۔ ہم اخبارات کے تراشے انہی تواریخ کے مطابق عرض کرتے ہیں۔

روزنامہ جنگ:۔ "گجرات۔ یہاں سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر موضع نوشہرہ میں ایک ایسے بزرگ کا مزار کھدا گیا ہے جنہوں نے تقریباً چار سو سال قبل اپنی زندگی میں یہ بشارت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد لوگ انہیں تین بار دیکھ سکیں گے:۔

۱۔ وفات کے بعد وہ بزرگ جنہیں سیمیار سرکار بھی کہا جاتا ہے کو دریائے چناب کے کنارے دفن کیا گیا۔

۲۔ وہاں نوے ۹۰ سال اور بعض روایات کے مطابق ایک سو سال کے بعد سیلاب آگیا۔ چنانچہ

کروں ۔ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے یعنی بتوں کی لما جاءنی البینات من ربی ۔ جبکہ میرے پروردگار سے

حاشیہ بقیہ

ان کی میت وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دی گئی ۔

۳ ۔ اب وہ بزرگ گجرات سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے دفن تھے کہ ان کا مزار ایک بار پھر دریا کے کٹاؤ کی زد میں آگیا ۔ چنانچہ ان کی میت کو تیسری بار یہاں سے نکالا گیا ۔

۴ ۔ اور پاکستان بھر کے ہزاروں افراد تین روز سے مسلسل ان کا دیدار کر رہے ہیں ۔ گزشتہ روز ان کے دیدار کا آخری تھا اور اس موقعہ پر لاکھوں کا ہجوم تھا ۔ امن و امان برقرار رکھنے کے لیے گجرات سے پولیس کے خصوصی دستے طلب کرنا پڑے ۔

۵ ۔ عورتیں بچے مرد اور بوڑھے آخری دیدار کے لیے دھکم پیل کر رہے تھے ۔ کئی بار امن و امان کا مسئلہ بھی پیدا ہوا اور پولیس کو بار بار مداخلت کرنا پڑی ۔

۶ ۔ چار سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود میت صحیح سلامت حالت میں تھی ۔

۷ ۔ لوگ بسوں، کاروں، ٹریکٹر ٹرالیوں اور سکوٹروں پر دھڑا دھڑ وہاں پہنچ رہے ہیں ہجوم کی وجہ سے کئی افراد بے ہوش بھی ہو گئے ۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کے امیر مولانا ابو داؤد محمد صادق نے بھی گزشتہ روز آپ کی زیارت کی ۔ حضرت پیر محمد سچیار حضرت نوشہ گنج بخش کے خلیفہ اور مرید خاص ہیں ۔ جن کی تبلیغ سے دو لاکھ غیر مسلموں نے اسلام کی دولت کو قبول کیا (جنگ لاہور ۸ دسمبر)

روزنامہ مشرق : " جلال پور جٹاں کے نواحی گاؤں نوشہرہ شریف سے برآمد ہونے والے حضرت محمد سچیار کے تابوت کی زیارت عام طور پر پانچ دسمبر سے آٹھ دسمبر تک نوشہرہ نوابگان میں کرائی گئی ۔ اس سلسلے میں بعض افراد نے اخبارات کو غلط تاویلات ارسال کیں اور عوام کی اکثریت کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی صاحبزادہ، غلام ربانی سجادہ نشین نوشہرہ ۔ صاحبزادہ نثار افضل چیئرمین مرکزی کونسل جلالپور جٹاں صاحبزادہ نذر محی الدین صاحبزادہ مختار احمد، صاحبزادہ سکندر حیات نے ہنگامی اجلاس میں اخباری نمائندوں کو اصل صورت حال سے آگاہ کیا اور باقاعدہ

میری طرف بینات یعنی آیات آئی ہیں یعنی میرے پروردگار سے آیات قرآنیہ کے نزول کے وقت۔

حاشیہ بقیہ

دستاویزات کے ثبوت مہیا کیے کہ جو جسدِ مبارک زیارت کے لیے رکھا گیا تھا وہ حضرت محمد سچیار کا ہی تھا۔

۱۔ حضرت محمد سچیار کا وصال ۲۵ ربیع الاول ۱۱۱۷ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار اطہر نوشہرہ شریف میں آپ کے اکلوتے بیٹے حضرت عبدالجلیل نے ۱۱۲۲ھ میں تعمیر کرایا تھا۔

۲۔ ۱۲۵۱ھ میں نوشہرہ دوبارہ دریائے چناب کی طغیانی میں آ گیا۔ اس طرح پہلی دفعہ آپ کا تابوت مبارک نکال کر دیدارِ عام کے لیے رکھا گیا۔ کئی روز تک لوگ حضرت کا دیدار کرتے رہے۔ ۱۲۶۰ھ میں چوہدری قادر بخش بھٹی وزیر اعظم مہاراجہ کپور تھلہ نے آپ کا شایان شان گنبد تعمیر کرایا۔ وہ اپنے ساتھ معمار بھی جالندھر سے لایا تھا۔

۳۔ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۱ء) میں دریائے چناب نے دوبارہ نوشہرہ کو زد میں لے لیا تو آپ کا تابوت مبارک نکالا گیا۔ آپ کی زیارت کرنے والے اکثر اصحاب کی اولاد زندہ ہے۔ وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ جب آپ کا تابوت مبارک کھولا گیا تو آپ کا جسم اطہر صحیح و سالم تھا۔ ان زیارت کرنے والوں میں صاحبزادہ نذر محی الدین کے والد بھی شامل تھے آپ کے اعضاء صحیح سالم تھے۔ آنکھ۔ ناک۔ ہونٹ۔ دانت۔ بال بدستور تھے۔ موضع عدالت گڑھ کا ٹیلہ خرید کر اس پہ آپ کو مع اولاد کے دفن کیا گیا۔ ٹیلہ کی خرید میں خان بہادر امجد شاہ ڈسٹرکٹ جج گجرات کا بھی حصہ تھا۔

۴۔ جولائی ۱۹۸۵ء میں ایک دفعہ پھر دریائے چناب کی طغیانی سے حضرت کے تابوت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو ۱۹ جولائی ۱۹۸۵ء میں ان کا تابوت قبر سے نکال کر محفوظ کر لیا گیا اور ان کے لیے نئی جگہ کی تلاش شروع ہو گئی۔ اس طرح دو تین ماہ نئی جگہ کے حصول میں گزر گئے۔ تاہم سجادہ نشینوں کی کوشش سے قریبی گاؤں میں دس ایکڑ زمین خریدی گئی۔ مگر بعض لوگوں نے اس پہ حق شفع کا مقدمہ کر دیا۔ جب شفع کا فیصلہ ہوا اور سجادہ نشینوں کو زمین مل گئی تو تب حضرت کا دیدارِ عام کرایا گیا۔ ۱۰ دسمبر کو ایک نئے

معنی ہم نے اس لیے لکھا ہے کہ اہلسنت کے نزدیک وجوب و نہی کے ورود سے پہلے نہ کوئی شے ممنوع ہے نہ واجب۔ بر ۔۔ ہو کہتا ہے کہ بت پرستی کی نہی عقلی ہے کیونکہ توحید پر عقلی شواہد موجود ہیں جس پر شرع نے اس نہی کو مؤکد فرمایا۔

ردّ وھابیہ :۔ ممکن ہے اس سے مخاطب[1] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا گیا لیکن اس سے مراد آپ کا غیر ہو (یہی قاعدہ اکثر خطابات کے صیغوں میں چلتا ہے۔)

حاشیہ بقیہ

دن حضرت کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ کے متعلق جو افواہیں پھیلائی گئی تھیں اور اخبارات کو غلط خبریں مہیا کیں۔ سجادہ نشین ان کے خلاف اعلیٰ عدالتوں میں قانونی کارروائی کر رہے ہیں تاکہ آئندہ کوئی شخص کسی بزرگ ہستی کی بے حرمتی نہ کر سکے۔ سجادہ نشینوں نے بتایا کہ وراثت کے متعلق جھگڑوں کی خبریں بھی بے بنیاد ہیں۔

۵۔ انہوں نے کہا پیر سچیار کے نام پر کوئی رقم اکٹھی نہیں کی گئی اگر ہم دیدار کے نام پر کوئی رقم اکٹھی کرنا چاہتے تو تین دن سے زیادہ دن تک کرایا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم نے وہی کچھ کیا جس کی انہوں نے وصیت کی تھی۔

(روزنامہ مشرق لاہور ۱۸ دسمبر، ۲۰ دسمبر ۱۹۸۵ء)

روزنامہ نوائے وقت : "حضرت پیر محمد سچیار حضرت نوشہ گنج بخش کے خلیفہ اور مرید خاص ہیں۔ ضلع گجرات کے علاقہ نوشہرہ میانہ میں دریائے چناب کے کنارے آپ کا مزار شریف ہے گزشتہ دو روز سے ہزاروں افراد آپ کی زیارت کرنے کے لیے اس دور افتادہ اور گنجان علاقہ میں دیوانہ وار پہنچ رہے ہیں۔ (نوائے وقت ۹ دسمبر)

روزنامہ امروز :۔ لاہور ۶ دسمبر گجرات کے نواحی علاقہ نوشہرہ میں ایک بزرگ سچیار مرحوم کی ایک کرامت دیکھنے میں آئی ہے۔ حضرت سچیار چار سو سال قبل وفات پا گئے تھے اور اپنی وفات سے قبل انہوں نے کہا تھا کہ ان کی وفات کے بعد دنیا تین دفعہ ان کی زیارت کرے گی۔

۱۔ ان کی کہی ہوئی بات سچ ثابت ہوئی اس تیسری مرتبہ۔

۲۔ اب یہ میت عام زیارت کے لیے رکھی گئی ہے اور لوگ جوق در جوق اسے دیکھنے آ رہے ہیں۔ کل ہفتے کو میت کی زیارت کا آخری دن ہو گا جس کے بعد حضرت سچیار کی میت،

تفسیر صوفیانہ:- من ربی میں اشارہ ہے کہ دلائل توحید اور انوارِ حقیقت کے شواہد پر کسی کو اطلاع نہیں سوائے اس کے کہ جسے ہدایت ازلیہ نصیب ہے لیکن متلاشیان حق پر لازم ہے کہ ماسوا اللہ سے اعراض اور بدعت و خواہشات پر اصنام کو ترک کر کے صرف اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ؎

در کعبہ دلست شب و روز روئے دل
چو آفتاب سجدہ بہر در کنم

ترجمہ:- کعبہ دل میں ہے شب و روز روئے دل اسی طرح سورج کی طرح ہر در پر سجدہ کرتا ہوں۔

تفسیر عالمانہ:- وامرت ان اسلم لرب العٰلمین اور مجھے حکم ہے کہ میں پروردگار عالم کے لیے گردن جھکاؤں۔ کہ صرف اُسی کی فرمانبرداری کروں اور

حاشیہ پچھلے صفحہ کا

کے مطابق میت کو کسی اور جگہ دفن کیا جائے گا اور اس پر مزار بھی بنایا جائے گا کیونکہ ان ولی اللہ کے قول کے مطابق تین ہی دفعہ ان کی میت کی زیارت ہونا تھی۔

۲۔ جو لوگ ان کی میت دیکھ کر آئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ چار سو سال گزر جانے کے باوجود میت نہ صرف صحیح حالت میں ہے بلکہ ان کے چہرے پر جھریاں تک نہیں اور ان کی داڑھی اور بھویں بھی کالی ہیں۔" (امروز لاہور ۶ دسمبر ۱۹۸۵ء)

اخبارات کی اس متفقہ تاریخی دستاویز کے باوجود بھی بعض لوگوں کا بد زبانی کرنا اور ان کی بدعقیدگی اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ہے۔ یہ ان کی بدقسمتی کی دلیل ہے ورنہ قرآن مجید میں صاف اور صریح ہے کہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ ه ترجمہ) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں خوشیاں مناتے ہیں (پ ۴ رکوع ۸) علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ "اکابر اولیاء بھی شہداء کے حکم میں ہیں۔ شہید کو تلوار گناہ سے پاک کرتی ہے اور اولیاء خود گناہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ نفس سے جہاد اکبر فرماتے ہیں اور ان کے ارواح اجسام کی طرح زمین و آسمان و بہشت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں۔ اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک فرماتے ہیں۔ ان سے باطنی فیض آتا ہے اور ان کو ہر عبادت کا ثواب جاتا ہے۔ (تذکرۃ الموتیٰ تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ)

لے اسی قاعدہ پر وہابیوں، دیوبندیوں کے بہت سے اعتراضات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں وہی اعتراضات

اسی کے لیے دین کو خالص کروں۔

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اسلم امرہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکایا اور حکم کو رضامندی و انقیاد سے بجالانے کو کہا جاتا ہے۔ و اسلمت لہ الشئ۔ جب کام خالص اور مکمل اسی کے لیے کیا جائے تو ہر دونوں تقدیروں پر اسلم با مفعول محذوف ہے۔ دراصل عبادت تھی ان اسلم امری و اخلص توحیدی و طاعتی۔ میں نے اپنا ہر معاملہ اسی کے سپرد کیا اور توحید خالص اُسی کے لیے تسلیم کی اور طاعت صرف اُسی کی ہے۔

اعجوبہ: برہان القرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کے بعد مسلسل تین آیات میں الحمد للہ رب العالمین لانا صرف اسی مقام پہ ایسے کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبوت کے بڑے کمال کے مالک اور رب کریم کے قرب میں سب سے قریب تر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت قدر و منزلت کا کیا کہنا اور شراب مستی میں آپ کی سیری کسی سے مخفی نہیں (شراب مستی سے مراد تجلی ذات وصفات ہے۔ اس کے باوجود آپ کو حکم ہے کہ آپ اپنی عبودیت اور ترک ربوبیت پر شکر خدا بجالائیں ورنہ مسلمانی کا دعویٰ نامکمل رہے گا (اس سے اندازہ لگایئے کہ آپ کے بعد پھر باقی کون ہے وہ جو اپنی عبودیت اور ترک ربوبیت پر شکر نہ کرے۔)

سبق: عاشق صادق پر لازم ہے کہ وہ مقام وحدت میں شراب تجلی کی لذت سے سکر کے غلبات پر غیر اللہ کے لیے الٰہیت کا اثبات نہ کرے کیونکہ رب رب ہے بندہ بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ادب مقبول ہے۔

فائدہ: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اے لوگو غور کرو حضرت منصور کو کیسی سزا ملی حالانکہ وہ اہل معنیٰ تھے پھر ان کا کیا حال ہوگا جو صرف زبانی لسانی باتیں کرتے ہیں یعنی انہیں حقیقت تو کیا نصیب ہوگی صرف خالی دعویٰ ہی ہے ان کو کتنا ملے گی۔

حاشیہ پچھلے صفحہ کا

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو علم و اختیار ہوتا تو فلاں کیوں اور کیوں نہ کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی تفسیر اویسی۔

حکایت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ:۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے انا الحق کا دعویٰ بلند کیا تو اسے دار پر چڑھا دیا گیا۔ میں اسی رات ان کی سولی کی جگہ کے نیچے میں شب بھر نفل پڑھتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو ہاتف نے آواز دی۔

اطلعناہ علی سر من اسرارنا فافشی سرنا فھذا جزاء من یفشی سر الملوک۔

ترجمہ:۔ "ہم نے اپنے رازوں سے ایک راز پر اسے مطلع کیا لیکن اس نے ہمارا راز فاش کر دیا یہ اس کی سزا ہے جو بادشاہوں کے راز فاش کرتا ہے۔"

فائدہ:۔ بادشاہوں کی عادت ہے کہ اسے معاف نہیں کرتے جو ان کے راز فاش کر دے یا ان کی مملکت کے درپے ہو یا ان کے حرم میں دست اندازی کرے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

رسید جان بلب و دم نمی توانم زد
کہ سر عشق ہمی ترسم آشکار شود

ترجمہ:۔ جان لبوں پر پہنچی لیکن میں دم نہیں مار سکتا۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں عشق کا راز کھل نہ جائے۔

حکایت:۔ حضرت شیخ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ فلاں شخص پانی پر تیرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا ہوا مینڈک اور مچھلی بھی تو پانی میں تیرتے رہتے ہیں۔ پھر عرض کی گئی کہ فلاں شخص ہوا پر اڑتا ہے آپ نے فرمایا کیا ہوا پرندے بھی تو اڑتے ہیں۔ عرض کی گئی فلاں مغرب تا مشرق ایک آن میں پہنچتا ہے آپ نے فرمایا کوئی بھی اڑتا ہے۔ ایسے ہی ابلیس بھی آن کی آن میں کہیں سے کہیں تک پہنچ جاتا ہے۔ عرض کی گئی تو آپ کے نزدیک کمال کس چیز کا نام ہے فرمایا کمال یہ ہے کہ ظاہر خلق سے اور باطن خالق سے مشغول ہو یہ مقام استقامت ہے جسے نصیب ہوتا ہے وہ راسخ فی التمکین ہوتا ہے بلکہ یوں کہو کہ وہ تکوین التمکین میں ہے ایسے خوش قسمت انسان سے راز فاش نہیں ہوتے اور نہ ہی اس سے ایسے دعاوی سرزد ہوتے ہیں جس سے عوام الناس میں فتنہ برپا ہو اور خوش قسمت ہے وہ انسان جو ادب کا دامن نہیں چھوڑتا اور اپنے رب تعالیٰ کے ہر حکم کی پابندی کرتا ہے۔

فائدہ:۔ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا السید نسیمی نے حق سمجھا لیکن اس نے بعض اسرار ظاہر کر دیئے جن کا چھپانا ضروری تھا۔ اس لیے انھیں الشیخ بالی الصوفی نے زندیقوں سے لکھا بلکہ وہ عارف تھا۔

سبق :۔ ہر مقام پر شریعت مطہرہ کی پاسداری ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ :۔ هو الذی خلقکم ۔ اے بنی آدم وہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ من تراب مٹی سے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے ضمن میں۔ ثم من نطفة ۔ پھر تمہیں تفصیلی طور بنایا پہلے نطفہ یعنی منی سے۔

حل لغات :۔ امام راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نطفہ صاف پانی جسے ماء الرجل (جوان کا پانی) یعنی اس کی پیٹھ کا وہ پانی جو رحم میں ڈالا جاتا ہے۔

طبی فائدہ :۔ ابن سینا نے کہا ہے

لا تکثرن من الجماع فانه

ماء الحياة يصب فی الارحام

ترجمہ :۔ جماع کی کثرت نہ کرو اس لیے کہ حیات کا پانی ہے جسے ارحام میں ڈال کر ضائع کیا جاتا ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے اصل آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ پھر تمہیں نطفے سے نسلاً بعد نسل پیدا فرمایا یہ معنیٰ ہے کہ تمہارے ہر ایک کو منی سے بنایا یعنی ہر انسان منی سے پیدا کیا گیا ہے اور منی ایک خون ہے جو حیوانی اور انگوری کی غذاؤں سے تیار ہوتا ہے اور غذائے حیوانیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ غذائے بناتیہ تک پہنچے یہ تقریر نہ کی جائے تو تسلسل لازم آئے گا کہ حیوانیت سے حیوانیت تیار ہوئی ایسے ہی پھر حیوانیت سے وغیرہ وغیرہ۔ اور انگوری پانی اور مٹی سے پیدا ہوتی ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ابتدائے امر میں تمہارا قالب اس ذرۂ ترابیہ سے پیدا کیا جسے آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا پھر اسے اس کی اولاد و آدم کے قطرات منی میں امانت رکھا۔ ثم من علقة ۔ پھر علقہ سے یعنی خون جامد سے کیونکہ چالیس دن کے بعد ماں کے پیٹ میں منی اسی شکل میں ہو جاتی ہے۔

ثم یخرجکم طفلا ۔ پھر تمہیں طفل بنا کر نکالتا ہے جب تک بچہ جوان نہ ہو اسے طفل کہا جاتا ہے۔ (المفردات)

ایسے ہی ہر شے کے صغیر کو طفل کہتے ہیں یا صرف مولود کو طفل کہا جاتا ہے (القاموس)

طفولیت کی حد پیدائش سے لے کر چھ سال تک ہے۔ (تفسیر الفاتحہ للفنازی)

فائدہ :۔ طفل مفرد ہے جمع نہیں جیسے بعض لوگوں کا گمان ہے۔

سوال :۔ قرآن مجید میں ہے او الطفل الذین لم یبلغوا الحلم ۔ اگر طفل مفرد ہوتا تو الذین کے بجائے الذی ہوتا۔

جواب: یہاں جنس ہے اور جنس کا اطلاق مفرد و جمع ہر دونوں پر آتا ہے ایسے ہی جہاں بھی جمع کا معنی دے وہاں جنس ہوگا۔ یہ کہ طفل صیغہ جمع ہے یا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم ہر ایک کو ماں کے رحم سے نکالتا ہے درانحالیکہ تم بچے ہوتے ہو تاکہ بعد کو تم آہستہ آہستہ جوانی تک پہنچو۔

لتبلغوا اشدکم۔ تاکہ تم اپنی قوت کمال و عقل تک پہنچو کہ منتہائے قوت تک جسے عالم شباب کہا جاتا ہے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ الشد واحد کا صیغہ ہے جو جمع کے وزن پر آیا ہے بمعنی قوت یعنی اٹھارہ سال سے تیس سال کا درمیانی زمانہ۔

کشف الاسرار میں ہے کہ جب انسان اکیس سال کا ہوتا ہے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں دخل فی الاشد۔ وہ انتہائی قوت کے دور میں داخل ہو گیا یہ اس لیے کہ اس دور میں انسان کی ہڈیاں پختگی اور اعضا قوت پاتے ہیں۔ ثم لتکونوا شیوخا۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ یعنی بڑھاپے کی حالت تک پہنچ جاؤ۔ الشیخ اسے کہتے ہیں جن کے سن میں کمزوری واقع ہو اور ضعف و نقاہت کھل کر سامنے آجائے۔ بعض نے کہا کہ وہ پچاس یا اکیاون سال سے آخر عمر کا نام ہے۔ بعض نے اسی سال تک کا کہا ہے (القاموس)

اور کشف الاسرار میں ہے کہ جب سفید بال شروع ہو جائیں تو کہا جاتا ہے شاب (بوڑھا ہو گیا) اور جب حرم میں داخل ہو تو کہتے ہیں شاخ۔ شیخ ہو گیا۔

شاعر کہتا ہے:

فمن عاش و من شب الشاب
و من شاب شاخ و من شاخ مات

ترجمہ: جو زندگی بسر کرے گا جوان ہوگا۔ جوان ہوگا تو بوڑھا بھی ہوگا۔ بوڑھا ہوگا تو شیخوخت تک پہنچ کر بالآخر مر جائے گا۔

حدیث شریف: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے سورت ہود اور اس جیسی اور سورتوں نے بوڑھا بنا دیا۔

فائدہ: یاد رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں معمولی اثر چھا گیا تھا زیادہ سے زیادہ آپ کے اکیس بال سفید تھے بعض نے صرف سترہ بتائے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفید بال تھے ہی نہیں۔ بعض سے سوال ہوا تو انہوں نے آپ کی عنفقہ کی طرف اشارہ

کیا یعنی آپ کے نچلے ہونٹ مبارک اور ٹھوڑی کے درمیان چند سفید بال تھے۔ یہ اختلاف بوجہ قلت کے تھا اور وہ بھی جب آپ تیل مبارک لگاتے تو چھپ جاتے (محسوس تک نہ ہوتا کہ آپ کے بھی سفید بال ہیں یا نہ (جنہوں نے نفی کی انہوں نے تیل لگے ہوئے بال مبارک کو دیکھا ہوگا۔)

ومنکم من یتوفی۔ اور تمہارے بعض وہ ہوتے جو فوت کیے جاتے ہیں یعنی اُن کی روح قبض ہو جاتی ہے تو وہ مرجاتا ہے۔

من قبل۔ بڑھاپے سے پہلے یعنی جوانی کے بعد یا پہلے۔

مسئلہ: ولتبلغوا اجلا مسمی۔ تاکہ تم وقت محدود و معین تک پہنچو جس سے تجاوز نہ کر سکو گے اس سے موت کا وقت مراد ہے یا قیامت کا دن مراد ہے کہ اس میں اس طرح ہوگا کہ انسان کو مٹی سے نکال کر پھر مذکورہ بالا اطوار بدلے گا۔ اسی معنی پر اسے ما قبل پر عطف نہیں ڈالا گیا۔

فائدہ 8: ہم نے اس سے یوم قیمۃ اس لیے مراد لیا ہے کہ آیت انسان کے جمیع مراتب (جو اسے مبدأ فطرت سے منتہائے امر تک حاصل ہوں گے) کو شامل ہے۔ اس تقریر پر اس سے یوم جزا بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ انسان کا وہی انتہائی مقصد ہے اور وہاں تک اس کے جمیع احوال کا انتہا ہے۔

ولعلکم تعقلون۔ اور تاکہ تم سمجھو ان حکمتوں اور عبرتوں کو جو اس نے مختلف اطوار میں منتقل ہونا ہے پھر اس سے خالق القوی والقدر کے وجود پر استدلال کر سکو۔

ھو الذی یحیی:۔ وہی ہے جو مردوں کو زندگی بخشتا ہے جیسے ارحام میں اور قیامت میں اُٹھنے کے وقت۔

ویمیت۔ اور زندوں کو مارتا ہے جیسے اجل کے اختتام کے وقت اور قبر میں سوال کے بعد نیز وہی اپنے نور ربوبیت اور لطف و کرم سے مردہ قلوب کو زندہ کرتا ہے اور نار قہر سے قلوب کو مارتا ہے۔ جب دل زندہ ہو تو نفس مرجاتا ہے اور جب دل مرجائے تو نفس زندہ ہو جاتا ہے۔

ملفوظ از نوری صاحب: حضرت حسین نوری قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے ایک نگاہ سے جملہ عالم کو زندہ کیا جو اس کی نظر سے اور اس سے زندہ نہیں وہ مردہ ہے اگرچہ بظاہر زندہ ہو اور گفتگو کرتا ہو۔ اور چلتا پھرتا بھی ہو۔

ع خوشا دل کہ از نور خدا بود زندہ

ترجمہ: وہ دل بہت خوش قسمت ہے جو نور خدا سے زندہ ہے۔

فاذا قضی امرا:۔ جس وقت وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے۔ القضاء بمعنی تقدیر اسے اس لفظ سے تعبیر کرنا اس کے لازم کی وجہ سے ہے یعنی تکوین کا ارادہ کرتا ہے گویا کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کو مقدر کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ہو جائے فانما یقول لہ کن فیکون تو بیشک اسے کہتا ہے

ہوجاتو وہ ہوجاتی ہے بغیر کسی توقف اور دیر کے کیونکہ اس کی تکوین کو آلہ اور وقت درست کی محتاجی نہیں ہے

فعل اورا کہ عیب و علت نیست
متوقف بہیچ آلت نیست
از زخم زلف کاف وطرۂ نون
ہر زماں شکلے آورد بیرون

ترجمہ:۔ اس کے فعل میں عیب ہے نہ علت اس کا فعل کسی آلہ پر موقوف نہیں۔
۲:۔ کاف و نون کے خم و طرہ سے ہر لحظہ نئی شکل ظاہر کرتا ہے۔

فائدہ:۔ یہ مقدرات میں ارادہ کے وقت قدرت ایزدی کی تاثیر اور اس کی تکوین کی مکونات کے ترتب میں سرعت کا تصور پیش کرتا ہے کہ وہاں نہ مامور ہوتا ہے نہ امر (گویا یہ مجاز ہے)۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ یہ حقیقت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مکونات کی تکوین کے وقت یہی کلمہ کن کہتا ہے۔ یہ اس کا کلام ازلی ہے نہ کہ یہی کلام حادث ہو۔ (کُن) وصورت وحروف سے مرکب ہے یعنی کن بمعنی احدث۔ فیکون۔ تو وہ جائے۔ مراد نہیں۔ جب اس خطاب تکوین کا تعلق فہم سے متعلق نہیں اور چونکہ وہ بہت بڑے فوائد پر مشتمل ہے یعنی وجود ہے تو ایسے خطاب کا تعلق معدوم سے جائز ہے۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا لفظ کُن ایک بار ہو گیا بار بار نہیں ہوتا۔

فائدہ:۔ التکملہ میں ہے کہ یہ کن کا خطاب شے کے وجود سے پہلے ہوتا ہے یا بعد کو (واللہ اعلم)

سوال:۔ اگر شے کے وجود سے پہلے ہو تو یہ خطاب بالمعدوم ہوگا اور وہ عقلاً محال ہے۔ اگر بعد کو ہو تو پھر کن خطاب کا کیا فائدہ۔

جواب:۔ مامور کے وجود کے ساتھ ہی کن کا خطاب ہوتا ہے نہ پہلے نہ بعد کو جیسے شے کی حرکت و سکون ایک دوسرے کے مقارن ہیں۔ یہ بھی ایسے ہی جیسے تقدم و تاخر کا سوال نہیں ہوتا ایسے ہی یہاں مثلاً ہم ایک شے کو ایک جگہ ساکن مانتے ہیں پھر وہ دوسری جگہ کے لیے منتقل ہوتی ہے۔ تو ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ حرکت محل اول میں ہے یا ثانی میں اگر کہو اول میں تو غلط ہے کیونکہ وہ ساکن تا محل تھا اس سے تو اجتماع النقیضین لازم آتا ہے اگر کہو دوسرے میں تو پھر وہ ساکن کے محل سے کیسے منتقل ہوئی اگر کہو کہ حرکت نہ محل اول میں ہوئی نہ ثانی میں تو پھر یہ بھی محال ہے کیونکہ اس طرح لازم آتا ہے کہ حرکت کسی غیر محل میں طاری ہوئی لازماً ماننا پڑا کہ اس سکون و حرکت میں تقدم و تاخر کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس تقریر کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حرکت ہے تو محل ثانی سے مخصوص لیکن محل اول کو خالی کرنے کے لیے اس میں طاری ہو کر محل ثانی میں مشغول ہوتی ہے۔

نکتہ :- اللہ تعالیٰ نے ۲۸ حروف نازل فرمائے ہیں اور اس کے حقائق کی بھی ۲۸ منزلیں مقرر فرمائی ہیں رفیع الدرجات کے تحت اسی پارہ میں ہم نے تفصیل بیان کر دی ہے اور دونوں ہاتھوں کے جوڑ بھی ۲۸ ہیں۔ ابہام کے سوا ہر انگلی میں تین جوڑ ہیں اور دو ابہام ہیں کل چودہ ہوئے اسی طرح دوسرے ہاتھ میں اور ہر جوڑ انہی اصول خمسہ کا مظہر بنا یا مثلاً ابہام قدرت کا اور سبحہ حیات کی اور وسطی علم کی اور بنصر ارادہ اور خنصر قول کی مظہر ہے چونکہ علم احاطہ کے لحاظ سے اعم ہے اسی لیے درمیان میں رکھا کہ دو اصل حیات و قدرت اس کے دائیں اور دو ارادہ و قول) اس کے بائیں ہیں۔

نکتہ :- ابہام میں (جو قدرت کا مظہر ہے اس سے تیسرا جوڑ اسی لیے نہیں تاکہ معلوم ہو کہ دوسری چار انگلیوں کا تعلق عام ہے اور قدرت غیر مطلقہ مجور تالحکم ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف ممکنات سے ہے اسی لیے اس کا مظہر ابہام (نر انگشت) کو بنایا جس کے صرف دو جوڑ ہیں کیونکہ قدرت کا معاملہ مبہم ہے اور اس کے تعلق با مقدور کی کیفیت ایک پوشیدہ امر ہے۔ اسی لیے اس کے مظہر کا نام بھی ابہام ہے اسی لیے تعلق القدرت بالمقدور سے بحث ناجائز ہے۔ ایسے ہی وجود باری تعالیٰ اور عذاب بعد الموت وغیرہ کی کیفیت میں بحث بھی ناجائز ہے۔ ایسے جملہ امور غامضہ میں بحثیں ناجائز ہیں مثلاً تقدیر وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

فعل ہائے کہ از ہمہ اشیاء

تو نہ بود در جہاں شد پیدا

گر ارادی بود چو فعل بشر

ور طبعی بود چو میل بشر

منبعث جملہ از مشیت اوست

متبنی بر کمال حکمت اوست

نخلا بے ارادتش نخارے

نگسلد بے مشیتش تارے

ترجمہ :- تمام اشیاء کے افعال جو نت نئے جہاں میں پیدا ہوتے ہیں۔

۲ :- ارادی ہو جیسے انسان کا فعل یا طبعی ہوں جیسے انسان کا طبعی میلان۔

۳ :- تمام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ابھرتے ہیں اور ہر ایک مبنی بر حکمت ہیں۔

۴ :- اس کے ارادہ کے بغیر کسی کو کانٹا نہیں چبھتا نہ ہی اس کی مشیت کے بغیر کوئی تار ٹوٹتی ہے۔

فی المثل گر جہانیاں خواہند
کہ سرِ موئے از جہاں کاہند
گر نباشد چناں ارادتِ او
نتواں کاستن سرِ یک مو
ور ہمہ در مقام آں آیند
گر بر آں ذرّۂ بے فزایند
نہ دہد بے ارادتِ او سود
نتوانند ذرّۂ افزود
بعد ازاں قدرتش بود کامل
مر مرادات را ہمہ شامل
اثرِ آں بہر عدم کہ رسید
رخت با خطۂ وجود کشید

ترجمہ:۔ مثلاً سارا جہان چاہے کہ کسی کا ایک بال جہان سے ہٹا دیں۔

۲:۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو تو نہیں ہٹا سکتے۔

۳:۔ اگر تمام مل کر کسی کا ذرہ برابر مرتبہ بڑھانا چاہیں۔

۴:۔ اس کے ارادہ کے بغیر کوئی نفع نہیں دے سکتے اور نہ ہی کسی کا مرتبہ بڑھا سکتے ہیں۔

۵:۔ کسی پر اُس کی قدرت کامل شامل حال ہو تو وہ مراد پائے گا۔

۶:۔ عدم سے تمھیں وجود ملا تو اسی سے تبھی تو تم اسباب باندھ کر وجود میں آئے۔

فائدہ:۔ احیاء اماتۃ کی حقیقت ایجاد کی طرف راجع ہے کیونکہ وجود وہی حیات ہی ہے اسی لیے اس کے فعل کو احیاء اور موت کے فعل کو اماتۃ کہا جاتا ہے۔ موت وحیات کا خالق صرف وہی ہے وہی حیات کو پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے وہی عطا کرتا ہے جس طرح چاہے اور اسے تا دیر اور دائم رکھے جب کے لیے چاہے سبب سے یا بلا سبب ایسے ہی موت کا خالق بھی وہی ہے زندوں میں سے جس کے لیے جب اور جیسے چاہے سبب سے یا بلا سبب مسلط کرے۔

سبق:۔ جسے یقین ہو کہ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے وہ موت وحیات کے لیے کسی قسم کا اہتمام نہیں کرتا بلکہ ہر وقت اسی ذات کے سامنے سر جھکائے رکھتا ہے اور اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا الذی خلقنی فھو یھدین۔ اُسی نے مجھے پیدا کیا تو وہی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۝
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڐ فَسَوْفَ
يَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝
فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا
كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا
مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝ اُدْخُلُوْٓا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ
قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ
يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ
هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

ترجمہ: کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہاں پھیرے جاتے ہیں وہ جنھوں نے
جھٹلائی کتاب اور جو ہم نے رسولوں کے ساتھ بھیجا وہ عنقریب جان جائیں گے جب ان کی گردنوں
میں طوق ہوں گے اور زنجیریں گھسیٹے جائیں گے کھولتے پانی میں پھر آگ میں دہکائے جائیں گے
پھر ان سے فرمایا جائے گا کہاں گئے وہ جو تم شریک بناتے تھے اللہ کے مقابل کہیں گے وہ تو ہم
سے گم ہو گئے بلکہ ہم پہلے کچھ پوجتے ہی نہ تھے اللہ یونہی گمراہ کرتا ہے کافروں کو یہ اس کا بدلا ہے
جو تم زمین میں باطل پر خوش ہوتے تھے اور اس کا بدلا ہے جو تم اتراتے تھے جاؤ جہنم کے دروازوں
میں اس میں ہمیشہ رہنے تو کیا ہی برا ٹھکانا مغروروں کا تو تم صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو اگر ہم
تمہیں دکھا دیں کچھ وہ چیز جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا تمہیں پہلے ہی وفات دیں ہر حال
انہیں ہماری طرف پھرنا اور بیشک ہم نے تم سے پہلے کتنے رسول بھیجے کہ جن میں کسی کا احوال تم سے بیان

فرمایا اور کسی رسول کو نہیں پہنچتا کہ کوئی نشانی لے آئے بے حکم خدا کے۔ پھر جب اللہ کا حکم آئے گا سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور باطل والوں کا وہاں خسارہ۔

بقیہ صـ۲۶۳ کا

تجھے ہدایت دے گا۔

وظیفہ فراق وحبس: اسم محی میں الفت کی خاصیت ہے جو فراق وحبس سے ڈرتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے نام کے عدد کی گنتی پر روزانہ اس کا ورد کرے۔

نفس تابع ہو: جسے خطرہ ہے کہ اس کا نفس طاعت وعبادت پر اس کے قابو نہ آئے گا تو وہ اسم ممیت کی کثرت کرے یہاں تک کہ نفس قابو میں آجائے اور ان اوصاف کو مٹا ڈالے جو احکام الٰہی بجالانے سے روکتے ہیں۔

فائدہ: پانی اسم محی کا اور مٹی اسم ممیت کا مظہر ہے۔ ایسے جملہ موجودات اسمائے الٰہی کے مظاہر ہیں۔

تفسیر عالمانہ: الم تر۔ کیا نہیں دیکھتے ہو۔ الی الذین یجادلون فی ایات اللہ۔ ان لوگوں کو جو آیاتِ الٰہی کے دفع اور باطل کرنے میں جھگڑتے ہیں انی یصرفون۔ کہاں پھرے جارہے ہیں یعنی اے محبوب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان مکابرین پر آیاتِ الٰہی (جو واضح اور ایمان کی موجب ہیں اور ان میں جھگڑا کرنے سے روکتی ہیں) کے متعلق جھگڑا کرنے والوں کو ان کے احوال شنیعہ وآرائے رکیکہ میں تعجب دلائی گئی ہے کہ یہ لوگ آیاتِ قرآنیہ سے اور تصدیق کے بجائے تکذیب کی طرف کیسے پھیرے جارہے ہیں حالانکہ ان پر ایمان لانے کے مضبوط اسباب موجود ہیں اور اس سے روگردانی سے منہ پھیرنے والے دلائل وبراہین ان کے سامنے ہیں۔

سوال:۔ اس سورت میں مجادلین کی چار جگہ مذمت کیوں؟

جواب:۔ مجادلین متعدد اقوام تھیں یا اس لیے کہ اسم موصول مختلفہ میں جھگڑا کرتے تھے یا صرف تاکید مطلوب ہے۔

الذین کذبوا بالکتاب۔ جنہوں نے کتاب یعنی تمام قرآن کی تکذیب کی۔ یہ جملہ محلا مجرور ہے اس لیے کہ اسم موصول سے بدل ہے۔

سوال:۔ الارشاد میں ہے دوسرے موصول کی مجادلہ کو چھوڑ کر صرف تکذیب صلہ کیوں؟

جواب:۔ مجادلہ قرآن کے بعض مقامات پہ ہوتا ہے بخلاف تکذیب کے کہ ہر آیت میں ان سے

صادر ہوئی۔

سوال :۔ صیغہ ماضی کیوں ؟

جواب :۔ تاکہ تحقیق پر دلالت کرے جیسے پہلے موصول میں مضارع کا صیغہ صلہ ہے تاکہ مجادلہ کا تجدد و تکرار پر دلالت ہو۔

و بما ارسلنا به رسلنا ۔ اور اُنھوں نے تکذیب کی ان تمام کتابوں کی جو ہم نے اپنے رسل کرام (علیہم السلام) کی طرف بھیجیں۔

فسوف یعلمون ۔ تو عنقریب اپنے فعل جدال و تکذیب کی کنہ معلوم کرلیں گے جب ان کی سزا کو دیکھیں گے یہ مستانفہ تہدید کے لیے ہے۔

اذ الاغلال فی اعناقھم ۔ یعلمون کی ظرف ہے۔

سوال :۔ اذ زمانۂ ماضی کے لیے اور یعلمون لفظاً و معنیً مستقبل کے لیے ہے اور سوف کے وجود سے تو صراحۃً ناجائز ہے مثلاً فسوف اصوم امس میں کل گذشتہ روزہ رکھوں گا۔

جواب :۔ کفار کے علم کا وقت تحقیقاً تو زمانۂ مستقبل میں ہے لیکن تاویلاً ماضی ہے کہ مضارع کو بمنزلہ ماضی کے لایا گیا وہ جو کچھ مستقبل میں جانیں گے وہ گویا اُنھوں نے زمانۂ ماضی میں جان لیا اس کی تحقیق کی وجہ سے اذ (برائے ماضی) لایا گیا۔ خلاصہ یہ کہ سوف مستقبل تحقیقی کی وجہ سے اور اذ ماضی تاویلی کی وجہ سے ہے۔

حل لغات :۔ اغلال غل (بالضم) کی جمع ہے وہ بیڑی جس سے کسی کو ایسا باندھا جائے کہ اس کے اعضاء درمیان ہو جائیں مثلاً کہا جاتا ہے غل فلان اسے مقید کیا گیا یعنی اس کے ہاتھ اور گردن میں بیڑی ڈالی گئی۔

اعناق عنق کی جمع ہے بمعنی گردن ۔ کشف الاسرار میں اس کا ترجمہ لکھا کہ اُس وقت جب اُن کے ہاتھ باندھ کر گردنوں سے ملا دیا جائے گا۔

والسلاسل ۔ اس کا اغلال پر عطف ہے اس پر جر تاخیر کی نیت پر ہے وہ سلسلہ (بالکسر) کی جمع ہے بمعنی زنجیریں اس لیے سلسلہ (بالفتح) مصدر ہے بمعنی شے کو دوسری شے سے ملانا۔ چونکہ مجرموں کو ایک دوسرے سے باندھا جائے گا اس لیے اسے سلسلہ سے تعبیر کیا گیا۔ یسحبون فی الحمیم ۔ انھیں گرم پانی میں کھینچا جائیگا۔

حل لغات :۔ سحب بمعنی سختی سے کھینچنا ۔ السحاب اسی سے ہے اس لیے کہ بادل کو ہوا کھینچ کر لے جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے سحبه بمعنی منعه ۔ اسے روکا اور اس کا چہرہ زمین کے بل کر کے کھینچا فاسحب ۔ تو وہ کھچ گیا۔

الحمیم بمعنی گرم پانی (بارد) ٹھنڈے پانی کی نقیض ہے۔ گندے پانی اور پسینہ کو بھی کہا جاتا ہے بطرف تشبیہ کے طور پر[1]۔ اور جملہ یعلمون کے فاعل سے یا اعنا قہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ کھینچے جائیں گے یعنی جہنم کے نگران فرشتے انہیں منہ کے بل نار جہنم کے گرم پانی میں کھینچ کر لے جائیں گے۔

دوزخ کا گرم پانی:۔ دوزخ کے گرم پانی کا کیا کہنا دنیا کی آگ سے کئی گنا زیادہ جہنم کی آگ گرم ہے اسی سے ہی پانی گرم کیا جائے گا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ پانی کتنا گرم ہوگا۔ (معاذ اللہ) جب ہم اس دنیا کے گرم پانی کی برداشت نہیں رکھتے تو پھر دوزخ کے گرم پانی کی کیسے برداشت ہو سکتی ہے۔

نکتہ:۔ لفظ فی میں اشارہ ہے کہ وہ پانی مجرموں کو ہر طرف سے ایسے گھیر لے گا جیسے برتن اپنے اندر پڑی ہوئی شے کو گویا انھیں کھولتے ہوئے پانی میں اندر لے جا کر منہ کے بل گرا کر کھینچا جائے گا۔

فائدہ:۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھیں جہنم کی آگ میں کھینچ کر لے جایا جائے گا جیسے دوسری آیت میں ہے۔ **یوم یسحبون فی النار علیٰ وجوھھم ذوقوا مس سقر** (اس دن کو انھیں منہ کے بل جہنم میں کھینچ کر کہا جائے گا جہنم کی آگ چکھو) لیکن ظاہر ہے کہ ہر دونوں آیتوں کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں منہ کے بل گرا کر جہنم کی طرف کھینچا جائے گا۔

حکایت:۔ فرزدق (شاعر) کی عورت فوت ہوئی تو اس کے جنازہ کے لیے شہر کے رؤسا و معززین تشریف لائے۔ ان میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ آپ نے فرزدق سے پوچھا کہ تیری عورت نے اس دن کے لیے کیا تیار کیا اس نے کہا کلمہ شہادت (اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان **محمد رسول اللہ عبدہٗ ورسولہ**) اس کے بعد فرزدق نے قبر پر کھڑے ہو کر پڑھا ؎

اخاف وراء القبر ان لم یعافنی
اشد من القبر التھابا واضیقا
لقد خاب من اولاد آدم من مشی
الی النار مغلول القلادۃ ازرقا

ترجمہ:۔ اگر مجھے معافی نہ ملی تو مجھے قبر کے سخت شعلوں اور اس کی تنگی کا خطرہ ہے۔
۲:۔ جب قیامت میں فرزدق کے پاس آ کر سخت گیر فرشتہ کھینچ کر سخت سے سخت بیڑیوں میں جکڑ کر جہنم کی طرف لے جائے گا۔

---

[1] المفردات ۱۲

فائدہ: فرزدق یہ اشعار پڑھ کر خوب رویا اور حاضرین کو بھی رلایا۔

ثم فی النار یسجرون۔ پھر آگ میں سلگائے جائیں گے۔ درانحالیکہ وہ ان کو گھیر جائے گی۔

حل لغات: سجر التنور سے ہے بمعنی تنور ایندھن سے بھر گیا چونکہ جو لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے ان کو آگ محیط ہو کر جلائے گی اور اس سے ان کے پیٹ بھر جائے گی۔ اس معنی پر لازم ہوا کہ وہ بہت زیادہ جلیں گے یہاں تک کہ آگ سے پُر ہو جائیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قسم وقسم کے عذاب یعنی ایک عذاب سے فارغ ہو کر دوسرے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قسم وقسم عذاب کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تو ان کے ہاتھ دوزخ کے نگران فرشتے آگ کے زنجیروں سے جکڑیں گے۔ ایک زنجیر ستر گز کا ہوگا ہر گز میں ستر حلقے ہوں گے اس کا ایک حلقہ اگر دنیا کے پہاڑوں پر گرے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ ایسے زنجیر کافروں کے جسم پر ڈال کر کھینچیں گے تو کھولتے پانی میں گرا دیئے جائیں گے اور وہ کھولتا ہوا پانی ایسا گرم ہوگا کہ اگر اس کا ایک پیالہ دنیا کے دریاؤں میں ڈالا جائے تو تمام دریا زہر ہو جائیں اس پانی کا ایک پیالہ کافر کے چہرے پر ڈالیں گے تو ان کا گوشت پوست اور آنکھ ناک گر کر پیالے میں پڑیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یشوی الوجوہ۔ وہ چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ جب وہ گرم پانی پیٹ میں پہنچے گا تو جو کچھ پیٹ میں ہوگا سب کچھ باہر نکال کر رکھ دے گا چنانچہ فرمایا واسقوا ماءً حمیما فقطع امعائھم۔ وہ گرم پانی پلائے جائیں گے تو وہ اُن کی آنتیں کاٹ کر رکھ دے گا۔ جب وہ گرم پانی اُن کے سر پر ڈالیں گے تو سر سے پاؤں تک تمام چمڑا اُدھڑ جائے گا صرف ہڈیاں ہی رہ جائیں گی۔ پھر ندا آئے گی اے مالک (دوزخ کا چیف افسر) ہم اس کا نیا ڈھانچہ بناتے ہیں تم اس کے عذاب کے لیے تیاری کر لو۔

مجرم مومن

مفسرین فرماتے ہیں کہ مجرم مومن کو دس چیزوں سے پناہ نصیب ہوگی:

۱۔ چہرہ سیاہ نہ ہوگا۔
۲۔ آنکھیں نیلی نہ ہوں گی۔
۳۔ گردن میں طوق نہیں ڈالا جائے گا۔
۴۔ اُن کے ہاتھوں کو زنجیروں سے باندھا نہ جائے گا۔
۵۔ ناامیدی نہ ہوگی۔

۶۔ ہمیشہ کی فرقت نہ ہوگی۔

۷۔ قطعیت نہ ہوگی۔

۸۔ لعنت نہ ہوگی۔

۹۔ جب جہنم کی حرارت اور دوزخ کے شعلے بھڑکیں گے تو جہنم کہندا آئے گی اسے آگ سجدہ گزاروں کے چہروں کو نہ لپٹنا۔ تجھے سجدہ گاہوں کے مقامات کو جلانے کی اجازت نہیں۔

اے اللہ ہمیں آگ سے بچا ہم تیری جوارِ رحمت کی برکت پر آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔

ثم قیل لھم:۔ جلانے کے بعد کافروں سے زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا ماضی بوجہ تحقق کے ہے۔ این ما۔ کہاں وہ تمہارے بت۔ کنتم۔ جن کو تم دنیا میں ہمیشہ تشرکون من دون اللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ اس اُمید پر کہ وہ تمہاری شفاعت کریں گے اب اُن کو بلاؤ تاکہ وہ تمہاری شفاعت کریں یا کسی قسم کی مدد کریں۔ یہ دوسری قسم کا عذاب ہے۔

قالوا۔ کافر کہیں گے۔ ضلوا۔ وہ تو چھپ گئے۔ عنا۔ ہماری آنکھوں سے حالانکہ وہ اُن کے سامنے پڑے ہوں گے انہیں مٹا نہیں دیا جائے گا۔

حل لغات:۔ اہل عرب کہتے ہیں ضل المسجد، والدار۔ مسجد و دار غائب ہوگئی یعنی ان کی جگہ معلوم نہیں اسی طرح ہر وہ شے موجود ہو لیکن معلوم نہ ہو سکے یعنی تم اسے نہ پا سکو۔ یہ اُس وقت جب اُن کے بت اُن کے ساتھ ملائے نہیں جائیں گے۔ اس لیے کہ جہنم کے متعدد مقامات و مختلف طبقات ہیں اس لیے کہ اس ارشاد باری تعالیٰ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (بیشک تم اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ جہنم کے ایندھن ہیں) میں کوئی اختلاف نہیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ بت ہمارے سے ضائع ہو گئے کہ ان سے جو ہم اُمیدیں وابستہ رکھتے تھے وہ ہم نہیں پا سکتے۔

اب ضل بمعنی ضاع و ھلاک ہے ان کے وجود کو بمنزلہ ضیاع ضائع ہونے) کے کہا گیا ہے ان کے لیے ان کے بتوں کو گویا ہلاک کر دیا گیا اس لیے کہ ان سے وہ نفع نہ پا سکے جس کی انھیں ان سے اُمید تھی حالانکہ بت تو ہر وقت ان کے پاس ہوں گے۔ بل۔ بلکہ ہمیں اب ظاہر ہوا کہ لم نکن ندعوا[1]۔ ہم ان کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ من قبل۔ دنیا میں۔ شیئًا۔ کسی معاملہ میں۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ تو کسی شے سے

---

[1] مفسرین نے لم ندعوا کا معنی لم نعبد کیا ہے ۱۲ = اویسی غفرلہٗ =

نہیں بلکہ یہ اس مقولہ سے ہے جسے اہل عرب بولتے ہیں۔ حسبتہ شیئاً فلم یکن۔ میں تو اس کو بہت کچھ سمجھتا تھا لیکن وہ تو کچھ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جن کی ہم پرستش کرتے انھیں ہم بہت کچھ سمجھتے تھے لیکن اب واضح ہوا ہے کہ یہ تو بے کار اور غیر معتبر ہیں۔ کذلک۔ بتوں کی بے کار پرستش کی طرح۔ دونوں مذکورہ بالا تفسیروں کے مطابق یعنی بتوں کا ان سے غائب ہوجانا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ضلوا یضل اللہ الکفرین کافروں کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے بایں معنی کہ دنیا میں ان لوگوں کو ایسے عقائد و اعمال صالحہ نصیب نہ ہوسکے جو انھیں آخرت میں فائدہ دیتے۔ یہ تفسیر ثانی کے مطابق ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ان سے ان کے معبود دور ہوں گے اللہ تعالیٰ بھی ان سے ان کو ایسا دور کردے گا کہ ان کا آپس میں ملنا ناممکن ہوجائے گا۔ یہ تفسیر اولیٰ کے مطابق ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا بندے کو گمراہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا مناہی سے بچنے کی عصمت اور اوامر پر عمل کرنے کی توفیق اس سے روک لے اور نہ ہی اسے اس پر مدد فرمائے یا صرف مناہی سے بچنے کی عصمت اس سے روک لے[1] اور طیبی کے نسخہ میں کذلک کا اشارہ۔ اضلال کی طرف ہے۔ قرآنی عادت کے مطابق یہی معنیٰ زیادہ موافق ہے۔ یعنی قرآن کی عادت ہے کہ وہ اس فعل کے مصدر کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس کے بعد آتا ہے۔

فائدہ: سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت واللہ ما کنا مشرکین (بخدا ہم شرک نہ تھے) کے موافق ہے یعنی وہ بوجہ حیرت و اضطراب کے جھوٹ بولیں گے اور کذلک یضل اللہ الکفرین میں اللہ تعالیٰ ان کی خبر دے رہا ہے کہ قیامت میں وہ ایسے حیرت زدہ ہوجائیں گے کہ باوجودیکہ انہیں یقین ہوگا کہ اب کچھ نہیں ہوگا تب بھی جھوٹ بول دیں گے۔

ذلکم۔ اضلال کی طرف اشارہ ہے اور التفات توبیخ و زجر کا ہے اور تفسیر جلالین میں ہے کہ اے کافرو! یہ عذاب جو تم پر نازل ہوا ہے وہی ہے جو تمھیں پہلے بتایا گیا یعنی گلے اور پاؤں میں لوہے کے زنجیر اور بیڑیاں وغیرہ۔ ابن الشیخ یہ معنیٰ بُعد سے خالی نہیں۔ بما باسببہ بے کنتم تفرحون فی الارض کہ تم دنیا میں اس کی وجہ سے اتراتے تھے۔

بغیر الحق۔ ناحق یعنی شرک و سرکشی۔ باء الفرح کا صلہ ہے۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ الفرح بمعنی سرور و بطر (اکثر ناخوشی سے) البطر بمعنی النشاط و الاشر (خوشی اور اترانا) اشر بمعنی شدۃ البطر۔ با درہے کہ اشر بطر سے اور بطر فرح سے زیادہ بلیغ ہے المفردات میں ہے کہ الفرح بمعنی انشراح الصدر بوجہ عاجلہ لذت کے اس کی اجازت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت و نصرت کے۔ البطر ایسی غلط خوشی کا طاری ہونا جو نعمت ملنے پر اس کی برداشت نہ کرنے پر ہوتا ہے یہ اس پر وارد ہوتا ہے جو نعمت کے حقوق ادا نہ کرے اور نعمت کو بے جا خرچ کرے۔ وبما کنتم تمرحون۔

---

[1] تفسیر الفاتحۃ لصدر الدین القونوی رضی اللہ عنہ ۱۲

اور بوجہ اس کے کہ غلط طور نادان تھے۔

المرح بمعنی شدۃ الفرح والنشاط اور اس میں توسع کرنا یعنی تم بطر واشر بہت زیادہ کرتے تھے

حل لغات:۔ یعنی از خود نادان تھے اور تکبر سے اکڑتے تھے۔ ارسطو نے فرمایا من افتخر ارتطم۔ جو بھی اترائے گا وہ منہ کے بل گرے گا۔

حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

پست و بلند پیش سموم فنا یکیست

چوں تاک بر درخت دویدن چہ فائدہ

ترجمہ:۔ اُونچ نیچ سموم فنا کے آگے برابر ہے۔ درخت پہ تیز رفتاری کا کیا فائدہ۔

ادخلوا ابواب جہنم۔ (جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ) دوزخ کے ساتوں دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں جو جس دروازہ سے داخل ہونا چاہے داخل ہو جائے۔

خالدین فیھا۔ تم نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ فبئس مثوی المتکبرین۔ متکبرین کا بُرا ٹھکانا ہے یعنی حق سے روگردانی کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

سوال:۔ یہاں فبئس مدخل المتکبرین مناسب تھا۔

جواب:۔ آخر کلام کو ابتداء کلام کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لیے ایسے کہا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ زر بیت اللہ فنعم المزار۔ بیت اللہ کی زیارت کے لیے کہ وہ بہترین زیارت گاہ ہے اور فصلِّ فی المسجد الحرام فنعم المصلّٰی۔ مسجد حرام میں نماز ادا کر اس لیے کہ یہ بہترین عبادت گاہ ہے۔ چونکہ دوزخ کا داخلہ دائمی ٹھہرنے کا سبب ہے اسی لیے محل اقامت کو مثوی سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ کلام کا آخر اور ابتدا متحد ہو جائیں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا کی ہر شہوت و زینت جہنم کا دروازہ ہے جو کہ یہی نفس کے دروازے ہیں اور وہ جہنم کے ابواب میں سے ایک ہے اسی لیے دنیا کی شہوات و زینت اور اس پر فخر کرے تو ترک کیا جائے کیونکہ اس کی رونقوں کا تعلق جہنم کے ابواب میں سے ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی ہدایت کی استعداد سلب کر لیتا ہے تو پھر اسے مجازی اشیاء حقیقت کی شکل میں مزین کر کے دکھاتا ہے جس سے وہ سیدھے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ دنیا تو سراب اور محض خواب و خیال ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ؎

غافل مشو ز پردہ نیرنگ روزگار
سیر خزاں در آئینہ نو بہار کن

ترجمہ:۔ زمانہ کی نیرنگی کے پردہ سے غافل نہ ہو خزاں سیر کو بہار کے آئینہ میں دیکھ۔

نسخہ روحانی:۔ آیت میں تکبر کی مذمت ہے اس کا علاج اس کی ضد یعنی تواضع میں ہے۔

گھاس درخت اور قصب کا مناظرہ

گھاس نے درخت سے کہا۔ انا خیر منك۔ میں تجھ سے بہتر ہوں۔ اس لیے کہ مجھے جانور کھاتے ہیں جو کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

درخت نے کہا۔ انا خیر منك۔ میں تجھ سے بہتر ہوں اس لیے کہ مجھ میں لذیذ میوے ہوتے ہیں جسے اہل ایمان کھاتے ہیں۔

کماد نے کہا۔ میں کچھ بھی نہیں نہ تو مجھ میں میوہ ہے کہ اہل ایمان کے کام آئے اور نہ گھاس ہوں کہ مجھے جانور کھائیں۔ اس نے تواضع کی تو اللہ تعالیٰ نے اس میں مٹھاس پیدا کر دی تو تواضع کی برکت سے اس میں دنیا کی لذیذ ترین شے پیدا ہوئی۔

تکبر کا انجام بد:۔ جب قصب میں مٹھاس سے تکبر پیدا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس میں جھاڑو کے تنکے پیدا کر دیئے کہ اس سے گندگیاں صاف کی جاتی ہیں۔

سبق:۔ یہ غیر مکلف کے تکبر کا انجام ہے نامعلوم مکلف (انسان) کو تکبر پر کیا سزا ملے گی۔

منکرین کے تکبر کی بدانجامی

فرعون نے تکبر کیا یہاں تک کہ ربوبیت کا دعویٰ کر دیا اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا فرمایا۔ دنیا میں پانی میں غرق کیا اور آخرت میں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا اور قارون کثرتِ مال کی وجہ سے اترایا تو اسے محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا اور ابلیس نے تکبر کیا جب اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اکڑ گیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے دائمی لعنت میں مبتلا فرمایا اور قریش مکہ نے اہلِ ایمان فقراء پر تکبر کیا تو ذلیل و خوار ہو کر مارے گئے اور مرنے کے بعد گڑھوں میں پھینکے گئے۔ قیامت تک ہر ظالم متکبر کا یہی حال رہے گا۔ کسی متکبر نے نجات نہ پائی اور نہ ہی پائے گا (انشاء اللہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست
لیک از درہات محبوس چہست
نفس اژدر ہاست او کے مردہ است
از غم بے آلتی افسردہ است
گر بیابد آلت فرعون اُو
کہ بامر او ہمی رفت آب جو
آنکہ رو بنیاد فرعونی کند
راہ صد موسیٰ و صد ہارون زند
کر مکست آں اژدہا از دست فقر
پشہ گردد زجاہ و مال صقر
ہر خسے را ایں تمنائے رسد
موسیٰ باید کہ اژدہا کشد
صد ہزاراں خلق ز اژدہائے اُو
در ہزیمت کشتہ شد از رائے اُو

ترجمہ:۔ وہ جو فرعون میں تھا وہی تیرے میں بھی ہے تیرے اژدہا کنوئیں میں بند ہیں۔
۲ :۔ نفس مردہ اژدہا ہے وہ کب مرتا ہے صرف اسباب نہ ہونے کی وجہ سے مرجھایا ہوا ہے۔
۳ :۔ اگر اسے بھی اسباب میسر ہوں تو وہ ہزاروں فرعون کی طرح ظلم وستم کا جویا ہوگا۔
۴ :۔ اگر کسی کو فرعون کی طرح اسباب میسر ہوں تو وہ ہزاروں نیکوں کے راستے بند کرے گا۔
۵ :۔ تنگ دستی کی وجہ سے یہ اژدہا کیڑا بنا ہوا ہے۔ اگر جاہ و مال مل جائے تو مچھر شکرا بن جاتا ہے۔
۶ ہر کسی کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی موسیٰ علیہ السلام جیسا کوئی ہو تو اسی اژدہا کو مار ڈالے۔
۷ :۔ بے شمار مخلوق اس اژدہا سے ماری گئی اس کی رائے نے بہتوں کو ذلیل و خوار کیا۔

سبق :۔ نفس بہت بڑے اژدہا کی طرح ہے اس کے اوصاف مٹانا آسان کام نہیں اس کے لیے ہمت عالی اور جہاد کثیر (جس میں سستی نہ ہو) چاہیئے۔

تفسیر عالمانہ:۔ فاصبر۔ اے محبوب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دشمنوں کے ان تکالیف پر صبر کیجئے یہاں تک کہ وہ اس مقام تک پہنچیں جہاں تک ان کے لیے

عذاب تیار کیا گیا ہے۔

ان وعد اللہ حق ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے) یعنی وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب کا وعدہ فرمایا وہ حق ہے **فاما نرینك** ۔ اگر ہم تمھیں دکھائیں ۔ **ما** تاکید شرط کے لیے زائدہ ہے اسی لیے فعل پر نون تاکید داخل ہوتا ہے لیکن جب ما زائدہ آئے تو اس کے ساتھ ان شرطیہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی لیے لا تکرمنی اکرمك (نون تاکید کے ساتھ) نہیں کہا جلسے گا بلکہ کہا جائے گا ۔ **ان تکرمنی اکرمك** ۔ **بعض الذی نعدھم** ۔ اس کا بعض جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یعنی قتل و قید اس کا جواب محذوف ہے وہ ہے **فذاك** یعنی وہی ہوگا ۔ اور **نتوفینك** یا ان کے عذاب کے ظہور سے پہلے آپ کو دنیا سے اٹھالیں ۔

فالینا یرجعون ۔ یہ توفینک کا جواب ہے یعنی قیامت میں یہ صرف ہماری طرف لوٹائے جائیں گے پھر ہم ہی ان کے اعمال کی جزا و سزا دیں گے ۔ پھر ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے ۔

فائدہ: دنیا میں بعض کافروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا مثلاً بعض کو غزوات میں قتل اور بعض کو قید کرایا اور بعض کو قحط میں مبتلا کیا اور دیگر عذاب آخرت میں پائیں گے ۔

دوستاں ہر دو عالم شاد و خرم می زیند
دشمناں در محنت و غم ایں سرا و آں سرا

ترجمہ: دوستانِ خدا ہر دو عالم میں خوشی و خرم زندگی بسر کرتے ہیں ۔ دشمنانِ خدا اس دنیا میں بھی دکھ اور غم میں مبتلا رہیں گے اور آخرت میں بھی ۔

فائدہ: اولیائے کرام کا آخرت کا سرور تو سب کو معلوم ہے اور دنیا کا سرور یہ ہے کہ وہ حق پر ہوتے ہیں اور ہر وقت حق اُن کے سامنے ہوتا ہے اور وہ ہر وقت اور ہر حال سے فقر و غنا اور صحت و مرض میں راضی برضائے خدا ہوتے ہیں ۔ جب وہ کسی بلاؤ مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کا حال مکدر نہیں ہوتا کیونکہ وہ مشاہدۂ حق میں خوش ہوتے ہیں اور دشمنانِ خدا کا دنیا کا غم سب کو معلوم ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ جس کے ساتھ نفس شریر ہو وہ کیسے خوش ہو سکتے ہیں اور آخرت میں جس پر غضب خدا ہو وہ کس طرح خوش ہو سکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں لامحالہ حاضر ہونا ہے جو بے فرمان ہے وہ جب حاضر ہوگا تو اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اگر فرمانبردار

ہوگا تو ایسے حاضر ہوگا جیسے مشتاق حبیب اپنے حبیب کی ملاقات کو جاتا ہے۔

ع بہارِ عمر ملاقاتِ دوستان

زندگی کی بہار دوستوں کی ملاقات ہی ہے۔

تفسیر عالمانہ :- ولقد ارسلنا رسلا۔

شانِ نزول :- مروی ہے کہ وہ کافر جو آیات اللہ کے متعلق جھگڑتے تھے۔ معجزات کو دیکھ کر مزید معجزات کے طالب ہوئے۔ مثلاً کہا کہ چشمے بہنا۔ باغات کا ہونا۔ آسمانوں پر چڑھنا وغیرہ۔ حالانکہ تسلیم کرنے کو تو وہی پہلے معجزات کافی تھے لیکن چونکہ ان کا مقصد ضد اور ہٹ دھرمی تھا اس لیے خواہ مخواہ مزید معجزات کے طلب گار رہوئے) ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہی آیات نازل فرمائی۔ اور بیشک ہم نے بہت کثیر التعداد پیغمبر علیہم السلام اُن کی اُمتوں کی طرف بھیجے۔

من قبلك ۔ اے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی بعثت مبارکہ سے پہلے یا آپ کے زمانہ اقدس سے پہلے **منهم من قصصنا عليك** ۔ من قصصنا کی خبر (منك) مقدم ہے اور جملہ قصصنا کی خبر صفت ہے۔ قص علیک بمعنی بین یعنی ہم نے انہیں بیان کیا اور ان کے اسماء قرآن مجید میں ذکر کیے گئے جنہیں تم جانتے ہو۔ **منهم من لم نقصص عليك** اور بعض وہ ہیں جن کے اسماء ہم نے نہیں بتائے اور نہ ہی ان کی تفصیلی خبر دی ہے۔

فائدہ :- حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض پیغمبران عظام علیہم السلام ایسے ہیں جن کے قصے ہم نے آپ کو سنائے اور وہ انتیس ۲۹ ہیں اور عین المعانی میں ہے وہ اٹھارہ ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جن کے قصے ہم نے بیان نہیں کیے اگرچہ ان کے صرف اسماء بتائے ہیں جیسے حضرت الیسع علیہم السلام وغیرہ اور بعض ایسے ہیں کہ جن کے نہ قصے بیان ہوئے نہ ان کے اسماء مذکور ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر ایمان کے لیے نہ تعین کی ضرورت ہے نہ ہی ان کے اسماء و انساب کی معرفت شرط ہے۔

فائدہ :- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیاہ فام بھی اور تکملہ میں ہے کہ وہ نبی علیہ السلام حبشی قوم سے تھے۔ یہ بھی انہی انبیاء علیہم السلام سے تھے جن کا نام مذکور نہیں ہوا۔

ادب توجیہ :- فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس کی توجیہ یہ ہونی چاہیئے کہ وہ نبی (علیہ السلام) حبشی لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ہماری یہ توجیہ اس حدیث شریف کے خلاف نہ ہوگی جس میں وارد ہے **ان الله ما بعث نبينا الا حسن الوجه حسن الصورة حسن الصوت** (روح البیان ص۲۱۵ ج ۷) بیشک اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء علیہم السلام

حسین چہرے اور حسین صورت اور خوش آواز والے بھیجے۔
اس کی وجہ ہے کہ ہر جنس میں بہ نسبت دوسری جنس کے حسن زیادہ ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے قصے چند ایک کے مذکور ہوئے ورنہ اُن کی گنتی بعض روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار (ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار) تھی۔

حدیث شریف: شرح المقاصد میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ پھر میں نے عرض کیا رسل کرام کی تعداد کتنی ہے فرمایا تین سو تیرہ۔

مسئلہ: علماء کرام نے فرمایا بہتر ہے کہ انبیاء کی گنتی کے متعلق تعین نہ کیا جائے اس لیے خبر واحد باوجودیکہ اپنی جملہ شرائط کے پھر بھی صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے صرف فروع کو اس سے فائدہ ہے۔ عقائد کو اس سے کوئی فائدہ نہیں اگر حصر ہو تو نص قرآنی منہم من قصصنا الخ خلاف ہے دوسرا واقع حال کے خلاف کے وقوع کا بھی احتمال ہے کیونکہ گنتی کے وقت غیر نبی کو نبی سمجھنا ہوگا حالانکہ وہ انبیاء میں نہ ہوگا اور نبی کو غیر نبی سمجھنا ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی خاص گنتی پر عقیدہ نہ ہو۔

فائدہ: ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کی گنتی کا ذکر ہے۔[1]

فائدہ: ابن ابی شریف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے شرح عقائد کے حاشیہ پر لکھا کہ میں نے یہ روایت نہیں دیکھی۔

مسئلہ: مولانا محمد رومی رحمہ اللہ نے اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان کے وجوب کا مطلب یہ ہے کہ اتنا علم ہو کہ انہوں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی وہ اس میں سچے تھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لیے بھیجا کہ وہ اس کے بندوں کے ہاں امر و نواہی وعد و وعید سنائیں اور انہیں ایسے معجزات کی تائید فرمائی جو ان کے صدق پر دلالت کریں۔

فائدہ: تمام انبیاء علیہم السلام میں سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور آخری نبی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب تمام سابقین انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے گا تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ان پر اس لحاظ سے ایمان لا رہا ہے کہ وہ پہلے گزر گئے ہیں نہ بایں معنی کہ وہ اب بھی من حیث النبوۃ نبی ہیں کیونکہ ان کی شریعت اب باقی نہیں۔

---

[1] شرح العقائد للنسفی ۱۲۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا بایں معنی ہے کہ اب ان کی نبوت کا دور ہے اور آپ ہی خاتم الانبیاء والرسل (علیہم السلام) جب ایمان لائے گا کہ آپ ہی نبی و رسول ہیں۔

ردّ مرزائی: اگر آپ کو نبی تو مانتا ہے لیکن آپ کو خاتم الانبیاء اور آپ کے دین کو قیامت تک ناسخ نہیں مانتا تو وہ ایمان نہ لانے کے برابر ہے۔

مسئلہ: جو تمام انبیاء علیہم السلام کو نبی مانتا ہے لیکن یوں کہے کہ نامعلوم آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں تو وہ کافر ہے۔

انبیاء علیہم السّلام: انبیاء علیہم السلام کا شمار قرآن مجید کا بیان نہیں ہاں بعض مفسرین نے کہا کہ نام لے کر صرف اٹھائیس انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام۔
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام۔
۳۔ حضرت ادریس علیہ السلام۔
۴۔ حضرت صالح علیہ السلام۔
۵۔ حضرت ہود علیہ السلام۔
۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔
۷۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔
۸۔ حضرت اسحاق علیہ السلام۔
۹۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔
۱۰۔ حضرت لوط علیہ السلام۔
۱۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام۔
۱۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔
۱۳۔ حضرت ہارون علیہ السلام۔
۱۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام۔
۱۵۔ حضرت زکریا علیہ السلام۔
۱۶۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام۔
۱۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔
۱۸۔ حضرت داؤد علیہ السلام۔

۱۹۔ حضرت سلیمان علیہ السلام۔

۲۰۔ حضرت الیاس علیہ السلام۔

۲۱۔ حضرت الیسع علیہ السلام۔

۲۲۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام۔

۲۳۔ حضرت ایوب علیہ السلام۔

۲۴۔ حضرت یونس علیہ السلام۔

۲۵۔ سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تین وہ ہیں جن کی نبوت کے بعض علماء قائل ہیں وہ یہ ہیں:۔

۲۶۔ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام

۲۷۔ حضرت عزیر علیہ السلام۔

۲۸۔ حضرت لقمان علیہ السلام۔

ان تینوں کے متعلق آمالی میں ہے ؎

و ذوالقرنین لم یعرف نبیا
کذا لقمان فاحذر عن جدال

ترجمہ:۔ ذوالقرنین و لقمان کے متعلق نبوت کی تحقیق نہیں ہوئی اس لیے اس مسئلہ میں جھگڑے سے بچنا چاہیئے۔

فائدہ:۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں میں نبی نہیں ہوئیں اور ذوالقرنین و لقمان ایسے ہی تبع کی نبوت کے متعلق دلائل نافیہ ملتے ہیں۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لا ادری اھو نبی ام ملک

مجھے تبع کے متعلق (از خود) معلوم نہیں کہ وہ نبی تھے یا صرف بادشاہ۔

مسئلہ:۔ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ نبی تھے بعض نے کہا وہ ولی اللہ تھا۔ بعض نے کہا پیغمبر۔ اس لیے کہ کسی خاص کے لیے قطعی نبوت کی نفی اثبات نہ کیا جائے کیونکہ غیر نبی کو نبی ماننا کفر ہے ایسے ہی نبی کو نبی نہ ماننا بھی یعنی اس نبی کو نہ ماننا کفر ہے جس کی نبوت پر تمام عالم اسلام کا اتفاق ہے یا جس کی نبوت نفی پر جملہ عالم اسلام کا اتفاق ہو اسے نبی ماننا کفر ہے)۔

مسئلہ:۔ جس نبی علیہ السلام کی نبوت میں اختلاف ہو اس کے اثبات و نفی میں کفر نہیں کیونکہ یہ بمنزلہ دلیل ظنی کا ہے اور دلیل ظنی سے ثبت عقیدہ کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ ہاں دلیل قطعی کے مثبت مسئلہ کا

منکر کافر ہے۔

مسئلہ :۔ قرآن میں ۲٦ انبیاء علیہم السلام کے نام مذکور ہیں۔ وہ یہ ہیں :۔

۱۔ حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۲۔ حضرت آدم علیہ السلام۔
۳۔ حضرت ادریس علیہ السلام۔
۴۔ حضرت نوح علیہ السلام۔
۵۔ حضرت ہود علیہ السلام۔
٦۔ حضرت صالح علیہ السلام۔
۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔
۸۔ حضرت لوط علیہ السلام۔
۹۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔
۱۰۔ حضرت اسحاق علیہ السلام۔
۱۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام۔
۱۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔
۱۳۔ حضرت ایوب علیہ السلام۔
۱۴۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام۔
۱۵۔ حضرت شعیب علیہ السلام۔
۱٦۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔
۱۷۔ حضرت ہارون علیہ السلام۔
۱۸۔ حضرت داؤد علیہ السلام۔
۱۹۔ حضرت سلیمان علیہ السلام۔
۲۰۔ حضرت عزیز علیہ السلام
۲۱۔ حضرت یونس علیہ السلام۔
۲۲۔ حضرت زکریا علیہ السلام۔
۲۳۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام۔
۲۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

۲۵۔ حضرت الیاس علیہ السلام۔
۲۶۔ حضرت الیسع علیہ السلام۔

فائدہ:۔ و قال لھم بینھم الخ میں اشمویل (علیہ السلام) کی طرف اور کاالذی مر علی قریۃ الخ میں ارمیا علیہ السلام کی طرف اور و اذ قال موسیٰ لفتاہ الخ میں یوشع علیہ السلام کی طرف اور لقد کان فی یوسف و اخوہ میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرف اشارہ ہے اور اثبات میں بھی ان کا اجمالی ذکر ہے اور یہ یوسف علیہ السلام کی اولادسے ہیں اور وہ بارہ تھے اور انہیں میں انبیاء علیہم السلام تھے۔ حضرت لقمان اور حضرت خضر میں اختلاف ہے[1]۔

مسئلہ:۔ دانا فرماتے ہیں کہ مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد اور عورتوں کو ان انبیاء علیہم السلام کے اسماء یاد کرائے جن کا قرآن مجید میں صراحۃً ذکر ہے تاکہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں اور سب کی تصدیق کریں انہیں یہ خیال نہ ہو کہ ان پر صرف حضور سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے حالانکہ ہر ہر سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے کسی کا ذکر قرآن میں ہے یا نہیں ہاں جنکا نام قرآن میں صراحۃً ہے اس پر نام لے کر ایمان لانا ضروری ہے اور جن کا ذکر نہیں ان پر اجمالی ایمان کافی ہے۔

فائدہ:۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان میں رسل کرام علیہم السلام تین سو پندرہ ہیں۔ ان میں پانچ عبرانی ہیں جن کے یہ نام ہیں:۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام۔
۲۔ حضرت شیث علیہ السلام۔
۳۔ حضرت ادریس علیہ السلام۔
۴۔ حضرت نوح علیہ السلام۔
۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

اور پانچ ان میں عربی ہیں:۔

۱۔ حضرت ہود علیہ السلام۔
۲۔ حضرت صالح علیہ السلام۔
۳۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام۔

[1] فتح الرحمٰن سورۃ البقرۃ۔

۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام۔

۵۔ حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ازالۂ وہم: التکملہ میں ہے کہ ابن قتیبہ کا عرب میں پانچ انبیاء کا حصر صحیح نہیں کیونکہ عرب میں ایک نبی اور بھی تھے وہ تھے حضرت خالد بن سنان بن غیث۔ آپ عبس بن بغیض کے قبیلہ سے تھے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد وہ نبی۔ ہیں جنہیں قوم نے ضائع کر دیا۔

حکایت: حضرت خالد (علیہ السلام) کی صاحبزادی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ سے سورۂ اخلاص سن کر عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ سورۃ میں اپنے والدگرامی سے سنا کرتی تھی۔

فائدہ: ابن قتیبہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن صاحب التکملہ نے تکملہ میں لکھا کہ میرے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہاں اگر ان کا لفظ نبی سے رسول مراد ہے تب تو صحیح ہے ورنہ قول مذکور غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے زمانہ کے مومن کا قول فرمایا ہے و لقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات۔ بیشک تمھارے ہاں اس سے پہلے یوسف علیہ السلام معجزات لے کر آئے تھے۔ اسی آیت میں بتایا گیا ہے کہ بنو اسرائیل میں سب سے پہلے نبی یوسف علیہ السلام ہیں۔

فائدہ: یوسف دو تھے:۔

۱۔ یعقوب علیہ السلام کے مشہور صاحبزادے۔

۲۔ یوسف بن افرایئم بن یوسف یعنی مشہور پیغمبر یوسف بن یعقوب کے پوتے کا نام بھی یوسف تھا۔

جیسا کہ ہم اس آیت کے تحت اختلاف کی تفصیل عرض کر چکے ہیں اگر نبوت مطلق مراد لی ہے تو پھر بنی اسرائیل کے پہلے نبی تو یوسف اور بعض قول کے مطابق یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی انبیاء تھے اور اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا اسم گرامی ہے۔

فائدہ: مطلق نبوت (قطع نظر بنی اسرائیل کی قید کے) میں آدم علیہ السلام پہلے نبی اور آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابن سلام وغیرہ نے روایت کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ:

ان تقولوا لا نبی بعد محمد و قولوا خاتم النبیین لانہ ینزل عیسی بن مریم حکما عدلا و اماما مقسطا فیقتل الدجال و یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیۃ و تضع الحرب اوزارھا۔

ترجمہ:۔ یہ نہ کہو کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بلکہ کہو آپ خاتم النبیین ہیں۔

اس لئے کہ آپ کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حکم۔ عادل۔ امام۔ المقساط والے ہو کر تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور صلیب توڑیں گے اور خنزیر قتل کریں گے جزیہ رکھیں گے اور جنگ کے لیے اپنے ہتھیار رکھیں گے۔

ازالہ وہم مرزائی:۔ اس حدیث سے مرزائیوں کو وہم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد نبی کا آنا ممتنع نہیں ورنہ بی بی نہ کہتیں۔ لا تقولوا لا نبی بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا ازالہ صاحب روح البیان نے یوں فرمایا کہ:۔

وفی التکملۃ وقول عائشۃ لا تقولوا لا نبی بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم انما ذکرہ واللہ اعلم لعلا یتوھم المتوھم رفع ما ذکر من نزول عیسیٰ بن مریم فی اٰخر الزمان وعلی الحقیقۃ فلا نبی بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم لان عیسیٰ وان نزل بعدہ فھو موجود قبلہ حی الی ان ینزل واذا نزل متبع شریعۃ مقاتل علیہا فلا یخلق نبی بعد محمد ولا تجدد بشریعۃ بعد شریعۃ فعلی ھذا یصح ولا نبی بعدہ[۱]۔

ترجمہ:۔ تکملہ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول لا تقولوا لا نبی بعد محمد الخ واللہ اعلم اسے اس لیے ذکر فرمایا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ روایت میں جو آیا ہے کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے وہ حکم مرفوع ہو گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام تو آپ سے پہلے موجود ہیں زندہ ہیں یہاں تک کہ زمین پر تشریف لائیں گے تو آپ کی شریعت کی اتباع میں اسی شریعت کی وجہ سے جنگ کریں گے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو گا اور نہ ہی آپ کی شریعت کے بعد کوئی نئی شریعت ہو گی۔ اس معنیٰ پر لا نبی بعدہٗ کا معنیٰ صحیح ہو گیا۔

رد مرزائیت:۔ کتاب الشمائل وغیرہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں ایک اسم العاقب ہے۔ عاقب وہ ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ آسکے۔

فائدہ:۔ یہ تفسیری الفاظ زائد ہیں امام مالک نے موطا میں یہ الفاظ نہیں کہے۔ ممکن ہے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوں یا راوی کا اضافہ ہو اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ ہیں پھر تو یہی حجت کافی ہے۔ اگر راوی کے الفاظ ہیں تو بھی قابل حجت ہیں کیونکہ راوی سے ایسے الفاظ کا ممتنع ہے اور اسے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اور اس حدیث مابین کوئی معارضہ نہیں کیونکہ بی بی صاحبہ

---

[۱] روح البیان صفحہ ۲۱۲ ج ۷

رضی اللہ عنہا کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کی تخلیق نہیں ہوئی اور نہ ہی اُس وقت دنیا میں کوئی نبی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اگر وہ نبی ہیں تو پہلے سے پیدا شدہ ہیں یا آسمان پر ہیں اگر زمین پر تشریف لائیں گے تو نبی بن کر نہیں بلکہ ہمارے نبی علیہ السلام کے اُمتی ہو کر اسی لیے آپ کی دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ ہوگی تو ایک اُمتی کی حیثیت سے (نہ بحیثیت نبی) یہی وجہ ہے کہ ان کی کوئی نئی شریعت نہ ہوگی اور نہ ہی اپنی شریعت کو لا کر شریعت مصطفویہ کو منسوخ کریں گے۔

خاتم النبیین کا معنیٰ: خاتم النبیین کا یہی معنیٰ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم ہو گئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پہلے سے تھی اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت نے تمام نبوات کو ختم اور آپ کی شریعت نے تمام شریعتوں کو منسوخ کر ڈالا۔

تفسیر صوفیانہ: التاویلات النجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ حکمت بالغہ ازلیہ نے چاہا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم آپ سے پہلے رسل و انبیاء علیہم السلام بھیجتے رہیں گے ان کے اور اُن کی اُمتوں کے حالات جس طرح گزریں گے پھر ہم آپ کو ان کے جملہ حالات سنائیں گے تاکہ ان سے آپ کا دل مطمئن ہو اور تاکہ آپ اُن کے عادات کے مطابق عمل کر کے نصیحت پائیں آپ کو ان سے پہلے نہیں بھیجا کیونکہ سعادت اس میں ہے کہ کسی دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

ع   ہر طپیدن قاصدے باشد دل آگاہ را

ترجمہ: دل کی آگاہی کے لیے ہر دھکہ در اصل ایک مستقل قاصد ہے۔

ومنھم من لم نقصص علیك اور جن انبیاء علیہم السلام کے قصے آپ کو اس لیے نہیں سنائے کہ آپ کو ان کی ضرورت نہیں یہ بھی آپ کے لیے تخفیف ہے تاکہ آپ کے لیے بوجھ نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے قصے سنانا بھی آپ کے لیے فائدہ ہے اور نہ سنانا بھی فائدہ ہے اور یہ بھی کمال کی علامت ہے۔

تفسیر عالمانہ: **وما کان لرسول** اور یہ رسول (علیہ السلام) کے لائق نہیں۔ **ان یأتی بآیۃ** کہ لائے کوئی آیت جو اس کی نبوت کی علامت ہو۔

الا باذن اللّٰہ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم پر۔ کیونکہ معجزات جن کے مختلف طریقے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطائیں ہیں جو اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے جیسے اس کی مشیت کا تقاضا اور حکمت ہوتی ہے جیسے دوسری عطاؤں میں بندوں کو اختیار نہیں ہوتا کہ جسے اور جیسے چاہیں انھیں مل جائے اور نہ ہی انہیں کوئی چارہ ہوتا ہے کہ جیسے جو کوئی طلب کرے اسی طرح کر دے اس میں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ سے پہلے بہت سے رسل کرام علیہم السلام گزرے ہیں (ان کا ذکر قرآن میں ہوا یا نہیں) انہیں معجزات

عطا ہوئے تو ان ابن آدم نے ان کی تکذیب کی اور عناد کے طور اور عبث جھگڑے کھڑے کئے تو سابقہ انبیائے صبر کیا اس پر وہ فتحیاب ہوئے۔ آپ بھی صبر کیجئے جیسے وہ صبر کرکے فتحیاب ہوئے۔ آپ بھی ان کی طرح فتح یاب ہوں گے۔

مثنوی شریف میں ہے:

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید

کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کیمیا پیدا فرمائے لیکن صبر جیسا کوئی کیمیا کسی نے نہیں دیکھا۔

فاذا جاء امر اللہ۔ تو جب عذاب دنیوی یا اخروی کے متعلق امر الٰہی ہوتا ہے قضی بالحق تو حق کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یعنی رسل کرام اور ان کے مکذبین کے درمیان حکم فرماتا ہے کہ رسل کرام اور حق والوں کو نجات دے دو اور مکذبین کو تباہ و برباد کرکے عذاب میں مبتلا کردو۔ وخسر۔ اور ہلاک ہوگیا اور یہ بات محقق اور واضح ہوگئی کہ بیشک خسارہ میں ہیں۔ امر الٰہی کے کرنے کے وقت۔ یا اسم مکان استعارۃً زمانہ۔

المبطلون۔ باطل لوگ یعنی وہ جو مطلقاً باطل پر ڈٹ جانے والے ہیں اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اولیاء کرام کے ساتھ معاندت و مخالفت رکھتے ہیں جیسے وہابی۔ نجدی۔ دیوبندی وغیرہ۔

حل لغات: القاموس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو نقیض ہے اور ابطل بمعنی جاء بالباطل وہ باطل لایا۔ المبطل بمعنی صاحب الباطل اور ہر وہ شخص جو باطل پر ڈٹ جائے جیسے المحق بمعنی صاحب الحق اور اس پر عمل کرنے والا۔

نکتہ: یہاں پر خسر ھنالک الکافرون اس لیے نہیں فرمایا کہ حق کی نقیض باطل آتی ہے اور یہاں باطل کا خسران مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ امر الٰہی اور تقدیر ربانی یعنی موت سے پہلے رجوع الی اللہ ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ عذاب میں مبتلا ہو جائے پھر سوائے غم و اندوہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

تو پیش از عقوبت در عفو کوب

کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ:۔ عذاب سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکا۔ ڈنڈا برسنے پر آہ و فغاں کا کوئی فائدہ نہیں۔

۔ برہان القرآن ۱۲

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○
وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ
عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ○ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖۗ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ○
اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
یَكْسِبُوْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ
مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ○ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا
قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ○ فَلَمْ یَكُ
یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ
عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ○

ترجمہ: اللہ ہے جس نے تمھارے لیے چوپائے بنائے کہ کسی پر سوار ہو اور کسی کا گوشت کھاؤ اور تمھارے لیے ان میں کتنے ہی فائدے ہیں اور اس لیے کہ تم ان کی پیٹھ پر اپنے دل کی مرادوں کو پہنچو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو اللہ کی کونسی نشانی کا انکار کرو گے۔ کیا انھوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے ان سے اگلوں کا کیسا انجام ہوا وہ ان سے بہت تھے اور ان کی قوت اور زمین میں نشانیاں ان سے زیادہ تو ان کے کیا کام آیا جو انھوں نے کمایا تو جب ان کے پاس اُن کے رسول روشن دلیلیں لائے تو وہ اسی پر خوش رہے جو ان کے پاس دنیا کا علم تھا اور انہیں پر الٹ پڑا جس کی ہنسی بناتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا بولے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور جو اس کے شریک کرتے تھے ان سے منکر ہوئے تو ان کے ایمان نے انھیں کام نہ دیا۔ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا دستور جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے

بقیہ ص ۲۸۲

چہ سود از پشیمانی آید بکف
چو سرمایۂ عمر کردی تلف

ترجمہ: پریشانی سر پہ آجانے کے بعد کیا فائدہ جبکہ سرمایہ زندگی کا تو نے ضائع کر دیا۔

کسے گر بد کرد ہم بد بنگرد
کہ پیش از قیامت غم خویش خورد

ترجمہ: جو برائی کرتا ہے وہ خود بھی برائی دیکھے گا۔ کون ہے جو قیامت سے پہلے اپنا غم کھائے (یعنی موت کو قیامت سے پہلے کیونکہ جب مرتا ہے تو اُس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: اللہ الذی جعل لکم الانعام۔ اللہ وہ ہے جس نے جانور یعنی اُونٹ تمھارے اور تمھاری مصلحت کے لیے پیدا کیے۔ نعم کی جمع ہے۔ بعض دراصل یہ ہر جانور کے لیے لیکن اس کا اکثر استعمال اونٹوں کے لیے آتی ہے۔ لترکبوا منہا ومنہا تاکلون۔ تاکہ تم ان پر سوار ہو اور ان کا گوشت کھاؤ من ابتداء الغایۃ کے لیے۔ اب معنی یہ ہر کہ رکوب اور اکل کا ابتداء ان سے ہو یعنی ان دونوں کا تعلق ان سے ہو یا تبعیضیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ تم ان پر سوار ہو اور ان کا بعض حصہ کھاؤ۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہر حصہ پر سواری اور کھانے کے لائق نہیں کیونکہ کھانا اس کے بعض حصہ سے تعلق ہوتا ہے جو چیزیں کھانے کے لائق نہیں اسے عقل سے تعلق نہیں بلکہ جس شے کو جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس سے کسی دوسری شے کو کوئی تعلق نہ ہوگا۔

فائدہ: دوسرے جملہ کا تغیر وا اصل کی وجہ سے ہے نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان سے اصل غرض سوار ہونا ہے کیونکہ انسان کے بہت سے منافع اس سے متعلق ہیں۔ اگرچہ ان کے کھانے میں بھی انسان کا نفع ہے لیکن اس سے کئی منافع ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اکل کے نفع ہزار کو رکب کے منافع کے خلاف نہیں اسی لیے فرمایا لنا کلوا منہ لحما طریا۔ تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت کھاؤ۔ ولکم فیہا منافع اور تمھارے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ جو رکوب و اکل کے سوا ہیں مثلاً دودھ اور بال۔ اون اور چمڑے وغیرہ۔

ولتبلغوا علیہا حاجۃ فی صدورکم۔ تاکہ تم ان دلی مقاصد کے حصول کے لیے ان پر سوار ہو کر منازل مقاصد تک پہنچو یا یہ کہ تم ان پر بوجھ لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچو۔

فائدہ: کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا کہ تاکہ تم اپنے دلی مقاصد کے مطابق ان پر سوار ہو کر سفر کر کے منافع اور معاملات طے کرو۔ اس کا عطف لترکبوھا پر ہے اور حاجۃ وہ بضرا کا مفعول بہ ہے۔ وعلیہا اور اونٹوں پر۔ وعلی الفلک اور کشتیوں پر دریاؤں میں تحملون اٹھائے جاؤ۔ اس کی نظیر آیت وحملناکم علی البر والبحر۔ اور ہم نے تمھیں اٹھایا جنگلات

اور دریاؤں ہیں۔

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ تم اپنے بچوں اور عورتوں کو ہودج میں بٹھا کر ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جاؤ۔ اسی معنی پر کہا جا سکتا ہے کہ کشتیوں کے ذکر کے بعد اس کا ذکر مناسبت رکھتا ہے۔ اسی لیے اونٹوں کو سفائن البر (جنگل کی کشتیاں) کہا جاتا ہے۔

سوال: فی الفلک کے بجائے علی الفلک کیوں کہا؟

جواب: چونکہ فعل کا صلہ پہلے علیٰ آیا ہے تو اس کی مناسبت سے یہاں بھی علی الفلک لایا گیا ہے۔ یہی بلاغت کا تقاضا ہے اسے علم البیان میں مزاوجۃ کہا جاتا ہے۔ یہ اس لیے لایا جاتا ہے تاکہ پہلے کو دوسرے سے مناسبت ہو جیسا کہ اسی مناسبت کی وجہ سے دوسری جگہ قلنا احمل فیہما فرمایا۔ نیز علی الفلک کہنا و علیہا آنے والے جملہ کی وجہ سے بھی ہے۔ اس لیے کہ جانوروں پر سامان وغیرہ اوپر ہوتا ہے۔ انہی مناسبات پر علی الفلک کہنا موزوں ہے۔

فائدہ: المدارک میں ہے کہ فلک کے لیے فی اور علیٰ ہر دونوں موزوں ہیں اس لیے کہ کشتی بمنزلہ برتن کے ہوتی ہے اور جن کو اٹھا کر چلتی ہے وہ اس کے اوپر ہوتے ہیں اسی لیے جب اس میں دونوں معانی صحیح ہیں تو دونوں عبارتیں بھی صحیح ہیں۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ الانعام سے یہاں پر وہ آٹھ جوڑے مراد ہیں جنہیں قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا ہے یعنی اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ (نر مادہ ہر دونوں کو ملایا جائے تو آٹھ ہوتے ہیں۔) اس معنیٰ پر مجموعی طور پر ان سے رکوب و اکل مراد ہے اور ضروری نہیں ایک ساتھ اکل کا تعلق ہو تو رکوب کا بھی ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں بعض کا تعلق رکوب سے اور بعض کا اکل سے اور بعض کا صرف اکل سے جیسے بکری بھیڑ وغیرہ اور بعض کا ہر دونوں سے جیسے اونٹ اور بیل وغیرہ۔ اور لفظ منافع کا تعلق سب سے ہے ایسے ہی ضرور ان کے ذریعے مقاصد تک پہنچنا بھی عام ہے اس میں بیل بھی شامل ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس بہیمیہ وحیوانیہ پیدا کیا تاکہ وہ تمہاری روح علوی کی سواری ہو۔ ولتبلغوا الخ تاکہ تم ان مقاصد کو حاصل کرو جو تمہارے دلوں میں ہیں مثلاً مشاہدۂ حق و مقامات القرب اور نفس کی صفات میں تمہارے منافع میں مثلاً شہوت حیوانیہ کیونکہ اس کی منفعت عشق ہے یہی شہوات عشق و غضب کی سواری ہے اور صلابۃ فی الدین کی سواری بھی یہی ہے اور حرص و ہمت کی سواری ہے۔ انہی سواریوں سے سالک مراتب عالیہ تک پہنچتا ہے جیسا کہ فرمایا و علیہا و علی الفلک اور الفلک سے صفات قلب مراد ہیں۔

تحملون ۔ جوارِ حق کی طرف اُٹھائے جاؤ گے ؎

چوں بے خبراں دامن فرصت مدہ از دست
تا ہست پر و بال ز عالم سفرے کن

ترجمہ: بے خبروں کی طرح ہاتھ سے فرصت کو نہ گنوا جب تک تیرے میں پر و بال ہیں اس عالم سے سفر جاری رکھ۔

تفسیر عالمانہ: ویریکم ایاتہ۔ اور تمہیں آیات دکھاتا ہے یعنی وہ دلائل جو اس کے کمال قدرت و فور رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔

فای ایات اللہ تنکرون۔ تو اللہ تعالیٰ کے کون سے آیات کا انکار کرو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر دلیل ایسی واضح اور روشن ہے کہ کسی کے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی بشرطیکہ عقل سلیم حاصل ہو۔ پس یکم ای کا ناصب ہے اور آیات کی اللہ تعالیٰ کے لفظ کی طرف اضافت دل میں ہمت ڈالنے اور انکار سے ڈرانے کے لیے ہے۔

سوال: آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فایۃ ایات اللہ ہونا چاہیئے کہ اس کا مضاف مؤنث (آیات) ہے تو مضاف بھی مؤنث (آیۃ) ہونا چاہیئے۔

جواب: ای کا استعمال عام شائع ذائع ہے بخلاف ایۃ کے کہ وہ قلیل الاستعمال ہے کیونکہ اسمائے غیر صفاتی میں تذکیر و تانیث کا تفرقہ بہت قلیل ہے مثلاً حمار کی حمارۃ انسان کی انسانۃ (تانیث) بہت کم مستعمل ہوتی ہے پھر ای کے لیے ایۃ کا مستعمل ہونا تو غریب ترین ہے کیونکہ یہ اسم مبہم ہے اور بالخصوص تمیز و تفرقہ کا قصد اسمائے مبہم منافی ہے۔

ازالہ وہم: یہ قاعدہ نداء میں جاری نہ ہوگا کیونکہ نداء میں لغت خصیصہ یہی ہے کہ اس کی نداء مونث میں تانیث اور مذکور میں تذکیر ہو مثلاً یا ایہا النفس المطمئنۃ یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ کہا جاتا ہو یا ایہا المرأۃ (تذکیر کے ساتھ)

تفسیر صوفیانہ: محبوبانِ خدا لکھتے ہیں کہ تمام عالم کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی آیات بینات اور واضح اور روشن دلائل ہیں اور جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ بہت بڑی کمال قدرت والا ہے لیکن رہبری اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ہے اور وہی اس کی اصل الاصول ہے۔

غوث اعظم کا مرید: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میری توبہ کا سبب یوں ہُوا کہ میں ایک رات سو رہا تھا تو پرندوں سے سُنا کہ وہ اللہ کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ ان کی تسبیح سے میں دنیا سے منہ پھیر کر مولیٰ کی طرف متوجہ ہُوا۔ اس کے بعد میں مرشد کامل کی تلاش میں نکل پڑا۔ اندریں اثنا میری حضرت ابو العباس خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حضور شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو جا میں ابھی اُن سے ہو کر آیا ہوں وہ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی اپنے بندے کو اپنا بنا کر میرے پاس بھیجنے کا حکم فرمایا ہے اور وہ ابھی میرے ہاں آ رہا ہے جب میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہُوا تو فرمایا مرحبا! اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو پرندوں کے ذریعے اپنا بنا کر اس کے لیے خیر کثیر جمع فرمائی ہے اور اس کی عادتِ کریمہ ہے کہ جسے وہ اپنا بناتا ہے تو وہ اپنے پاس بلانے کے لیے جو چاہتا ہے اس کا سبب بناتا ہے اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ معمولی شے کو سبب بنائے یا بڑی کو۔

سبق: جسے بصیرت نصیب ہوتی ہے وہ ہر شے میں جمال وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے ؎

محقق ہمی بیند اندر ابل
کہ در خوبرویان چین و چنگل

ترجمہ: محقق اُونٹ میں وہی جلوہ دیکھتا ہے جو وہ چین و چنگل کے حسینوں میں دیکھتا ہے۔

انبیاء و اولیاء کی شانِ عظیم: اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم آیات انبیاء و اولیاء ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالمین کے لیے عزت و کبریائی کا جلوہ انہی سے ظاہر فرمایا ہے اسی لیے ان کا منکر سب سے بڑا بُرا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم آیات اور واضح و روشن دلائل کا انکار کر رہا ہے۔

اولیاء و انبیاء کے عشاق و اعداء: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات اولیاء میں ظاہر فرماتا ہے اور اسے سعادت بناتا ہے جو اُن کی کرامات کو مانتا ہے لیکن بدبختوں کی آنکھیں اندھی کر دیتا ہے تو وہ ان کی کرامات سے اندھا ہو کر انکار کرتا ہے بلکہ ان کے دلوں پر تالہ لگا دیتا ہے اسی لیے وہ ان محبوبانِ خدا سے قلبی طور پر متنفر ہوتا ہے۔

کرامات کا منکر درحقیقت قدرت خداوندی کا منکر ہے: ہمارے دَور میں ایسی قوم ہے جو اولیائے کرام کی کرامات کا لفظاً اقرار لیکن اُن کی تفصیلی جزئیات کا انکار کرتے ہیں ہم انھیں دلائل میں کہتے رہتے ہیں کہ اولیاء کرام کی کرامات کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے چنانچہ صدیوں پہلے یہی صاحب رُوح البیان فرما گئے ہیں چنانچہ فرمایا کہ:

لے روح البیان صـ۲۱۹ ج ۷ — ل اویسی۔

ومن انکر آیات اولیاء فانہ ینکر قدرۃ اللہ فان القدرۃ الالٰھیۃ تظھر علی الاولیاء الامارات لا ھم بانفسھم یظھرونھا

ترجمہ:- جس نے اولیاء کی کرامات کا انکار کیا وہ دراصل قدرت الٰہی کا انکار کرتا ہے کیونکہ قدرت الٰہی کے امارات اولیاء کرام پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ کسی کا نہیں کہ اولیاء کرام خود کرامات ظاہر کرتے ہیں۔

فائدہ:- ویریکم آیاتہ فای آیات اللہ تنکرون۔ اس میں اشارہ ہے کہ جان پہچان کے بعد انکار کرنا اور زیادہ سخت ہے۔ مبارکباد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو اپنے مرشد کے اشارہ پر چلتے ہیں اور اُن کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں وہ منکرین کے زمرہ میں شامل نہیں ہوتے اور گمراہوں سے دور پھرتے ہیں۔

فائدہ:- امام حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ تو اپنے غنی کے گھر میں داخل ہو کر اس میں قسم قسم کے زیب وزینت کو دیکھتا ہے پھر اس سے زندگی بھر تعجب کر کے اسے یاد کرتا رہتا ہے اور اس کے حسن وجمال کے بیان سے زبان نہیں روکتا لیکن اس دنیا میں رہ کر تو نے کبھی خیال نہیں کیا یہ کتنا بڑا مکان ہے کہ اس جیسا کوئی اور تمھیں نظر نہیں آئے گا لیکن کبھی تو نے اس کا دل میں خیال نہیں کیا اور نہ ہی اس طرف کبھی تیری توجہ ہوئی اور نہ ہی اس کے عجائبات پر غور وفکر کیا۔ یہ اس اندھے دل کی کارستانیاں ہیں جو تجھے شہود و رؤیت سے مانع ہے۔

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ:- ہر درخت سبز کا ہر پتہ ہوشیار کی نگاہ میں معرفت کردگار کا بہت بڑا دفتر ہے۔

فائدہ:- اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لیے اسباب کا وسیلہ وذریعہ ضروری ہے اور ان کا سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنا ہے یہاں تک کہ مفتح الابواب دروازہ کھولے۔

تفسیر عالمانہ:- افلم یسیروا۔ ہمزہ استفہام توبیخیہ اور فا کا عطف فعل مقدر اقعدوا پر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا تمھاری قوم قریش بیٹھی ہوئی ہے سیر اور سفر نہیں کرتی فی الارض۔ عاد وثمود کے علاقوں میں فینظروا۔ تو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ یہ استفہام کا جواب ہے تاکہ تمھیں معلوم ہو۔ کیف کان۔ کیسے ہے۔ عاقبۃ الذین من قبلھم۔ ان لوگوں کا انجام جو ان سے پہلے تباہ ہوئے یعنی اُمتوں کا ہوا یعنی یہ زمین کے اطراف میں جا کر شام ویمن کا حال دیکھ کر سابقہ اُمم مکذبین کے برباد ہونے کی تباہی اور انجام کو آنکھوں سے دیکھیں۔ ان کے حالات کی تفصیل خود بتائی کہ کانوا تھی وہ اُمتیں۔ اکثر

لے روح البیان صـ۲۱۹ ج ۷

گنتی کے لحاظ سے ان سے یعنی تمہاری قوم قریش سے زیادہ تھی اور وہ قوت کے لحاظ سے زیادہ سخت ابدان وعدد میں بہت زیادہ تھے۔ واثارا فی الارض۔ اور زمین میں ان کے نشانات دکھائی جو ان کے بعد بچ گئے ہیں مکانات اور محلات (بنگلے کوٹھیاں اور مصانع یعنی حوض وغیرہ۔ مصانع مصنعہ (بفتح النون وضمہا) کی جمع وہ جگہ جہاں پانی جمع کیا جائے جیسے حوض وغیرہ جسے محرتیج کیا جاتا ہے جسے غلطی سے ترک (عوام) صارنج کہتے ہیں اور اکثر اہل عرب پانی کی قلت کی وجہ سے ایسے حوضوں کے محتاج تھے کیونکہ یہاں نہ نہریں ہیں اور نہ کنوئیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آثار الارض سے ان کی طویل مراد ہے بعض نے کہا ان کے زمین پر قدموں کے نشانات بتاتے ہیں کہ اجسام کتنے موٹے تھے۔

حکایت: حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قوم یونس کے چند افراد اندلس میں ۵۸۵ھ میں جمع ہوئے ہیں نے اُن کے ایک قدم کے نشان کو ناپا تو تین بالشت اور دو تہائی تھا اس سے اندازہ لگائیں کہ ان کے قد و دیگر جسم کی ضخامت کتنا ہو گی۔

تفسیر عالمانہ:۔ فما اغنی عنہم۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں کہ اغنٰی عنہ کذا یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کسی کو کفایت کر جائے اور اسے نفع دے۔ جب وہ عن سے متعدی ہو تو بیک مفعول مستعمل ہو گا جیسا کہ گزرا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان سے نہ دفع کر سکا نہ انہیں نفع دے سکا۔ ما کانوا یکسبون۔ وہ جو عمل کرتے یعنی ان کے کسب یا مکسوب از قسم اموال واولاد و ترتیب العساکر جب انہیں اس بڑی طاقت نے فائدہ نہ دیا تو انہیں خیبت و خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا جب ان بڑی طاقت والوں کا یہ حال ہے تو ان غریبوں مسکینوں کے حال کا خود اندازہ لگایئے۔

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ پہلا ما استفہامیہ ہو بمعنی ای شئ انہیں عذاب سے کون سی شے بچائے گی اور دوسرا ہر دونوں تقدیروں پر اغنٰی کا فاعل ہو گا اور یہ فا بیانیہ ہو گی یعنی ان کی کثرت و شدت قوت اور کسب و ثروت کے باوجود جو ان کے گمان میں بچاؤ کے بہترین اسباب تھے لیکن پھر بھی ان کا انجام برباد ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ان کے اسباب انہیں کوئی فائدہ نہ دے سکے بلکہ ان کی غرض و مطلوب کے برعکس ہوا یہ ایسے ہے جیسے تم کہتے ہو وعظتہ فلم یتعظ۔ میں نے اسے نصیحت کی لیکن اس نے قبول نہ کیا یعنی وعظ کے فائدہ کا ترتب عدم اتعاظ ہے۔ حالانکہ اس سے ایسی توقع نہ تھی۔

فلما جاءتہم رسلہم بالبینات۔ جب ہمارے رسل کرام ان کے ہاں معجزات اور دلالات واضحہ لے آئے۔ یہ فا تفسیر یہ ہے اور نظم ما قبلہا کے اجمال و ابہام کی تفصیل ہے۔ یہ فاء تفسیریہ تعقیبیہ کہلاتی

ہے کیونکہ تفسیر مفسر کے بعد واقع ہوتی ہے۔ ایسی فاء کے مطابق مفسرین نے بہت طویل بحثیں کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ابہام کے بعد اور اجمال کے بعد تفصیل کے موقع پر واقع ہوتی ہے۔

و فرحوا بما عندھم من العلم۔ اور وہ اپنے علم پر اس طریق سے خوش تھے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ کل حزب بما لدیھم فرحون (ہر گروہ اپنے نظریات سے خوش ہے) یعنی انہوں نے اپنی اُن کارروائیوں سے خوشی کا اظہار کیا اور انبیاء علیہم السلام کے علوم کی تحقیر کی اور یہاں علم سے اُن کے ٹیڑھے عقائد اور اوہام باطلہ مراد ہیں۔ مثلاً کہتے ہم مرنے کے بعد اُٹھیں گے اور نہ ہی ہمیں عذاب ہوگا اور نہ ہی قیامت قائم ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

سوال:۔ جو واقع کے مطابق نہ ہو اسے جہل کہا جاتا ہے۔ یہاں ان کے باطل عقائد کو علم سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب:۔ ان کے جہل کو علم سے تعبیر کرنا تہکم و استہزاء ہے۔ علاوہ ازیں وہ جو کہ ان عقائد باطلہ کو علم سمجھتے تھے ان کے گمان فاسد کی بناء پر اسے علم سے تعبیر کیا گیا ہے نہ یہ کہ وہ واقعی علم ہے یا اس سے علم الصنائع والتنجیم والطبائع مراد ہے۔ اور علم الطبائع فلاسفہ کا علم ہے اس لیے کہ فلاسفہ انبیاء علیہم السلام کے علوم کی تحقیر کرتے ہیں اور اپنے نظریات کو عقل سے ثابت کرکے کہتے کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں جیسے سقراط نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ ہم مہذب لوگ ہیں ہمیں کسی دوسرے کی تہذیب کی ضرورت نہیں۔

حضرت مغربی قدس سرہٗ نے کہا ؎

علم بے دیناں رہا کن جہل را حکمت مخواں
از خیالات و ظنون اہل یونان دم مزن

ترجمہ:۔ بے دینوں کا علم چھوڑ جہل کو حکیم نہ کہہ اور اہل یونان کے خیالات و ظنون پر دم نہ مار۔

لطیفہ:۔ ابوجہل کو جاہلیت کے لوگ ابوالحکم کہا کرتے کیونکہ وہ سمجھتے کہ وہ بڑا عالم اور صاحب حکمت ہے لیکن اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوجہل کہا اس لیے اسے اگر حقیقت کا علم ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سرائے و مدرسہ و بحث علم و طاق رواق
چہ سود چوں دل دانا و چشم بینا نیست

ترجمہ: سرائے اور مدرسہ اور علم کی بحث اور طاق رواق کا کیا فائدہ۔ جب دل دانا اور چشم بینا نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ علم سے معقولات و مخیلات و موہومات مراد ہیں۔ اور جائز ہے کہ عندھم کی ضمیر رسل کرام علیہم السلام کی طرف راجع ہو اور علم سے وہی علم مراد ہے جسے رسل کرام علیہم السلام نے ظاہر فرمایا۔ اور فرح الکفار سے ان کی تضحیک و استہزاء مراد ہو اس کی تائید وحاق بہم ما کانوا بہ یستہزءون اور انہیں وہ محیط ہو گیا جو اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے یعنی کفار پر نازل ہوا اور پہنچا ان پر ان کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ استہزاء ان کے عادم کے استحقار کا وبال اور جس عذاب کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی اس سے نہ بچ سکے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکے جیسا کہ ان کا خیال تھا کہ ہم اپنی مراد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

از دہان کثر کرد وز تسخر بخواند
مر محمد را دہانش کثر نماند
باز آمدی کای محمد عفو کن
اے ترا الطاف و علم من لدن
من ترا افسوس می کردم ز جھل
من بدم افسوس را منسوب و اہل
چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان برد
پس سپاس اورا کہ مارا درجہان
کرد پیدا از پس پیشنیاں
تا شنیدم آں سیاست ہائے حق
بر قرون ماضیہ اندر سبق

ترجمہ: منہ ٹیڑھا کر کے ٹھٹھا حول کیا حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تو اس کا چہرہ ٹیڑھا ہو گیا۔

۲: پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول مجھے معاف فرمایئے آپ تو بحر لطف اور علم لدن کے مالک ہیں۔

۳: میں نے آپ سے جہالت سے مسخری کی میں تو افسوس اور نا اہل سے منسوب ہوں۔

۴: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرتا ہے تو اس کا میلان پاک لوگوں پر طعنہ کی طرف ہو جاتا ہے۔

۵: پس اس کا شکر کہ ہمیں گزشتہ لوگوں کی پیروی میں لگا دیا۔

۶: میں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے سنا ہے کہ گزشتہ لوگوں کے حالات سے سبق حاصل کرو۔

تا کہ ما از حال آن گرگان پیش
ہمچو روبہ پاس خود داریم بیش
اُمتِ مرحومہ زین رو خواند مان
آں رسولِ حق و صادق دربیان
استخوان و پشم آں گرگان عیاں
بنگرید و پند گیرید ای جہاں
عاقل از سر بنہد ایں ہستی و باد
چوں شنید انجام فرعونان و عاد
ورنہ بنہد دیگراں از حالِ اُو
عبرتی گیرند از اضلال اُو

ترجمہ: ہم گزشتہ لوگوں یں بھیڑیوں سے سبق سیکھیں کہ خود کو دنیا میں لومڑی کی طرح کمزور ہو کر رہیں۔
۲ :۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُمت مرحومہ اس لیے کہا جسے رسولِ صادق و مصدوق نے بیان فرمایا ہے۔
۳ :۔ ان بھیڑیوں کی ہڈیاں اور اُون تا حال موجود ہیں۔ اے سردارو انہیں دیکھ کر نصیحت حاصل کرو۔
۴ :۔ دانا اپنے سر سے ہستی کا خیال ختم کر ڈالتا ہے جب وہ فرعون اور عاد کا انجام سنتا ہے۔
۵ :۔ ورنہ دوسرا اس کے حال سے اپنی اصلاح کرے گا اس کی گمراہی سے دوسرے عبرت حاصل کریں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس علم کی توفیق کی درخواست کرتے ہیں جو تحقیق تک پہنچائے۔ (آمین)

نتواں بقیل و قال از اربابِ حال شد
منعم نمی شود کسے از گفتگوئے گنج

ترجمہ:۔ قیل و قال سے اربابِ حال نہیں ہو سکتا اور نہ ہی باتوں سے کوئی خزانہ پا سکتا ہے۔

سبق :۔ حق کی فرمانبرداری اور عمل کی جد وجہد ضروری ہے

در علم محققاں جدل نیست
از علم مراد جز عمل نیست

ترجمہ:۔ محققین کے علم میں جدل نہیں علم مراد کو پانا سوائے عمل کے نہیں ہو سکتا۔

حکایت:۔ الروضہ میں ہے کہ حجاج بن یوسف ظالم حج کے موقع پر حضرت سعید بن المسیب کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے دیکھا حجاج امام کے امام سے پہلے سر اُٹھاتا تا اور سجدے میں اس سے پہلے سر کو رکھ دیتا

تھا۔ جب حضرت سعید نماز سے فارغ ہوئے تو حجاج کا کپڑا پکڑ لیا۔ وہ بھی نماز سے فارغ ہو چکا تھا۔ آپ نے اس پر جوتا مارنے کو اُٹھا کر فرمایا اے سارق اے خائن تو ایسی غلط نماز پڑھتا ہے صرف تیرا مقصد چہرے کو مٹی پر مارنا ہے اور بس۔ حج سے فراغت کے بعد حجاج شام کو واپس گیا تو اسے خلیفۂ وقت نے مدینہ طیبہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو اُس نے مسجد نبوی شریف میں آتے ہی حضرت سعید بن المسیب کی مجلس میں حاضری دی اور عرض کی کہ آپ ہی نے مجھے ایسے ایسے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا تھا۔ عرض کی اللہ تعالیٰ آپ کو تعلیم و تادیب کی جزائے خیر عطا فرمائے اس لیے اس کے بعد میں نے جب بھی نماز پڑھی تو آپ کی تعلیم و تادیب مجھے یاد آ جاتی تھی۔

سبق:۔ علم کے تقاضا پر عمل ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ فلما رأوا۔ پس جب اُمم سابقہ مکذبہ نے دیکھا باسنا۔ دنیا میں ہمارا سخت عذاب اور خسارے اور گھاٹے کی ذلت میں پڑے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا بعذاب بئیس۔ سخت عذاب۔ قالوا۔ اضطراب میں آکر کہنے لگے امنا باللّٰه وحده۔ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آئے۔ وکفرنا بما کنا به۔ اور ان سے ہمارا انکار ہے۔ ان پر ایمان لانے سے ان کی مراد ان کے بت ہیں۔ مشرکین۔ مشرک یعنی ان کے ساتھ جو ہمارا ایمان تھا اور انھیں ہم شریک کرتے تھے۔ اب ہم ان سے بیزار ہیں۔

فائدہ:۔ یہ ماء تعقیب کی ہے مابعد کو ماقبل کے تابع کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ مابعد نے ماقبل کے بعد آنا ہے اس لیے فلما جاءتهم الخ کا مضمون بعینہٖ وہی ہے جو انهم کفروا الخ کا ہے۔ تمام مضمون بمنزلہ فکفروا ثم رأوا باسنا امنوا کے ہے۔ فلم یك۔ دراصل لم یکن تھا۔ نون محذوف ہوا بوجہ کثرت استعمال کے ینفعهم ایمانهم۔ تو انھیں اللہ کی وحدانیت کی تصدیق نے فائدہ نہ دیا کیونکہ ان کی یہ تصدیق اضطراری تھی۔

ترکیب:۔ ایمانهم۔ لم یك کا اسم و ینفعهم اس کی خبر مقدم ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمانہم ینفعہم کا فاعل اور کان کا اسم ضمیر ہے جو اس میں مستتر ہے۔

فلما رأوا باسنا: جب اُنھوں نے ہمارا عذاب دیکھا اور جب وہ ان پر واقع ہو گیا اس لیے کہ اُس وقت ان کی قبولیت ایمان ممتنع ہو گیا تھا اور یہ امتناع عادی کہلاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنة اللّٰه الخ اس لیے کہ معائنہ عذاب کے وقت تکلیف (زمانہ آزمائش) ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ ایمان تکلیف کا قابل قبول ہے نہ کہ بوقت یاس (ناامیدی) کے۔

فائدہ: ان کے لیے امتناع قبولیت اس لیے ہوگیا کہ انھوں نے ماموریہ کے وقت کو ضائع کر دیا اس لیے لم یک معنی لم یصح و لم یستقم کیا گیا ہے اور یہ لم ینفعھم سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس کا آمنوا پر عطف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ایمان لائے لیکن انھیں ایمان نے نفع نہ دیا کیونکہ ان کا یہ ایمان اضطراری تھا اور بارگاہِ حق میں اختیاری ایمان قابلِ قبول ہے۔ ایمان اختیاری انسان کی اپنی قدرت اور اختیار سے ہوتا ہے۔ جب اس نے عذاب کو دیکھا تو اب اس کا اختیار باقی جملہ امور سے مسلوب ہو گیا۔ تو اب اسے سوائے ایمان کے اور کوئی اختیار نہ رہا اور ایسا ایمان ناقابلِ قبول ہے۔ جب اسے ایمان نے دنیا میں فائدہ نہ دیا تو آخرت میں بھی کوئی فائدہ نہ دے گا۔

سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ جو پہلے اس کے بندوں میں گزرا۔

حل لغات: سنۃ مصادر موکدہ سے ہے۔ خَلَتْ خلو سے ہے زمان و مکان ہر دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے لیکن زمانہ گزشتہ چونکہ تصور میں آسکتا ہے اسی لیے یہ صرف زمانہ گزشتہ میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جائے گا خلا الزمان بمعنی مضٰی و ذھب۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ کا سابقہ زمانہ میں بھی یہی طریقہ رہا کہ جو بوقت یأس (ناامیدی موت کے وقت) ایمان قبول نہیں کرتا۔ نیز سنۃ اللہ کو منصوب پڑھنا جائز ہے۔ یہ تحذیر کے قبیل سے ہوگا۔ اصل احذروا سنۃ اللہ الخ تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے اس طریقہ سے ڈرو جو اس نے سابقہ امتوں کے مکذبین کے ساتھ کیا۔ یہاں سنت کا معنیٰ طریقہ اور عادت جاری مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا طریقہ جو حکمت پر مبنی ہے۔ وخسر ھنالك الکفرون۔ ھنالك اسم مکان ہے اور اصل یہ اس اسم مکان کے لیے وضع کیا گیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جائے لیکن یہاں پر استعارہ کے طور اسم زمان کے لیے مستعمل ہے اس لیے کہ یہ لما رأوا باسنا کے مدلول کی طرف اشارہ ہے اور لما زمانہ کے لیے ہے تو ثابت ہوا کہ یہاں ھنالك زمانہ کے لیے متعین ہے بوجہ اسم مکان کے ساتھ ظرف میں مشابہ ہونے کے۔ اب بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما معنیٰ یہ ہوا کہ وحدانیت الٰہیہ کے کفر کرنے والے یاس و عذاب کے دیکھنے کے وقت ہلاک ہوئے۔

فائدہ: زجاج فرماتے ہیں کہ کافر ہر وقت خسارے میں ہے لیکن اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب عذاب دیکھے گا کیونکہ اس وقت اس کی فلاح کی امید ختم ہو جائے گی۔

فائدہ: یہاں خسر ھنالك المبطلون نے نہیں فرمایا جیسے پہلے فرمایا ہے اس لیے کہ اس کا اتصال ایمان سے ہے اور ایمان کی نقیض کفر[1] ہے یعنی یہاں الکفرون کا موقعہ حسن ہے جیسے یہاں مبطلون کہنا حسن تھا اس کے اسرار ہم نے اس کے موقعہ پر بیان کر دیئے ہیں۔

مسئلہ: ایمان یاس و یاس کے لیے تفصیل ہے میں تمھیں اس کا بیان سناتا ہوں۔

---

[1] بیان القرآن

قصیدۃ الامالی میں ہے ؎

و ما ایمان شخص حال یاس
بمقبول لفقد الامتثال

ترجمہ:۔ یاس کے وقت انسان کا ایمان ناقابلِ قبول ہے اس لیے امتثال کا وقت ختم ہو گیا۔

فائدہ:۔ یاس (بالباء الموحدہ و سکون الہمزہ) کہا یاس (بالباء المثناۃ) نہیں کہا تاکہ لما راوا باسنا۔ کے موافق ہو۔ ویسے بأس یأس کو بھی مشتمل ہے اس لیے مأس کا لغوی معنی ہے شدۃ و مضرۃ اور حال الباس وہ وقت ہے جب عذاب نظر آئے اور وعدہ و وعید کی خبروں کا انکشاف ہو جائے اور حال الیأس غرغرہ کا وہ وقت جب انسان کے حواس و قویٰ جواب دے جائیں اور دار آخرت کے احکام کا آغاز ہو جائے۔ حال یاس میں ایمان و توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلم یك ینفعھم۔ رحمت کی اُمید کا بھی ایک وقت ہے جب وہ نکل گیا اس کے بعد اُمید رکھنا بے سود ہے کیونکہ اس کی فرمانبرداری قبول کرنا اضطراری ہے یہ ایمان اختیاری نہ ہوگا بلکہ اضطراری ہوگا مثلاً جب سورج مغرب سے طلوع کرے گا اُس وقت توبہ اور ایمان قابلِ قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ایمان اضطراری ہے اختیاری نہیں کیونکہ اس وقت ایمان اس لیے قبول کر رہا ہے کہ عذاب سے بچ جائے یہ ایسے ہے کہ اگر عذاب سے بچ گیا تو پھر اپنی حالت پر عود کرے گا۔

مسئلہ:۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایمان اس ارادہ سے قبول کرے یا طاعت اس نیت سے کرے کہ یہ مجھے عذاب سے بچائیں گے تو ایسا ایمان و طاعت غیر مقبول ہیں بلکہ ایمان و طاعت اس ارادہ پر ہو کہ ایمان و طاعت فی نفسہٖ اچھے ہیں اسی لیے قابلِ قبول ہیں۔

مسئلہ:۔ ثواب کے حصول اور عذاب سے بچنے کی نیت پر طاعت کی رغبت ناقابلِ قبول ہے[1]۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آں ندامت از نتیجہ رنج بود
نہ ز عقل روشن چوں گنج بود
چونکہ شد رنج آں ندامت شد عدم
می نیرزد خاک آں توبہ ندم

ترجمہ:۔ ندامت رنج کے نتیجہ سے ہوتی ہے عقل روشن کے بغیر خزانہ کہاں سے حاصل ہوگا۔
۲:۔ جب رنج گئی تو ندامت بھی ختم۔ مٹی ہو جائے گی ایسی توبہ و ندامت۔

---

[1] حواشی الشیخ فی سورۃ الانعام ۱۲:

می کند او توبہ و پیر خرد
بانگ لو ردوا لعادوا می زند

ترجمہ :۔ پیر خرد توبہ کرتا ہے لیکن (لو رُدُّوا لعادوا) اگر لوٹے جائیں تو لوٹ آئیں گے کا آواز مارتا ہے۔

مسئلہ :۔ دنیوی وعید اور اُخروی وعید کے ظہور کے وقت ایمان و توبہ کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ آخرت کے احکام کا ظہور آخرت کے حکم میں ہے اسی لیے حدیث میں ہے من مات فقد قامت قیامۃ جو مرا اس کے لیے قیامت قائم ہوگئی۔ اس لیے کہ موت کا زمانہ دنیا کا آخری اور آخرت کا ابتدائی زمانہ ہے اس معنیٰ پر اس کا مرنا آخرت کے زمانہ سے متصل ہے اس لیے اس کا حکم آخرت کے زمانہ کے حکم میں ہوگا یہی وجہ ہے کہ فرعون جیسوں کا بوقت غرق ایمان لانا نا قابل قبول ہوا۔ اسی لیے اس کا ظہور اس وقت ہوا جب احوال واحکام آخرت کا دور شروع ہو چکا تھا اور دنیا کے عذاب کا ظہور بمنزلہ آخرت کے عذاب کے ظہور کا ہے۔ حال الباس جیسے غرغرہ (سکرات الموت) کے وقت کا ایمان نا قابل قبول ہے۔ فرعون کا غرق ہونے کے وقت ایمان لانا اگرچہ قبل الغرغرہ تھا۔ لیکن چونکہ عذاب میں مبتلا ہو چکا تھا اسی لیے اس کا ایمان قابل قبول نہ ہوا۔ اسے خوب سمجھ لے کیونکہ اس مسئلہ میں بہت سے لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے۔

مسئلہ :۔ ایمان ایاس (بالیاء المثناۃ التحتانیہ) یہ احوال الآخرت کے مشاہدہ کے وقت ایمان لانا ہے جو کہ غرغرہ یعنی روح کے جسم کے نکلنے کے وقت ہوتا ہے۔ کتب فتاویٰ میں ہے کہ یہ ایمان بھی نا قابل قبول ہے۔

مسئلہ :۔ سکرات (غرغرہ) کے وقت گناہوں سے توبہ قابل قبول ہے یہی مختار ہے[1] اس لیے کہ کافر اجنبی اور اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان کی ابتدا کر رہا ہے فلہذا نا قابل قبول ہے اور فاسق اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے اور یہ اپنے ایمان کی بقاء میں باقی ہے اور بقاء و ابتداء میں فرق ہے۔

مثال عجیب :۔ ایمان ایاس اس درخت کی مثال ہے جسے ایسے موسم میں بویا جائے جس کی نشو ونما کا وقت نہیں اور فاسق کی مثال اس درخت کی ہے کہ درخت پہلے سے ہے لیکن سردی سے اس کے پتے جھڑ گئے ہیں لیکن اب موسم بہار میں اس کے پھل لگنے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ :۔ مطلقاً توبہ کی قبولیت کی دلیل آیت وھو الذی یقبل التوبۃ (وہ اللہ جو توبہ قبول کرتا ہے) لیکن یہ دوسری آیت و لیست التوبۃ الذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدھم

---

[1] ہدیۃ المہدیین ۱۲

الموت قال انی تبت الآن (ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو لوگ بُرے عمل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب ان پر موت آتی ہے تو کہتے ہیں ہیں نے ابھی توبہ کی) کے مخالف ہے۔ اس کی تفسیر میں بغوی نے لکھا کہ گناہوں کی توبہ اور نہ کافر کا ایمان قابل قبول ہے جب یقین ہو جائے کہ موت آگئی۔

فائدہ: اس سے مراد یہ ہے کہ جب موت جھانکے اور غرغرہ (سکرات) شروع ہو جائے ورنہ محققین کہتے ہیں کہ جب موت قریب ہو تو اس وقت قبولیت سے کوئی شے مانع نہیں۔ ہاں جب احوال آخرت کا سامنا آجائے تو پھر توبہ قبول نہیں کیونکہ اُس وقت سے اضطرارًا اللہ تعالیٰ کا علم ہوا ہے۔

فائدہ: قرب الموت یقین موت کے منافی نہیں کیونکہ موت سے پہلے اسباب و آثار کا ظہور ہوا کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیر الوصیۃ (الآیۃ) تمھارے اُوپر وصیت فرض ہے کہ جب موت آئے اگر مال چھوڑے) اس سے بھی موت کے اسباب و آثار مراد ہیں مثلاً بیماری میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ جب موت کی کشمکش میں ہوتا ہے اُس وقت وصیت کا کیا معنیٰ۔

حکایت: ہماری دلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وصیت بھی ہے کہ جب آپ نے موت کے آثار دیکھے تو اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا بیٹے جو مال و دولت جمع کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کسی کا اللہ تعالیٰ ناک کاٹ دے اس کے بعد فرمایا مجھے بیت المال کی طرف لے چلو وہاں جا کر لوہے کے زنجیر گلے میں اور بیڑیاں پاؤں میں ڈال لیں پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا کہ توبہ کا میدان وسیع ہے جب تک انسان کو سکرات گھیر نہ لے۔ یہ کہہ کر قبلہ رُخ ہو کر کہا "اے اللہ! تم نے ہمیں حکم فرمایا ہم نے اس کی خلاف ورزی کی۔ بہت سے اُمور سے روکا۔ ہم ان کے مرتکب ہوئے۔ یا اللہ یہ پناہ لینے والوں کا مقام ہے اگر تو معاف کر دے تو معافی دینے کا اہل ہے اگر تو سزا دے تو اس کا میں مستحق ہوں۔ لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین کہہ کر فوت ہو گئے اور وہ لوہے کی بیڑیاں اور زنجیر بدستور ان کے گلے اور پاؤں میں تھے۔ (جنہیں بعد کو اُتار اگیا) حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت عمرو بن العاص کی کارروائی کا علم ہوا تو فرمایا شیخ نے اُس وقت مانا جب اسے موت کا یقین ہُوا۔ اُمید ہے اسے یہ طریقہ نفع دے گا۔

نکتہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لفظ اُمید سے فیصلہ فرمایا اس لیے کہ کسی کے لیے یقینی خبر نہیں دی جا سکتی یہی علم الارشاد کا قاعدہ ہے جیسا کہ حکایت ذیل والا ہے کہ نبی ہے۔

حکایت: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی تھا کا وصال ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں غسل و کفنانے کے بعد دونوں آنکھوں کے درمیان

لہ حواشی ابن الشیخ فی سورۃ النساء ۱۲

یوسہ دے کر رو دئے۔ یہ حال دیکھ کر ان کی زوجہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا هنيئا لك الجنة
یا ابا السائب۔ تمہیں مبارک ہو اے ابو سائب اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے [illegible]
نے بی بی کی طرف ناراضگی سے دیکھ کر فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا عرض کی انہوں نے آپ کا [illegible]
میں ہے آپ نے فرمایا وما ادری ما یفعل بی ولا بکم۔ مجھے کیا معلوم کہ میرے [illegible]
اس سے لوگ گھبرا گئے اور عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خوف زدہ ہوتے (یہ حدیث پاک [illegible] (دمق
زندگی) کلھے اس سے عوام کے ذہنوں سے وہ خیال دور کرنا مطلوب تھا جو دوسرے کے سہارے اعمال صالحہ
کی پرواہ نہیں کرتا اور پھر یہ حدیث بمطابق آیت ما ادری ما یفعل بی ولا بکم (سورہ احقاف رکوع اول)
آیت انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم وما تاخر الخ سے منسوخ ہو گئی (تفصیل
کے لیے فقیر کی کتاب احسن التحریر) میں ہے[1]۔

نکتہ: موت کی کشمکش کے وقت ایمان قابل قبول اس لیے نہیں کہ ہم ایمان غیبی کے لیے مامور ہیں چنانچہ فرمایا یؤمنون بالغیب، چونکہ موت کا وقت غیب کے بجائے عیاں ہو جاتا ہے اسی لیے اُس وقت کا ایمان قابل قبول نہیں۔ علاوہ ازیں ہر مومن عاصی موت کے وقت ندامت کا اظہار کرتا ہے اور حدیث شریف میں ہے ان التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ بیشک گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس کا کوئی گناہ نہیں۔ اگر اُس وقت کی توبہ قابل قبول ہو تو پھر کوئی مومن بھی دوزخ میں نہ جاتے۔ حالانکہ بعض اہل ایمان دوزخ میں جائیں گے۔

توبہ کا معنیٰ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ توبہ یہ ہے انسان اس فعل پر دوبارہ عود نہ کرے اور اس عزم پر وہ پختہ یقین رکھے لیکن یہ اس کے غالب گمان پر ہے لیکن یہ اس کے خلاف جو آمدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی پر موت جھانکے یعنی موت کا وقت قریب ہو جائے تو اب اپنے کیے پر ندامت کرے تو ایسی توبہ اہل اسلام کے نزدیک بالاتفاق قبول ہے اگر اسے اس کے دوبارہ عمل کرنے کا تصور بھی نہ ہو کیونکہ اب ایسا تصور ختم ہے یہ اس عمومی قاعدہ توبہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ عموماً اسے کہتے ہیں کہ ماضی میں جو کام کئے اس سے ندامت اور اب ایسے ترک کر رہا ہے اور مستقبل میں اسے عمل میں نہیں لائے گا[2]۔

ازالہ وہم: هو الذی یقبل التوبة کے اطلاق کا جواب ہے کہ یہ آیت و لیست التوبة (الآیہ) سے اور حدیث ان الله یقبل التوبة ما لم یغرغر[3] (بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے یہاں تک کہ سکرات شروع ہو) سے مقید ہے۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہ [2] شرح العقائد للمولی وسنان آفندی رحمۃ اللہ علیہ [3] اخرج الترمذی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

مسئلہ:۔ اور یہ مومن و کافر ہر دونوں کی توبہ کو شامل ہے۔ خلاصہ یہ زمانہ یاس کی توبہ از کفر اور توبہ فسق قبول نہیں
ہاں اگر یاس سے پہلے اگرچہ تھوڑی دیر بھی تو یہ قبول ہے یہ اپنے گنہگار بندوں پر اس کی رحمت ہے۔

فائدہ:۔ اختصار بمعنی غرغرہ کا وقت یعنی روح کے جسم سے نکلنے کا وقت نہ کہ اوائل موت کا حضور اور اس
کی علامات کے ظہور کا وقت یہی حالۃ الناس (بالبا الموحدہ) کا حال ہے۔

سوال:۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے کہا لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوچھنے پر کہا کہ اس نے دل سے نہیں پڑھا تھا
آپ نے فرمایا ھل شققت قلبہ۔ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ
مضطر و مکرہ کا ایمان قابلِ قبول اور صحیح ہے۔

جواب:۔ صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے جو جواب دیا ہے وہ اہلسنت کے مسلک کا مؤید ہے فرمایا:

لعلہ علیہ السلام اطلع بنوار النبوہ علی الایمان ذلک المقتول بخصوصہ
(روح البیان ص۲۲۲ ج ۷)

ترجمہ: امید ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کے نور سے مقتول کا ایمان معلوم فرما لیا تھا۔
اسی لیے وہی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ (العلم عند اللہ المتعال)

مسئلہ:۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایمان الیاس (بالمثناہ) قبول اور صحیح ہے۔ یہ بھی ان سے منقول ہے
کہ موت کے یقین ہو جانے کے بعد ایمان لانا مقبول ہے اگرچہ اس کے ایمان پر کوئی دلیل نہ بھی ہو
اسی لیے فرعون کا ایمان مردود ہے کہ اس کے لیے نص میں وارد ہے کہ الآن وقد عصیت من قبل
ابھی ایمان لا رہا ہے حالانکہ اس سے قبل تو نافرمان رہا۔ امام مالک ایمان یاس اس لیے مقبول فرماتے ہیں
کہ اس گھڑی کے ایمان کے مردود ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

ردّ مذہب مالکی:۔ یہ مذہب ناقابلِ قبول ہے کیونکہ اس میں مکمل ضعف موجود ہے اور اسے امام مالک
کی طرف منسوب کرنا بھی خطا سے خالی نہیں جیسا کہ مخفی نہیں۔

خاتمہ بحث:۔ یہاں پر مجھے بھی جمع و ترتیب اور ترجیح و تہذیب کی توفیق نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے
سوال کرتا ہوں اپنے اور تمہارے لیے کہ وہ ہمیں ایمان کی قوت بخشے اور عیان و ایقان

کے زیورات سے سنگارے اور ہمیں خیر و حسنیٰ پر موت دے اور رضوان مقرب کی خوشخبری سے نوازے اور ہمیں اپنی بہشت کی طرف اُڑنے والوں اور اپنے قریب اُترنے والوں اور اپنے خطاب کے لائق بنائے آمین بحرمۃ الحوامیم اور ان اسرار کے صدقے جو ان میں ہیں۔

صاحب رُوح البیان کی تاریخ اختتام سورۃ المومن:۔ صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ حم المومن ہفتہ کے دن ۲۸ ذیقعد شریف سنہ ۱۱۱۲ھ میں ختم ہوئی۔

تاریخ اختتام ترجمہ:۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سورۃ کے ترجمہ سے ۱۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۰۶ھ بروز جمعہ قبل صلوٰۃ العصر فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

سورة حٰمٓ

رکوعاتہا ۶	(نمبر ۴۱) سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (عدد نزول ۶۱)	آیاتہا ۵۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ
اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ
اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ
اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

سورۃ السجدۃ مکی ہے اس میں ۶ رکوع ۵۴ آیات ۷۹۶ کلمات ۳۳۵۹ حروف ہیں۔ (خزائن)

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

ترجمہ: یہ اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل فرمائی گئیں۔ عربی قرآن عقل والوں کے لیے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا تو ان میں اکثر نے منہ پھیرا تو وہ سنتے ہی نہیں اور بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں ٹینٹ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان روک ہے تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔ مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے معافی مانگو اور خرابی ہے شرک والوں کو وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے بے انتہا ثواب ہے۔

تفسیر عالمانہ: حم ۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل هذه السورة الخ یعنی یہ وہ سورت ہے جس کا نام حم ہے اسے کتاب اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کتاب الٰہی کا جز ہے اور کل بول کر جز مراد لینا جائز ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا حم قرآن کا نام ہے اس معنیٰ پر کتاب پر اس کا اطلاق حقیقی ہوگا۔ اسے حم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ حُمّ بضم الحاء وتشدید المیم بمعنی ماھو کائن ہے (کذا قال سہل قدس سرہٗ) یعنی جو لائق ہونے کے ہے وہ میں ہوں اور جو کرنے کے لائق ہے وہ میں نے کیا اور جو ہٹانے کے لائق ہے اسے میں نے ہٹایا اور جو برگزیدہ بنانے کے لائق ہے اسے میں نے برگزیدہ بنایا۔ اور جو قبول کرنے کے لائق ہے اسے میں نے قبول کیا اور جو اُٹھانے کے لائق ہے اسے میں نے اُٹھایا جو گرانے کے لائق ہے اسے میں نے گرایا جو چاہنے کے لائق ہے اسے میں نے چاہا اور جسے میں نے پسند کیا اسے دیکھتا ہوں۔ اس سے جفا دیکھتا ہوں بلکہ اسے معاف اور درگزر کرتا ہوں اور اس کے کہے کو میں کبھی نہیں ٹالتا۔ مایبدل القول ۔ یہ قول بدلا نہیں جاتا۔ چونکہ یہ کتاب کے ذکر سے شروع ہوئی ہے کہ جس میں احکام مذکور ہیں اور واضح طریق سے اسی لیے مناسب ہوا کہ اسے حٰمٓ سے شروع کیا جائے تاکہ براعۃ الاستہلال ہو۔

فائدہ: ان سات سورتوں کو حٰمٓ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان میں حم ہے اور کتاب کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ ان میں آیاتِ الٰہی سے مجادلہ کرنے والوں کا رد اور آیات پر ایمان اور ان کے مقتضی پر عمل کرنے کی ترغیب ہے۔

حٰمٓ کے معانی:

۱۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ حٰمٓ میں خطاب و تنزل ہے حبیبِ اعظم سے محبوب معظم کی طرف۔
۲۔ یہ قسم ہے یعنی مجھے اپنی حیات اور مجد کی قسم ہے یہ تنزیل ہے۔
۳۔ قسم ہے تیری حیات و کی اے حبیب و محبوب۔
۴۔ قسم ہے حجر اسود اور مقام ابراہیم کی اس لیے یہ دونوں یواقیت الجنۃ سے دو یاقوت ہیں اور اسرار الٰہیہ میں سے دونوں راز ہیں اسی لیے ان کی قسم مناسب ہوئی۔
۵۔ یہ وہ حروف تنزیل الخ ہیں جنہیں جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہے گویا فرماتا ہے کہ یہ حروفِ تہجی منجملہ ان کے حٰمٓ بھی ہیں جنہیں رحمٰن نے اُتارا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ جب بچے سے پوچھا جاتا

ہے کہ تو نے تختی پر کیا لکھا وہ کہے گا الف۔ با۔ حالانکہ اُس نے تختی پر تمام حروف تہجی لکھے ہیں اس سے اس کی مراد صرف الف۔ با نہیں بلکہ جملہ حروفِ تہجی۔ اور حروفِ تہجی آدم علیہ السلام پر نازل ہوئے اور قرآن مجید انہی حروفِ تہجی پر مشتمل ہے۔ اس معنیٰ پر یہ حروفِ تہجی ہر نازل شدہ کتب آسمانی کی اصل ہیں۔

حدیث شریف: من قراءۃ القرآن فاعربه۔ جو قرآن پڑھے اسے چاہیئے کہ اسے صحیح و صاف پڑھے اس میں غلطیاں نہ مارے۔ فله بکل حرف خمسون حسنة و من قرأ و لحن فیه فله بکل حرف عشر حسنات۔ تو اسے ایک حرف کے بدلے میں پچاس نیکیاں ملیں گی اور جو اسے پڑھتا ہے لیکن اس نے لحن کیا یعنی اصول کے مطابق نہیں پڑھا تو اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں نصیب ہوں گی اما انی لا اقول الٓمٓ حرف بل حرف الف و لام حرف و میم حرف۔ میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف علیٰحدہ حرف ہے اور لام اور میم اور

نکتہ: ایک حرف پڑھنے پر پچاس نیکیوں کے حصول میں نکتہ یہ ہے کہ دراصل قرآن کی قراۃ تو صرف نماز کے لیے تھی اور اصل نماز پچاس ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فصیح قاری کو ایک حرف کے بدلے پچاس نیکی (اجر) عطا فرمایا۔ چونکہ دس اس کا ادنیٰ درجہ ہے چنانچہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (جو ایک نیکی لاتا ہے اسے اس جیسے دس عطا ہوں گی) اسی لیے ادنیٰ درجہ کے قاری کو دس نیکیاں عطا ہوں گی۔

اسمِ اعظم: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسم اعظم حروفِ مقطعات میں مخفی ہے لیکن ہر شخص اس کے استخراج پر قدرت نہیں رکھتا۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

گرت دانستن علم حروف آرزو صوفی
نخست افعال نکو کن چہ سود از خواندن اسماء

ترجمہ: اے صوفی اگر تجھے علم حروف کے جاننے کی خواہش ہے تو نیک عمل کر کیونکہ صرف اسماء پڑھنے کا کیا فائدہ۔

تنزیل۔ یہ دوری خبر ہے مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی نازل کردہ شدہ اس لیے مصدر بمعنی مفعول مجازاً عام مشہور ہے مثلاً کہا جاتا ہے ھذا الدرھم ضرب الامیر بمعنی مضروب الامیر اور منزل من اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر لکھا پھر جبریل علیہ السلام کو فرمایا اسے یاد کر لے۔ اس سے ہی وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جستہ جستہ نازل کرتے۔ چونکہ یہ کلمات الٰہیہ (قرآن) جبریل علیہ السلام کے ذریعے حاصل ہوا اسے لیے اسے تنزیل سے تعبیر کیا ورنہ کلام نفسی ذات باری تعالیٰ سے قائم ہے اسے نہ نزول سے تصور کیا جا سکتا ہے نہ اوپر سے نیچے کا تصور ہو سکتا ہے۔ من الرحمٰن الرحیم۔ تنزیل کے متعلق ہے یعنی الرحمٰن الرحیم سے نازل ہوا ہے

تنوین تنزیل اور اضافہ الی الرحمٰن رحیم میں موکد اور معظم بالشان ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں دین و دنیا کی مصلحتیں ہیں اور رحمت ربانیہ کے عین مقتضی پر نازل ہوا ہے کیونکہ جب معلوم ہوگا کہ یہ اس ذات سے آیا ہے جس کی رحمت غالب ہے تو لازماً اس میں بہتری ہی بہتری ہوگی۔

فائدہ: کاشفی علیہ الرحمہ نے اس کا ترجمہ لکھا کہ وہ رحمٰن بخشنے والے سے نازل ہوا ہے جس میں عوام کی ہدایت ہے اور وہ رحیم ہے کہ قلوب خواص کے لیے مہربان ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حاء میں حکمت کی طرف اور میم اس کی منت و احسان کی طرف یعنی اس نے بندوں پر احسان فرمایا ہے کہ اپنا کلام ان پر نازل فرمایا۔ اپنی حکمت ازلی سے جس کی رحمت غضب پر غالب ہے اس نے جملہ موجودات کو اس رحمانیۃ الرحیم سے پیدا فرمایا جو ابدی اور اس کی رحمت ہر شے کو ہمیشہ تک واسع ہے اور نازل شدہ یہی کتاب (قرآن مجید) ہے۔

نکتہ: بعض عارفین نے فرمایا جب بحر رحمت نے موج ماری تو ہر شے لاشی ہو گئی اور کوئی شے پہلے نہ تھی پھر موجود ہوئی اس کے بعد مٹ جائے گی جس شے کا یہ حال ہو وہ لایزال ولم یزل کا کس طرح مقابلہ کر سکتی ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

محیط از چہرہ سیلاب گردِ راہ می شوید
چہ اندیشہ کسے با عفو حق اگر گرد رہا

ترجمہ: سیلاب کے چہرہ سے محیط گرد راہ دھوتا ہے۔ عفو حق کے مقابلہ میں گناہوں کی راہ کی کیا فکر۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہمی شرم دارم از لطف کریم
کہ خوانم گنہ پیش عفوش عظیم

ترجمہ: مجھے لطف کریم سے شرم آتی ہے اس کی عفو کے سامنے اپنے گناہ کیسے بیان کروں۔

کتاب۔ تیسری خبر ہے۔ کتب بمعنی جمع ہے اور اسی لیے یہ کتاب (قرآن) جملہ علوم اولین و آخرین کا جامع ہے۔ فُصِّلَتْ آیَاتُہٗ۔ اس کے آیات مفصل ہیں یعنی اس میں امر و نواہی اور حلال و حرام اور وعد و وعید اور قصص و توحید کا بیان ہے۔

فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ نے احکمت آیاتہ ثم فصلت کے تحت فرمایا۔ اس میں آیت تبیانا لکل شیء وھدی و رحمۃ کی طرف اشارہ ہے جو کوئی اس میں انصاف کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسے یقین ہوگا کہ مخلوق کے پاس قرآن مجید کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں جو علوم مختلفہ کی جامع ہو قرآناً عربیاً

قرآن عربیاً اس کا منصوب ہونا علی المدح ہے یعنی جس کتاب کے مفصل آیات ہیں اس سے ہماری مراد قرآن ہے ہے یا اس کا منصوب ہونا علی الحال ہے۔ اس کا ذوالحال کتاب ہے اس لیے کہ وہ صفت سے موصوف ہے اسے حال موطئہ کہا جاتا ہے حال موطئہ وہ اسم جامد ہے جو صفت سے موصوف ہوتا ہے۔ یہ اگرچہ جامد ہے لیکن درحقیقت یہ بھی حال ہے۔ اس کی بحث بارہا گزری ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ قرآن لغت عرب میں ہے تاکہ انہیں آسانی ہو اور وہ اسے سمجھ سکیں۔

تفسیر صوفیانہ :

تاویلات نجمیہ میں ہے اس میں اشارہ ہے کہ قرآن قدیم ہے اس حیثیت سے کہ وہ کلام الٰہی اور اُس کی صفت ہے اور عربیت اس کی پوشاک ہے اور یہ مخلوق ہے۔ اسے یہ پوشاک اللہ تعالیٰ نے پہنائی ہے۔

مسئلہ : جو کہے کہ قرآن عجمی ہے وہ کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ قرآن عربی ہے اور یہ کہتا ہے قرآن عجمی ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کا معارضہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا معارضہ کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

سوال : قرآن کے بہت سے کلمات عجمی بھی ہیں تو پھر اسے علی الاطلاق عربی کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

جواب : قرآن کے اکثر کلمات عربی ہیں اور حکم اکثر پر ہوتا ہے۔

عجمی کلمات کی مثالیں : قسطاس یہ رومی لفظ ہے معنیٰ میزان (ترازو) سجیل فارسی سنگ و گل کا معرب ہے۔ الصلوٰت عبرانی لفظ صلوتا کا معرب ہے بمعنی المصلے رقیم رومی لفظ ہے بمعنی کلب (کتا) طور سریانی میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ :

لقوم۔ اس قوم کے لیے جو عربی ہے یعلمون جو اس کے معانی جانتے ہیں کیونکہ یہ ان کی زبان میں ہے۔ یہ قرآن کی دوسری صفت ہے۔

فائدہ : تاویلات نجمیہ میں ہے یہ قرآن اس قوم کیلئے ہے جو عربیت کو جانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عربیت اپنے جملہ حروف کے ساتھ مخلوق ہے اور قرآن اس سے منزہ ہے۔

بشیرا۔ یہ قرآن کی تیسری صفت ہے۔ یعنی جو قرآن کی تصدیق کرتا اور اس کی قدرومنزلت جانتا ہے تو وہ اسے بہشت اور وصول الی اللہ کی خوشخبری سناتا ہے۔

ونذیرا۔ اور جو اس کی تکذیب کرتا اور اس کی قدرومنزلت نہیں جانتا تو اسے دوزخ اور اللہ تعالیٰ سے جدائی کا ڈر سناتا ہے۔

صوفیانہ معنیٰ : جو متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اسے نعمت قرب کی خوشخبری سناتا ہے اور جو اپنے نفس کا تابعدار ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا تو اس کے لیے نذیر ہے یا اللہ کے مقامات پر پہنچنے کی خوشخبری سناتا ہے اور ان کے لیے نذیر ہے کہ وہ مخالفات سے بچیں تاکہ بلند درجات

سے گریز جاہیں۔ یا مطالعہ رجاء کو خوشخبری اور مطالعہ خوف کو ڈرسنانے والا ہے یا عاصیوں کو شفاعت وغفران کی خوشخبری اور مطیعین کو ڈرسنانے والا ہے تاکہ ادب کریں اور طاعتِ رحمٰن میں اعضاء کو عمل میں لائیں یا جنہیں ہم نے اپنے لیے چنا اور برگزیدہ بنایا انھیں خوشخبری اور جنہیں ہم نے گمراہ کیا انھیں ڈرسنانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: فاعرض اکثرھم۔ ان کے اکثر نے مدبر سے اعراض کیا حالانکہ قرآن ان کی لغت میں اترا۔ ضمیر اہلِ مکہ کی طرف ہے یا جملہ اہلِ عرب یا مشرکین کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ ویل للمشرکین دلالت کرتا ہے۔ فھم لا یسمعون اسی لیے وہ تفکر و تامل سے انہیں نہیں سنتے ورنہ اس کی جلالت قدر کو سمجھ کر اس پر ضرور ایمان لاتے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ یہ لوگ قرآن کے حقوق کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں اسی لیے سن کر نہ اسے قبول کرتے ہیں اور نہ فرمانبرداری کرتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ اسے قبول کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اللہ نے اپنے لطف سے ان کے کانوں سے ثقل دور فرمایا۔ انھوں نے قرآن سنا تو ان کے اذہان معانی قرآن سے بھرپور ہو گئے۔

حکایت: حضرت عبدالرحمٰن بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو رجوع الی اللہ کس طرح نصیب ہوا تو فرمایا کہ ایک دن میں باغ میں کسی دعوت پہ مدعو ہوا کھانا کھا کر محفل راگ منعقد ہوئی اور میں سرود گانے سننے پہ بڑا حریص تھا بلکہ طنبورہ وغیرہ ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ آدھی رات کو اٹھا اور حسب عادت طنبورہ وغیرہ میں مصروف تھا۔ اسی وقت مجھے میرے سر پر اڑتا پرندہ نظر آیا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ کیا ابھی اہل ایمان کا وقت نہیں ہوا کہ ان کے قلوب ذکرِ الٰہی کے لیے نرم ہوتے ہوں۔ میں نے سن کر کہا میرا دل نرم ہو گیا۔ اس پر میں نے سرود توڑ ڈالا۔ اسی سے میرے زہد کی ابتداء ہوئی۔

تورات کا مضمون: تورات میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تجھے حیاء نہیں ہے جب میری کتاب تیرے دوستوں کے ذریعے سے پہنچی ہے تو تو پڑھ سن کر اس پر عمل نہیں کرتا۔ ابھی تو سفر کی منازل طے کر رہا ہے لیکن سیدھی راہ سے بھٹک رہا ہے تھوڑی دیر بیٹھ کر میری کتاب کو پڑھ کر اس کے ایک ایک حرف پر تدبر و تفکر کرتا تو پھر تو کبھی سیدھی راہ سے نہ بھٹکتا یہ میری کتاب ہے۔ میں نے تیرے لیے نازل فرمائی ہے۔ دیکھ میں نے اس میں کیسی تفصیل بنائی ہے۔ اور بار بار اس میں سمجھایا گیا ہے تاکہ تو اس کے نشیب و فراز سے آگاہ ہو لیکن تو اس سے بدستور روگرداں ہے لیکن یاد رکھ لے کہ میں جب دوسرے دن کو سزا دوں گا تو کبھی اس سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔

درسِ عبرت: اسی تورات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا اے میرے بندے تو اپنے دوستوں سے کسے ساتھ بیٹھ کر اُن کی طرف متوجہ ہو کر ان کی باتوں کو نہایت غور و خوض اور قلب کی گہرائیوں سے سنتا ہے۔ اگر کوئی کسی دوست کی بات ٹوکے یا تجھے اس کی بات سننے سے دوسری طرف متوجہ کرے یا کوئی اور وجہ سامنے آئے تو تو دوست کی بات سننے میں ہمہ وجوہ مشغول رہتا ہے اور تجھ پر افسوس ہے کہ میں خود تیری طرف متوجہ ہو کر باتیں کرتا ہوں لیکن تو معمولی طور بھی دل کو میری طرف متوجہ نہیں کرتا میری قدر و منزلت تیری نظر تیرے دوست سے بھی کم ہے[1]۔

تفسیر عالمانہ: و قالوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین کو قرآن کے فرمان کے مطابق ایمان و عمل کی دعوت دی تو اُنہوں نے کہا قلوبنا فی اکنۃ اکنۃ کنان کی جمع ہے بمعنی ہر وہ پردہ کہ جس میں شے چھپ کر محفوظ ہو جائے۔ اَب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمارے قلوب مضبوط پردوں میں محفوظ ہیں۔ **فما تدعونا الیہ**۔ ان باتوں سے جن کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں۔

فائدہ: یہاں مضاف محذوف ہو کر مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہے۔ ایسے ہی حرف جر کا متعلق بھی محذوف ہے۔ مشرکین نے اپنے قلوب کو اس محفوظ شے سے تشبیہ دی ہے جس کے ارد گرد ایسی مضبوط شے گھیرے ہوئے ہو جو باہر سے کوئی شے اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے۔ تبھی کہہ دیا کہ آپ ہمیں جس طرح بھی اثر دکھائیں۔ ہمارے دل آپ کی کسی بات سے متاثر نہیں ہو سکتے۔

سوال: یہاں پر اکنۃ پر حرف **فی** اور سورۃ کہف میں لفظ علیٰ ہے اس کی وجہ۔

جواب: یہاں عدم قبول میں مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ ڈھانپنے والی شے پر ایسے گھیرے جیسے ظرف مظروف کو تو پھر باہر سے اندر والی شے تک کوئی شے نہیں پہنچ سکتی اور یہ مفہوم لفظ علیٰ سے نہیں ادا ہو سکتا۔ اسی لیے یہاں لفظ فی لایا گیا اور سورۃ کہف میں صرف نصیحت کی باتیں ہیں یہاں ایسا مبالغہ مطلوب نہیں اسی لیے وہاں لفظ علیٰ موزوں ہے[2]۔ **و فی اذاننا وقر**۔ اور ہمارے کانوں میں ثقل ہے (بہرہ پن)

حل لغات: الوقر بمعنی وہ ثقل جو کانوں میں ہوتا ہے جسے بہرہ پن سے تعبیر کیا جاتا ہے[3] یا کانوں کی شنوائی بالکلیہ ختم ہونا مراد لی ہے اور کفار نے اس سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ اگرچہ حق اُن کے کانوں میں گونجتا ہے لیکن ہمارے اس طرف مائل بھی نہیں ہوتے۔

---

[1] احیاء العلوم ۱۲۔ [2] کذا قال السعدی المفتی رحمہ اللہ [3] القاموس ۱۲۔

تفسیر صوفیانہ: کافروں کا کہنا کہ ہمارے کانوں میں بہرہ پن ہے یہ مبنی بر حقیقت ہے اگرچہ اُنہوں نے ازراہِ تمسخر مذاق کیا لیکن حق یہ ہے کہ اُن کے دل جب دُنیا اور اُس کی زینت اور نقش و نگار پر فریفتگی کی وجہ سے ہزاروں پردوں میں پوشیدہ اور شہوات اور اوصاف بشریہ کے کانوں سے بند تھے اگر یہ ٹھٹھہ مخول نہ کرتے تو ممکن ہے انہیں توحید کی دولت نصیب ہو جاتی لیکن چونکہ وہ قلب کی صداقت کی استعداد بالکل ختم کر چکے تھے اس لیے حق سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں آ گئے۔

تفسیر عالمانہ: ومن بیننا و بینك حجاب۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان بہت بڑی آڑ اور سخت قسم کا پردہ ہے جو ایک دوسرے کے توافق و تواصل سے روکتا ہے۔

نکتہ: لفظ مِنْ سے ثابت ہوتا ہے کہ حجاب کی ابتدا ہر دونوں جانب سے ایک دوسرے کے درمیانی مسافت میں ایسے مضبوط پردے ہیں کہ کہیں بھی معمولی سی جگہ خالی نہیں۔ اس لیے ہمارے اور تمہارے توافق و تواصل کی تمام راہیں بند ہیں اگر یہاں پر لفظ مِنْ نہ ہوتا تو مطلب صرف اتنا ہوتا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان پردے ہیں اس سے معلوم نہ ہوتا کہ وہ پردے طرفین تک ہیں یا نہ۔ اس سے وہ مبالغہ اور اصل مقصد حاصل نہ ہوتا جو مِنْ کی وجہ سے حاصل ہوا۔

فائدہ: کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی ان دو چیزوں سے تشبیہ دی ہے جو ان کے درمیان ایسی عظیم آڑ ہو جو ان دونوں کو آپس میں نہ پہنچنے دے نہ دیکھنے دے بلکہ ہر طرح کے توافق سے دور رکھے۔

سوال: یہاں پر اعضائے انسانی سے صرف ان تینوں (دل۔ سمع۔ بصر) کا ذکر کیوں؟

جواب: قلب تو اس لیے کہ یہی معرفت الٰہی کا مرکز ہے اور سمع و بصر قلب تک معارف کے پہنچانے کا اعلیٰ و قوی ذریعہ ہیں تو جب ان تینوں پر پردے لٹکائے گئے تو ثابت کر دیا گیا کہ ان سے ایمان قبول کرنے کی اُمید بالکل منقطع ہو گئی۔ (نعوذ باللہ)

فائدہ: بعض نے کہا کہ ان کے قلوب دعوت حق قبول کرنے سے حجاب میں اور اُن کے کان ندائے حق سننے سے بہرہ پن میں ہیں یہی معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق اور اُن کے درمیان وحشت و اہانت کی آڑ تھی اس لیے انکار کے گڑھے میں گرے اور رویۂ آثار سے رُکے ؎

در چشم ایں سیاہ دلاں صبح کاذب است
در روشنی اگر ید بیضا شود کسے

ترجمہ: سیاہ دلوں کے لیے صبح کاذب کی مانند ہے اگرچہ کسی کے ہاتھ میں ید بیضا جیسی روشنی بھی ہو۔

تفسیر عالمانہ: فاعمل۔ تو اپنے دین پر عمل کر۔ انا عاملون۔ ہم اپنے دین پر عمل کرتے رہیں گے۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الہ واحد۔ فرمائیے میں تمہارے جیسا بشر ہوں میری طرف وحی الٰہی آتی ہے۔ بیشک سوائے ایک معبود کے اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ مشرکوں کے مقولے کے بعد ان کو جواب کے لیے تلقین ہے یعنی میں تمہاری جنس کے مغایر تو ہوں نہیں۔ جس سے میرے اور تمہارے درمیان کوئی حجاب اور ایسا تباین نہیں جو اعمال میں تباین پیدا کردے یا دین میں مخالفت کا سبب ہے۔ جیسے تم نے سمجھ رکھا ہے اور کہتے پھرتے ہو۔ فاعمل انا عملون۔ بلکہ میں بشر اور تمہارے جیسا آدمی ہوں اور انھیں امور کا مامور ہوں جن کے تم ہو کہ تم بھی توحید کے ماننے کے مامور ہو اور میں بھی اس کے متعلق جو خطاب ہے اس میں میں اور تم برابر ہیں کیونکہ الٰھکم خطاب جامع ہے جو جمیع کو شامل ہو نہ یہ کہ مثلکم کے خطاب کی طرح صرف کفار کو خطاب ہے۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بشریت میں (بظاہر) تمام برابر ہیں لیکن کفار کے آگے معرفت کے دروازے بند ہو چکے ہیں جیسے وحدانیت کو جو آلات بشریت سے سمجھتا تھا مثلاً بذریعہ عقل اور سمع و بصر وغیرہ ان کے لیے معرفت کے سمجھنے کی راہیں بند ہو گئیں لیکن یہ دروازے صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے لیے کھلے ہوئے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیائے کرام کو بذریعہ الہام معرفتِ الٰہی کا سمجھنا نصیب ہوتا ہے۔ بلکہ اولیاء کرام کو شواہد و کشوف سے معرفت نصیب ہوئی اور عوام اہل ایمان کو بذریعہ الہام و شرح الصدور۔ چنانچہ اس نے فرمایا افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ۔ جس کا اللہ تعالیٰ اسلام کے لیے سینہ کھولتا ہے تو وہ اپنے رب تعالیٰ کے نور پر ہوتا ہے[1]۔

تردید وہابیہ

یہ آیت پڑھ کر وہابی عوام کو بہکاتے ہیں۔ جو صاحب روح البیان نے لکھا ہے وہ یہ کہ قل انما انا بشر مثلکم میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود کو بشر تواضعاً فرمایا ہے۔ اسی لیے آپ متواضعانہ طور مندرجہ امور سرانجام دیتے ہیں:۔

۱: مریضوں کی طبع پرسی۔

۲۔ جنازہ کے ساتھ پیدل چلنا۔

۳۔ گدھے کی سواری۔

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲:

۴۔ غلاموں کی دعوت قبول فرمانا۔

حکایت:۔ قریظہ ونضیر کی صلح کے دن آپ ایسے گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے جس کی لگام کھجور کے پتوں اور اس کا گدا بھی کھجور کے پتوں کا تھا۔

شاہی ٹھاٹھ:۔ غور تو کیجئے کہ کبھی وہ مقام ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہشتی براق پر سوار ہوئے ہیں تو پھر کبھی تواضعاً گدھے پر سواری فرماتے۔ ہاں ہاں سواریاں مختلف ہوتی تھی لیکن سوار ہر حیثیت سے ایک ہی صفت پر ہوتے ان کی ہمت وارادہ میں فرق نہیں آتا تھا۔ اگر براق پر سوار ہوئے تو بھی تکبر وعجب نہ ہوا اگر گدھے پر سوار ہوئے تب بھی احساس کمتری کا شکار نہ ہوئے۔

خلق خوش عود بود انجمن مردم را
چوں زناں منگن بر سر مجمر دامن

ترجمہ:۔ خوش خلقی انجمن میں خوشبو والی لکڑی (لوبان) ہے عورتوں کی طرح انگیٹھی پر دامن نہ ڈال (یعنی مت چھپا)

فاستقیموا الیہ۔ یہ قل کے منجملہ مقولہ سے ہے وروفاء مابعد کو ماقبل پر ترتیب کے لیے ہے یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اوپر وحی کا ایک حکم یہ ہے کہ توحید پر ایمان لانے کے بعد اس پر استقامت پکڑو اور اعمال میں خلوص پیدا کرو۔

سوال:۔ استقامت خود متعدی ہے اسے الیٰ سے متعدی کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب:۔ یہاں استقامت بمعنی استوا ہے اور استوا الیٰ سے متعدی ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دین کے امور میں برابر رہو یعنی توحید کی جانب اختیار کرنے کے بعد اس پر دائم وقائم رہو۔ **واستغفروا**۔ اور بخشش مانگو بُرے عقیدہ اور بُرے اعمال سے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استقامت کرو لیکن اس میں تم طاقت نہیں رکھتے جب تک ایک طرف نہ جھکو۔[1]

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اس جیسی دیگر سورتوں نے بوڑھا کر دیا اس لیے کہ اس میں **استقم** کا حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب علم ومعرفت حاصل ہوجائے تو استغفار کرو اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ کو پورے طور جان چکے یا اس کا تمہیں ادراک ہو گیا یا اس کے تم مقرب ہو گئے یا اس لیے کہ تم اپنا وجود اس کے وجود کے بالمقابل لائے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے ادراک

---

[1] المقاصد الحسنہ ۱۲

اور حدوث کے جملہ اُمور سے منزہ اور مُقدس ہے ۔

فائدہ :۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ الاستقامۃ یعنی مساواۃ الاحوال مع الافعال والاقوال یعنی ظاہر باطن اور باطن ظاہر کے خلاف نہ ہونے پائے ایسے حال کے حصول کے باوجود پھر بھی استغفار سے غفلت نہیں کرنی چاہیئے ۔ کہ کہیں یہ خیال نہ آجائے کہ میں استقامت حاصل کر چکا ہوں بلکہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اس خیال میں رہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے استقامت کی توفیق بخشی ہے ۔ یہ تصور کبھی نہ ہو کہ میں خود بخود استقامت پر پہنچا ہوں ۔

تفسیر عالمانہ :۔ وویل للمشرکین اور مشرکین کے لیے سخت عذاب ہے ۔

وویل :۔ توحید کی ترغیب کے بعد شرک سے ترہیب وتنفیر فرمائی یعنی اس تربیت میں شرک سے بچنے اور اس سے نفرت کرنے میں کامیابی ہے

الذین لا یؤتون الزکوٰۃ ۔ وہ لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یعنی اس کے وجوب کے قائل نہیں اور نہ ہی اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔

وھم بالاخرۃ ھم کافرون ۔ ضمیر کا اعادہ محض تاکید کے لیے ہے یعنی وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے اور ثواب وعذاب کا انہیں انکار ہے اسی لیے کہ وہ راہِ خدا میں کچھ خرچ نہیں کرتے کیونکہ ان کا عقیدہ مکافات عمل کے متعلق ہے کبھی نہیں اس لیے آخرت کا عقیدہ نہیں رکھتے اس کا لا یؤتون الزکوٰۃ پر عطف ہے اسی لیے یہ الذین کے صلہ کے حکم میں ہے ۔

سوال :۔ ایک صلہ جملہ فعلیہ دوسرا اسمیہ یہ کیوں ؟

جواب :۔ یہ نحو میں جائز ہے ہاں جملہ فعلیہ حدوث پر دلالت کرتا ہے اور خیرات وصدقات کے عدم ادائیگی دوام نہیں چاہتی اسی لیے اس کے لیے جملہ فعلیہ ہے بخلاف کفر کے کہ وہ دوام واستمرار کا متقاضی ہے اسی لیے یہ جملہ اسمیہ ہے ۔

استدلال شوافع :۔ اسی آیت سے شوافع نے استدلال فرمایا ہے کہ مشرکین بحالتِ شرک بھی احکامِ شرعیہ مثلاً اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ کے خطابات میں داخل ہوتے ہیں اسی لیے عدم ادائیگی پر بھی ان کو تہدیدی احکام کے مستحق ہیں ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کو وعید مذکور نہ ہوتی ۔ جب زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر انھیں وعید ہے تو باقی جملہ احکام پر بھی وعید لازم ہے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی ۔ اسی لیے لازماً ماننا پڑا کہ ہر حکم کے ترک پر عذاب ہوگا ۔ ہمارے شافعی مشائخ کا بھی یہی مذہب ہے ۔

احناف وغیرہم کا موقف: اس مسئلہ میں شوافع کے سوا باقی جملہ اہلِ مذہب کہتے ہیں کہ یہ وعید اور خطاب ان کو ہے جو اس کے وجوب کا اعتقاد نہیں رکھتے نہ کہ انھیں جو اسے ادا نہیں کرتے اسی لیے یہ سزا انھیں ہوگی جو اس کے وجوب کے قائل نہیں نہ کہ جو اس کے عامل نہیں (کیونکہ غیر عامل فیغفر ما دون ذلك لمن یشاء کے ارشاد کے مطابق ایسے سزاؤں سے بچ سکتا ہے) جیسا کہ اصول فقہ میں اس کی بحث کی تفصیل موجود ہے۔

مسئلہ: ہمارے اصحاب (احناف) فرماتے ہیں کہ تقدیم الاسلام کی شرط پر جملہ مسائل کے مخاطب ہیں یہ ایسے ہے کہ جیسے مسلمان کو نماز کا خطاب ہو لیکن اس میں بھی وضوء کی تقدیم کی شرط بھی ضروری ہے۔

فائدہ: حضرتِ مولانا ابوالسعود (مفسر) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی صفت لا یؤتون الزکوٰۃ اس لیے بتائی تا کہ انھیں زکوٰۃ کو مزید تحذیر وتخویف ہو جب اسے معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنا مشرکین کا کام ہے بلکہ ایسے لوگ گویا آخرت کے منکر ہیں۔ چنانچہ اسی آیت میں فرمایا۔ وھم بالاخرۃ ھم کافرون۔

فضیلت زکوٰۃ: زکوٰۃ اسلام کا پل ہے جو اسے ادا کرتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے اور جو اس کے خلاف کرتا ہے تباہ و برباد ہوتا ہے۔

نکتہ: مشرکین مکہ حج بھی پڑھتے اور عمرے بھی کرتے لیکن زکوٰۃ نہیں دیتے تھے اسی لیے انھیں اللہ تعالیٰ نے کافر کہا۔ یہ حضرت صائب کا قول ہے۔

نکتہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مشرکین کے دیگر اوصاف سے اسے خصوصیت سے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان کو مال و دولت محبوب شے ہے اس کا خرچ نفس کو گراں محسوس ہوتا ہے۔ اس صفت سے مشرکین کے بخل کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان ظالموں کو خلق خدا پر شفقت نہیں اور بتایا گیا ہے کہ بخل انسان کے رذیل ترین اور بہت بڑے مذموم صفات سے ہے۔

لطیفہ: بزرگ فرماتے ہیں جس دولت مند میں سخاوت نہ ہو وہ جسم بے جان کی طرح ایسا درخت ہے جس کا پھل نہ ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

زر و نعمت اکنوں بدہ کاں تست
کہ بعد از تو بیروں ز فرماں تست

ترجمہ: زر اور نعمت ابھی دے جو تیرے ہاتھ میں ہے تیرے مرنے کے بعد تیرے فرمان سے باہر ہوگی۔

کسے گوئے دولت ز دنیا برد
کہ با خود نصیبے بعقی برد
مسلّم کسے را بود روزہ داشت
کہ درماندۂ را دہد نان چاشت
وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری
ز خود باز گیری و ہم خود خوری
نہ بخشندہ بر حال پروانہ شمع
نگہ کن کہ چوں سوخت درپیش جمع
چہ بخش اے پسر کآدمی زادہ صید
با احسان توان کرد و وحشی بقید
کرامت جواں مردی و نان دہیست
معاملات بیہودہ طبل تہیست

ترجمہ :۔ وہ دولت کی گیند دنیا سے لے جائے گا جو اپنا حصہ آخرت کے لیے لے جائے گا۔

۲ :۔ اسے روزہ رکھنا جائز ہے جو عاجز کو دن کا کھانا کھلائے۔

۳ :۔ ورنہ کیا ضرورت ہے دکھ اُٹھانے کی اپنے سے لے کر خود کھاتا ہے۔

۴ :۔ پروانہ کے حال پر شمع ترس نہیں کھاتی تو پھر دیکھ کیسے مجلس کے آگے جلتی ہے۔

۵ :۔ اے بیٹے بخشش کر اس لیے کہ آدمی کو احسان سے اور وحشی کو قید سے شکار کیا جاتا ہے۔

۶ :۔ کرامت جوانمردی اور روٹی دینے میں ہے۔ فضول باتیں خالی طبلہ کی آواز کی طرح ہیں۔

اعجوبہ تفسیر :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لا یوتون الزکوٰۃ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے لا الٰہ الا اللہ مراد ہے اس لیے کہ یہ کلمہ نفوس کی زکوٰۃ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ لوگ توحید کے ساتھ نفوس کو شرک کی نجاست سے پاک نہیں کرتے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما المشرکون نجس۔ بیشک مشرکین نجس (پلید) ہیں۔

قاعدہ تفسیریہ :۔ کشف الاسرار میں ہے کہ قرآن مجید میں لفظ زکوٰۃ دو طرح مستعمل ہوا ہے :۔

۱۔ نماز کے ذکر سے متصل۔

۲۔ منفرد۔ جہاں نماز کے ذکر سے متصل ہے وہاں مال و دولت بمقدار شرعی راہِ خدا میں ادا کرنا اس کی

مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں جیسے اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ. درجہاں منفرد ہے وہاں پاکی وزیادتی ودین داری مراد ہے مثلاً :

۱. وحنانا من لدنا و زکوٰۃ.
۲. خیرا منه زکوٰۃ.
۳. وما اوتیتم من زکوٰۃ.
۴. قد افلح من تزکی.

تفسیر عالمانہ : ان الذین امنوا وعملوا الصلحات لہم اجر غیر ممنون
بیشک اہل ایمان اور نیک عمل والوں کے لیے بے شمار اجر و ثواب ہے۔
یہاں علیہم محذوف ہے۔ دراصل معنیٰ یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں نعمت دے کر ان کا دل مکدر نہیں کیا جاتا۔

حل لغات : اہل لغت کہتے ہیں منّ علیه منّاً بمعنی انعم یعنی فلاں نے انعام دیا اور کہا جاتا ہے منة امتنّ۔ دراصل منّت اس بھاری نعمت کو کہا جاتا ہے جو دینے والا کسی قسم کا اجر و معاوضہ نہ چاہے۔ پھر مطلق امتنان کے لیے مستعمل ہونے لگی یعنی نعمت کا شمار کرنا۔

مسئلہ : جو کچھ اللہ آخرت میں اپنے بندوں کو نعمتیں عطا فرمائے گا یہ اس کا فضل و احسان ہوگا۔ اہل سنت کے نزدیک اس پر کوئی شے واجب نہیں اور ایسا عطیہ قابل اظہار احسان و امتنان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ایسے ذکر نا بھی اس کا فضل و کرم ہے اسی لیے فرمایا غیر ممنون۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ غیر ممنون یعنی وہ لوگ کہ جن کا اجر و ثواب آخرت میں غیر منقطع یعنی دائمی ابدی ہوگا یہ منّت الحبل سے ہے بمعنی قطعتہ، میں نے منقطع کیا۔ یا غیر ممنون بمعنی غیر محسوب ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا بغیر حساب۔ اور قاموس میں ہے غیر ممنون بمعنی غیر محسوب وغیر مقطوع۔

اعمال صالحہ کا اُخروی فائدہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص ایمان کی دولت سے تو سرشار ہو لیکن اعمال صالحہ سے محروم تو اسے اَجر نصیب ہوگا لیکن ناقص۔ اَجر تو ملے گا بوجہ ایمان لیکن اعمال صالحہ کی کمی کی وجہ سے جہنم میں داخل کیا جائے گا پھر ایمان کے اَجر کی بدولت دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ بہشت میں داخل ہونے کے باوجود اعمال صالحہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ درجات بلند نہ حاصل کر سکے گا جو اعمال بدنیہ کے متعلق ہیں۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ حج وغیرہ۔

شانِ نزول : حضرت سدی نے فرمایا کہ یہ آیت ضعیفوں و بیماروں کے حق میں نازل ہوئی جب وہ بیماری و کمزوری کی وجہ سے طاعت و عبادت نہ کر سکتے تو اپنی کمی کے احساس سے

غمگین واندوہگین ہوئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ انھیں بیماری وضعف کی حالت میں بھی تندرستوں کی طاعات وعبادات کا ثواب نصیب ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ عبادت وطاعت میں اوقات بسر کرتا ہوا بیمار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ اس کی بدستور نیکیاں لکھتا رہے یہاں تک کہ تندرست ہو جائے **یا** میری درگاہ میں پہنچ جائے یعنی اس پر موت واقع ہو جائے۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی مسلمان کو جب جسمانی بیماری میں مبتلا کیا جاتا ہے تو اُس کے کراماً کاتبین فرشتہ دان کو حکم ہوتا ہے کہ جب تک یہ بندہ میری آزمائش میں ہے اُس وقت تک اُس کی وہ تمام نیکیاں لکھتے جاؤ جو تندرستی کی حالت میں بجا لاتا تھا۔

حدیث وحکایت: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا میں نے عرض کی یارسول اللہ اس وقت تبسم ریزی کا موجب کیا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے بیمار کے جزع فزع پر تعجب ہے اس لیے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ بیماری میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کتنا اعزاز واقرب نصیب ہوتا ہے تو وہ تمنا کرتا کہ وہ زندگی بھر بیمار رہے اور ابھی میرے تبسم کا موجب یہ ہوا کہ میں نے آسمان سے دو فرشتے اُترتے دیکھے۔ وہ آسمان سے اُتر کر مسجد کے حجرے میں اس بندے کے پاس چلے گئے جو ہمیشہ اسی حجرے میں معروف بعبادت رہتا تھا لیکن حجرے میں اسے نہ پاکر اس کی تلاش میں نکلے۔ اسے ایک جگہ بیمار پایا۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ تیرا یہ بندہ عبادت وطاعت کرتا تو ہم اسے لکھتے تھے لیکن اب ہم کیا کریں جبکہ یہ بوجہ بیماری عبادت نہیں کر رہا اللہ تعالیٰ سے فرمان ہوا کہ اس کے شبانہ روزہ عبادات وطاعات لکھتے رہو۔ اس میں ذرہ بھر بھی کم نہ لکھو کیونکہ اس کی تندرستی اور بیماری ہر دونوں حالتوں کے اعمال کا اجر وثواب میرے ذمہ کرم ہے۔

مسئلہ: عقد الدار میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی خلوص نیت کو جانتا ہے کہ اس کا ارادہ کہ وہ حج ادا کرے۔ جہاد کو چلے اور صدقات دے لیکن بوجہ عجز ادائیگی سے قاصر ہے تو اگرچہ وہ عمل بھی نہ کر سکے تب بھی اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ رات کو تہجد (نوافل وغیرہ) کی نیت سے سوتا ہے لیکن اس کی جاگ نہ ہوئی تو بھی اس کے لیے نوافل کا ثواب ہوگا بلکہ بصدق نیت بہ نذرِ صدق مزید براں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ
لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ
فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً
لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ
لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝
فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ
ثَمُوْدَ ۝ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا
بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ
بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ
خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا
عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ
فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝
وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّیْنَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ: تم فرماؤ کیا تم لوگ اس کا انکار رکھتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو
وہ ہے سارے جہان کا رب اور اس میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور
اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں یہ سب ملا کر چار دن میں ٹھیک جواب پوچھنے والوں
کو۔ پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی

سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو انھیں پورے سات آسمان کردیا دو دن میں اور ہر آسمان میں اُس کے کام کے احکام بھیجے اور ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور نگہبانی کے لیے۔ یہ اس عزت والے علم والے کا ٹھہرایا ہوا ہے۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمھیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد و ثمود پر آئی تھی جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بولے ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اُتارتا تو جو کچھ تم لے کر بھیجے گئے ہم اسے نہیں مانتے۔ تو وہ جو عاد تھے اُنھوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور بولے ہم سے زیادہ کس کا زور اور کیا اُنھوں نے نہ جانا کہ اللہ جس نے انھیں بنایا ان سے زیادہ قوی ہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے تو ہم نے اُن پر ایک آندھی بھیجی سخت گرج کی ان کی شامت کے دنوں میں کہ ہم انھیں رسوائی کا عذاب چکھائیں دنیا کی زندگی میں اور بیشک آخرت کے عذاب میں سب سے بڑی رسوائی ہے اور ان کی مدد نہ ہوگی اور رہے ثمود انھیں ہم نے راہ دکھائی تو اُنھوں نے سوجھنے پر اندھے ہونے کو پسند کیا تو انھیں ذلت کے عذاب کی کڑک نے آلیا سزا ان کے کئے کی اور ہم نے انھیں بچالیا جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے۔

بقیہ صہ ۳۱۷ کا

حدیث شریف ۲:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ مریض ہو جائے یا سفر پر جائے اور بوجہ عجز وہ اعمال صالحہ جو تندرستی، اقامت کے دوران کرتا تھا نہیں کرسکا۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کہ میرے بندے کے وہ اعمال صالحہ لکھو جو بحالت تندرستی و اقامت کرتا تھا۔

استدلال از قرآن:۔ مذکورہ بالا روایت کی تصدیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لیس علی الضعفاء ولا علی المرضٰی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ ضعیفوں اور مریضوں اور اُن لوگوں پر کوئی حرج نہیں جو خرچ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جبکہ وہ اللہ اور رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ اور فرمایا ان اللہ لا یجدوا ما ینفقون۔

سبق:۔ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نا اُمید نہ ہو اور اس کی تقدیر و قضا پر راضی رہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ناخوشی و خوش بود در جانِ من
جاں فدائے یار دل رنجانِ من
عاشقم بر رنج خویشی و درد خویش
بہر خوشنودئ شاہ فرد خویش

ترجمہ: میں ناخوشی و خوشی سے ہر طرح خوش ہوں۔ رنج پہنچانے والے محبوب پر میری جان قربان۔
۲ :: میں تو اپنے رنج و درد پر عاشق ہوں۔ اس لیے کہ یہ میرے محبوب کی عطا کردہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: قل ائنکم۔ فرمایئے کیا تم۔ لتکفرون۔ کفر کرتے ہو۔ یہ اُن کے کفر کی مذمت و تشنیع ہے۔ ان ولام انکار کی تاکید کیلئے ہے۔ **بالذی**۔ اس عظیم الشان خدا کے ساتھ جس نے زمین پیدا کی یعنی اُس کا وجود مقدر فرمایا یعنی حکم فرمایا یعنی عنقریب وہ پیدا کی جائے گی۔ فی یومین۔ ایام آخرت کے دنوں کی مقدار کے دو دنوں میں بعض نے اس سے دنیا کے دو دن مراد لیے ہیں[1]۔

ازالہ وہم: اگر اللہ چاہتا تو آنکھ جھپکنے سے پہلے اسے پیدا فرمالیتا لیکن دو دنوں میں پیدا کرکے انسان کو سبق دیا کہ سکون و آہستگی عجلت اور جلد بازی سے بہتر ہے اس لیے بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر کام سکون و آہستگی سے کرے اور راہ طے کرے تو سکون و آہستگی سے۔

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے انسان اپنے ہر کام میں آہستگی اختیار کرے نیز اس میں اشارہ ہے کہ ہر وہ شے جو آہستگی سے تیار ہو وہ دیرپا ہوتی ہے اس سے فرشتوں کے لیے عبرت ہے جبکہ وہ اس کی تیاری میں موجود تھے اور انسانوں کی آزمائش ہے کہ انھیں ایسی خبر دے کر آزمایا گیا ہے ؎

زود در چاہ اُمت سرنگوں خواہد فتاد
ہر کہ پائے خود گزارد بے تامل بر زمین

ترجمہ: سرنگوں ہوکر ندامت کے کنوئیں میں نہیں گرتا جو بلا تامل پاؤں زمین پر نہیں رکھتا۔

فائدہ: امام ابو اللیث فرماتے ہیں کہ یومین کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو اتوار کے دن پیدا فرمایا اور سوموار کے دن اسے بچھایا۔ اس کی عنقریب تحقیق آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یومین سے دو نوبتہ مراد ہے۔ جس کی ہر باری دوسری جملہ باریوں سے تیز تر تھی۔ اسی معنی پر یومین دفعتین (باری) اسے مجاز ہوگا۔ ذکر الملزوم بارادہ اللازم کے یوم سے متعلق وقت مراد ہے۔

---

[1] تفسیر ابو اللیث ۱۲۔

سوال: یہاں پر یوم کو حقیقی سے ہٹا کر مجازی معنیٰ میں لینے کی کیا وجہ ہے۔

جواب: یوم کا تحقق زمین کے وجود اور تسویۂ اسماء اور اُن کے مختلف طرق کے ہونے اور ترتیب احکام پر موقوف ہے جب یہ امور ابھی نہیں تھے تو پھر اسے اصلی معنیٰ پر کس طرح لایا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یوم کہتے ہیں سورج کا زمین پر ضو فشاں ہونا جب زمین پیدا ہی نہ کی گئی اور آسمان و ستارے موجود ہی نہ تھے تو سورج کی ایسی ضو فشانی کیسی اور پھر لیومین میں کہ اصلی معنیٰ ہیں استعمال کیا جائے تو کیا معنیٰ

ویجعلون له انداداً - اس کا عطف **تکفرون** پر ہے اسی لیے یہ انکار و توبیخ کے حکم میں داخل ہے۔

لغات: اندادًا (جمع) باعتبار واقع کے ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے بے شمار معبود بنا کر رکھے تھے اسی لیے وہ مورد توبیخ ہوئے اگر وہ ماسوی اللہ کے ایک معبود بناتے تو مورد الزام نہ ہوتے

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے کافرو! تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو یعنی اس کی طرح دوسرے معبود بناتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ معبود اللہ تعالیٰ حقیقی کے شریک اور اس کی صفات سے موصوف ہیں حالانکہ اس کا تو ایک شریک بھی ممتنع ہے چہ جائیکہ بے شمار معبود بنائے جائیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو امروں کا حکم فرمایا ہے کہ آپ کافروں کو بتائیں کہ یہ دونوں امر نہایت قبیح ہیں۔

۱۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا کہ اس کی ذات و صفات میں الحاد یعنی بے دینی کا ارتکاب کرنا مثلاً اسے جسم والا ماننا اور اس کے بیلے جوڑ و مقرر کرنا اور اولاد والا بتانا اور کہنا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ بشروں میں وہ رسول نہیں بھیجتا۔

۲۔ شرکاء کا اثبات اور اُس کے مثیل معبود بنانا۔

ازالۂ وہم: کفر کے ذکر کے بعد اثبات الانداد بھی کفر ہے لیکن چونکہ پہلا کفر عمومی تھا اور یہ ان کا خاص کفر ہے اس لیے یہ عطف بحیثیت مغایرت کے صحیح ہے۔

ذالك - وہ عظیم الشان فعل جو مذکور ہوا یعنی زمین کی دو دنوں کی تخلیق یہ مبتدا ہے اس کی خبر ربّ العٰلمین ہے۔ جمیع موجودات کا خالق و مربی ہے نہ صرف زمین کا تو پھر اس کی خسیس ترین مخلوق میں کوئی کیسے اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

وجعل فیها رواسی - اور بنائے ہیں اس میں لنگر اس کا عطف خلق پر ہے اور صلہ کے حکم میں ہے۔

حل لغات: جعل سے جعل ابداعی مراد ہے یعنی یہاں تقدیر الجعل مراد ہے نہ کہ جعل بالفعل اور رواسی سے پہاڑ ثابتہ متقرہ مراد ہیں یعنی پہاڑ بلند اور پائیدار۔

اہل لغت کہتے ہیں اسا الشیٔ وارساہ غیرہ۔ شے مضبوط ہوئی اور اس کے کسی نے مضبوط کیا اسی سے المرساۃ ہے یعنی کشتی کے لنگر کہ جن سے وہ ٹھہرتی ہے۔

من فوقھا۔ یہ جعل سے متعلق ہے یا اس کا متعلق مضمر ہے یہ رواسی کی صفت ہے یعنی وہ لنگر زمین کے اُوپر نہیں تاکہ طلبگاروں کے منافع ظاہر ہوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے وجوہ استدلال دیکھنے والوں پر واضح ہوں ورنہ وہ پہاڑ جو زمین کے اُوپر ہیں وہ زمین کو جھکنے سے نہ روک سکتے اگر وہ اس کے نیچے ہوتے جیسے بالاخانوں کے نیچے ستون ہوتے ہیں یا زمین کے اندر گاڑ دیئے جاتے میخوں کی طرح تو بھی اسے جھکنے سے روک لیتے۔

اوّل التخلیق:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اسے فرمایا لکھ عرض کی کیا لکھوں فرمایا قضاء و قدر تو قلم نے اس وقت سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا لکھ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو پیدا فرمایا اس کے بعد پانی کے انجرات بلند ہوئے تو اس سے آسمان بنے اس کے بعد مچھلی زمین پر بچھائی گئی۔ مچھلی ہلنے لگی تو زمین جھکنے لگی اس پر پہاڑ گاڑ دیئے گئے جس پر انہوں نے زمین کو مضبوط کر دیا[1]۔

عجائبات زمین کے واقعات

۱۔ حضرت الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر بچھایا تو زمین ہلنے لگی اور جھک گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان ابخرہ غلیظہ کثیفہ سے جو زمین کے ہیجان سے اُٹھ رہے تھے پہاڑ بنا کر زمین پر گاڑ دیئے اس سے زمین کا جھکاؤ رُک گیا بلکہ اس کی جملہ حرکت ختم ہو گئی جس سے اسے استقرار نصیب ہوا اس کے بعد زمین کو ایک محیط پہاڑ کا طوق ڈالا اور وہ طوق سبز پتھر تھا پھر اس پہاڑ کو سانپ کا طوق ڈالا جو پہاڑ کو محیط ہو کر اس کا سر دُم سے آ کر ملتا ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا میں نے ایک ایسے ابدال کو دیکھا جو اس کاف پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ میں نے اس سے طول اور بلندی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ بیع اشراق اس کے نچلے حصے

---

[1] :۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اول الخلق قلم ہے حالانکہ تم اہلسنت کہتے ہیں کہ اول الخلق حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

جواب:۔ یہ روایت اضافی ہے یعنی حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد باقی جملہ اشیاء سے پہلے قلم پیدا کی گئی۔

مزید جوابات فقیر کی کتاب "ابتدائیات" میں دیکھئے۔

ہیں پڑھی تو عصر کی نماز اس کے اُوپر جا کر ادا کی اور یہ ابدال کا ایک قدم کی مسافت سمجھی جاتی ہے۔ اور یہی مشرق ومغرب کی درمیانی مسافت ہے۔

شانِ ولایت: فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ سیر ہکوتی ہے ورنہ مشرق ومغرب کی درمیانی مسافت ایسے ہے جیسے آسمان وزمین کے درمیان یعنی پانچسو سال کی راہ[1]۔ جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے۔

حکایت: حضرت ذوالقرنین رحمہ اللہ تعالیٰ کوہ قاف پہ تشریف لے گئے اس سے پوچھا تم کون ہو عرض کی قاف (جبل) آپ نے اس کے اردگرد نکیریں دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہیں عرض کی یہ میری جڑیں ہیں۔ کوئی ایسا شہر نہیں جہاں میری کوئی جڑ نہ ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شہر پر زلزلہ لاتا ہے تو مجھے حکم فرماتا ہے میں اپنے اسی جڑ کو ہلاتا ہوں۔ اسی سے وہ شہر زلزلہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ فرمایا اے قاف مجھے اللہ تعالیٰ کی کوئی عظیم الشان بات بتا۔ عرض کی میرے رب تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے آگے پانچ سو سال کی مسافت پر برف کے پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو میں دوزخ کے شعلوں سے جل کر راکھ ہو جاتا۔ (العیاذ باللہ)

پہاڑوں کی گنتی

اہل حکمت فرماتے ہیں کہ زمین پر مجموعی طور کل ایک سو اٹھتر (۱۷۸) پہاڑ ہیں۔ ان کے بعض کا طول بیس فرسخ (ساٹھ میل) بعض کا ایک سو سے ایک ہزار فرسخ ہے۔

کوہ ابو قبیس: سب سے پہلے زمین پر ابو قبیس پہاڑ گاڑا گیا۔ ٹیلوں کے علاوہ زمین پر کل پہاڑ چھ ہزار چھ سو تہتر ہیں[2]۔

پہاڑوں کی تاثیرات

۱۔ بعض ایسے پہاڑ ہیں جن میں ٹھنڈک ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے برف اور پانی کے خزانے جمع کر

---

[1] اسی لیے فرید الملت حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑانی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تھل مارو دا اوکھا پینڈا تھیسم ہک ہلانگ۔

یعنی محبوب کا تھل یعنی عرش الٰہی کی مشکل راہ میرا تو صرف ایک قدم ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

[2] زہرۃ الریاض ۱۲

رکھے ہیں۔ جس علاقے کو سیراب کرنا ہوتا ہے وہاں سے بحکم الٰہی پانی بھیجا جاتا ہے۔

۲۔ بعض ایسی وادیاں ہیں جن میں بندگانِ خدا کے منافع رکھے گئے ہیں۔ انہیں میں سونے۔ چاندی، لوہا اور دیگر جواہرات ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے خزانے اور اس کے قلعے اور اس کی قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہیں۔ یہی رات کے وقت وحوش اور درندوں کے قیدخانوں کا کام دیتے ہیں۔

۳۔ بعض وہ خوش قسمت پہاڑ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت پیش کی (جسے وہ برداشت نہ کرسکے) لیکن وہ تسبیح سے معمور اور خوف وخشیت الٰہی سے بھرپور رہیں وہی انبیاء علیہم السلام کی کرسیاں ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی کرسیاں:۔ جبلِ اُحد ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کرسی ہے اور طور موسیٰ علیہ السلام اور سراندیپ آدم علیہ السلام اور جودی نوح علیہ السلام کی۔ ان پہاڑوں کے لیے یہی شرافت کافی ہے اور یہی دنیا میں بمنزلہ مردوں کے ہیں اسی لیے مرد کامل کو جبل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہلاکو خان کا واقعہ:۔ کسی اللہ والے نے خواب میں دیکھا کہ بغداد میں ہلاکو خان کے ذریعہ بے شمار مخلوق ماری گئی ہے اور عراق کے پہاڑ کالی اندھیری بغداد میں لائے ہیں بعد کو معلوم ہوا کہ ہلاکو خاں نے بغداد پر چڑھائی کردی اور بے شمار اولیاء۔ علماء، صلحاء وامراء اور ان گنت عوام کو مار ڈالا۔

اقسام اولیاء:۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ بظاہر پہاڑ زمین کے لنگر ہیں اور درحقیقت اولیاء اللہ زمین کے اوتاد ہیں جیسے پہاڑ جملہ اماکن پر شرافت رکھتے ہیں ایسے ہی اولیاء اللہ جملہ مخلوق سے برگزیدہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من فوقہا یعنی اولیاء اللہ عوام پر فوقیت رکھتے ہیں پھر جیسے جبل قاف جملہ پہاڑوں سے بزرگ تر ہے ایسے ہی قطب غوث اعظم ہر ولی سے بزرگ تر ہیں۔ انہی سے جملہ اولیاء کو قوام ہوتا ہے اور رواسی (عام اولیاء) ان سے مراتب میں بہت کم درجہ ہیں۔

خواص اولیاء:۔ خواص اولیاء جنہیں اوتاد کہا جاتا ہے وہ چار ہیں:۔

۱۔ یہ اللہ کے اذن سے جملہ اہل مشرق کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ان کا نام عبدالحی ہے۔

۲۔ اہل مغرب کی حفاظت فرماتا ہے ان کا نام عبدالعلیم ہے۔

۳۔ اہل شمال کی حفاظت فرماتا ہے ان کا نام عبدالمرید ہے۔

۴۔ اہل جنوب کی حفاظت فرماتا ہے ان کا نام عبدالقادر ہے۔

امام شافعی اوتاد میں سے ہیں

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان چار اوتاد میں سے ایک تھے۔[1]

رد وہابیہ دیوبندیہ: حضرت اسمٰعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دور حاضرہ کے اختلاف کا فیصلہ صدیوں پہلے فرما گئے۔ ملاحظہ ہو۔

وببرکات للاولیاء یاتی المطر من السماء ویخرج النبات من الارض وبدعائهم یندفع البلاء عن الخلق وان حیاتهم ومماتهم سواء فانهم ماتوا عن اوصاف وجودهم بالاختیار قبل الموت بالاضطرار فهم احیاء علی کل حال ولذا قیل[2]

---

[1] فتوحات مکیہ ۱۲

[2] یہ تھا اسلاف کا عقیدہ جسے آج شرک سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اس شرک کے فتویٰ کا آغاز تو ابن تیمیہ نے کیا تھا لیکن اسے پروان محمد بن عبد الوہاب نجدی نے چڑھایا چنانچہ وہ کتاب کشف الشبہات میں لکھتا ہے کہ اِنَّ مُحَمَّدًا لَا یَمْلِكُ لِنَفْسِهٖ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا فَضْلًا عَنْ عَبْدِ الْقَادِرِ وغیرہ اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے واسطے نفع اور نقصان کے مالک نہیں۔ چہ جائیکہ عبد القادر وغیرہ۔ اس عقیدہ کی وہابیوں، دیوبندیوں نے خوب پرچار کی۔ چنانچہ فرقہ دیوبندیہ اور وہابیہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام وبت مساوی ہیں۔ کیونکہ جو آیات کریمہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بتوں کی معبودیت کو توڑنے کے واسطے ان کا عجز ثابت کیا ہے۔ وہی آیات یہ لوگ وہابیہ اور دیوبندیہ انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء پر یہ فتویٰ اور ان کا عجز ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے برعکس اللہ تعالیٰ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے ارد گرد کئی ہزار ملائکہ نازل فرماتا رہتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے پاس مودبانہ درود شریف پڑھتے ہیں۔ کیا وہ بھی اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ اور نبی کریم صلی علیہ وسلم کی نسبت یہ کہنا آپ اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں کیا رسالت اور نبوت کس ذات کو مستلزم ہوئی، اور عالمین کی رحمت ایسی ذات کو بنایا گیا جو اپنے نفس کے نفع کے مالک نہیں اور پھر اپنے نفس کے نفع نقصان کے انکار سے یہ کب لازم ہوا کہ آپ عالمین کے نفع نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں جو ان کی عقل نارسا نے سمجھا ہے ولا خوف علیہم ولا ھم یحزنون سے سرا ہے اور یہ ان کو ذلیل سمجھیں (انا للہ وانا الیہ راجعون۔) تردد میں ہمارے علماء کرام نے ان کی سرکوبی فرمائی اور انشاء اللہ

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

مشو بمرگ ز امداد اہل دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ ہیں بیدار است

ترجمہ:۔ اہل دل کی امداد سے ان کی موت کے بعد ناامید نہ ہو اس لیے کہ مردم خدا آگاہ نیند بھی بیداری ہی ہے۔

ترجمہ:۔ اولیاء کی برکت سے آسمان سے پانی آتا ہے اور زمین سے کھیتی اُگتی ہے اور ان کی دعا سے مخلوق سے بلائیں دفع ہوتی ہیں اور ان کی حیات و ممات برابر ہے وہ تو موت سے پہلے اپنے اختیار سے وجود کے اوصاف سے مر چکے ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کی اضطراری ان کو کوئی نقصان نہیں دیتی وہ ہر حال میں زندہ ہیں۔

وبارک فیہا۔ اور برکت مقدر کی اس میں یعنی زمین کو برکتوں سے بھر دیا بایں سطور کہ قسم قسم

حاشیہ بقیہ صفحہ سابقہ

ان کی تاقیامت سرکوبی ہوتی رہے گی۔ یہی ٹولی ہر صدی میں نام بدلتی رہے گی لیکن اہلسنت اپنے کام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ ان کی آخری ٹولی دجال کے ساتھ ہو گی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "ابلیس تا دیوبند"۔

اکابرین سے حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری حضوری رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعارؒ ملاحظہ ہوں ے

ہست یکے فرقہ وہابیاں
منکر از امدادِ ولی در جہاں
بلکہ ز امداد نبی منکر اند
با ہمہ اموات مساوی نہند
لعنتِ حق بادبر ایں اعتقاد
رفت مسلمانی ایشاں بباد

ترجمہ:۔ فرقہ وہابیوں کا دنیا میں ولی اللہ کی امداد کا منکر ہے۔
۲ ۔ بلکہ وہ تو نبی علیہ السلام کی مدد کے بھی منکر ہیں انھیں جملہ مردوں کی طرح سمجھتے ہیں۔
۳ ۔ ایسے اعتقاد پر لعنت ہو ان کی مسلمانی برباد ہو گئی۔

لے مقیاس حقیقت ص۱۵۹ و ص۱۶۰

کے حیوان پیدا کر دیئے۔ منجملہ ان کے ایک انسان ہے اور قسم قسم کی انگوریاں پیدا کیں کہ جن انسان کی وجہ معاش ہے منجملہ ان کے مختلف بیج ہیں۔ وقدر فیھا اقواتھا۔ اور اس میں تمہارے کھانے کی چیزیں مقدر فرمائیں۔

حاشیہ بقیہ سابقہ صفحہ

صورت شاں صالح و باطن پلید
صحبت ایشاں مکنی اے سعید
گفتہ من ہیچ منہ درمیاں
بین کہ چہ گفت است ز پیشنیاں
صحبت بد راہ تباہ می کند
دیگ سیاہ جامہ سیاہ می کند
جملہ فسادات ز صحبت اثر
یُحفِظُنَا اللہ عَذَابَ السَّقَر
نیست خلل ہیچ ولی را بموت
قوت امداد نہ زدگشت فوت
موت ولی ہست حیاتِ ابد
ہر کہ نہ اقرار کند گشت رد
گر نہ مدد ہا رسد از اولیاء
غیر ولی چوں زولی شد جدا

ترجمہ :: ان کا ظاہر اچھا لیکن باطن پلید ہے۔ اے سعادت مند ان کی صحبت میں مت بیٹھ۔

۲ :: میرے کہنے کو معمولی نہ سمجھ ذرا گزشتہ بزرگوں سے سنئے۔

۳ :: صحبتِ بد راہ تباہ کرتی ہے سیاہ دیگ کپڑے سیاہ کر دیتی ہے۔

۴ :: تمام فسادات بری صحبت سے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے بچائے

۵ :: ولی اللہ کو موت خلل نہیں ڈالتی نہ ہی موت ان سے مدد کی قوت چھین لیتی ہے۔

۶ :: ولی اللہ کی موت دائمی حیات ہے جو اس کا اقرار نہیں کرتا وہ مردود ہے۔

۷ :: اگر اولیاء سے مدد نہ پہنچے تو ولی اللہ اور غیر ولی کا فرق کیا رہا۔

حل لغات: **القوت** ۔ اتنا رزق کہ جس سے زندگی باقی رکھی جا سکے اور اس سے انسان کے بدن کو قوام نصیب ہو ۔ اہل لغت کہتے ہیں **قاتہ یقوتہ** ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اس کا قوت کھلایا جائے ۔ **المقیت** بمعنی وہ قادر جو ہر ایک کو قوت عطا فرمائے ۔

فائدہ: بلاغات الزمخشری سے ہے **اذا حصلتك یاقوۃ ھان علی الدر و الیاقوت** ۔ جب تجھے یاقوت نصیب ہو تو تجھے موتی و یاقوت آسانی سے حاصل ہوتے ہیں ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ ان کے لیے مختلف چیزیں پیدا کی جائیں جو مقدار معین پر ان کے مناسب حال پر ہو جیسا کہ حکمت کا تقاضا ہے یہاں اقوات سے زمین پر ٹھہرنے والوں کے لیے کھانے کی چیزیں مراد ہیں ۔ اصل عبارت **قدر اقوات اہلہا** ۔ گویا یہاں مضاف محذوف ہے بایں طور کہ ہر ایک کے لائق روزی پیدا فرمائے گا جیسے گندم اور جو اور چاول اور کھجور اور گوشت وغیرہ وغیرہ ۔

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا ہر ایک کا رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو اس کے لائق ہے مثلاً روحانیوں کا رزق مشاہدہ اور ربانیوں کا رزق مکاشفہ اور صادقین کا رزق معرفت اور عارفین کا رزق توحید اور

حاشیہ بقیہ سابقہ صفحہ

خاصہ قرآں شہ ہمہ اولیاء
نائب کامل ز شہ انبیاء
قطب جہاں غوث زماں محی الدین
فیض ازو تا بقیامت یقین
پیر دگر شاہ بود نقشبند
ہست ز بسیار مشائخ بلند
ہم مددش تا بقیامت یقین
ایں ہمہ آثار کرامت ببین

ترجمہ: بالخصوص تمام اولیاء کا شہنشاہ اور شہ انبیاء کا نائب کامل

۲ : قطبِ جہاں غوثِ زماں محی الدین ان کا تا قیامت فیض جاری ہے بالیقین ۔

۳ : دوسرا پیر شاہ نقشبند جو بہت سے اولیاء سے بلند قدر ہے ۔

۴ : ان کی مدد بھی قیامت تک ہے یہ منجملہ کرامات کے آثار سے ہے ۔

ارواح کا روح اور اشباح کا رزق کھانا پینا ہے اور یہ تمام رزق۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں رکھا ہے اور یہ زمین مطیعین کے لیے عبادت گاہ اور غافلوں کے لیے آرام گاہ ہے ؎

جلوہ تقدیر در زندان گل دارد مراد
ورنہ بالا تر بود از نہ فلک جولان من

ترجمہ :۔ جلوہ تقدیر کا ہمارے لیے ارادہ ہے کہ ہم زمین پر رہیں ورنہ میری جولانیاں تو نو فلک سے بھی آگے ہیں۔

فی اربعۃ ایام ۔ چار دنوں میں یعنی آخرت کے چار دنوں میں یا اس سے ایام دنیا مراد ہے جیسا کہ گزرا ہے اس کا متعلق حاصل ہے یعنی قل رحصولھا یعنی ان کا حصول مقدر کیا ہے دونوں منگل اور بدھ کے دنوں میں جیسا کہ اس کا آئے گا۔

سوال ۔ یہ دو دن کیسے حالانکہ آیت میں چار دنوں کا ذکر ہے۔

جواب :۔ اس سے چار یوم کا تتمہ مراد ہے یعنی یہاں مجموعہ مراد ہے کیونکہ پہلے دو دن ملا کر ان دونوں کے ساتھ چار ہوئے۔ گویا کہا گیا کہ نصب راسیان و تقدیر اقوات و تکثیر خیرات دوسرے ان دو یوم کے بعد ہوا جو زمین کے پیدا کرنے میں صرف ہوئے۔

سوال :۔ آیت کو اپنے ظاہر پر کیوں محمول نہیں کیا گیا۔ یوں مان لیا جائے کہ زمین کی تخلیق دو یوم میں ہوئی اور اس کے اندر والی اشیاء چار دنوں میں۔

جواب :۔ اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ آسمان کی تخلیق دو دنوں میں ہوئی۔ اب ان سب کو ملایا جائے تو کل آٹھ دن ہوتے ہیں اور یہ خلاف نص ہے کیونکہ نص قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی۔

نکتہ :۔ برہان القرآن میں ہے کہ اس کو صاف طور دو یوم کے ساتھ اس لیے ذکر نہیں کیا گیا اس میں گہرائی ہے جسے ہر ایک نہیں سمجھ سکتا مثلاً خلق الارض فی یومین ۔ الذی کا صلہ ہے اور وتجعلون له اندادا ۔ کا عطف تکفرون پر ہے اور جعل فیہا رواسی کا خلق الارض پر عطف ہے اور یہ اعراب کے لحاظ سے ممتنع ہے اور یہ عام کلام میں قبیح ہے اور راسقار ہیں تو اسے اقبح القبیحات گنا گیا ہے اسی لیے یہ عبارت ناجائز ہے۔

جاء نی الذی یکتب و جلس و یقرأ ۔ کیونکہ موصول اور اس کے معطوف علیہ اور صلہ کے درمیان کوئی اجنبی شے نہیں لائی جاتی جب ایسی مانع ہو تو وہاں کسی شے کو مقدر کرنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا تاکہ کلام صحیح ہو سکے۔

ذلک رب العالمین کے بعد خلق الارض مقدر ہے اس کے بعد وجعل فیھا رواسی من فوقھا و بارک فیھا و قدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام۔ اس معنیٰ پر یہ کل کا کل چار دنوں میں ہوا۔

فائدہ :۔ ایک اور مفسر نے فرمایا وجعل فیھا رواسی کا عطف خلق پر ہے۔

سوال :۔ اس طرح سے خارجی دو جملوں کو جبیر صلہ سے فصل لازم آتا ہے۔

جواب :۔ یہ دونوں فصل نہیں بنتے اس لیے کہ پہلا جملہ تکفرون سے متحد ہے گویا دوسرا پہلے کا اعادہ ہے اور دوسرا بھی معترضہ ہے لیکن مضمون کلام کا مقررہ ہے اور وہ ضمیر کے لیے وہ بمنزلہ تاکید کے ہے ان کا فصل ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ تمام کلام مل کر ہی فائدہ دیتا ہے انھیں علیحدہ علیحدہ نہ سمجھا جائے۔

سواء :۔ بمعنی مستوی۔ للسائلین۔ سائلین کے لیے برابر ہے جس میں کسی قسم کی زیادتی اور نقصان نہیں یہ محذوف کے متعلق ہے یعنی وہ لوگ جو زمین اور اس کے اندر کی اشیاء کی تخلیق کی مدت کا سوال کرتے ہیں کہ زمین اور اُس کے اندر کی اشیاء کی تخلیق کی مدت کا سوال کرتے ہیں کہ زمین اور اُس کے اندر والی اشیاء کے دنوں میں پیدا کی گئیں۔ یہ سوال استفنائی ہے اور لام بیانیہ یا قدّر کے متعلق ہے۔ بحر العلوم میں ہے کہ یہی ظاہر ہے یعنی زمین میں اقوات مقدر فرمائے۔ سائلین یعنی اُن کے طالبوں اور اُن محتاجوں کے لیے جو ان اقوات کے ضرورت مند ہیں۔ اس تقریر پر یہ سوال استعطائی (طلب عطا والا) ہوگا اور لام بمعنی اجل ہے۔

حدیث شریف :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سواری پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ارواح اجسام سے چار ہزار سال پہلے پیدا کی گئیں اور ارزاق ان سے بھی چار ہزار سال پہلے پیدا کیے گئے۔ کوئی رزق کا سوال کرے یا نہ اسے ضرور ملے گا۔ کوئی اسے مانگ کر کھاتے ہیں اور کوئی بغیر مانگے ہیں ان میں ہوں۔ جنہیں بغیر مانگے ملتا ہے اور جو مانگ کر کھاتے ہیں وہ جاہل ہیں۔

فائدہ :۔ اس حدیث کی رو سے للسائلین کی لام سواء کے متعلق ہے۔ اسی طرف تاویلات بقلی کا اشارہ ہے کہ سوال سے رزق گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔

سبق :۔ اس میں تنبیہ ہے اسے جو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہیں ؎

کشاد عقدۂ روزی بدست تقدیر است

مکن رزق شکایت ازیں رزق زنہار

ترجمہ :۔ روزی کی عقدہ کشائی تقدیر کے ہاتھ میں ہے تم رزق کی تھوڑے زیادہ کی شکایت نہ کرو۔

حدیث شریف :۔ جو بھوکا ہو کر لوگوں سے مخفی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کی حلال روزی کھول دے۔

فائدہ :۔ عمدہ عمل صبر اور ترک شکایت اور توکل اور ذکر میں مشغول ہونا ہے۔

حکایت حدیثی :۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ پاک کی ایک وادی میں جا رہا تھا۔ میرے پاس آپ کے وضو کا پانی تھا حضور علیہ السلام جب وادی میں داخل ہوئے تو سر مبارک اُوپر اُٹھا کر مجھے اشارہ فرمایا کہ آگے جاؤ میں پہنچا تو دیکھا ایک درخت کے اُوپر ایک پرندہ ٹہنی کو چونچ سے کرید رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کچھ سمجھا کیا کہتا ہے میں نے نفی کا عرض کیا تو آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے :

اللّٰھم انت العدل لا تجور حجبت عنّی بصری و قد جعت فاطعمنی

اے اللہ! تو عادل ہے ظلم نہیں کرتا مجھ سے میری آنکھیں بھی محجوب ہیں۔ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا۔

ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ ایک ٹڈی آئی جو اس کے منہ میں خود بخود چلی گئی اس کے بعد وہ پرندہ چونچ ہلانے لگا آپ نے پوچھا معلوم ہے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کہہ رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے وہ اس کی کفایت کرتا ہے اور جو اسے یاد کرتا ہے تو وہ اسے نہیں بھولتا پھر مجھے فرمایا۔ اے انس اب بھی کسی کو رزق کی فکر ہو گی حالانکہ اس کی بہ نسبت رزق اس کا بہت زیادہ متلاشی ہے۔

حضرت صاحب نے فرمایا ؎

رزق اگر بر آدمی عاشق نمی باشد چرا
از زمین گندم گریبان چاک می آید چرا

ترجمہ :۔ اگر رزق آدمی کا عاشق نہیں تو گندم کا دانہ زمین کا گریبان کر کے باہر کیوں آتا ہے۔

ثُمَّ استوٰی الی السماء :۔ کیفیت تقدیر کے بیان کے بعد اب تکوین کی کیفیت کا بیان شروع فرماتے ہیں۔

سوال :۔ من اور اہلِ زمین کے بیان کا اتنا اہتمام کیوں۔

جواب :۔ کہ مخاطبین کو تنبیہہ ہو کہ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو ان کے رزق کا بندوبست پہلے ہو گیا تھا تاکہ وہ صرف اور صرف ایمان و اسلام کی طرف راغب ہوں اور کفر اور سرکشی سے اجتناب کریں۔

فائدہ :۔ اس لئے تمام آیات کے بعد ہی لفظ ثُمَّ لایا گیا۔

حل لغات :۔ استواء اعوجاج (ٹیڑھاپن) کی نقیض ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں استوی العود یہ اس وقت بولتے ہیں جب لکڑی سیدھی ہو جائے لیکن یہاں پر استوٰی بمعنی قصد

و توجہ ہے کیونکہ اس کے اصلی معنیٰ اجسام کا مقتضی ہے بلکہ اس کے خواص سے ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے صفات سے منزہ و مقدس ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ و مشیت سے آسمان کا مکمل قصد فرمایا اور پورے طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا کہ دوسرے کسی مقصد کا تصور ہی نہ ہوتا تھا اسے انسان کے قصد سے تشبیہ دے کر ایسے کہا گیا مثلاً کسی انسان کے لیے کہا جاتا ہے کہ استوی الی مکان کذا کالسہم المرسل چھوٹے ہوئے تیر کی طرح فلاں نے مکان کی طرف قصد کیا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی سیدھا اسی مکان کی طرف ایسا جارہا ہو کہ اسے دوسرے کسی مقصد کی طرف گردن موڑنے کا تصور تک نہ ہو۔

ثم میں اشارہ ہے کہ ابداع مخلوقات کی طرف اسے کتنا خصوصی توجہ کرم ہے۔

فائدہ: وھی دخان ۔ واؤ حالیہ اور السماء کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ بھی مونثات سماعیہ سے ہے اور دخان وہ اجزائے ارضیہ لطیفہ ہیں جو حرارت کے ساتھ ہوا میں بلند ہوتے ہیں۔

المفردات میں ہے کہ وہ غبار جو شعلہ کے ساتھ اٹھتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ حالانکہ اس وقت آسمان ایک دھواں تھا۔ یعنی دھوئیں کی طرح اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور دخان بمعنی وہ سیاہ شے جو آگ سے اوپر کو اٹھتی ہے یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے اور آسمان کو دخان کہنا مآل کی حیثیت سے ہے۔

فائدہ: امام راغب نے فرمایا کہ ھی دخان بمعنی مثل الدخان اس میں اشارہ ہے کہ آسمان دھوئیں کی طرح بلا سہارا کھڑا ہے اسے کوئی شے رد کے ہوئے نہیں۔

فائدہ: مادہ آسمانی کو دخان سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی آسمان کے ہیولیٰ و صورت جسمیہ کو دخان کہا گیا ہے یا وہ چھوٹے اجزاء جن سے آسمان مرکب ہے اسے دخان سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اجزاء لایتجزیٰ کو دخان کہا گیا قبل اس کے کہ اس کی ظلمات کو روشنی پھیلانے والی چیزیں وارد ہوں[1]۔

نکتہ: چونکہ اول الحدوث میں ظلماتی تھا اسی لیے اسے دخان کہنا مناسب ہے۔ اس چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر جس کے متفرق غیر متواصلہ و عدمیۃ النور ہوں۔ دخان (دھواں) کی طرح دیگر اشیاء کہ جن کی کوئی صورت نہیں کہ جس کی ترکیب کو محفوظ کیا جا سکے[2]۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اس سے وہ دھواں مراد ہے جو پانی سے اوپر کو مرتفع ہوتا ہے یعنی آسمان دھوئیں کی طرح پانی کا بخار ہے۔ اب ترجمہ یوں ہوگا کہ آسمان دھواں ہے یعنی پانی کا بخار دھوئیں کی

---

[1] حواشی سعدیہ ۱۲ ۔ اویسی غفرلہٗ [2] حواشی ابن الشیخ ۱۲

طرح ہے۔[1]

فائدہ:۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عرش کو پانی پر بنایا۔ پانی پگھلا تو اس سے سبز یا سفید جواہر اُترے وہ پگھلے تو ان میں آگ ملا دی تو وہ پانی بن گیا جس پر ایک جھاگ سا اُوپر کو تیرنے لگا اسی جھاگ سے ہی زمین بنائی گئی۔ پھر اس دھوئیں کی طرف ارادہ کیا جو پانی سے برآمد ہوا تھا اسے آسمان بنا کر اُونچا کیا گیا اور زمین آسمان کی پیدائش سے پہلے پیدا ہوئی پھر زمین بچھائی گئی اس پر پہاڑ گاڑے گئے اس میں ارزاق مقدر کیے۔ درخت اور جانور اور دریا نہریں پیدا کی گئیں لیکن یہ کام آسمان کے بنانے کے بعد ہوا اسی لیے فرمایا۔ والارض بعد ذلک دحاھا۔ اس کے بعد ہی زمین بچھائی۔

فائدہ:۔ مندرجہ ذیل اشعار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مضمون کا مجموعہ ہیں جو آپ نے نافع ابن الازرق حروری کے سوال کے جواب میں فرمایا ؎

کفی را منبسط سازد کہ ایں فرشیست بس لائق
بخار برابر افرازد کہ ایں سقفیست بس زیبا

ترجمہ:۔ ایک مٹھی کو فراخ فرماتا ہے یعنی یہ فرش جو لائق ہے بخار کو روشن فرماتا ہے اس نے تیار فرمایا۔

ازاں سقف معلق حسن تصویرش بود ظاہر
بدیں فرش مطبق لطف تدبیرش بود پیدا

ترجمہ:۔ یعنی یہ چھت جو نہایت زیب و زینت سے مزین ہے اس کی تیار کردہ ہے۔ اسی چھت معلق سے اس کی اچھی تصویر (تخلیق) ظاہر ہے۔ موزوں فرش سے اس کی لطیف تدبیر ظاہر ہوتی ہے۔

فقال لھا۔ پس آسمان کو۔ والارض۔ اور زمین کو فرمایا یعنی زمین اور اس کے اندر والی چیزوں کو مقدر کر کے فرمایا ائتیا۔ آؤ یعنی پیدا ہو جاؤ اُوپر وجہ معین کے اور وقت مقدر کے جو تمھارے لیے ہو چکا۔ اس سے وہ وقت مراد ہے جب ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تعلق فعلی سے متعلق ہوا بعد تقرر امر کے بغیر اس کے کہ وہاں کوئی امر و مامور نہ تھا یہ ایسے ہے جیسے اشیاء کو فرمایا کُنْ۔ ہو جا۔ ان میں تاثیر و قدرت اور اُن کے تاثر قبول کرنے کو آمر نے اس امر نافذ الحکم کو تشبیہ دی گئی ہے جو مامور مطیع کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ مامور اسے پورا کرتا ہے۔ مشبہ کی حالت کو مشبہ بہ کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

---

[1] تفسیر حسینی للکاشفی ۱۲،

طوعًا او کرھًا۔ دونوں مصدر حال کی جگہ پر واقع ہوئے ہیں۔ الطوع بمعنی الانقیاد یعنی فرمانبرداری۔ اس کی نقیض کرہ آتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ تم خود بخود فرمانبردار ہو کر آؤ یا کراہت کر کے یعنی تم چاہو یا نہ چاہو اس میں تاثیر و قدرت کے لزوم کی تمثیل ہے یعنی اس کے خلاف ہونا بالکل محال ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ طوع و کرہ ان کے لیے ثابت کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ طوعًا و کرہًا تو عقلا ہے و ذو الارادہ والاختیار کے اوصاف سے ہیں اور زمین و آسمان از قبیل جمادات عدمیۃ الارادۃ والاختیار ہیں۔

قالتا اتینا طائعین۔ کہا دونوں نے ہم آئے فرمانبردار ہو کر۔ یہ اُن کی قدرت بالغہ کے کمال تاثیر اور جس طرح حکم ہوا اسی طرح کے حصول کی تمثیل اور ان کا وجود اسی طرح ہوا۔ جس طرح حکمۃ کاملہ کا تقاضا تھا کی تصویر ہے۔ لفظ طوع اسی تقریر کا مؤید ہے کیونکہ لفظ کرہ اس کے خلاف میں ہے۔

سوال:۔ طائعین کیوں جبکہ یہ جمع مذکر عقلاء کا صیغہ ہے حالانکہ بیان طائعتین (تثنیہ مونث) مناسب تھا تاکہ ارض و سماء کے مطابق ہوتا یا طائعات ہوتا تاکہ اس کے معنیٰ پر انھیں محمول کیا جاتا کیونکہ اس سے مراد سماوات و ارضون ہے۔

جواب:۔ یہ چونکہ معرض خطاب میں ہیں جب ان کے ساتھ کلام میں عقلا جیسا معاملہ کیا گیا ہے اسی لیے ان کے لیے جمع عقلاء کا صیغہ لایا گیا۔ پھر چونکہ ان کا مفہوم جمع کا معنیٰ دیتا ہے اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا اور اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسرے مقام پر موجود ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انی رأیت احد عشر کوکبا و الشمس و القمر رأیتہم لی سٰجدین۔ میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ اس نے ارض و سماء معدومہ کو بلوایا اور انہیں ائتیا الخ کا خطاب سنوایا تاکہ وہ جواب دے سکیں اور کہہ سکیں اتینا طائعین۔

سوال:۔ ابتداء میں انہیں مؤنث کے صیغے سے کیوں تعبیر کیا۔

جواب:۔ اسوقت معدوم مؤنث تھے۔

سوال:۔ بالآخر ان پر صیغہ عقلاء مذکر کیوں لایا گیا۔

جواب:۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر کے عقل عطا فرمائی تو عقلاء کی طرح اتینا طائعین کا جواب

وہ یا اسی لیے بالآخر ان پر صیغہ مذکر عقلاء کا اطلاق ہوا۔

حدیث شریف: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب کریم جب تو نے آسمان و زمین کو ائتیا کا حکم فرمایا اگر وہ نافرمانی کرتا تو پھر اُن کے ساتھ کیا کرتا فرمایا میں کسی ایسے جانور کو حکم دیتا جو ان دونوں کو نگل جاتا۔ عرض کی اے رب کریم وہ جانور کہاں ہے فرمایا میری چراگاہوں میں۔ عرض کی وہ چراگاہ کہاں ہے فرمایا وہ میرے پوشیدہ علم میں ہے۔

کعبہ معظمہ نے ادب سے عزت پائی

بعض روایات میں ہے کہ زمین کے جس ٹکڑے نے اتینا طائعین کہا تھا وہ یہی حصہ ہے جہاں اب کعبہ معظمہ ہے۔ ایسے ہی آسمان کے اس حصے نے جو کعبہ کے بالمقابل ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کو تمام روئے زمین پر عزت بخشی اور کعبۃ الاسلام و قبلۃ الانام بنایا۔

فائدہ: بعض نے کہا سب سے پہلے شام کے ملک کے علاقہ اُردن نے اس کا جواب دیا اسی لیے اُسے لسان الارض کہا جاتا ہے۔

فائدہ: زمین پر سب سے پہلا شہر بلخ (جو خراسان میں ہے) بنایا گیا اسے کیومرث نے بنایا پھر کوفہ بنا اسے اس کے لڑکے ہوسنگ نے بنایا اور کیومرث مہلائیل بن قینان ابن انوش بن شیث علیہ السلام کا بیٹا تھا اس کی عمر سات سو سال تھی۔

شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کعبہ کا کعبہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضور کی شریت کا خمیر ناف الارض یعنی مکہ میں تھا۔ اسی لیے یہاں سے ہی زمین بچھائی گئی اسی لیے مکہ معظمہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکوین کے لیے اصل الکل ہیں روحاً بھی جسماً بھی اور جملہ کائنات آپ کی فرع و تابع ہے اسی لیے آپ کو النبی الامی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ سب کی اصل و بنیاد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

سوال: صحیح حدیث میں ہے کہ جہاں کسی کا خمیر ہوتا ہے مدفن بھی ہوتا ہے اس قاعدہ پر تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن مکہ معظمہ میں ہونا چاہیئے تھا کیونکہ آپ کا خمیر مبارک مکہ کا تھا۔

جواب: طوفان نوح (علیہ السلام) کے دنوں پانی کی موج سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عنصر شریف وزبد لطیف و جوہر منیف گنبدِ خضریٰ کی جگہ پر مدینہ طیبہ میں لایا گیا۔

نور کا خمیر:- تاریخ مکہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خمیر مبارک مکہ معظمہ میں کعبہ معلّٰی کی جگہ پر طوفانِ نوح (علیہ السلام) چمک چمکتا ہوا محسوس ہوتا تھا پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے طوفان کی موج اس خمیر مبارک کو اٹھا کر گنبدِ خضریٰ کی جگہ پر مدینہ طیبہ میں لائی اس میں حکمتِ الٰہیہ وغیرہ ربانیہ کا یہی تقاضا ہے جسے اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔

کعبہ کا قبلہ:- اسی لیے علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں کہ:-

ان ذلك المشهد الاعظم والمرقد الاكرم افضل من جميع الاكوان من العرش والجنان۔ (روح البیان ص۲۳۳ ج ۸)

ترجمہ:- بیشک مشہد اعظم اور روضۂ انور جملہ کائنات یہاں تک کہ عرش اور جنت سے بھی افضل ہے۔

صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی افضلیت

اسی سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استدلال فرمایا ہے کہ شیخین بعد الانبیاء افضل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اسی خمیر سے پیدا کیے گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی تخلیق ہوئی انہیں اس مبارک خمیر سے قرب نصیب ہوا تبھی تو وہ اسی روضۂ اقدس میں اپنے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون ہیں اس معنیٰ پر جیسے روضۂ اقدس کا ٹکڑا کل کائنات سے افضل ہے تو انہیں بھی اس فضیلت کا مصداق ماننا پڑے گا۔

انبیاء و اولیاء کی فضیلت کا ذکر

حضرت امام سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب عزرائیل علیہ السلام زمین سے مٹھی بھر کر جملہ بنو آدم کے خمیر لے گئے تو ان تمام کی خمیر پر ابلیس کے قدم مس کر چکے تھے اسی لیے ابلیس کے اقدام کی نحوست سے نفوس امارہ پیدا ہوئے اور یہی شر و فساد کا مرکز اور اصل ہیں سوائے انبیاء و اولیاء کے خمیروں کے کہ وہاں ابلیس کے منحوس قدم نہیں پڑے تھے۔

محبوبِ خدا مطمح نظر کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خمیر مبارک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصی نگاہ سے نوازا یہ بھی عزرائیل علیہ السلام کی مٹھی میں تھا لیکن یہ مقدس خمیر ابلیس کی ٹس مس سے ہر لحاظ سے منزہ و مقدس تھا اسی لیے یہ خمیر اقدس نفس امارہ کی جہالت کے حظ سے مقدس و منزہ ہے بلکہ یہاں جہالت کا بیج ہی ختم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ پر علم بھر دیا گیا۔ اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے مجسم علم و ہدایت بنا کر بھیجا اور وہ علم ہدایت

آپ کے قلبِ انور میں منتقل ہو کر برگزیدہ قلوب میں جاگزین ہوا اور آپ کے نفس مطمئنہ سے انہیں فیض ملا۔ یہ طہارت طینت کی مناسبت سے ہوا کہ خمیر رسول بھی طیب و طاہر اور انبیاء و اولیاء کے خمیر بھی طیب و طاہر۔ جس کا خمیر زیادہ پاکیزہ تھا اسی قدر آپ سے اسے وافر سے وافر تر قبول و تسلیم سے ذاتی کمال بھی نصیب ہوا۔

سوال: یہی بات ہے تو پھر انبیاء و اولیاء کے مزارات گنبدِ خضریٰ سے دور دور کیوں انہیں تو صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح قریب تر ہونا چاہیے تھا۔

جواب: قربِ ظاہری نہ سہی ان کو قربِ معنوی تو نصیب ہے اور قربِ معنوی کے لیے ظاہری بُعد نہیں رہتا مثلاً حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بظاہر کعبہ سے دور ہیں لیکن قربِ معنوی سے قریب ہیں اور انبیاء و اولیاء کا دُور کی مسافت پر ہونے میں مصلحت تھی اس لیے اسی مصلحت کو پورا کرنے پر انہیں دُور دُور رکھا گیا۔[1]

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

گرچہ دوریم بیاد تو قدح می‌نوشیم
بعد منزل نبود در سفر روحانی

ترجمہ: اگرچہ ہم بظاہر دور ہیں لیکن یاد کا پیالہ ہم ہر وقت نوش کرتے رہتے ہیں اور سفر روحانی میں بعد منزل کچھ نہیں۔

تفسیر عالمانہ: فقضٰھن سبع سمٰوات۔ تو اللہ نے ان کے سات آسمان مکمل کیے یہ آسمان کی تکوین مجمل کی تفصیل ہے یعنی وہ اجمال جو ائتیا اور اتینا طائعین میں تھا اس کا معنی یہ نہیں یہ فعل ان کی تکوینی پر مرتب ہے اور ھُنّ کا ضمیر ... کی طرف راجع ہے۔

سوال: اسماء مفرد اور ھُنّ ضمیر جمع اس کی وجہ۔

جواب: اسماء معنًی جمع ہے اگرچہ لفظاً مفرد ہے۔ اس لیے کہ اس کا مدلول متعدد ہے اس معنی پر سبع سمٰوات حال ہوگا یا ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر سبع سمٰوات کا لفظ کرتا ہے یہ ربہ رجلاً کی ضمیر کی طرح ہے اس معنیٰ پر سبع سمٰوات اس کی تمیز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں پیدا کیا درانحالیکہ وہ سات آسمان تھے یا یہ کہ تخلیق کے لحاظ سے وہ سات آسمان تھے اور ان کی تخلیق ابداعی ہے یعنی ایسی پیدائش کہ اس سے پہلے

---

[1] وہ یہی کہ ان کے فیوض و برکات سے زمین کا کوئی خطہ محروم نہ رہ جائے فافھم ولا تکن من الوھابیین ۱۲ اویسی۔

اس جیسی اور کوئی مخلوق نہ تھی اور انھیں مضبوط تر بنایا کہ نہ ان میں کوئی خلل ہے نہ نقصان ہے جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا تھا اسی طرح بنا دیا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ یہ آسمان قلب کی طرف اشارہ ہے کہ اسے سات اطوار سے بنایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقد خلقکم اطواراً۔ اور تمھیں مختلف اطوار میں بنایا۔ وہ سات اطوار قلب ہیں:

۱۔ کرکرہ یہ وسوسہ کا محل ہے۔

۲۔ شغاف یہی محبت وعشق کا ٹھکانہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد شغفہا حباً[1]

(اویسی غفرلہٗ: اس کے بعد مضمون اصل کتاب مطبوعہ میں نہیں کسی صاحب کو اس کی اگلی عبارت پرانی مطبوعہ تفسیر روح البیان سے ملے تو لکھ کر بھیج دیں (شکریہ)

۷۔ حبۃ القلب یہی مورد التجلی و موضع الکشوف و مرکز الاسرار و مہبط الانوار ہے۔

فی یومین۔ ایک وقت میں جو دونوں سے مقدر ہے یعنی جمعہ خمیس کے دن آسمانوں کو اور جمعہ کے دن اس کے اندر والی اشیاء جیسے سورج۔ چاند۔ ستارے پیدا کیے۔ زمین اور اس کی اندر والی چیزوں کی تخلیق کا مقدار بھی بیان کی گئی۔ ان سب کی تخلیق چھ دن میں ہوئی جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔

واوحیٰ فی کل سماءٍ امرھا۔ اس کا قضٰہن پر عطف ہے۔ ایحاء سے اس کی تکوین مراد ہے اس کا حال وہی ہے جو اس کے معطوف الیہ کا ہے یعنی جو قید اس میں ہے اس میں بھی ہے۔

فائدہ: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابداع کو امر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی وہی مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان ہر ایک میں وہ چیزیں پیدا کیں جو اس میں ہیں جیسے ملائکہ اور دوسری نورانی مخلوق وغیرہ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ان میں جن کے متعلق ارادہ ہوا بعض کو ظاہر فرمایا[2]۔ یا یہ معنیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ان کے امور القاء فرمائے جن کے وہ لائق تھے ان کو انھیں مکلف بنایا۔ چنانچہ بعض ملائکہ قیام میں ہیں کہ وہ کبھی نہیں بیٹھے اور نہ قیامت تک بیٹھیں گے بعض ان میں سجدہ میں ہیں کہ وہ ہمیشہ تک سر نہ اٹھائیں گے۔ پہلے اور دوسرے کا ایک مطلب ہے لیکن یہ دوسرا قید مذکور سے متعلق ہے اور اس کا امر اللہ تعالیٰ ہے اور بامورجہا۔ اہل سماء ہیں آسمان کی طرف امر کی اضافت مجازاً ملابست کی وجہ سے ہے کیونکہ جب یہ امر آسمان سے مخصوص ہے تو بھی اہل سماء کے واسطہ

---

[1] یہاں مطبوعہ تفسیر میں عبارت غائب ہے
[2] کذا قال قتادہ والسدی ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ۔

سے ہے۔

وزینا السماء الدنیا المصابیح. اورہم نے آسمان دنیا کو مصابیح سے سنگارا۔ التفات الی التکلم بصیغۂ جمع بوجہ امر کے معاملہ کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے ہے اور مصابیح سے ستارے مراد ہیں کہ وہ رات کو مصابیح کی طرح چمکتے ہیں۔ اور کل کے کل آسمان دنیا پر چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ آسمان میں ہیں۔

فائدہ: مصابیح سے جملہ چمکیلے ستارے مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان میں پیدا فرمایا وہ ثوابت ہوں یا سیارگان لیکن وہ کل کے کل پہلے آسمان میں ہیں۔ ہاں یہ چمکیلے ستارے اہل ارض کے قریب ہیں اور سبع سیارگان فلک ثامن میں ہیں صرف اتنا ہے کہ وہ آسمان دنیا کے اُوپر اپنے افلاک میں مرکوز ہیں۔

سوال: اگر یہی بات ہے تو پھر السماء الدنیا سے کیوں مقید کیا گیا ہے اور اس کی زینت کیوں بنائی گئی ہے۔

جواب: یہ ہمارے دیکھنے کی وجہ سے ہیں کہ ہم انھیں پہلے آسمان میں ایسے دیکھتے ہیں گویا وہ مصابیح کی طرح چمک رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ تمام چمکیلے ستارے پہلے آسمان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ چمکیلے ستارے تمام آسمانوں میں ہیں۔

فائدہ جلیلہ: بعض نے کہا کہ آسمان کی زینت کردی ہیں کے انوار سے ہے جیسے زمین کے انبیاء و اولیاء ہیں۔ اور عارفین کے قلوب کی زینت انوار معرفت ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے مصابیح ہدایت و ضیاء التوحید رکھی ہے اور اہل ایمان کے اعضاء کی زینت خدمت خلق ہے اور جنت عارفین کی مناجات اور خدمت عارفین کی رونق۔

نورے از پیشانی صاحبدلاں دریوزہ کن
شمع خود را می بری دل مردہ زیں محفل چرا

ترجمہ: صاحب دل لوگوں کی پیشانی سے نور مانگ کر اس محفل سے اپنے دل کو مردہ کر کے کیوں خالی لے جائے گا۔

وحفظا: مصدر مؤکد ہے اس فعل کے لیے جس کا عطف زَیَّنَّا پر ہے۔ یعنی ہم نے آسمان دنیا کو آفات اور چوروں سے محفوظ فرمایا۔ ان شیاطین سے جو کچھ باتیں سننے کی چوری کی نیت سے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں تو انھیں شہاب سے مارا جاتا ہے جو نارِ کواکب سے صادر ہوتا ہے انہیں ستارے نہیں مارے جاتے بلکہ ان کو نار کی چنگاری ماری جاتی ہے۔ کیونکہ وہ تو فلک میں مرکوز ہیں اور وہ ہمیشہ

اس میں رہتے ہیں بلکہ ان سے ایک چنگاری لی جاتی ہے جیسے آگ سے چنگاری لے کر کسی کو ماری جاتی ہے۔ شیاطین کو ستاروں کی نار کی چنگاری ماری جاتی ہے۔ تو جس طرح چنگاری لینے آگ اپنے مقام پہ ہوتی ہے اور چنگاری دوسرے مقام پہ کام کرتی ہے ایسے ہی ستارے اپنے مقام پہ ہوتے ہیں اور ان کی آگ کی چنگاری شیاطین پر پڑتی ہیں۔

ذلك: وہ بیان جو ابھی تفصیل کے ساتھ مذکور ہوا۔ **تقدیر العزیز العلیم**۔ عزیز علیم کی تقدیر ہے یعنی وہ بہت بڑی قدرت والا جو ہر مقدور کو اس کی قدرت شامل ہے اور وہ بہت بڑے علم والا جس کا علم ہر معلوم کو محیط ہے۔ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب آفرینش کی طرف بتایا ہے۔ اور **تقدیر العزیز العلیم** کا معنیٰ بتایا کہ وہ پیدا کرنے والا اور مقدر کرنے میں ایسا غالب ہے کہ ہر شے اس کی ملک ہے اپنی قدرت سے جس طرح چاہتا ہے اور علم والا ہے کہ جو کچھ بناتا ہے اس کی حکمت سے ہوتا ہے۔

فائدہ: اس تفصیل سے آسمان و زمین کی ترتیب کا ذکر واضح نہیں ہوتا کہ ان میں کون پہلے پیدا ہوا اور کون بعد کو۔ اگر خلق اور اس کے معطوفات کو اپنے معانی ظاہرہ پر رکھا جائے تو پھر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زمین اور اُس کے اندر والی اشیاء آسمان اور اس کی اشیاء سے پہلے پیدا ہوئی یہی اکثر مفسرین کے مطابق ہے اس کی تائید آیت هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء سے بھی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہے۔ ہاں اس کا بچھانا آسمانوں کے بچھانے کے بعد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والارض بعد ذلك دحاها اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ اس تقریر پر ثم تراخی زمانی کے لیے ہوگا۔ اگر اس کی تراخی رتبی مانی جائے بایں معنیٰ کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے تو تخلیق آسمان کی تفصیل زمین اور جو کچھ اس میں ہے سے ثابت ہو گئے۔ لیکن آیت کریمہ ترتیب کی کوئی دلیل نہیں جیسے پہلی تقریر سے ظاہر ہے۔

فائدہ: شیخ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آسمان کی تخلیق زمین سے پہلے ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کام مخلوق کے افعال سے نرالے ہیں کیونکہ اس نے چھت بنائی۔ پھر بنیادیں پھر آسمانوں کو ستونوں کے بغیر کھڑا کیا۔ یہ اس کی قدرت اور کمال صفت کی دلیل ہے۔

ہفت روزہ پروگرام: مروی ہے کہ زمین کو اتوار۔ پیر کے دن بنایا اس کے بچھانے اور اس کے اندر والی اشیاء کی تخلیق بدھ کے دن ہوئی اور آسمان اور اُس کے اندر والی اشیاء کی تخلیق خمیس و جمعہ کے دن ہوئی اور آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کی آخری ساعت میں

---

[1] جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے ۱۲۔

ہوئی۔ اسی گھڑی میں ہی قیامت قائم ہوگی اور اس کا نام جمعہ اس لیے ہے کہ اس میں مخلوقات کا اجتماع اور تخلیق ہوئی چونکہ ہفتہ کے دن اللہ تعالیٰ نے کوئی شے نہیں بنائی اسی لیے اسے بنی اسرائیل نے ہر طرح کی مشغولیت سے فارغ رکھا۔[۱]

ازالۂ وہم: بہتر ہے یہاں یہی کہا جائے اگر اُس وقت سورج چاند وغیرہ ہوتے تو اُسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا سلسلہ فرمایا یعنی اتوار کی مقدار میں فلاں اور فلاں دن کی مقدار میں فلاں وغیرہ وغیرہ۔[۲]

ازالۂ وہم: اس سے وہ اشکال مندفع ہوگیا جو سعدی المفتی نے وارد فرمایا کہ جب اُس وقت سورج ہی نہ تھا تو پھر آسمان اور زمین کو ان دنوں کے اسماء سے موسوم کر کے تخلیق کا کیا معنیٰ۔

فائدہ: ابن عطیہ نے فرمایا کہ قصص سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ (حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا کیا گیا) اس سے پہلے یہی موسومہ ایام موجود تھے اور جن دنوں میں یہ مخلوق پیدا کی گئی تو یہ ایام بھی پیدا کیے گئے کیونکہ زمین و آسمان اور سورج کی تخلیق سے ہی ایام بنے۔ اس سے قبل نہیں تھے۔

فضائل جمعہ

حدیث شریف[۱]: جمعہ کی تخلیق کے بارے میں ہے یہ وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر فرض کیا لیکن یہ اسے بھول گئے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی ہدایت بخشے یعنی تمہیں نصیب ہوا یعنی وہ اس کی تعظیم کے مامور ہوئے لیکن محروم رہے اور اس میں عبادت کے لیے مشغول رہنے کا انہیں حکم ہوا تو نہ کر سکے وہ یوں ہوا کہ یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو پسند کیا۔ یہود نے تو اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی فراغت کا دن ہے کہ اس میں کسی قسم کی تخلیق نہیں فرمائی اسی لیے ہم اسی دن ہی اس کی عبادت کو افضل سمجھتے ہیں تو نصاریٰ نے سمجھا کہ چونکہ اتوار تخلیق کا پہلا دن ہے اسی لیے یہی عبادت کے لیے موزوں ہے اور راجح بھی یہی ہے کہ مخلوق کی تخلیق کا پہلا دن اتوار ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ ہفتہ کا پہلا دن اتوار ہے اور یہی مبدأ الخلق ہے لیکن اس سے ہفتہ یعنی سنیچر موزوں ہے کیونکہ عربی میں اسے سبت کہتے ہیں اور عرف فقہاء میں یہی دن مراد ہوتا ہے کیونکہ بحث یمین وغیرہ میں یہی دن مراد لیتے ہیں۔

۱۔ فتح الرحمٰن ۱۲

۲۔ حواشی ابن الشیخ ۱۲

حدیث شریف ۱ ،۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ جمعہ کا دن سید الایام ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی دن عظیم الشان ہے۔ دنوں میں اس کی وہی فضیلت ہے جو مہینوں میں ماہِ رمضان کی جس طرح رمضان شریف کی راتوں میں لیلۃ القدر اجابت کی رات اسی طرح اس میں ایک ساعت اجابت کی ہے۔

حدیث شریف ۲ ،۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دن کو پیدا کر کے اس کا نام یوم الاحد رکھا دوسرا پیدا فرما کر اس کا **اثنین** (پیر) رکھا۔ تیسرا پیدا فرما کر اس کا **ثلثاء** (منگل) رکھا۔ چوتھا پیدا فرما کر اس کا اربعاء (بدھ) رکھا۔ پانچواں پیدا فرما کر اس کا **خمیس** نام رکھا۔

ازالۂ وھم :۔ اس سے وہ وہم دُور ہُوا جو سہیلی نے وارد فرمایا کہ دنوں کے اسماء ان کی تخلیق کے عرصہ کے بعد رکھے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کسی کو قرآن میں ذکر نہیں کیا سوائے جمعہ و سبت (سنیچر) کے اہل عرب نے ایام کے نام اہل کتاب سے لیے ہیں۔ ان پر وہی نام وارد کئے جو اہل کتاب بتایا کرتے تھے اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے اسماء مقرر نہیں فرمائے۔ آپ نے بھی اپنی قوم کے بتائے ہوئے فرمائے اپنی طرف سے ان کا کوئی نام نہیں رکھا۔

ہفت روزہ تاثیرات :۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہفتہ کے دن پوچھا تو آپ نے فرمایا یوم مکر و خدیعۃ۔ یہ مکر و دھوکہ کا دن ہے کیونکہ اسی دن دارالندوہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہادت کے لیے مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اتوار کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا یوم غرس و عمارۃ: باغ بوتے اور تعمیر کرنے کا دن ہے۔

سوموار کے متعلق پوچھا گیا۔ فرمایا یوم سفر و تجارۃ (سفر و تجارت کا دن) ہے۔ کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام اسی دن تجارت کے لیے تشریف لے گئے تو خوب نفع پایا۔

منگل کے دن کا پوچھا گیا تو فرمایا یوم دم۔ خون کا دن ہے۔ کیونکہ اسی دن بی بی حوا رضی اللہ عنہا کو ماہواری آئی اور ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کیا اور اسی دن جرجیس و زکریا و یحییٰ علیہ السلام اور سحرۃ فرعون و آسیہ بنت مزاحم یعنی فرعون کی زوجہ شہید ہوئے اور بنی اسرائیل کی گائے اسی دن ذبح کی گئی۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے منگل کے دن حجامت (خون نکلوانے) سے روکا بلکہ سخت سے سخت نہی فرمائی۔

اور فرمایا کہ منگل میں ایک ایسی گھڑی ہے اگر خون کھل جائے تو پھر بند نہیں ہوتا اور منگل کے دن ہی ابلیس زمین پر اُترا تھا اور اسی دن جہنم پیدا ہوئی۔ اسی دن ہی اللہ تعالیٰ عزوجل نے عزرائیل علیہ السلام کو ارواح بنی آدم پر مسلط فرمایا۔ اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام بیماریوں میں مبتلا ہوئے۔ بعض روایات میں بدھ کا دن

بھی آیا ہے۔

تعلیمی تعطیل: سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تعلیم کی تعطیل ہفتہ کے دن ہوا کرتی تھی۔ پھر خصاف کے زمانہ میں کبھی پیر کو کبھی منگل کے چھٹی ہوتی تھی۔[۱]

بدھ کا دن: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بدھ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ یہ منحوس ہے اسی یوم میں فرعون اور اس کی قوم غرق ہوئی۔ اسی دن عاد و ثمود و قوم صالح تباہ و برباد ہوئی اور مہینے کا ہر آخری بدھ منحوس تر ہوتا ہے۔

حدیث شریف ۱: بدھ کا دن لینے دینے کا دن نہیں۔

حدیث شریف ۲: بدھ کے دن ناخن کاٹنا ممنوع ہے اس لیئے اس سے برص پیدا ہوتی ہے۔

حکایت: یہ حدیث شریف سن کر ایک عالم دین کو تردد ہوا تو وہ اس بیماری میں مبتلا ہو گیا (نعوذ باللہ)

حدیث ۳: جذام و برص کی بیماری جسے ہوئی بدھ کے دن سے ہوئی۔

مسئلہ: بدھ کے دن مریض کی عیادت کو بعض علماء نے مکروہ کہا ہے۔

بدھ کے فضائل: بدھ کے دن نہانا مستحسن ہے۔ اسی دن دعا مستجاب ہوتی ہے بالخصوص بعد از زوال وقبل العصر اس لیے کہ یوم الاحزاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وقت دعا فرمائی تو مستجاب ہوئی۔ آپ کی اسی مستجاب جگہ پر مسجد بنوائی گئی جسے مسجد الاستجابہ کہتے ہیں جس کی آج بھی لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔[۲]

حدیث شریف: جو کام بھی بدھ کے دن شروع کیا جائے وہ ضرور پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

فائدہ: اسی لیے مثلاً کسی کتاب کے سبق کا آغاز کرنا ہو تو بدھ کے دن کیا جائے۔ حضرت صاحب ہدایہ رحمہ اللہ ہر کام کو بدھ تک موقوف رکھتے۔ اسکی وجہ سے اسی حدیث شریف کو بتلاتے اور فرماتے میرے والد محترم کا بھی یہی دستور تھا اور وہ یہ حدیث اپنے شیخ احمد بن عبدالرشید سے روایت فرماتے تھے۔

یوم الخمیس کا پروگرام: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خمیس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا یہ قضائے حوائج کا دن ہے کیونکہ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں بادشاہ کے ہاں تشریف لے گئے تو بادشاہ نے آپ کی تعظیم و تکریم کی اور آپ کی ضروریات پوری کیں اور ہاجرہ بی بی نذر کی۔ بادشاہ کے پاس اس دن اسی بنا پر جاتے۔

---

۱ روضۃ الاخیار، اویسی۔

۲ وہ مسجد شریف مدینہ طیبہ میں اب بھی ہے۔ اب اسے مسجد اجابہ کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف: جو بھی جمعرات کے دن خون نکلوائے اور اسے بخار ہو جائے تو وہ اس بخار سے مر جائے گا۔

جمعہ کا پروگرام: حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جمعہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح کا دن ہے اسی دن آدم کا حوا سے، یوسف کا زلیخا سے، موسیٰ کا بنت شعیب سے، سلیمان کا بلقیس سے۔ اور صحیح روایات میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بی بی خدیجہ و بی بی عائشہ سے (رضی اللہ عنہما) نکاح ہوا تھا۔

فضائل: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو جمعہ کے دن ناخن کٹواتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بیماری نکال کر شفا داخل فرمائے گا۔

حکایت: حضرت اصمعی فرماتے ہیں میں ہارون الرشید (بادشاہ) کے ہاں جمعہ کے دن حاضر ہوا تو وہ ناخن کٹوا رہے تھے اور فرمایا جمعہ کے دن ناخن کٹوانا سنت ہے اور مجھے حدیث پہنچی ہے کہ جمعہ کے دن ناخن کٹوانے سے فقر و فاقہ دفع ہوتا ہے۔ میں نے کہا اے امیر المومنین آپ کو فقر و فاقہ کا کیا خوف۔ فرمایا مجھ سے کوئی اور زیادہ فقر و فاقہ سے ڈرنے والا کون ہوگا۔

حدیث شریف: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو جمعہ کے دن ثواب کی نیت سے روزہ رکھتا اور اس پر صبر کرتا ہے تو اسے دس غزوات کا ثواب ملتا ہے جس کا ہر غزوہ ایام دنیا کے برابر ہوگا۔

فائدہ: جس کی آنکھ سے جمعہ کی صبح کو آنسو گرتے ہیں یعنی خوفِ الٰہی سے روتا ہے تو اللہ تعالیٰ بائیں جانب کے فرشتے کو فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کے آئندہ جمعہ تک گناہ نہ لکھنا۔

مسئلہ: بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ ازمنہ کی شرافت ان احوال کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان میں واقع ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب کو حضوری و مشاہدہ نصیب ہوا۔

حضرت عمر الفارض رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

و عندی عیدی کل یوم اری به
جمال محیاها بعاین قریاه
و کل اللیالی لیلة القدر ان دنت
کما کل ایام اللقا یوم الجمعه

ترجمہ: میں ان ایام کو عید سمجھتا ہوں جس میں اپنے محبوب کے دیدار کر کے آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہوں۔

۲: میرے نزدیک ہر رات لیلۃ القدر ہے جیسے دیدار کا ہر دن جمعہ کا دن ہے۔

(جمعہ کے دن کے اور بھی بہت سے فضائل و خواص ہیں جو اپنے مقام پر آئیں گے (انشاء اللہ)

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کے فضائل

حدیث شریف ۱ :- حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃ الزہراء اور یوم الاعزبین مجھ پر درود شریف کی کثرت کرو کیونکہ ان میں تمہارے درود شریف میرے پیش ہوتے ہیں میں تمہارے لیے دعا و استغفار فرماتا ہوں۔

فائدہ :- لیلۃ الزہراء سے شب جمعہ مراد ہے اس لیے اس رات کے انوار چمکیلے ہیں اور یوم الاعز سے جمعہ کا دن مراد ہے اس لیے کہ اس میں نور اور روشنی زیادہ تیز ہوتی ہے۔

حدیث شریف ۲ :- حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی مجھ پر جمعہ کے دن اور رات میں ایک سو بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ایک سو مرادیں پوری فرماتا ہے، ستر دنیا میں اور تیس آخرت میں۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو تمہارے درود شریف میری مزار میں ایسے داخل کرتا ہے جیسے تم اپنے اپنے گھر میں داخل کرتے ہو۔ پھر وہ مجھ سے عرض کرتا ہے کہ یہ درود شریف فلاں بن فلاں کا ہے یہاں تک کہ اس کی نسبت اور قبیلہ کا نام بھی عرض کرتا ہے تمہارا درود شریف میرے ہاں سفید صحیفہ میں لپیٹ کر پیش کیا جاتا ہے یاد رکھو میرا علم حیات و موت میں برابر ہے۔

بروز جمعہ درود محمد عربی
از روئے قدر ز ایام دیگر افزونست
ز اختصاص کہ اورا بحضرت نبویت
در و ثواب درود از قیاس بیرونست

ترجمہ :- جمعہ کے دن محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درود کو فضیلت ہے کہ قدر و منزلت میں یہ دن بڑھ کر ہے۔

۲ :- اس لیے کہ جو خصوصیت نبوت سے اُسے حاصل ہے اسی وجہ سے اُس میں وارد کا ثواب بے حساب ہے۔

فائدہ :- رات اور دن دونوں خزانے ہیں تم جو کچھ ان میں امانت رکھو گے وہ تمھیں ادا کریں گے وہ تیرے لیے کام کر رہے ہیں تو ان میں نیک کام کر۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وقت کی قدر و منزلت پہچاننے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ: فان اعرضوا ۔ یہ قل أئنکم کے متصل ہے یعنی اگر کافر ایمان کے اس بیان کے بعد روگردانی کریں باوجودیکہ انہیں اجرام عالیہ (آسمانوں) اور اجرام سفلیہ (زمینوں) کی عظیم تخلیق کا حال سنا یا گیا ہے۔ فقل تو انہیں فرمایئے انذرتکم ۔ میں تمہیں ڈراتا اور خوف دلاتا ہوں۔ ماضی کا صیغہ بوجہ اس انداز کے تحقق کے ہے جو منذر کے تحقق کی خبر دیتا ہے۔

صاعقہ : ایسا سخت عذاب جو شدید الوقوع ہے گویا وہ صاعقہ ہے۔ دراصل صاعقہ آگ کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو آسمان سے گر کر جس پر پہنچے اسے جلا دے لیکن یہاں شدید عذاب کے لیے استعارہ کیا گیا ہے ان کی شدت دہول میں مشابہ ہونے کی وجہ سے ورنہ دراصل وہ دونوں ایک شے ہیں۔

حل لغات : المفردات میں ہے الصاعقہ خلا کی سخت آواز پھر اس میں کبھی صرف آگ ہوتی ہے کبھی عذاب ہوتا ہے کبھی موت کرتی ہے اور دراصل یہ تینوں ایک شے ہیں۔ یہ چیزیں اسی آواز کی تاثیریں ہیں یعنی وہ عذاب کا صاعقہ یا صرف بے ہوش کر دیتا ہے یا ہلاک کر ڈالتا ہے۔

مثل صاعقہ عادٍ ۔ مثل قوم عاد کے عذاب کی طرح کہ اسے سخت آندھی نے تباہ و برباد کیا ۔ وثمود ۔ اور قوم ثمود کے عذاب کی طرح جو کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آواز تھی یعنی مشرکین مکہ اب تمہارا کوئی علاج نہیں سوائے انزال عذاب کے جیسے پہلی قوموں پر نازل ہوئے وہ بھی تمہاری طرح معاند و منکر اور سرکش اور اللہ تعالیٰ سے اور اس کی طلب رضا سے روگرداں تھے ۔ تکذیب و عناد و انکار میں وہ تمہارے اسلاف ہیں تم ان کی پیروی کر رہے ہو تو تمہاری تباہی و بربادی بھی ان کی طرح ہو گی۔

اعجوبہ :۔ چچا زادوں کی فہرست :۔

۱۔ عاد و ثمود ۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام و قارون ۔

۳۔ الیاس و الیسع اور حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام خالہ زاد تھے[1]۔

سوال :۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے اظہار کے لیے صرف ان دو قوموں کا نام کیوں لیا ۔

جواب :۔ قریش مکہ تجارت پیشہ تھے ۔ گرمیوں سردیوں میں باہر کے سفروں کو جاتے وقت صرف انہی دو قوموں کے علاقہ سے گزرتے تھے تو ان کے عذاب کو آنکھوں سے مشاہدہ کرتے اسی لیے صرف دو قوموں کا نام لیا گیا۔

اذ جاءتہم الرسل ۔ جب ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائے ۔

---

[1] ۔ ایسے ہی مقاتل نے فرمایا ۱۲ ۔ اویسی غفرلہٗ

سوال :۔ ھم ضمیر کیوں حالانکہ ان کی طرف تشریف لانے والے صرف دو پیغمبر علیہم السلام تھے یعنی عاد کی طرف ہود علیہ السلام اور ثمود کی طرح صالح علیہ السلام۔

جواب :۔ دو پر جمع کے صیغہ و ضمیر کا اطلاق جائز ہے اور جملہ صاعقہ عاد سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ان کے صاعقہ کی طرح جو ان کے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کے وقت آیا تھا تو انھوں نے ان کی تکذیب کی تو مراد یہ ہے کہ متعلق ظرف کا اس سے حال ہے۔

من بین ایدیھم و من خلفھم ۔ یہ جاءتھم کے متعلق ہے یعنی انھیں انبیاء علیہم السلام دائیں بائیں غرضیکہ رہبری کی ہر طرح کی صورتوں سے اُن کو ہر جانب یعنی ہر طریقہ سے سمجھایا کبھی نرمی سے کبھی سختی سے کبھی شوق دلانے سے، کبھی ڈرانے دھمکانے سے۔

فائدہ :۔ اس سے جہت مکانی مراد نہیں کہ اس سے وہ مکان مراد ہوں جو ان کے اردگرد تھے یا اس سے جہت زمانی مراد ہو کہ انہیں ماضی کے جملہ کفار کے حالات اور ان پر نزول عذاب کے مکمل طور سنائے گئے اور زمانہ مستقبل کی وہ خبریں بتائی گئیں کہ اگر کفر پہ مرے تو ان کے لیے یہ عذاب ہوگا اور وہ ہوگا یا اس سے کثرت انذار مراد ہے جیسا کہ یاتیھا رزقھا من کل مکان ۔ اسے اس کا رزق ہر مکان سے آتا ہے یعنی اس بستی کے ہاں بکثرت رزق آتا ہے اور الرسل کے تمام متقدمین و متاخرین پیغمبران عظام (علیہم السلام) مراد ہیں۔ یا اس سے عام تر مراد ہے جس میں رسل کرام علیہم السلام بھی شامل ہوں ورنہ یہاں پر آنے والے تو صرف دو تھے جیسا کہ گزرا اور دو میں کثرت نہیں ہوتی۔

ان لا تعبدوا الا اللہ ۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یعنی اے میری قوم عبادت نہ کرو۔ یعنی وہ قوم کو صرف اللہ کی عبادت کا حکم فرماتے تھے ان مصدریہ ناصبہ للفعل ہے جو سابق مضمون کو نہی کے ساتھ ملاتا ہے جیسے کبھی وہ امر سے ملاتا ہے جیسے اَنْ طَهِّرَا ۔ خلاصہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام نے ان کے ہاں تشریف لا کر فرمایا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی پرستش نہ کرو۔ (کاشفی)

قالوا :۔ انبیاء علیہم السلام کی تحقیر کرتے ہوئے کافروں نے کہا، لو شاء ربنا ۔ اگر ان کا رسولوں کے بھیجنے کا ارادہ تھا۔

سوال :۔ ارسال الرسل تو قرآن مجید میں مذکور نہیں تم نے ترجمہ میں کیوں بڑھایا۔

جواب :۔ چونکہ اس کا معنیٰ جواب شرط میں موجود ہے پھر ایسے مقامات پہ شرط کا مفعول مقدر کرنا عام ہے یہ اسی قبیل سے ہے۔

لا نزل ملائکۃ۔ تو وہ نازل کرتا ملائکہ کرام کو یعنی تمھارے بجائے انہیں بھیجتا کیونکہ ان کے معاملہ میں ہمیں کسی قسم کا خلجان نہیں اسی لیے ہم ان پر ایمان لاتے (بخلاف تمھارے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو اسی لیے ہم نہیں مانتے) لیکن تم پر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے ایسے طریقہ پر رسول بنا کر بھیجا جو ہمارے خیال کے منافی ہے۔ فانا بما ارسلتم۔ جو تمھارے خیال پر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں ہم اس کے ساتھ۔ اس سے ان کے رسول ہونے کا ان کے اقرار کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ کافرون۔ کفر کرتے ہیں۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ فاء شرط محذوف کا جواب ہے کیونکہ در اصل معنیٰ یہ ہے کہ چونکہ تم ہمارے جیسے بشر ہو تمھیں ہم پر کسی قسم کی فضیلت نہیں ہے اور تم فرشتے بھی نہیں اس لیے نہ ہم تمھیں مانتے ہیں نہ تمھارے لائے ہوئے دین کو۔

سوال :- فاء کا مدخول تو فعل ہونا چاہیئے یہاں تو اس کا مدخول اسمیہ ہے۔

جواب :- یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ یہ فاء کبھی اس جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتی ہے جس کی ترکیب بتدا خبر ہو۔

فائدہ: سعدی المفتی فرماتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ ان کے قیاس استثنائی فاسد کا نتیجہ اس کی تالی کی نقیض ہے۔

کاشفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کافروں نے صرف انبیاء علیہم السلام کو دیکھ کر کہا ورنہ اگر وہ اُن کی حقیقت کو دیکھتے تو ایسا نہ کہتے بلکہ وہ ان کی حقیقت کے مشاہدہ سے ہمیشہ محروم رہے ؎

چند صورت بینی اے صورت پرست
ہر کہ معنیٰ دید از صورت پرست

دیدۂ صورت پرستی را بہ بند
تا شوی از نور معنیٰ بہرہ مند

ترجمہ :- اے صورت پرست کب تک صورت کو دیکھتے رہو گے جس نے معنیٰ دیکھا وہ صورت سے نجات پا گیا۔

۲ :- صورت پرستی کی آنکھ بند کرلے تاکہ تم نور معنیٰ سے بہرہ ور ہو۔

حکایت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بہ عتبہ

ایک دن ابوجہل نے اپنے رفیقوں میں کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ہمیں خاصا پریشان کرتا جا رہا ہے۔ کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو علوم شعر۔ کہانت۔ سحر کا جامع عالم ہو وہ اس سے گفتگو کر کے اسے لاجواب کر دے۔ اس پر عتبہ بن ربیعہ نے حامی بھری اور کہا کہ میں شعر و کہانت و سحر سن

چکا ہوں اور ان کا تھوڑا بہت علم بھی رکھتا ہوں۔ ایسی باتیں مجھ سے مخفی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی اے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بتایئے تم بہتر ہو یا ہاشم تم سے بہتر یا عبد المطلب تم سے بہتر یا عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس سے اس کی مراد تھی کہ وہ جس دین پر تھے چونکہ ان کی نظروں میں وہی لوگ بہتر تھے اسی لیے اُن کے گمان پر ان کا مذہب بہتر ہو گا فلہذا تمہارا دین ہمیں اس لیے پسند نہیں کہ تم نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا (معاذ اللہ) اچھا بتایئے تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کیوں کہتے ہو اور ہمیں کیوں گمراہ کر رہے ہو۔ اگر تم ریاست چاہتے ہو تو تمہارا جھنڈا لہراتے ہیں۔ آپ ہم سب کے رئیس ہوں گے اور ہم رعایا۔ اور اگر تم شہوت رانی چاہو تو تم بنات قریش میں سے دس عورتیں پسند کرو ہم تم سے ان کا عقد کر دیں۔ اگر مال و دولت چاہو تو ہم آپ کو اتنی دولت جمع کر دیں جس سے آپ کو کسی کی حاجت نہ رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی باتیں خاموشی سے سنتے رہے جب عتبہ فارغ ہوا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰم تا مثل صاعقۃ عاد و ثمود پڑھا تو عتبہ وہ کلام الٰہی سن کر اتنا مبہوت و مدہوش ہوا کہ اس میں تاب سخن نہ رہی مجبور ہو کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور قسم بھی دی کہ آپ آگے نہ پڑھیں کہ اس سے میری طاقت سلب ہو گئی ہے اور میں تو حیران و سرگرداں ہوا جاتا ہوں اس کے بعد سیدھا گھر کو متحیر ہو کر واپس لوٹا۔ قریش کے پاس کئی روز تک نہ جا سکا۔ وہ اس کے معاملہ میں مشوش ہوئے۔ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ عتبہ اب تک نہیں لوٹا کہیں وہ صابی تو نہیں ہو گیا یعنی دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبول تو نہیں کر لیا اس کی تلاش میں نکلے اسے گھر پر مل کر کہا اے عتبہ تمہیں کیا ہوا تم ہمیں نہیں مل رہے کہیں صابی تو نہیں ہو گئے۔ عتبہ نے ان کی بات سن کر ناراض ہو کر کہا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی انہوں نے جو جواب دیا بخدا نہ تو وہ شعر ہے اور نہ کہانت ہے اور نہ جادو ہے جب وہ مثل صاعقۃ عاد و ثمود تک پہنچے تو میں نے اُن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور قسم دی کہ آگے نہ پڑھیں اور تمہیں معلوم ہے کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہ جھوٹ نہیں ہوتا مجھے خطرہ ہو گیا تھا کہ کہیں تم سارے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اس لیے میری رائے ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اس کا تعرض نہ کرو۔ عرب اس کا مقابلہ کر رہا ہے اگر وہ اس پر غالب آ گئے تو تم بے فکر ہو جاؤ گے۔ اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو پھر ملک تمہارا ہے اور تمہیں عزت بھی ملے گی۔ ابو جہل نے کہا مجھے معلوم تھا کہ تم پر بھی اس کا جادو چل جائے گا۔ اور تم اس کے زیر اثر ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں اپنی طرف مائل کرے گا۔ عتبہ نے کہا اب جاؤ جو کچھ چاہو کر لو۔ کفار اپنے موقف پر ڈٹے گئے یہاں تک کہ بدر میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرے اور دین اسلام کو تمام پر غالب رکھے اور وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

فلما عاد ۔ چونکہ تفصیل اجمالی کا سبب ہوتی ہے اس لیے اس پر لفظ فاد سبیہ لایا گیا یعنی اب پچھلے اجمال کی تفصیل بتاتے ہیں کہ بہر حال ثمود نے فاستکبروا فی الارض زمین پر تکبر کیا یعنی زمین میں اپنی عظمت کا سکہ بٹھانا چاہا۔ بغیر الحق۔ تعظیم کے استحقاق کے نہ ہونے کے باوجود اپنی قوت کے بل بوتے پر اہل امین کو اپنی عظمت منوانے لگے وقالوا اپنے اجسام کے عظیم الجثہ کی قوت کی عظمت پر دلسوکہ کہا کر کہا۔ من ۔ استفہامیہ ہے۔ اشد منا قوۃ ۔ ہم سے قوت میں بڑھ کر کون ہے۔

فائدہ :- ان کے ایک جوان کا قد اٹھارہ ہاتھ لمبا ہوتا اور ان کی قوت کا یہ حال تھا کہ ان کا اکیلا ایک جوان پہاڑ سے ٹکڑا اکھیڑ لیتا تھا پھر وہ اسے جہاں چاہتا لے جاتا انہیں ایسی قوت سے دھوکہ لگا کہ وہ اپنی قوت وطاقت کے بل بوتے عذاب الٰہی کا مقابلہ کریں گے اور اسے دفع کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب مقدر کا ارادہ فرمایا تو ان کے رد میں فرمایا کہ اولم یروا۔ کیا یہ اپنی قوت سے دھوکہ کھانے والے نہیں جانتے یعنی اس سے کیا وہ غافل ہو چکے ہیں کیا ایسے ظاہر باہر علم سے انہیں معلوم نہیں جو ان کو بالکل مشاہدہ کی طرح ہے کہ ان اللہ خلقھم ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے انہیں و دیگر جملہ اشیاء پیدا کی ہیں بالخصوص اتنی بڑی بڑی عظیم جثہ والی چیزیں جیسے آسمان و زمین اور پہاڑ وغیرہ۔

سوال :- خلق کا مفعول ھم کو کیوں بنایا ان سے بڑھ کر آسمانوں اور زمینوں کو بنانا چاہیے تھا۔

جواب :- چونکہ ان کو اپنی قوت پہ ناز تھا اس لیے پہلے انہیں ان کی اپنی ہی تخلیق کی طرف متوجہ فرمایا۔ ھو اشد منھم قوۃ ۔ وہ قوت کے لحاظ سے ان سے بڑھ کر ہیں تو جو ذات ان کی تخلیق کی قدرت رکھتی ہے اس کی اپنی قدرت کتنی ہو گی۔ کیونکہ یہ عظیم قدرت والی اشیاء اس کی مخلوق ہیں پھر ان کے خالق کی طاقت کا کیا کہنا اس لیے کہ ان کی قدرت تو اس کی قدرت کے مستفاد ہے۔

فائدہ :- قوت بمعنی شدید البیان اور سخت سے سخت شے اس کی نقیض ضعف ہے۔

سوال :- اشد افعل التفضیل ہے اس میں مفضل ومفضل علیہ میں نفس فعل کا اشتراک لازم ہے اللہ تعالیٰ اور بندے کا کسی فعل میں اشتراک محال ہے۔

جواب :- ہم نے مطلق قوت مراد لی ہے کیونکہ وہ قوت کی قدرت سبب ہے۔ اس لیے اب اشتراک لازم نہیں آتا۔

وکانوا اور تھی وہ عاد کی قوم از روئے تعصب کے بآیاتنا ۔ ہماری ان آیات کی جو رسل کرام علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔

ینکرون ۔ انکار کرتی ۔

حل لغات: الجحود ۔ جان کر انکار کرنا یعنی وہ انکار کرتے جبکہ وہ ان کی حقیقت کو جانتے تھے یہ ایسے ہے جیسے امانتدار امانت سے جان کر انکار کرے ۔ اس کا فاستکبروا عطف ہے ۔ ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے تاکہ ان کے غلط کلمات کا رد ہو ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے استکبار اور طلب العلو فی الارض کو جمع کیا ۔ اور یہ فسق اور ترک احسان کر کے خروج عن الطاعۃ ہے اور آیات کا انکار کفر ہے ۔ ایسے ہی تعظیم حق کا ترک بھی اس معنیٰ پر وہ فاسق بھی تھے اور کافر بھی اور یہ دونوں جملہ صفات ذمیمہ کی جڑ ہیں ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب مسلّط فرمایا چنانچہ فرماتا ہے فارسلنا علیہم ریحا صرصرا ۔ تو ہم نے ان پر تیز آندھی بھیجی تاکہ ان کی جڑ اکھاڑ دے وہ آندھی اتنی سرد تھی کہ انھیں تباہ و برباد کر ڈالا اور سردی جب سخت ہو تو وہ آگ کی طرح جلا دیتی ہے ۔

حل لغات: صرصر کا مادہ صر ہے ۔ وہ سردی جو شے کو سمیٹے یعنی وہ تیز آندھی چلتے وقت آوازیں دے ۔ صریر سے ہے ۔ بمعنی آواز یعنی تیز آندھی گرجدار ۔

فائدہ: بعض نے کہا وہ آندھی دبور یعنی صبا کی بالمقابل اور صبا مطلع شمس سے چلتی ہے ۔ اس معنیٰ پر دبور وہ ہوئی جو مغرب سے چلتی ہے ۔ صرصر صر کا تکرار ہے ۔ امام راغب نے فرمایا کہ صر سے ہے بمعنی شد اور صرۃ ۔ ہر وہ شے جس میں دراہم باندھے جائیں یعنی تھیلی اور صرصر اسی لفظ کا تکرار ہے اس کا رجوع شد کی طرف ہے اور بردۃ میں تعقید ہے کیونکہ یہ فعلیات سے ہے اور وہ تکثیف ہے جس کا کام ہے تفریق المشکلات و تفریق المختلفات ۔ فی ایام نحسات ۔ (منحوس دنوں میں) نحسات کی جمع ہے نحس نحساً سے ہے جو سعد سعدا کی نقیض ہے ہر دونوں باب علم سے ہیں اور نحسات دو ستارے (زحل و مریخ) ہیں ۔ ایسے ہی شباط ۔ ایسے ہی کا آخر شوال اور وہ آندھی ایک بدھ سے دوسرے بدھ تک جاری رہی ۔ اس لحاظ سے وہ آندھی سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی اور وہی مہینے کا آخری دن تھے انہیں ایام النحوس بھی کہا جاتا ہے ۔ اس کی تفصیل سورۃ الحاقۃ میں آئے گی (ان شاء اللہ)

اعجوبہ: جس قوم کو بھی عذاب ہوا وہ بدھ کا دن تھا ۔

فائدہ: ضحاک نے فرمایا کہ ان سے اللہ نے تین دن تک بارش روک دی اور ان پر بغیر بارش مسلسل ہوا چلتی رہی ۔

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو انہیں بارش سے نوازتا ہے اور آندھی روک لیتا ہے ۔ اگر کسی قوم پر اظہار ناراضگی فرماتا ہے تو ان سے بارش روک کر آندھی میں مبتلا کر دیتا ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں ان دنوں میں عذاب میں مبتلا فرمایا منحوس و مشئوم تھے ۔ انھیں کسی قسم کی بھی

خبر نہ تھی۔

مسئلہ:۔ ان کی نحوست کا مطلب یہ ہے کہ آندھی کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حالت پر رکھا کسی وقت وہ کم نہ ہوئی یہاں تک کہ قوم عاد تباہ و برباد ہو گئی۔

ازالۂ وھم:۔ منجمین کا یہ خیال غلط ہے کہ بعض دن نحس ہوتے ہیں اور بعض سعید۔ انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ اسلام کے نزدیک تمام ایام فی حد ذاتہا برابر ہیں۔ ہاں بعض وجوہ سے ایک دوسرے سے متمایز ضرور ہیں مثلاً جس دن میں طاعت و عبادت ہو گی وہ سعید ہو گا اور جس میں معصیت و گناہ سرزد ہو گا وہ نحس ہو گا جیسے جمعہ کا دن بہ نسبت دوسرے دنوں طاعت گزار کے لیے سعد ہے لیکن عاصی و مجرم کے لیے نحس۔ اگرچہ فی حد ذاتہ سعد ہے۔

حکایت:۔ کسی نے اصمعی کے سامنے کہا فسد الزمان۔ زمانہ خراب ہو گیا۔ تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔ ؎

ان الجدیدین فی طول اختلافہما

لا یفسدون ولکن یفسد الناس

ترجمہ:۔ رات دن کو طول زمانہ گزرنے کے باوجود ان میں کوئی فساد نہیں ہاں لوگ خود فاسد ہوتے ہیں۔

کسی دوسرے شاعر نے کہا ؎

نذم زماننا و فینا عیب

و لو نطق الزمان اذا ھجانا

ترجمہ:۔ زمانہ ہمارا ساتھی ہوا حالانکہ ہمارے میں ہزاروں عیب ہیں۔ اگر زمانہ بولتا ہوتا تو اُس وقت ہماری گالی دیتا۔

فائدہ:۔ حضرت شیخ صدر الدین قنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لباس کا کپڑا جب کاٹا جاتا ہے لیکن اسے ردی وقت میں سیا گیا تو اس میں ردی وقت کی نحوست سرایت کر جائے گی۔

تحقیق از صاحب روح البیان:۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ شیخ قنوی قدس سرہٗ کے ارشاد کا مطلب ہے کہ اس میں ردی ہونا کسی سبب خارجی کی وجہ سے ہو گا جیسے بدھ کے دن کی نحوست خارجی وجہ سے ہوئی۔ وہ یہ کہ اسی دن قوم عاد پر عذاب نازل ہوا ورنہ اس دن ابتدائی تخلیق میں ردادۃ نہ تھی۔ اس تقریر پر ماسبق اور حضرت شیخ کے بیان میں کوئی منافات نہیں۔

مسئلہ:۔ ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان کو متفاوت پیدا فرمایا ایسے ہی جملہ موجودات کا حال ہے ولعذاب الاخرۃ۔ اور البتہ آخرت کا عذاب۔ اخزی۔ زیادہ رسوا کن ہے بہ نسبت دنیا کی

رسوائی کے یہ بھی دراصل صفت ہے معذب کی عذاب کو اس سے موصوف کرنا مجازاً ہے۔ اسی لیے اسی کی وجہ سے رسوائی حاصل ہوئی۔

وھم لا ینصرون۔ دفعیہ عذاب کے لیے ان کی کسی وجہ سے بھی مدد نہ ہوگی نہ دنیا میں نہ آخرت میں اس لیے انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی مدد نہ کی اور اہل ایمان چونکہ ضعیف ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا۔ اسی لیے انہوں نے اللہ اور اس کے دین کی دنیا میں مدد کی تھی۔ یہ عجیب معاملہ ہے قوت ضعیف سے حاصل ہو رہی ہے اور اس پر بھی تعجب ہے کہ قوت والوں کو ضعف پہنچ رہا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک تم ضعیف حضرات (اولیائے کرام) کے طفیل مدد دیئے جاتے ہو یعنی ضعیف حضرات جو تمہارے لیے مدد کی دعا مانگتے ہیں۔

فائدہ: خالد بن برمک نے کہا ضعیف لوگوں کی مجانیق (بددعاؤں) سے ڈرو۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے عاد کی قوم اس لیے سخت آندھی کے عذاب میں مبتلا ہوئی کہ انہیں اپنے طول قامت اور عظیم اجساد و زیادہ قوت پر ناز تھا۔ انہیں گمان تھا کہ جسے ایسی قوت اور جسامت حاصل ہو تو وہ اپنی جگہ ثابت قدم رہتا ہے اسے کوئی اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا کو ایسا مسلط کیا کہ پھر وہی جسم ہوا میں ریزہ ریزہ ہو کر اڑ گئے۔

سیرت نبوی: جب ہوا تیز چلتی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھٹنے ٹیک کر دعا مانگتے اے اللہ اسے رحمت بنا۔ اسے عذاب نہ بنا۔ اے اللہ اسے ہوا (ریاح) یعنی رحمت بنا۔ اسے ریح یعنی عذاب نہ بنا۔

فائدہ: ریح سے عذاب اس لیے مراد لی گئی کہ قرآن میں یہ لفظ وارد ہوا ہے تو وہاں عذاب مراد لیا گیا ہے جیسے فارسلنا علیہم ریحا صرصرا اور فرمایا وارسلنا علیہم الریح العقیم اگرچہ ریح رحمت کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوا چنانچہ فرمایا وجرین بہم بریح طیبۃ۔ اور ریاح جہاں بھی قرآن میں مستعمل ہوا ہے۔ رحمت کے معنیٰ میں آیا ہے یہ کبھی عذاب کے معنیٰ میں نہیں آیا۔

فائدہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ہوا کے چلنے اور آواز اور گرج اور کڑک کے سننے کے وقت کہتے اے اللہ! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کرنا اور نہ ہی اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک کرنا اس سے پہلے ہمیں عافیت بخش۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا کو گالی نہ دو جب تم اس سے کوئی ناگوار

بات دیکھو تو کہو۔

اللھم انا نسئلك من خیر ھذہ الریح وخیر ما فیھا وخیر ما امرت بہ
ونعوذ بك من شر ھذہ الریح وشر ما فیھا وشر ما امرت بہ[۱]۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! ہیں اس ہوا کی خیر اور اس کے اندر کی خیر اور جس کے لیے مامور ہے اور اس کے اندر کے شر اور جس کے لیے مامور ہے کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔

ریح صرصر باد نفس اژدہاست
قلب ازو در اضطراب و مکرہاست
ہر کہ پا بر جا لشی در عہد دین
پائدارش می کند حق چوں زمین

ترجمہ:۔ نفس اژدہا کی آندھی سخت ہے قلب اس سے اضطراب اور پریشانی میں ہے۔
۲ :۔ جس کے دین میں قدم مضبوط ہیں اسے حق پائیدار کرتا ہے زمین کی طرح۔

واما ثمود۔ ثمود قبیلہ ہے یہ غیر منصرف ہے اس میں دو سبب ہیں۔ علمیت و تانیث بعض نے اسے منصرف بتایا ہے وہ کہتے ہیں چونکہ یہ ایک مرد کا نام ہے اسی لیے اس میں صرف ایک سبب ہے فلھذا منصرف ہے۔

ثمود۔ اس قوم کا جداعلیٰ ہے۔ فھدینا ھم۔ ہدایت یہاں پر بمعنی وہ جو ایسی راہ پر دلالت کرے جو مقاصد تک پہنچا دے۔ اس کے بعد مقصد حاصل ہو یا نہ جیسے انك لا لتھدی الی صراط مستقیم میں بھی یہی معنیٰ مراد ہے (یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کام تھا کہ آپ ایسی راہ دکھائیں جو مقصد تک لے جانے والا ہو۔ پھر پہنچنے والے کی قسمت مقصد کو حاصل کرے یا نہ) ایسی ہدایت میں ضروری نہیں ہوتا کہ جسے راہ دکھائی جائے وہ مقصد پالے جیسے اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے فرمایا واللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی انھیں منزل مقصود تک پہنچنے نہیں دیتا۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ثمود کو آیات تکوینیہ وارسال الرسل وانزال کتب مبارکہ کے ذریعہ سے ہدایت دی اور ان پر رحم فرمایا۔ فاستحبوا العمہ۔

حل لغات:۔ استحباب بمعنی کسی شے سے سوچ سمجھ کر محبت کرنا اور اعلیٰ سے

---

[۱] المصابیح ۱۲

متعدی ہوکر بمعنی ایثار و اختیار کے ہے بمعنی پسند کرنا۔ اب معنی یہ ہوا کہ اندھوں نے عمی البصیرۃ کی وجہ سے گمراہی کو اختیار کیا اور گمراہی کو ہدایت پر کفر کو ایمان پر معصیت کو طاعت پر ترجیح دی۔

فائدہ: صاحب کشاف نے کہا کہ لفظ استحباب بتاتا ہے قدرت الٰہی موثر ہے اور بندے کی قدرت کا اس میں کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے کیونکہ محبت بالاتفاق غیر اختیاری ہے۔ اندھاپن کو محبت سے اختیار کرنا اور استحباب اختیارات سے ہے۔ چونکہ صاحب کشاف معتزلی ہے اس نے اپنے مذہب کے مطابق ڈھالا ہے۔ اس پر سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محبت اختیاری کو کیسے کہا ہے اگر یہ اختیاری ہے تو پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت (عشق) کے مکلف کیوں ہیں حالانکہ مکلفات غیر اختیاری امور ہوتے ہیں مثلاً رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا الان یا عمر۔ ابھی کامیاب ہوا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث شریف: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر جا رہا تھا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھ کو ہر شے سے محبوب تر ہیں سوائے میری اپنی جان کے آپ نے فرمایا اے عمر! مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اُس وقت تک ایمان میں ناکمل ہو جب تک تم مجھے اپنی جان سے عزیز نہ سمجھو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس وقت سے آپ مجھے جان سے بھی محبوب تر ہیں۔ آپ نے عمر سے فرمایا الآن یا عمر۔ یعنی اب تیرا ایمان کامل ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس محبت سے محبت اختیاری مراد ہے نہ کہ طبعی۔ کیونکہ طبعی طور پر ہر انسان اپنی جان سے پیار کرنے پر مجبور ہے۔ اسی لیے وہ اپنی جان کے معاملہ میں دوسروں پر خود کو ترجیح دیتا ہے۔

اب حدیث کا معنی یہ ہوا کہ اے عمر! تیرا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک تم میری رضا کو اپنی رضا پر ترجیح نہ دو اگرچہ اس سے جان کا خطرہ ہو تب بھی۔ اس کی نظیر قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویؤثرون علیٰ انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ یعنی باوجودیکہ وہ

لہ۔ المفردات ۱۲

ٹہ حواشی سعدی المفتی ۱۲

کے کھانے کے خود بھی حاجتمند تھے لیکن مہمانوں کو خود پر ترجیح دی۔ ایسے ہی ہر محب کا کام ہے کہ اپنی رضا پر محبوب کی رضا کو ترجیح دیتا ہے اگرچہ اسے اپنے نفس سے اپنے محبوب نفس سے زیادہ محبت ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا اہل ثمود نے ابتداءً دین حق قبول کر لیا لیکن بعد کو مرتد ہو گئے اس دوران اپنے رسول کی تکذیب کی تو ان کو بھی ان کے دوسرے کافروں کی طرح عذاب میں مبتلا کر کے ان کی جڑ اکھیڑ دی اس معنیٰ پر یہاں ہدایت کا لباس تو پہن لیا لیکن درحقیقت وہ ننگے تھے یعنی بظاہر تو ان پر ہدایت کا حقیقی لباس سجایا گیا لیکن انھوں نے ہدایت کے بجائے اندھاپن کو اختیار کیا جس کی وجہ سے وہ اسی حال کی طرف مائل ہوئے جس پر ازل میں اُن کے لیے لکھا تھا یعنی ان کی گمراہی جبلی تھی اسی لیے وہ اپنی جبلی عادت کی طرف لوٹے کہ گمراہی قبول کر لی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ سابق عادت انجام پر اثر انداز ہوتی ہے اسی لیے درمیانی مدت میں ہدایت ہونے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ عارضی ہے[1]

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

چوں حسن عاقبت نہ برندی وزاہدیست
آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کند

ترجمہ:۔ جب انجام بخیر لے کر نہ گیا تو نری زاہدی بیکار ہے وہی بہتر ہے کہ تجھے اپنی عنایت سے نجات عطا فرمائیں۔

فاخذتھم صاعقۃ۔ العذاب الھون۔

حل لغات: الھون مصدر ہے بمعنی الھوان والذلۃ کہا جاتا ہے ہَانَ ہونا وہوانا بمعنی ذلّ[2] بطور مبالغہ اس سے عذاب کو موصوف کیا گیا ہے۔

اَب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں ذلیل کرنے والے سخت عذاب نے گھیر لیا۔ اس سے جبرائیل علیہ السلام کی چیخ مراد ہے۔ ان کی چیخ سے سب تباہ و برباد ہوئے۔ صاعقہ ہی عذاب تھا اس کی شدت کی وجہ سے اُسے صاعقہ سے تشبیہ دی گئی ہے (جیسا کہ پہلے گزرا) بعض نے کہا صاعقہ سے وہ آگ مراد ہے جو ان کو تباہ کرنے کے لیے آسمان سے نازل ہوئی۔ جس نے انہیں جلا کر راکھ بنا دیا۔
اس تقریر پر یہ اضافۃ النوع الی الجنس بتقدیر من کے قبیل سے ہے یعنی عذاب کی اس جنس

---

[1] شرح مشارق الانوار لابن الملک ۱۲

[2] القاموس ۱۲ =

سے جو ذلیل کرنے والا تھا جو معذب کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

بما کانوا یکسبون۔ بسبب اس کے کہ اُنھوں نے ضلالت و کفر و عصیان اختیار کیا۔ حضرت کاشفی نے فرمایا کہ بسبب اُن کے ان غلط کاموں جو ان سے سرزد ہوئے جیسے صالح علیہ السلام کی تکذیب اور اُن کی اونٹنی کو ذبح کرنا۔

نکتہ: فقیر (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ علیہ) کہتا ہے کافروں کو صیحۃ کے عذاب میں مبتلا کرنے میں راز یہ تھا کہ اُنھوں نے صالح علیہ السلام کی حق بات کو نہ سُنا اور نہ استحباب مذکور کا تعلق تو باطن کی صفت ہے اور صیحۃ (چیخ) ایسی تھی کہ جگر کو خراب کر ڈالتی تھی جس سے ظاہر و باطن ہر دونوں خراب ہو گئے اور آگ سے انہیں اس لیے عذاب کیا گیا کہ اُنھوں نے اونٹنی کی بچی کی ماں کو قتل کر کے اس کا دل جلایا اسی لیے انہیں ظاہری آگ سے جلایا گیا جیسے یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

اعجوبہ: بعض کا قول ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے بکری کے بچے کو بکری کے سامنے ذبح کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فراقِ یوسف کی آگ میں مبتلا فرمایا۔

و نجینا الذین امنوا۔ اور ہم نے اہل ایمان کو اسی صاعقہ سے نجات دی۔ وہ کل ایک سو دس تھے۔ وکانوا یتقون۔ اور وہ شرک سے بچتے تھے یا ناقہ کے ذبح کرنے سے۔ اس میں عذاب نار سے نجات کی طرف اشارہ ہے۔ قیامت میں عذابِ نار سے بچنے والے کئی قسم ہوں گے:

۱۔ بعض نار جہنم کو دیکھیں گے بھی نہیں وہ پل صراط کو عبور کرتے ہوئے ایسے تیز نکل جائیں گے کہ انہیں نار جہنم کا علم تک نہ ہو گا۔

۲۔ بعض تیز بجلی کی طرح اس کو عبور کر جائیں گے (یہ محبوبانِ خدا ہوں گے اکابر اولیاء ہوں گے۔)

۳۔ بعض تیز رفتار سواری کی طرح اسے عبور کریں گے یہ بھی اکابر اولیاء ہوں گے۔

۴۔ بعض وہ ہوں گے جو پلصراط پر گر پڑیں گے ایسے ہی گرتے پڑتے پار کریں گے۔

۵۔ بعض پلصراط عبور کرتے وقت نار جہنم میں گر پڑیں گے تو پھر پڑے ہی رہیں گے۔

۶۔ ان گرنے والوں میں سے بعض کو آگ ٹخنوں تک ہو گی۔

۷۔ بعض کو گھٹنوں تک۔

۸۔ بعض کو گردن گیر ہو گی۔

اعجوبہ: بعض لوگوں کے قلب تک آگ پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا اسے مت جلا یہ پہلے ہی میری محبت میں جل چکی ہے۔

۹۔ بعض کو دوزخ میں داخل کرنے کے بعد نکال لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔

حل لغات: الامتحاش بمعنی جلا ہوا ہونا۔ حمم حممۃ (بالضم) کی جمع ہے بمعنی کوئلہ۔[1]

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائے گا دوزخ سے ان بندوں کو نکال لو جن کے دل میں رائی برابر ایمان ہے جب انھیں نکالا جائے گا تو وہ کالے سیاہ ہوں گے حکم ہوگا انھیں نہر الحیاۃ میں پھینک دو۔ تو نہر الحیات میں ایسے پروان چڑھیں گے جیسے سیلاب کے کنارے دانہ اُگتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ ایمان و تقویٰ ہے۔ اور یہ دونوں قلب کی صفات ہیں۔ جب انسان مقامِ نفس سے بھاگ کر مقامِ قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو دنیا و آخرت کے ہر قسم کے دکھ درد سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے ورنہ اسے کئی قسم کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

حکایت: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ ایک دن حمام میں داخل ہے تو سخت گرمی کی وجہ سے آپ کی چیخ نکلی تو حمام کے چاروں کناروں سے آواز سنائی دی کہ اے بایزید جب تک ہم نے تمھیں عذاب دنیا میں مبتلا نہ کیا تو نے ہمیں یاد نہ کیا اور نہ ہی ہم سے فریاد چاہی۔

سبق: اس میں اشارہ ہے غلطی کا تدارک وہ قابل قبول ہے جو اپنے اختیار سے ہو اور ایمان وہی قبول ہے جو درد تکلیف میں ہو ورنہ جب وقت ہاتھ سے نکل جائے تو پھر کوئی فائدہ نہیں ہوتا ایسے ہی قوم ثمود اگر وقت تکلیف میں ایمان قبول کر لیتے تو صاعقہ کے عذاب سے بچ جاتے۔

تو پیش از عقوبت در عفو کذب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ: بس اسے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا۔ جب ڈنڈا سر پر پڑا اس وقت فریاد کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

فائدہ: کافر مرتا ہے تو اس پر عذاب کے فرشتے اُترتے ہیں مؤمن مرتا ہے تو ملائکہ اس کا مصافحہ کرتے ہیں۔

---

[1] قاموس ۱۲

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ○ حَتّٰى إِذَا مَا جَآءُوهَا
شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○
وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوٓا أَنطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيٓ أَنطَقَ
كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ
أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلٰكِن
ظَنَنتُمْ أَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي
ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدٰىكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخٰسِرِينَ ○ فَإِن
يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ○
وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ
وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ ○

ترجمہ:۔ اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف ہانکے جائیں گے تو اُن کے اگلوں کو روکیں گے یہاں تک کہ پچھلے آملیں یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کیوں گواہی دی وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی اور اُس نے تمھیں پہلی بار بنایا اور اسی کی طرف تمھیں پھرنا ہے اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر گواہی دیں تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھاری کھالیں لیکن تم تو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اللہ تمھارے بہت سے کام نہیں جانتا اور یہ ہے تمھارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور اس نے تمھیں ہلاک کر دیا تو اب رہ گئے ہارے ہوؤں میں پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ اُن کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ منانا چاہیں تو کوئی ان کا منانا نہ مانے اور ہم نے اُن پر کچھ ساتھی تعینات کیے اُنھوں نے انھیں بھلا کر دکھایا جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے اور ان پر بات پوری ہوئی ان گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے جن اور آدمیوں کے بیشک وہ زیاں کار تھے۔

بقیہ صفحہ ۳۵۷

وحی موسیٰ علیہ السلام کا نمونہ : موسیٰ علیہ السلام کو اللہ سے وحی ہوئی کہ اسمع یا موسیٰ ما اقول فالحق ما اقول ومنہ من تکبر علی مسکین حشرتہ یوم القیمۃ علی صورۃ الذر ۔ اے موسیٰ علیہ السلام سن میں کیا کہتا ہوں ۔ میں جو کچھ کہتا ہوں حق کہتا ہوں جو مسکین پر بڑائی کرے گا میں اسے قیامت کے دن صورتِ ذرہ پر اٹھاؤں گا ۔

ومن تواضع لعالم رفعتہ فی الدنیا والاخرۃ ۔ جو کسی عالم دین کے سامنے تواضع کرتا ہے میں اسے دنیا و آخرت میں بلند قدر بناؤں گا ۔ ومن رضی بھتک ستر مسلم سترہ سبعین مرۃ ۔

ومن اھان مسلما فقد بارزنی بالمحاربۃ ومن آمن بی صافحتہ الملائکۃ فی الدنیا والاخرۃ جھرا ۔ جو کسی مسلمان کی ہتک (بے عزتی) سے خوش ہے میں اس کی ستر بار بے عزتی کروں گا اور جو کسی مسلمان کی اہانت کرتا ہے تو وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے اور جو مجھ پر ایمان لاتا ہے اس کا فرشتے مصافحہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس امر کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہو ۔

تفسیر عالمانہ :۔ ویوم یحشر اعداء اللہ ۔ اور اس دن کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن حشر میں جمع کیے جائیں گے ۔

حل لغات :۔ الحشر جماعت کو اپنے ٹھکانے سے نکالنا اور وہاں سے جنگ وغیرہ کی طرف لے جانا ۔ اور اس کا اطلاق جماعت کے نکالنے پر ہوتا ہے اور یوم اذکر محذوف سے منصوب ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اے محبوب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قوم کو وہ دن یاد دلائیے جب اللہ تعالیٰ اپنے مذکور اعداء یعنی عاد و ثمود کو محشر کے دن کے لیے جمع فرمائے گا ۔ یہاں یہ معنیٰ نہیں کہ اس کے جملہ اعداء اولین و آخرین جو جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے جیسے ان کے لیے دوسرے مقام پر فرمایا کہ قل ان الاولین والاخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم ۔ فرمائیے بیشک اولین و آخرین کو یوم معلوم میں میقات کی طرف جمع کیا جائے گا اس کی تفصیل آئے گی (انشاء اللہ) تحت آیت ۔ فی امم قد خلت من قبلھم من الجن والانس ۔

فائدہ :۔ انہیں اعداء سے تعبیر کرنا اس کی مذمت کی وجہ سے ہے اور آگاہ کرنا ہے کہ انہیں جو چار سو عذاب گھیر لے گا اس کی علت یہی عداوت ہے ۔ الی النار ۔ موقف حساب کی طرف کیونکہ آنے والی شہادت کا تحقق وہاں ہوگا نہ کہ سوال وجواب کے بعد اور ان کو جہنم کی طرف لے جانے کے وقت ۔

فائدہ: نار سے تعبیر یا تو اس لیے کہ ان کے حشر کا انجام کیا ہے یا اس لیے کہ یہ اس کے بعد جہنم میں ہی داخل ہونے والے ہیں یا اس لیے کہ ان کا حساب جہنم کے کنارے پر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی نہیں کرتا اور اس کے نواہی سے نہیں بچتا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اگرچہ ایمان کا دم بھرے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا دوست وہ ہے جو اس پر اور اس کے رسل کرام پر ایمان لائے اور متابعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اوامر بجالائے۔

فائدہ: قیامت میں اولیائے کرام اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت کی طرف جمع کیے جائیں گے ایسے ہی اس کے اعداد نار بُعد اور اس کی جہیم کی طرف دھکیلے جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ: فھم یوزعون۔ پس وہ روکے جائیں گے۔

حل لغات: اہل لغت کہتے ہیں وزعتہ عن کذا بمعنی کففتہ۔ میں نے اسے روکا یعنی ان کے اولین و آخرین سب کے سب روکے جائیں گے تاکہ اکٹھے ہو کر دھکیلے جائیں اس میں ان کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اس میں ان کے عذاب کی طرف بھی اشارہ ہے۔ حتی اذا ما جاؤ ھا۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے ہاں آئیں گے۔ یہ اُن کے جمع ہونے کی غایت ہے یہاں تک کہ ان کے سب کے سب جہنم میں آئیں گے ما زائدہ۔ یہ ان کو شہادت کے وقت کی حاضری کی تاکید کے لیے ہے یعنی ان کا جہنم کے ہاں آنے کے بعد شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ شھد علیھم سمعھم۔ ان پر ان کے کان گواہی دیں گے اس لیے کہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرتے تھے اسی لیے کان ان کے ان گناہوں کی گواہی دیں گے جو اُنھوں نے ان سے بُری باتیں سنیں۔ سمع کو مفرد لانا اس لیے ہے کہ وہ مصدر ہے (اور مصدر میں واحد و جمع کا کوئی فرق نہیں) و ابصارھم۔ اور ان کی آنکھیں ان اُمور کی گواہی دیں گی جو ان کو حرام کے دیکھنے پر لگایا تھا۔ و جلودھم۔ اور ان کے چمڑے ان اُمور کی گواہی دیں گے جو ان سے ممنوع اُمور کو چھوا تھا۔ الجلد بمعنی چمڑا۔ بعض نے کہا اس سے اعضاء مراد ہیں۔

فائدہ: سب سے پہلے سیدھا ہاتھ گواہی دے گا۔ بما کانوا یعملون۔ اس کی جو دنیا میں عمل کرتے تھے بعض نے کہا کہ ہر عضو اس کی گواہی دے گا جو عمل اس سے متعلق تھا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ ہر عضو جملہ اُمور کی گواہی دے گا۔ ما موصولہ سے ان کے جملہ بُرے اعمال مراد ہیں۔ وہ کفر ہو یا دیگر معاصی۔

فائدہ: گواہی یوں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بولنے کی قدرت بخشے گا ان کا بولنا کوئی عجوبہ بھی نہیں کیونکہ زبان بولتی ہے تو وہ بھی اس کی دی ہوئی قدرت سے ورنہ یہ بھی تو ایک عضو ہے ۔ علاوہ ازیں وہ قادر درختوں کو اور جس بکری میں زہر مل گئی تھی بولنے کی طاقت دے سکتا ہے تو ان اعضاء کو بولنے کی قدرت دے دے تو وہ کون سی بڑی بات ہے ۔

مسئلہ: اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں بولنے کی قدرت پیدا کرے گا کیونکہ حیات وقدرت وعقل کے لیے جسم سے متعلق ہونے کی شرط نہیں جیسا کہ معتزلہ نے ایسی شرطیں لگائی ہیں ۔

اور حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بولنے کی طاقت دے گا لیکن یہ نہیں یہ اعضاء اس کلام کے آلات ہوں گے اور نہ ہی بولنے کے لیے قدرت وارادہ کا آلہ ہونا شرط ہے اگر یہ شرط ہو تو مجرم اس سے بولتے ہی نہ کیونکہ وہ تو ایسی باتوں کے اظہار سے کراہت کریں گے ۔ ہاں وہ اعضاء حقیقۃً بولیں گے اور وہ خود قدرت وارادہ سے موصوف ہوں گے[1] (اس میں تامّل کی دعوت ہے)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیوں ہنسے ؟

مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن ایسے ہنسے کہ آپ کے اندر والے دانت (داڑھ) کھل گئے ۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے میں کیوں ہنسا ۔ عرض کی گئی ۔ فرمایئے آپ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن بندے کے اللہ تعالیٰ سے جھگڑنے پر ہنسا ہوں ۔ جب وہ کہہ رہا ہو گا کہ یا اللہ کیا تیرا وعدہ نہ تھا کہ تجھ پر ظلم نہ کروں گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں تو تو کیا کہتا ہے عرض کرے گا میں تو اس وقت اپنی ذات کو ہی اپنی گواہ تسلیم کروں گا کسی دوسرے کی گواہی مجھے قبول نہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اور میرے فرشتے ہی تیری گواہی کے لیے کافی ہیں ۔ عرض کرے گا مجھے ظلم سے پناہ دے ہم مجھے تو اپنی ذات کی گواہی چاہیئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر مہر لگا دے گا تو اس کے اعضاء اس کے کرتوت بیان کرنے لگ جائیں گے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پھر اپنے اعضاء کو کوسے گا کہ تمہیں خرابی ہو میں تو تمہاری وجہ سے جھگڑ رہا تھا ۔ تم بھی میرے دشمن نکلے ۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ قیامت میں جماد بھی حیوان ناطق ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان ۔ بیشک آخرت ہی حیات کی دار ہے ۔ وقالوا لجلودھم ۔ اور وہ اپنے چمڑوں کو جھڑکتے ہوئے کہیں گے لم شھدتم علینا ۔ تم نے ہم پر کیوں گواہی دی

---

[1] حواشی السعدی المفتی ۱۲ ؛ اویسی غفرلہٗ ؛

جمع ذو العقول کا صیغہ ایسے ہی قالوا انطقنا میں اس لیے ہے کہ وہ اُس وقت سوال و جواب عقلاء کی طرح کر رہے ہوں گے اور اُن کی شہادت ایک عجوبہ بنی ہے اور اُن کے حال سے بعید تر ہے کیونکہ وہ بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے لیکن فر فر کرکے بول رہے ہوں گے اور اعضاء کی تخصیص بھی اسی لیے ہے کہ وہ اس کام کے نہ تھے ورنہ سمع و بصر میں تو بظاہر ادراک ہوتا ہے اور ادراک شہادت کے لیے لازم ہے اور وہ شہادت یا دیکھنے سے ہوتی ہے یا سننے سے اور ادراک لمسی (ہاتھ لگانا وغیرہ) کو شہادت سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے انھیں جلود (چمڑے وغیرہ) کی گواہی سے انھیں تعجب ہوگا۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جلود سے یہاں فروج مراد ہیں اس لیے کہ یہ بھی چمڑا تو ہی ہیں اور یہ گواہی انہیں موزوں تر ہے کہ یہ خود گواہی دیں کہ جو کام ان سے سرزد ہوا مجرم کے لیے اس سے زیادہ رسوائی ہوگی بہ نسبت اس کے کہ اس کی گواہی کان اور آنکھ دیں۔ قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئ۔ کہیں گے ہمیں اُس ذات نے بولنے کی طاقت دی ہے جو ہر بولنے والے کو بولنے کی طاقت دیتی ہے یعنی واقعہ بیان کرنے کے لیے ہمیں وہی ذات بولنے کی قدرت دے رہی ہے کہ ہم تمہارے ان کرتوتوں کی گواہی دیں جن کو تم نے ہمارے ذریعہ سے ارتکاب کیا۔

فائدہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ارواح و اجسام برابر ہیں چاہے تو وہ ارواح کو اجسام کی طرح بہرے، گونگے، اندھے بنا دے کہ نہ کچھ سمجھیں نہ کچھ جانیں اور چاہے تو اجسام کو ارواح کی صفت بخش دے تو وہ اجسام بولیں اور سنیں اور دیکھیں اور سمجھیں۔ وھو خلقکم اول مرۃ۔ وہ ذات جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا یعنی عدم سے وجود میں لایا۔ والیہ ترجعون۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یعنی جو ذات تمھاری تخلیق و انشاء پر بار اول اور پھر تمھارے اماتے اور حساب و جزا کے لیے بار دوم لوٹانے کی قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ وہ اعضاء کو بولنے کی طاقت دے اس سے تمھیں تعجب کیوں۔

فائدہ:۔ جلالین (تفسیر) میں ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے جو انھیں ان کی اصلی حقیقت کی خبر دے رہا ہے یہ اعضاء (جلود) کا کام نہیں۔

سوال:۔ یہ گفتگو تو بعد البعث و الرجع (یعنی آخرت میں لوٹائے جانے والے) کے بعد ہوگی تو پھر صیغہ مضارع کیوں؟

جواب:۔ اس رجوع سے صرف مرنے کے بعد اٹھنا مراد نہیں بلکہ مطلق رجوع مراد ہے وہ یہ کہ آگے آنے والے عذاب و تکالیف بھی ہوں گی تو وہ بھی رجوع میں شامل ہے اس معنی پر تغلیب المتوقع علی الواقع ہے علاوہ ازیں آیت کے فواصل کا تقاضا بھی یہی ہے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب و غریب تحقیق

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ علم کلام میں ثابت ہو چکا کہ حواس مخصوصہ کو ادراکات مخصوصہ کے لیے پیدا فرمایا ہے مثلاً سمع کو اصوات کے لیے ذوق کو طعوم کے لیے اور شم کو روائح کے لیے لیکن یہ ادراک محض تخلیق ربانی پر منحصر ہے اس میں حواس کی اپنی تاثیر کا کوئی دخل نہیں اسی لیے ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر قوت باصرہ میں ادراک اصوات پیدا فرما دے تو ممکن ہے اگرچہ فی الواقع ایسے نہ بھی ہو وغیرہ وغیرہ۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر کلام الٰہی سنتے تھے تو وہ ہر جانب سے برابر سنتے تھے۔ ایسے ہی شب معراج حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رؤیت باری تعالیٰ کا حال ہے کہ آپ کا جسم مبارک ہی ہر جانب سے ذاتِ حق کو دیکھ رہا تھا۔ ایسے ہی زبان کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کے لیے بنایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو انسان کے بدن سے رونگٹے رونگٹے میں بولنے کی قدرت بخش دے تو ممکن ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حیوۃ و نطق کی نعمت سے نوازا ہے تو اس کا رونگٹا رونگٹا حیوۃ و نطق سے موصوف ہو تو کیا حرج ہے اس لیے یہ حیوۃ و نطق کی صفت حقیقی سے موصوف ہے بلکہ ہم تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عالم کائنات کے ذرے ذرے کو اس کے حال کے لائق حی و ناطق بنایا ہے۔ اسے صرف بنی آدم سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں مؤذن کی اذان کی ہر خشک و تر (خس و خاشاک) گواہی دے گا۔ اور یہ گواہی نطق سے ہی ہوگی نہ کہ صرف علم و تعقل سے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اعضاء کی گواہی سے ڈرتا رہے ایسے ہی ہر مکان و زمان کی گواہی سے ڈرنا چاہیئے۔

ہر دن ہمارا گواہ: حضرت علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ دنیا کا ہر نیا دن آتے ہی اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو میں نیا دن ہوں تمہارے پاس آیا ہوں۔ یاد رکھو میرے میں جیسا عمل کرو گے میں قیامت میں اس کی گواہی دوں گا۔ جب سورج غروب کرے گا اس وقت میں چلا جاؤں گا۔ پھر میں تمہیں قیامت میں ہی ملوں گا۔

حضرت صائب مرحوم نے فرمایا ؎

غبار قافلہ عمر چوں نمایاں نیست

دو رسیہ رفتن لیل و نہار را دریاب

ترجمہ: جب زندگی کی اڑتی غبار نمایاں نہیں تو تُو تیز رفتار لیل و نہار کی سواری کا دامن نہ چھوڑ۔

تفسیر عالمانہ: وما کنتم تستترون ان یشھد علیکم سمعکم والابصارکم ولا جلودکم۔ اور تم نہیں چھپتے تھے اس سے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے تم پر گواہی دیں گے۔

ان یشھد۔ منصوب بنزع الخافض ہے کہ دراصل من ان یشھد الخ تھا اس لیے کہ استتر متعدی بنفسہٖ نہیں ہوتا یا بتقدیر المضاف کی جگہ پر ہے کہ دراصل مخافۃ ان یشھد الخ تھا اور لا ہر دونوں جگہ پر زائدہ نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ یہ اس کی حکایت ہے کہ قیامت اعلاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا یہ انھیں توبیخ اور زجر کے طور پر ہوگا جو انھیں جلود کے ذریعے جواب سنایا جائے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم دنیا میں گناہ کرتے وقت اعضاء کی گواہی سے چھپتے نہیں تھے۔ تمھیں یہ خیال تک نہ تھا کہ یہ بھی تمہارے گناہوں کی گواہی دیں گے کیونکہ تم سمجھتے تھے کہ یہ خاموش اجسام ہیں ان کو بولنے سے کیا کام اسی لیے ارتکاب گناہ کے وقت یہ تصور نہ تھا کہ ان سے چھپ کر گناہ کریں جیسے لوگوں سے۔ پس دیوار اور پردوں میں اور رات کی تاریکی میں گناہ کر لیتے تھے ان سے اسی لیے چھپتے تھے کہ ان کے سامنے رسوائی نہ ہو بلکہ اے کافرو! تم تو سرے سے مرنے کے بعد اٹھنے اور گناہوں کی سزا کے منکر تھے چہ جائیکہ تمھیں خیال آتا کہ یہ اعضاء بھی گواہ ہوں گے۔

سبق: اس میں اہلِ ایمان کو تنبیہہ ہے کہ اس پر کوئی ایسا وقت نہ گزرے جس میں اس کا خیال یہ نہ ہو کہ قیامت میں میرا حساب ہوگا اور میرا اللہ ہر وقت میرے ساتھ ہے اور وہ میرا ہر حال جانتا ہے۔

حدیث شریف: بہترین ایمان یہ ہے جس میں عقیدہ ہو کہ میں جہاں ہوں میرا خدا میرے ساتھ ہے۔

یار باتست ہر کجا ہستی
جائے دیگر چہ خواہی اے اوباش
با تو در زیر یک گلیم چو اوست
پس برو اے حریف خود را باش

ترجمہ: یار تیرے ساتھ ہے جہاں تم ہو۔ اے اوباش دوسری جگہ سے کیوں تلاش کرتا ہے۔
وہ تو تیری کمبل میں ہے تو پھر جا اپنا حریف خود ہو۔

سبق: دانش مند پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کی حفاظت کرے۔ حساب کے وقت سے پہلے اپنا حساب صحیح کرے۔

عرائس البیان کا بیان: امام البقلی نے عرائس البیان میں لکھا کہ جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو گناہ کے آثار اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں جنہیں وہ چھپا نہیں سکتا ہے اگر اس کا احساس ہو تو اس پر ظاہر ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ سے پوشیدگی میں اتنا بخشش مانگے یہاں تک کہ اس کے نشانات مٹ جائیں کہ اُسے ہر صاحب نگاہ سمجھے کہ اس پر گناہ کے آثار ختم ہیں۔

فائدہ:۔ حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو گناہ کے ارتکاب کے وقت یہ خیال نہیں کرتا کہ اعضا میرے گناہ کی گواہی دیں گے تو وہ گناہ پر اور جرأت کرتا ہے۔ اگر کسی کو اس کا تصور آجاتا ہے تو وہ آئندہ یا اسی وقت گناہ کے ارتکاب سے بچ سکتا ہے۔ بلکہ توفیق الٰہی اور عصمت ربانی اسے گناہ سے مانع ہوں گی پھر نہ وہ دنیا کی فضیحت میں مبتلا ہوگا نہ آخرت کی نار میں جائے گا اور نہ اُسے کسی قسم کی عار لاحق ہوگی۔ ولکن ظننتم اور چھپ کر گناہ کرتے وقت تمہارا یہ گمان تھا ان اللہ لا تعلم کثیرا مما تعلمون بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا یعنی جتنا تم گناہ چھپ کر کر رہے ہو ان میں وہ قیامت میں ظاہر نہیں فرمائے گا۔ اسی لیے تم گناہوں پر جرأت کر رہے ہو۔

عقیدۂ فلاسفہ:۔ اس میں فلاسفہ کے اس غلط عقیدہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں[1]۔

مسئلہ:۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت جوارح کو علم دے گا جس کی وجہ سے وہ گواہی دیں گے نہ یہ کہ وہ پہلے سے گواہی کے مطابق علم رکھتے ہوں گے جس پر وہ گواہی دیں گے۔

فائدہ:۔ کثیر کی تعداد اس لیے ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ امور کو نہیں جانتا۔ صرف ان اُمور کو جانتا ہے جو ظاہر سے متعلق ہیں۔

شانِ نزول:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کعبہ معظمہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا دیکھتا ہوں کہ تین آدمی آئے دو بنو ثقفی اور ایک قریشی تھا یا دو قریشی اور ایک ثقفی تھا۔ بعض نے کہا ثقفی۔ عبد یالیل اور قریشی اس کے قریبی رشتہ دار یعنی داماد ایک ربیعہ دوسرا صفوان بن اُمیہ تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ کیا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے دوسرے نے کہا جو ہم کھل کر عمل کرتے ہیں وہ جانتا ہے اور جو چھپ کر کرتے ہیں وہ نہیں جانتا میں نے ان کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی تو یہی آیت نازل ہوئی۔

---

[1] ایسے ہی وہابی دیوبندی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماکان ومایکون کے عالم تو ہیں لیکن ان کے جزئیات نہیں جانتے۔ اویسی غفرلہٗ

فائدہ: آیت میں جن لوگوں کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے وہ خصوصیت سے ان کا مورد ہوگا جو نذکور ہوئے اور ظن کا عموم المجاز معنیٰ ہے جو اپنے حقیقی معنیٰ اور جو اس کے قائم مقام ہے دونوں کو شامل ہے جیسے یحسب ان مالہ اخلدہ۔ اسے گمان ہے کہ اس کا مال اسے باقی رکھے گا۔ یہ اس کو شامل ہے جو اس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے اور دوسرے کافروں کو بھی جو اس کے اس عقیدہ میں شریک ہوں[1]۔

وذلکم ۔ اے کافرو! تمہارا وہ گمان ۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر ہے ظنکم الذی ظننتم بربکم۔ تمہارا وہی گمان ہے جو تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو جملہ کلیات وجزئیات کو جانتا ہے کیونکہ وہ اپنے جملہ اسماء وصفات کے ساتھ جملہ موجودات میں جلوہ گر ہے وہ تمہارے اعمال و اعراض وجواہر کا خالق اور جملہ بواطن وسرائر ظواہر کی طرح سے آگاہ ہے۔

فائدہ: دونوں عنوان کا تغایر ظاہر ہے اس لیے کہ عدم علم اللہ تعالیٰ کا ظن ظن بالرب کا غیر ہے اس لیے اس کا خبر واقع ہونا صحیح ہوا۔

اردٰکم :۔ یہ دوسری خبر ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے جہنم کی آگ میں ڈال کر تمہیں تباہ وبرباد کرے گا۔

فاصبحتم من الخسرین تو تم خسارہ والوں سے ہو جاؤ گے کیونکہ وہ قوت عاقلہ جو انہیں سعادت دارین کیلئے عطا فرمائی گئی وہی شقاوۃ دارین کا سبب بن گئی تو لامحالہ وہ خاسرین سے ہو گئے۔ ان کا آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہے اور دنیا کی شقاوت کا ظہور بھی واضح ہے کہ وہ قوتِ عاقلہ جو انھیں سعادتِ دارین کے لیے عطا ہوئی تھی اُنہوں نے اسے اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے جہل مرکب اور اتباع شہوات وارتکاب معاصی میں صرف کر دی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خاسرین بایں معنی ہیں کہ وہ بیج ارواح جو ان کے اجسام کی زمین میں ڈالا گیا تھا اس سے اُنہوں نے گھاٹا پایا کہ اُن کی زمین میں ایمان کا پانی نہ پہنچ سکا اور نہ ہی اعمال صالحہ سے سرسبز ہو سکے اسی لیے ان کے اجسام کو صم بکم عمی فھم لا یعقلون سے موصوف ہونا پڑا۔

فائدہ: بحر العلوم میں ہے کہ الخاسرین سے یہاں کاملین فی الخسارہ مراد ہیں کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی کی اور اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کرنا اکبر الکبائر دکفر[2] ہے۔ ایسے ہی حب دنیا بھی بہت بڑا کبیرہ

---

[1] الارشاد ۱۲۔

[2] ایسے ہی انبیاء علیہم السلام پر بدگمانی کفر ہے (عینی شرح بخاری) اویسی غفرلہٗ۔

گناہ ہے۔

فائدہ :۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس قوم کو دنیوی خواہشات ایسا گھیر لیں کہ مرتے دم تک کوئی فرصت نہ دیں تو انہیں کسی قسم کی بھلائی نصیب نہ ہوگی۔ جو کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ میرا اللہ تعالیٰ پر حسن ظن ہے تو وہ جھوٹا ہے اگر نیک عمل نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن ہوتا تو وہ نیک اعمال بجالاتا۔ اس کی تائید میں آپ نے پڑھا۔ و ذلکم ظنکم الخ۔

فائدہ :۔ گمان دو قسم ہے :۔

۱۔ منجی (نجات دہندہ) وہ یہ کہ جس میں عقیدہ صحیح اور اعمال صالحہ ہو۔

۲۔ ہلاک کرنے والا۔ وہ جو اس کے برعکس ہو۔

سبق :۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ نیک عقیدہ اور نیک اعمال میں سعی کرے ؎

زریں درگاہ ہیچکس ضائع نمی گردد
بقدر آنچہ فرمان می بری فرمان روا گردی

ترجمہ :۔ اس درگاہ میں کسی کی کمائی ضائع نہیں جاتی حکم جس قدر مانے گا اس قدر فرمانروا ہوگا۔

تفسیر عالمانہ :۔ فان یصبروا ۔ پس اگر جہنم میں صبر کریں گے اور فریادزاری نہ کریں گے اور نہ جہنم کی آگ سے جزع فزع کریں گے۔ اس انتظار میں کہ انہیں نجات ملے گی کیونکہ ان کو خیال ہوگا کہ الصبر مفتاح الفرج۔ صبر نجات کی چابی ہے۔ فالنار مثوی لھم ۔ تو بھی جہنم ان کا ٹھکانہ ہے یعنی جہنم ان کے ٹھہرنے اور اقامت کی جگہ ہے ان کے لیے دائمی طور پر مقدر کی گئی ہے کہ کسی وقت بھی انہیں اس سے نجات نصیب نہ ہوگی اسی لیے ان کا صبر انھیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ صیغہ غیب کی طرف التفات میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا ذلیل و خوار ہیں کہ وہ اس لائق نہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے اور اشارہ ہے کہ وہ نار جحیم کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وان یستعتبوا اور اگر وہ عقبیٰ یعنی رجوع کی طلب کریں یعنی وہ جزع فزع کرکے اپنے مطالبہ کے منوانے کا سوال کریں فما ھم من المعتبین تو بھی وہ ان لوگوں سے نہیں کہ ان کے رجوع کے مطابق ان کی بات مان لی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کا صبر اور جزع فزع وہاں برابر ہوگا کسی سے بھی انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی وہ عذابِ قبر سے نجات پا سکیں گے اس کی نظیر آیت سواء علینا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محیص (ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں ہمیں چھٹکارا نہ ملے گا) ہے۔

لے اج الصادر ۱۲ :

الاعتاب بمعنی خوشنود کرنا الاستعتاب بمعنی کسی سے اپنا حق مانگنا کہ وہ اسے
حل لغات: خوش کرے اور بمعنی صلح چاہنا[1]۔ العتبیٰ سے ہے بمعنی الرضیٰ (خوشنودی)۔ اہل لغت
کہتے ہیں استعتبہ بمعنی اعطاہ العتبیٰ۔ اسے رضامندی بخشی جیسے اعتبہ بمعنی اسے رضامندی دی اور بمعنی
اس سے رضامندی چاہی[2]۔

نیز اہل لغت کہتے ہیں اعتبتہ بمعنی ازلت عنہ عتبہ۔ میں نے اس سے عتاب کو ہٹایا جیسے اشکیتہ
میں نے اس سے شکایت زائل کی۔ اسی سے ہے فماھم من المعتبین۔ والاستعتاب بمعنی کسی سے چاہے
کہ اس کا عتاب کا ذکر کر کے اس سے رجوع کرے۔ العتب سے ہے بمعنی شدت اور سامرمل کردہ اور دہ سختی
جو کوئی اپنے غیر پر اپنے دل میں محسوس کرے[3]۔

وقضینا لھم: اور ہم نے مسلط کیا۔

التقییض بمعنی مقدر کرنا اور سبب بنانا بمعنی ہم نے مقدر کیا اور کافروں کے لیے
حل لغات: ملا یا قرناء۔ ساتھی قرین کی جمع ہے۔ اس سے اس کے کافروں کے وہ ساتھی جو
شیاطین وانس وجنات میں سے ہیں اور ان پر وہ دوست ہیں مسلط ہیں جیسے انڈے پر چھلکا۔ القیض
بمعنی انڈے کا اوپر والا چھلکا۔

اس میں قدریہ (فرقہ) کا رد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عام اختیار دے رکھا تھا کہ جو چاہیں اختیار
فائدہ: کریں۔ انہوں نے اپنے اختیار سے برے ساتھی اختیار کیے فزینوا لھم تو ان کے برے
ساتھیوں نے ان کے لیے سنگار سے۔ مابین ایدیھم۔ جو ان کے آگے تھا امور دنیا میں سے اور اتباع
شہوات میں سے وما خلفھم اور جو ان کے پیچھے تھا۔ امور آخرت میں سے مثلاً یہ پٹی پڑھائی کہ مرنے کے
بعد اٹھنا کیسا اور کاہے کا حساب اور آخرت کی سزائیں کہاں۔

مابین ایدیھم۔ امر دنیا مراد لینا ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ قدمت المائدۃ بین ایدیہم
فائدہ: میں نے دسترخوان اس کے سامنے کر دیا۔ اور آخرت کو خلفھم سے تعبیر کرنا اس لیے ہے کہ وہ اس
کے بعد واقع ہوگی جیسے اس شخص کے لیے جو کسی کے بعد آئے تو کہا جاتا ہے انہ خلفہ (بیشک وہ
اس کے پیچھے ہے۔) اور یہ ترتیب وجودی کے عین مطابق ہے۔

بعض نے کہا کہ مابین ایدیھم سے آخرت مراد ہے اس لیے کہ یہ گویا ان کے آگے
اعجوبہ: ہے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہیں اور ما خلفھم سے دنیا مراد ہے اس لیے کہ وہ اسے پیچھے

---

[1] تاج المصادر ۱۲؛ [2] القاموس ۱۲؛ [3] المفردات ۱۲؛

چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عرائس البیان میں ہے کہ نفس نے شہوات کو سنگارا اور شیاطین نے انہیں حاصل کرنے پر ابھارا۔ یہی ما بین ایدیھم وما خلفھم۔ اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفس حق سے کبھی مانوس نہیں ہوتا اور حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نفس شیطان کا دوست ہے اور اس کا ساتھی اور فرمانبردار جس کا مشورہ شیطان دیتا ہے نفس اسے کر گزرتا ہے۔ نفس حق سے دور اور متنفر بلکہ مخالف رہتا ہے کبھی بھی اس سے اسے الفت نہ ہوگی اور نہ ہی اس کی اتباع کرے گا۔ اور یہاں ما بین ایدیھم سے طول امل اور وما خلفھم سے نسیان ذنوب مراد ہے۔

در سر ایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست
آشیاں کرد مارے در کبوتر خانہ

ترجمہ:۔ طول امل غافلوں کے دل میں ایسے ہے جیسے سانپ کا کبوتر خانہ میں بسیرا۔

تفسیر عالمانہ: وحق علیھم القول۔ اور ان پر بات ثابت ہو گئی یعنی کلمۂ عذاب ان کے لیے لازم ہو گیا کیونکہ اس کے موجبات و اسباب ان میں ثابت ہو گیا تو لازماً عذاب بھی ان کے لیے ثابت ہو گیا اس سے لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین وغیرہ مراد ہے یعنی میں تجھ سے اور تیرے فرمانبرداروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ فی امم۔ یہ ضمیر مجرور سے حال ہے یعنی یہ بھی منجملہ ان کے ہیں جو امتیں پہلے گزری ہیں۔ بعض نے کہا یہاں فی بمعنی مع ہے۔

فائدہ: اس سے صراحۃً ثابت ہوا کہ یہاں اعداء اللہ سے صرف عاد و ثمود مراد ہیں نہ کہ جملہ کفار اولین و آخرین۔ قد خلت۔ یہ اُمم کی صفت ہے یعنی تحقیق وہ گزرے من قبلھم من الجن والانس۔ ان سے پہلے جن اور انس کفر اور عصیان پر ان کافروں کی طرح انھم کانوا خاسرین۔ بے شک تھے وہ خسارہ والے۔ یہ ان کے استحقاق عذاب کی علت ہے اور ھم کی ضمیر اولین و آخرین کفار کی طرف راجع ہے۔

نہ نقد معرفت امروز مفلس
نہ سود آخرت فردا تہی دست

ترجمہ:۔ آج نقد معرفت سے مفلس آدمی کل آخرت کے نفع سے خالی ہاتھ ہو گا۔

جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر ایسے ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اسے طاعت و عبادت پر معاونت کرنے اور نیکی کی دعوت دیتے ہیں۔

صحبت صالح ترا صالح کند

جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر برے ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اسے مخالفت حق پر اُبھارتے اور بُرائی کی دعوت دیتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک شیطان بھی ہے جو انسان پر مسلط ہو کر وسوسہ ڈالتا ہے اور اس سے بدتر نفس امارہ ہے جو آج اسے ایسے امور کی طرف بلاتا ہے جو اس کی تباہی و ہلاکت کا موجب ہیں لیکن کل پھر یہی اس کی برائیوں کا گواہ بھی ہوگا۔

وحی داود علیہ السلام کا نمونہ: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد اپنے نفس سے دشمنی کر اس لیے کہ یہ تمھاری دشمنی پر کمربستہ ہے۔[1]

حدیث شریف ما: میں ہے کہ وجعلنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔ ہم جہاد اصغر سے لوٹ کر جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں۔[2]

حدیث شریف م۲: میں ہے کہ جو نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی رکھتا ہے کل قیامت کے عذاب سے اللہ تعالیٰ اسے امن دے گا۔

نفس دشمنی کا نمونہ: حضرت ابو علی دقاق قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ آپ نے خود کو کیسا پایا فرمایا کہ اگر پچاس سال مجھے مل جاتے اور مجھے ساتوں طبق روئے زمین اور ساتوں طبق روئے آسمان کی مجھے سیر نصیب ہو تب بھی مجھے ملک مقرب کے سامنے منہ دکھانا آسان نہ ہوگا اور نہ ہی مجھے اس زمین پر حلال چیز پر قدرت کا دعویٰ ہوگا یعنی جس صفت کا ذکر ہوا ہے اس سے ایک شخص موصوف تھا بوقت نزع رُوح اس کے سامنے ٹھنڈا پانی لایا گیا تاکہ وہ جگر کی گرمی کو ٹھنڈا کریں۔ فرمایا یہ وہ وقت نہیں کہ نفس دشمن کو خوش کروں کیونکہ یہ جونہی ٹھنڈا پانی پی کر قوت پائے گا سب سے پہلے مجھ پر حملہ کر کے مجھے تباہ و برباد کرے گا اسی لیے مجھے ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہیں ؎

نفس اژدہا ست او کے مردہ است
از غم بے آستی افسردہ است

ترجمہ: نفس اژدہا ہے وہ کب مرتا ہے یہ اسباب کے نہ ہونے کی وجہ سے مغموم و افسردہ ہے۔ (بقیہ ص۳۷۲)

---

[1] کشف الاسرار ۱۲
[2] کشف الاسرار ۱۲
[3] کشف الاسرار ۱۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
تَغْلِبُوْنَ ○ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ
اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ
فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا
لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا
تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ
وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا
مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○

ترجمہ:۔ اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بیہودہ غل کرو۔ شاید یوں ہی تم غالب آجاؤ تو بیشک ضرور ہم کافروں کو سخت عذاب چکھائیں گے اور بیشک ہم ان کے بُرے سے بُرے کام کا انہیں بدلہ دیں گے یہ ہے اللہ کے دشمنوں کا بدلہ آگ اسمیں انھیں ہمیشہ رہنا ہے سزا اس کی کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے اور کافر بولے اے ہمارے رب ہمیں دکھا وہ دونوں جن اور آدمی جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا کہ ہم انھیں اپنے پاؤں تلے ڈالیں کہ وہ وہ ہر نیچے سے نیچے رہیں۔ بیشک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے ہم تمھارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمھارے لیے ہے اس میں جو تمھارا جی چاہے اور تمھارے لیے اس میں ہیں جو مانگو مہمانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

گر نبیاید آیتے فرعون او
که بامراد همی رفت آب جو
آنکه او بنیاد فرعونی کند
راه صد موسیٰ و صد هارون زند

ترجمہ:۔ اگر اسے فرعون والے ہتھیار مل جائیں اس کے حکم سے پانی چلے یعنی حکمران بن جائے۔

۲ ۔۔۔جو فرعون کی طرح حکومت کرتا ہے تو موسیٰ و ہارون جیسوں کے راستے بند کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ جب کی یہ کیفیت ہے تو اس کی اصلاح و تزکیہ ضروری ہے تاکہ اس پر قول حق ثابت نہ ہو اور نہ ہی وہ جہنم میں داخل ہونے والوں سے ہو جائے اور خسارہ اصلی یہ ہے کہ اس سے استعداد فطری فاسد ہو جائے جیسے انڈے کے بعض اسباب خراب ہو جائیں یا

جب وہ فاسد ہو جائے گا تو اُس سے نفع پانا ناممکن ہو جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نفع پانے والوں سے بنائے نہ کہ خاسرین سے اور وہ ہماری نفس اور ابلیس بلکہ جمیع شیاطین پر ہماری مدد فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ:۔ وقال الذین کفروا۔ اور رؤسا المشرکین نے اپنے غنڈوں اور اشقیا کو یا ان کے بعض نے بعض کو کہا۔ لا تسمعوا۔ نہ سنو۔ اور کان نہ دھرو۔ لهذا القرآن سننے کے لیے قرآن کی طرف۔ والغوا۔ اور بکواس کرو۔

حل لغات:۔ اللغو۔ بمعنی وہ کلام جو غیر معتبر ہو یعنی وہ گفتگو جو فہم و فکر کے بغیر ہو جو لغاء کے قائم مقام ہوتی ہے۔

لغاء:۔ چڑیوں وغیرہ کی آواز کو کہا جاتا ہے یعنی اس میں وہ باطل کلام لاؤ جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور اس کے بالمقابل خرافات و بکواسات لاؤ یعنی ایسی باتیں لاؤ جو منگھڑت افسانے ہوں جیسے رستم و اسفندیار کے قصے یا اُن کے مقابلے میں گالی بکواس اور بیہودہ اشعار پڑھو اور سیٹیاں بجاؤ اور تالیوں کا شور کرو اور اونچا بولو۔

تاکہ پڑھنے والا پریشان ہو جائے اور جو پڑھے اس میں اسے خلط ہو جائے۔

لعلکم تغلبون۔ اُمید ہے اس طرح سے تم اس کی قرأت پر غلبہ پا جاؤ گے۔ اس کے بعد وہ قرآن کو پڑھنا چھوڑ دے گا اور سننے والا اس کی قرأت نہ سن سکے گا۔ اس سے ان کی تشویش و تلبیس سے مسلمانوں کو اذیت و تکلیف دینا مقصود تھی اور انھیں یہ خوف تھی کہ اگر عوام نے ان کا قرآن سن لیا تو ایمان لے آئیں گے اور یہ طریقہ عموماً ابوجہل اور اُس کے ساتھیوں کا تھا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ نفوس متمردہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ لغو و باطل باتیں گھڑیں اور ہمیشہ بکواسات میں رہیں تاکہ دل الہامات ربانیہ نہ سننے پائے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح سے دل پر غلبہ پا جائیں گے انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو اسرار الغیب کے استماع میں مستغرق ہوتا ہے اسے ماسوی اللہ کی کوئی خبر نہیں ہوتی اور نہ ہی اس پر حدیث نفس اثر انداز ہو سکتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: فلنذیقن الذین کفروا۔ تو بخدا ہم ان کافروں اور لغویات بکنے والوں یا تمام کافروں کو چکھائیں گے۔ عذابا شدیدا۔ ایسا سخت عذاب کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ عذاب کی تنکیر اور اس کی صفت شدید سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ تہدید شدید ہے اس لیے کہ ذوق کا لفظ قدر قلیل کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسے تجربہ کے طور پر عمل میں لایا جاتا ہے تو جب یہ ذوق کا حال ہے تو پھر بڑے عذاب کا کیا حال ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قلوب پر تجلی ڈالتا ہے تو نفوس جل کر فنا پا جاتے ہیں۔ ان میں ان کے اوصاف ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی ان کا عذاب ہے یہ ایسے ہے کہ ارض اسلام میں جزیہ و خراج مقرر کیا جاتا ہے تو پھر جس طرح اہل ایمان کافروں کی ایذاء سے محفوظ رہتے ایسے ہی قلوب نفوس کی شرارتوں سے محفوظ رہتی ہیں کیونکہ ایمان و تسلیم کے ساتھ کفر و اعتراض کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ: ولنجزینھم اسوأ الذی کانوا یعملون۔ اور ہم انہیں ان کے برے کرتوتوں کی وجہ سے سزا دیں گے یعنی ان کے وہ برے اعمال جو ان کے نفوس میں تھے ان کی جزاء برائی ہو گی یعنی جیسے ان کے کردار بدتر ہوں گے تو ویسے ہی ان کی سزا بھی سخت تر ہو گی۔

ازالۂ وہم: یہاں اسوأ سے مطلق زیادتی مراد ہے اس کی اضافت بیانیہ اور تخصیصیہ ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ عذاب شدید بدر میں ان کی شکست اور رسوائے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ ذلک وہ سزا جو مذکور ہوئی وہ مبتدا ہے اور اس کی خبر جزاء اعداء اللہ ہے یعنی وہ جزاء جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔

النار۔ جہنم کی آگ ہے یہ جزاء سے عطف بیان ہے یا ذلک مبتدا محذوف کی خبر ہے کہ دراصل الامر ذلک الخ ہے اور اس سے مضمون جملہ مراد ہے نہ کہ جزاء اور اس کا مابعد مستقبل جملہ ہے جس کا تعلق ماقبل سے ہے یا النار مبتداء ہے اور اس کی خبر لھم فیھا دار الخلد ہے۔ یعنی ان کا جہنم میں دائمی رہنا ہے یعنی وہی جہنم ان کا دار الاقامہ ہے۔ اس سے وہ کبھی منتقل نہ ہوں گے اور فی و تجرید کے لیے ہے ظرفیہ نہیں اب مطلب یہ ہوا کہ ان سے ایک امر خاص کا انتزاع کر کے دوسرا اس جیسا ان کو دیا جائے گا اس سے مبالغہ مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے یہ تلوار سو سیر لوہے کی ہے۔ بعض نے کہا فی اپنے معنی حقیقی میں ہے یعنی ظرفیت کا معنی دیتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے وہ دار ہے جو مختلف طبقات پر مشتمل ہے جس میں سخت سے عذاب رکھے گئے ہیں اور یہ مخصوص ان کے لیے ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جزاءً بما کانوا بایتنا یجحدون۔ یہ ان کی جزاء آیات کے انکار کی وجہ سے ہے یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب

ہے یعنی مجزاون جزاء الخ پہلی باجزاد سے دوسری بجحدون کے متعلق ہے دعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کی گئی ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ یہ عذاب اس سبب سے جو ہمارے حق آیات کا انکار کرتے یا ان میں لغویات بکتے تھے ۔ جحود کا ذکر اس لیے ہے تا کہ معلوم ہو کہ لغو کا سبب بھی ہے ۔

وقال الذین کفروا ۔ اور کہیں گے وہ کافر جو اس عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔

ربنا ارنا الذین اضلانا من الجن والانس ۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ جن وانس دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا یعنی وہ شیاطین جنہوں نے مکر و فریب سے ہمیں گمراہی پر اکسایا تھا وہ جن ہیں یا انس اس لیے کہ شیطان جیسے جنات سے ہوتے ہیں ۔ ایسے ہی انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شیاطین الانس والجن اور فرمایا من الجنۃ والناس ۔ بعض نے کہا اس سے قابیل مراد ہے جس نے ناحق قتل کا طریقہ جاری کیا اور جنات میں سے ابلیس مراد ہے جس نے کفر و شرک کا طریقہ جاری کیا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھوں نے ہمیں گمراہ کیا کہ کفر و معصیت کا طریقہ جاری کیا[۱] ۔ اس تفسیر کی تائید حدیث مرفوع سے ہوتی ہے ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو قتل کا گناہ پہلے قابیل کے نام لکھا جاتا ہے اس لیے کہ اس نے سب سے پہلے ناحق قتل کا طریقہ جاری کیا[۲] ۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ قابیل کی پنڈلیاں باندھ کر اس کی رانوں سے ملا کر سورج کے ساتھ گھمایا جاتا ہے سردیوں میں برف خانے میں اور گرمیوں میں گڑھے میں ڈالا جاتا ہے ۔

نجعلھما تحت اقدامنا ۔ ان سے انتقام کے طور انہیں اپنے قدموں تلے ڈال کر روند دیں گے لیکونا من الاسفلین تا کہ ہو جائیں ذلیل ترین مخلوق سے یا انہیں جہنم کے نچلے طبقے میں پھینکیں تا کہ اس سے ہمارا دل ٹھنڈا ہو کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں پڑ کر سخت عذاب میں مبتلا ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جب انوار تجلی سے نفوس اپنے اوصاف سے فنا اور قلوب کی حلاوت کا ذائقہ پاتے ہیں تو اپنے رب سے باقی اوصاف شیطانیہ وحیوانیہ پر مطلع ہو جاتے ہیں جو کہ یہی اوصاف اُن جبلی ہیں پھر وہ چاہتے ہیں کہ وہ ان پر غلبہ پا کر اپنی ہمت کے قدموں کے تلے دے کر انہیں فنا کر دیں اور ان کے ذریعے مقامات قرب میں پہنچیں تا کہ پھر وہ نیچے اور خود اُوپر ہو جائیں اس طرح سے ایک مقام سے دوسرے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی ہوتی ہے ۔ اس لیے کہ جب تک پہلا مقام طے نہ ہو گا دوسرے اعلیٰ مقام تک پہنچنا کیسے نصیب ہو گا ۔ ایسے ہی انتہائی مقام تک پہنچنا ہوتا ہے ۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ اس بارہ میں جد و جہد کرے یہاں تک کہ نفس کو فنا کر کے دنیا سے نکل جائے ۔ اگر اس میں کچھ بقا کی بو ہو گی تو منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہو گا ۔ اگر نفس کو فنا کر کے

---

[۱] معین المعانی ۱۲ [۲] رواہ الترمذی ۱۲

منزل طے کرے گا تو قیامت کی جزع فزع سے بچ جائے گا ورنہ ڈگمگانے کا خطرہ ہے جیسے کافروں کے ساتھ ہوا۔ لیکن قیامت میں جزع فزع کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ قیامت میں دوست بھی دشمن ہوں گے۔ مومن کا دارین میں خیر خواہ اور مہربان اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔

حکایت: ایک شخص کا محبوب فوت ہو گیا وہ جزع فزع کرتے کرتے پاگل ہو گیا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کا حال سنایا گیا تو آپ اس کے ہاں تشریف لائے اور پاگل خانے میں زنجیروں میں بندھا پڑا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا ارے میاں تو نے عشق کی ابتدا لیسے زندہ (انسان) سے کی جسے مرنا تھا تجھے تو اس زندہ (اللہ تعالیٰ) سے عشق کرنا تھا جس پر موت نہیں پاگل کی آنکھ کھلی تو عبادت الٰہی میں مصروف ہو گیا یہاں تک کہ وہ ولی اللہ بن گیا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں ز علت وارہیدی اے رہین
سرکہ را بگذرد و میخور انگبین
تخت دل معمور شد پاک از ہوا
بروی الرحمٰن علی العرش استوی
حکم بر دل بعد ازیں بے واسطہ
حق کند چوں یافت دل ایں رابطہ

ترجمہ: ۱: اے ضعیف جب بیماری سے نجات پائے تو سرکہ چھوڑ کر شہد پی۔
۲: دل کا تخت آباد اور خواہشات سے پاک ہو گیا الرحمٰن علی العرش استوی کا راز کھل گیا۔
۳: پھر دل پر بلا واسطہ حکم وارد ہوتا ہے خود اللہ تعالیٰ اسے حکم فرماتا ہے جب اس طرح کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اس میں ریاضۃ النفس کی طرف اشارہ ہے کہ نفس کو ریاضت میں ڈالے۔ یہاں تک کہ ہر بیماری سے چھٹکارا پالے کیونکہ جب تک نفس کی بیماری رہے گی کام نہ بنے گا۔ جب نفس بیماریوں سے پاک ہو جائے گا تو قلب کو اس پر حکومت کا موقعہ مل جائے گا اور قلب تو حلاوت ولذائذ روحانی چاہتی ہے اس پر بھی اکتفا نہ ہو بلکہ اپنے تصورات کو ماسوی اللہ سے پاک کردے اور اس کی بیٹھک تو ہے بھی قلب انسانی جب اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر ستوی ہو گا تب اس کا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو گا اب حضور وسکون ہی ہو گا ہم اللہ تعالیٰ سے اسی بڑی کامیابی کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ان الذین قالوا ربنا اللہ۔ بیشک جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ یعنی اس کی ربوبیت والوہیت کا اقرار کرکے کہتا ہے۔ ہمارا رب اللہ ہے۔ یہ صدیقی دروازہ ہے اور ربنا کے بعد لفظ اللہ کا اضافہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

ثم استقاموا۔ پھر اس پر وہ ثابت قدم رہے۔ یعنی اقرار ربوبیت کے بعد سر مونہ ہٹے اور جو اس کے تقاضے ہیں اس پر ڈٹا رہے۔ قلب و قالب (ظاہراً باطناً) ہر طرح سے عبودیت کے طریق پر چلے معمولی طور بھی لغزش نہ کھائی۔

فائدہ: اس میں جملہ معتقدات و عبادات داخل ہیں یعنی ابتداء سے لے کر موت تک ان پر مداومت کی۔

فائدہ: ثم تراخی زمانی کا ہے یا رتبی کا ہر حال استقامت ایک عجیب الشان مرتبہ ہے۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں الاستقامۃ خیر من الکرامۃ۔ کیونکہ یہی مقصود اعظم ہے کہ انسان ابتدائے حال یعنی اقرار سے لے کر تا دم آخر ین استقامت کا دامن نہ چھوڑے اور وہ یہ ہے کہ انسان راہ مستقیم پر دائما چلتا رہے۔

سوال: تمہارا استقامت کا معنیٰ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ارشادات کے خلاف ہے مثلاً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الاستقامۃ بمعنی الثبات علی الایمان۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الاستقامۃ بمعنی اخلاص العمل۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا الاستقامۃ بمعنی ادار الفرائض علی الدوام۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا الاستقامۃ " " "

جواب: انہوں نے استقامۃ کے جزئیات کا ذکر فرمایا ہے جزئیات کے ذکر سے کلی طور نفی نہیں ہوتی (جیسا کہ اصول کا قاعدہ ہے)۔

حدیث شریف: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا امتی ورب الکعبۃ (بخدا یہی استقامت میری امت کو نصیب ہوئی۔

شرح الحدیث: اس سے آپ کی یہ مراد ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے دین پر استقامت نہ کر سکے کیونکہ انہوں نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہا وغیرہ وغیرہ اور اپنے نبیوں سے بھی کفر کیا[1]۔

---

[1] بخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے کہ وہ جوں کی توں ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت ایسے رہے گی اس سے واضح ہوا کہ اہل سنت سواد اعظم کو شرک کہنے والوں کی بدبختی ہے۔ اویسی غفرلہ۔

فائدہ: استقامت کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ نفع و نقصان صرف اللہ تعالیٰ سے سمجھا جائے (یہی اہلسنت کا مذہب ہے کہ نفع و نقصان اللہ تعالیٰ سے سمجھتے ہیں نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کے لیے انبیاء و اولیاء کو وسیلہ مانتے ہیں اور یہی منشائے ایزدی ہے۔ تبھی تو انہیں اپنا نبی و ولی بنایا) یہی وجہ ہے کہ مومن کامل سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرتا۔

حدیث شریف: حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسا امر بتائیے جسے میں تا دم زیست مضبوطی سے تھامے رہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کہہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور اسی پر مضبوط رہ۔ میں نے عرض کی مجھے اپنے نفس سے بڑا خطرہ ہے کہ وہ مجھے کہیں بھلا نہ دے۔ آپ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر یہی ہے (یعنی زبان سے اقرار کرتے رہو۔)

فائدہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب یہی آیت تلاوت فرماتے تو کہتے
اللّٰھم انت ربنا فارزقنا الاستقامۃ۔
اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت عطا فرما۔

تفسیر صوفیانہ: صاحب کشف الاسرار نے فرمایا کہ ربنا اللہ سے توحید کا اقرار مراد ہے کہ یہی عام اہل ایمان کا شیوہ ہے۔ ثم استقاموا سے توحید معرفت مراد ہے جو عارفین اور صدیقین کو نصیب ہوئی ہے۔ توحید اقراری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یکتا کہے اور توحید معرفت یہ ہے کہ اسے یکتا سمجھے یعنی از ہمہ جہت صرف اس کی وحدت کا تصور دل میں جمائے اس لیے کہ عالم وحدت میں جہت نہیں ہے۔

؎ نے جہت گنجد ایں جا نے صفت
نے تفکر نے بیان نے معرفت
آتشے از سر وحدت بر فروخت
غیر واحد ہر چہ پیش آید بسوخت

ترجمہ: ۱. یہاں نہ جہت سما سکتی ہے نہ صفت نہ تفکر نہ بیان نہ معرفت۔
۲. سرِ وحدت کی آگ روشن کی واحد کے سوا جو کچھ بھی آگے آیا جل گیا۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ ایک عالم ہوش میں تھے تو آپ اقرار توحید کا درس دے رہے تھے۔ کسی مرید نے کہا کہ حضرت آپ کو اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا جملہ عالم میں کوئی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو (یعنی ہر ایک کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے یہی عرفان ہے) پھر ایک وقت بحرِ توحید معرفت میں مستغرق تھے تو سوال ہوا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب

ہے۔ آپ نے فرمایا میں کون ہوں کہ اس کی معرفت کا دم بھروں بلکہ جملہ عالم میں کوئی ایسا نہیں کہ وہ اس کی معرفت کا دم مار سکے۔ ے

در عشق تو من کیم کہ در منزل من
از وصل رخت گلی در بر گل من

ترجمہ: تیرے عشق میں میں کون ہوں اس لیے کہ میری منزل میں تیرے چہرے کی زیارت سے میری مٹی میں گل پیدا ہوگا۔

صوفیانہ ٹوٹکے: پیر طریقت نے فرمایا کہ صحبت با حق کے صرف دو حرف ہیں:
۱۔ اجابت ۲۔ استقامت۔

اجابت عہد ہے استقامت اس کی وفا کا نام ہے یا یوں کہو اجابت شریعت ہے استقامت درک شریعت یاد رہے کہ درک شریعت ہزار سال کے بعد لمحہ بھر نصیب ہو سکتی ہے لیکن درک حقیقت تو ہزاروں سال کے بعد بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں یوم میثاق کے خطاب کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بندوں کو فرمایا الست بربکم تو انہوں نے جواب دیا بلٰی یعنی اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ جواب دینے والے وہ ذریات تھے جو آدم علیہ السلام کی پشت سے باہر نکل کر ربوبیت کا اقرار کر رہے تھے۔ پھر وہ اسی پر ڈٹ گئے یعنی اقدام عبودیت پر ثابت قدم رہے جب کہ وہ عالم صورت میں ظاہر ہوئے۔ اسی لیے اسے لفظ ثم سے تعبیر کیا گیا ہے جو تعقیب و تاخیر بعید چاہتا ہے۔ یعنی اقرار تو کیا عالم ارواح میں اور استقامت کی عالم اشباح ہیں۔ اس سے اہل ایمان مراد ہے نہ کہ منافقین و کافرین کیونکہ انہوں نے اقرار تو کیا لیکن استقامت نہ کر سکے اور اہل اسلام میں عوام کی استقامت تو یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اور امر و نواہی کی پابندی اور باطن میں ایمان و تصدیق سے بہرہ ور ہوئے اور خواص کی ظاہری استقامت یہ ہے کہ وہ دنیا سے مجرد رہے اور اس کی زینت و شہوات کو یک لخت ترک کیا اور باطن میں نعیم جنان سے لاپرواہ ہو کر شوق لقائے استقامت یہ ہے و طلب عرفان میں رہے اور اخص الخواص کی ظاہری استقامت یہ ہے کہ نفس و بال کو اس کی طرف سپرد کر کے حقوق متابعت بموافق بیعت رعایت کی اور باطن میں ناسوتیہ کو توحید کے ساتھ لاہوتیہ میں محو کر ڈالا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستقیم رہیں اور انانیت سے فانی ہو کر ہویت میں باقی رہیں اور اس بارہ میں محبوب سے سوال بھی نہ کریں بلکہ اس کی عطاء اس کی بقاء پر اکتفا کریں اور اس کے وجود میں فانی ہونے کی وجہ سے اس کے جود و عطاء پر اس میں دائماً فانی رہیں۔

تفسیر عالمانہ: تتنزل علیھم الملائکۃ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ملائکہ نازل ہو کر ان کی عوارض پر مدد کرتے ہیں جو انھیں اُمور دینیہ ودنیویہ عارض ہوتے ہیں کہ بذریعہ الہام ان کے سینے کھولتے اور ان سے حزن وغم اور خوف دفع کرتے ہیں جیسے کافروں پر شیاطین کو مسلط کرتا ہے کہ قبائح مزین کر کے ان کے دل میں ڈالتے ہیں۔

فائدہ: جیسے ملائکہ اہل ایمان کی دنیا میں مدد کرتے ہیں ایسے ہی مرتے وقت انہیں خوشخبری سناتے ہیں اور قبر میں بھی اور پھر قبور سے اُٹھنے کے بعد بھی۔ ان لا تخافوا۔ اس سے خوف نہ کرو کہ جو تم نے امر آخرت کے لیے کیا یا اس میں تمھیں کوئی امر ناگوار پیش نہ آئے گا۔

فائدہ: ان مفسرہ یا مخففہ من المثقلہ ہے۔ دراصل بانہ تھا ہ ضمیر شان کی تھی محذوف ہو گئی اور انّ کو مخفف کیا گیا یعنی ان پر فرشتے بھی بشارت لے کر اُترتے ہیں کہ تمھیں کوئی خوف نہیں۔

ولا تحزنوا۔ اور جو تم اولاد واموال دنیا میں چھوڑ کر آئے ہو اس پر بھی غم نہ کھاؤ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ تمھاری وجہ سے خیر وبھلائی ہی عطا فرمائے گا اور تمھیں جنت میں چھوڑے ہوئے اہل وعیال واموال سے بڑھ کر نعمتیں بخشے گا۔ پھر تمھارے اہل وعیال کو اسلام کی دولت سے نواز کر جنت میں تمھیں ملائے گا۔

فائدہ: حزن بمعنی وہ غم جو نافع شے کے فوت ہونے سے لاحق ہو یا ضرر کے حصول سے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خوف زمانہ مستقبل میں ہوتا ہے کہ کوئی اَمر ناگوار لاحق ہو یا کوئی پسندیدہ ومرغوب سے فوت ہو جائے اور فرشتے انہیں خوشخبری سناتے ہیں کہ تمھیں ہر وہی اَمر ملے گا جو تمھارا پسندیدہ اور محبوب ومرغوب ہے اور ہر وہ اَمر جو تمھیں ناگوار ہے وہ تمھارے قریب نہ پھٹکے گا۔

حزن حزونۃ الوقت سے ہے ورنہ جو بندہ خدا راضی برضا الٰہی ہوا اور وہ جملہ احکام ازلیہ کے سامنے سر تسلیم خم رکھتا ہے اسے کاہے کا حزن اور غم بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم اور اسی دھن میں سرگرداں ہے اسے نہ حزن کی پرواہ اور نہ خوف کی خبر۔ ہاں فرشتے انھیں یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ جو انھیں عنایت ازل میں نصیب ہوئی تھی وہ ان سے فوت نہ ہو گی۔

تفسیر عالمانہ: وابشروا۔ اور خوش ہو جاؤ۔ ابشار سے ہے بمعنی خوش ہونا۔ بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ اس بہشت سے جس کا تمھیں دنیا میں وعدہ دیا جاتا رہا۔ اور رسل کرام تمھیں خوشخبریاں سناتے رہے۔ وہ آج پورا ہو گا۔

مومن کو تین بشارتیں ہونگی ان میں سے ایک یہی ہے۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا

فائدہ:۔ ہمیں یوں بتایا گیا ہے کہ جب اہل ایمان قبور سے اُٹھیں گے تو اپنے سامنے نگران فرشتوں کو پائیں گے جو انہیں کہہ رہے ہوں گے نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ بلکہ بہشت کی نوید سے خوش ہو جاؤ۔ آج تم ایسی نعمتیں پاؤ گے جن کا تمہیں تصور تک نہ تھا اسی لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں وہ وعیدیں جو دنیا میں سنائی گئیں وہ تیرے لیے نہیں وہ اوروں کے لیے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے مومنو جنت وصال سے خوش ہو جاؤ یہاں نقد وصال ہوگا۔ وعدو وعیدرہ گئے یوں سمجھو کہ آج تمہارے لیے عید ہے۔ اہل ایمان عوام کو ثواب کی اور خواص کو حسن مآب کی اخص الخواص نقد وصال کی۔

ع نقد ست ایں جا حالت ذوق و حضور

ترجمہ: نقد جنت ہے یہاں ذوق اور حضور۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا کہ ان کی خوشخبری یوں ہوگی کہ ولایت کے چھن جانے کا خوف نہ کھاؤ اور جو غلطیاں تم سے دنیا میں ہوئیں ان کے متعلق نہ ڈرو بلکہ حسن عنایت پر خوش ہو جاؤ یا یہ کہ نعمتوں کی محرومی کا خوف نہ کرو اس لیے کہ تم خوف الٰہی دل میں رکھتے تھے اور نہ ہی کوئی غم کھاؤ اس لیے کہ تم عارف باللہ تھے اور جنت سے خوش ہو جاؤ کیونکہ نیک عمل کرنے والوں کا یہی بہترین اُجر ہے۔

فائدہ:۔ جتنا ہم پر احکام تھے کل قیامت میں ان سب پر قلم نسخ پھیرا جائے گا۔ نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ جہاد نہ زکوٰۃ بلکہ جملہ احکام ختم ہو جائیں گے ہاں عقد محبت وعشق وعہد معرفت نہ منسوخ ہوئے نہ ہوں گے بہشت میں ہر نیا دن اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نیا باب کھولے گا کہ جسے وہ کبھی دیکھا نہ سنا گیا۔ اور اُس کی کوئی انتہا نہ ہو گی یعنی معرفت کا ہر روز نیا باب کھلتا جائے گا جس کی کوئی حد نہ ہوگی ؎

تا من بریم پیشہ و کارم اینست
آرام و قرار غمگسارم اینست
روزم اینست و روزگارم اینست
جوینده میدم و شکارم اینست

ترجمہ:۔ تادم زیست (دائما) میرا پیشہ اور کام یہی ہے آرام و غم گسار میرا یہی ہے۔

۲ :۔ میرا مشغلہ روزگار یہی ہے میں شکار کا طالب اور میرا شکار یہی ہے۔

فائدہ: حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے اس سے تعجب ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس کے مشاہدہ میں غرق ہے اور اس کے جمال سے سرشار ہے پھر ملائکہ کو کیا تاب کہ وہ اسے خوشخبری سنا سکیں۔ کہاں ملک کہاں ملک کہاں محبوب کہاں محب۔ بس ان کو نور بشارتِ حق ہی کافی ہوگی جو وہ ملائکہ کی بشارت سے پہلے سن چکے ہوں گے جیسا کہ فرمایا الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون۔ ایسے لوگوں کو نہ جدائی کا غم اور نہ حجاب کا خوف۔ وہ تو مشاہدۂ جبارہ سے سرشار ہوں گے۔ ہاں فرشتوں کی یہ بشارت محض تشریفی ہوگی کیونکہ فرشتے ایسے حضرات سے ہم کلام ہونے کے محتاج ہوں گے وہ تو صرف نسب معرفت کی وجہ سے ہمارے دوست ہیں ورنہ درحقیقت وہ تو ہمارے خدام ہیں کیا تمہیں یاد نہیں یہی تو تھے ہمارے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے والے۔

تفسیر عالمانہ: نحن اولیاءکم فی الحیٰوۃ الدنیا۔ ہم تمہارے دنیا میں مددگار ہیں۔ یہ دنیوی بشارات ہیں۔ اولیاء بمعنی مددگار یعنی ہم تمہارے دنیوی اُمور میں مدد کرنے والے ہیں کہ تمہیں حق القاء کریں گے اور ایسے اُمور کی رہبری کریں گے جن میں تمہاری خیر و بھلائی ہوگی۔ اس کے بجائے جو شیاطین کافروں کے ساتھ کرتے ہیں یعنی وہ اُن کی بُرائی کی رہبری کرتے ہیں ہم تمہاری خیر و بھلائی کی رہبری کریں گے۔

فائدہ: اس عبارت سے اہل ایمان کے اس تصور کی تائید ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی طاعات و عبادات بجالانا توفیق ایزدی ہے جو بواسطہ ملائکہ انہیں نصیب ہوتی ہے اور حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو طاعت و عبادت سے ثواب یا دیگر اعراض مثلاً بہشت کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کی ملائکہ امداد کرتے ہیں اور جو اس سے مشاہدۂ حق کا طالب ہوتا ہے تو خود اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ ولی الذین اٰمنوا۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے۔ و فی الاٰخرۃ اور آخرت میں یعنی آخرت میں شفاعت سے ان کی مدد کریں گے اور اعزاز و اکرام سے انہیں ملیں گے جبکہ کافروں اور اُن کے ساتھیوں کی آپس میں بغض و عداوت سے ملاقات ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ولایت رحمت عوام کو اور ولایت نصرت خواص کو اور ولایت محبت اخص الخواص کو نصیب ہوتی ہے اور ولایت رحمت عوام کو دنیا میں یہ کہ اُن کی شریعت پر قائم رہنے کی توفیق بخشتا ہے اور آخرت میں انہیں جنت کی جزا دے گا اور خواص کی دنیا میں ولایت نصرت یہ کہ انہیں سب سے بڑے دشمن پر مسلط فرمائے گا یعنی نفس امارہ ان کے تابع کر دے گا۔ یعنی اس کے خلاف مذمومہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک و صاف

کرے گا اور آخرت میں یہ کہ انہیں ارجعی الی ربک کے جذبہ سے نوازے گا اور اخص الخواص کی دنیا میں نصرت و ولایت محبت۔ یہ کہ ان پر مشاہدات و مکاشفات کے دروازے کھول دے گا اور آخرت میں انھیں اہل قربات و ولایات سے بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کی ولایت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی لغزشیں و خطائیں معاف فرماتا ہے جب وہ خود معاف فرما دے تو پھر خطاؤں و لغزشوں کا بندے سے کیا کام۔

حکایت بایزید قدس سرہٗ: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کہیں جا رہے تھے کہ ایک شور و غل سنا وہاں تفتیش حال کے لیے تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک بچہ کیچڑ میں پڑا ہے اور لوگ اس کے تماشائی بنے ہوئے ہیں اس کی ماں کو علم ہوا تو بھاگ کر کیچڑ میں سے بچے کو اٹھا کر گلے لگا لیا۔ بایزید قدس سرہٗ یہ حال دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور پھر وجد میں آ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی شفقت کا بھی یہ حال ہے کہ گناہوں کی آلائش دھوتی ہے اور اس کی محبت گناہوں کو معاف کرتی ہے اور اس کی عنایت غلطیوں کو ہٹاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرا عذر میرے ہاں قابلِ قبول ہے اور عذر کرنے والے کے گناہ رہتے ہی نہیں۔

حضرت حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

بپوشی دامن عفوے بذلت من مست
کہ آبروئے شریعت بدیں قدر نرود

ترجمہ: میری ذلت پر عفو کا دامن ڈال دے اس لیے کہ آبروئے شریعت ایسے کرنے سے چلی نہیں جائے گی۔

تفسیر عالمانہ: ولکم۔ صرف تمہارے لیے نہ کہ تمہارے غیروں کے لیے۔ فیھا۔ آخرت میں۔ ماتشتھی انفسکم۔ لذائذ میں سے جو تمہارے نفوس چاہیں گے۔ ولکم فیھا تدعون۔ اور جو تم آرزو کرو گے یعنی تمہاری خواہش کے مطابق تمھیں سب کچھ ملے گا۔

فائدہ: تدعون۔ باب افتعال از دعا ہے بمعنی طلب اور یہ اشتہاء سے اعم ہے اس لیے کہ ہر مشتہی مطلوب نہیں ہوتا مثلاً علم کے فضائل مطلوب ہیں لیکن اسے اشتہاء سے تعلق نہیں۔ اگرچہ اول بھی من وجہ اعم ہے جیسے بحسب حال دنیا مثلاً مریض کو اشتہائے اشیاء ہے لیکن وہ اس کے مرض کو نقصان پہنچاتی ہے اس لیے یہ اشتہاء مطلوب سے اعم ہے یا یوں کہو کہ تمنی ارادہ سے اعم ہے۔

سوال: صرف تدعون پر اکتفا کیوں نہیں کیا گیا اس پر ولکم فیھا کے اضافہ کا کیا فائدہ۔

جواب: تاکہ بشارت کامل کا اظہار ہے اور معلوم ہو کہ یہ دونوں اپنے طور مستقل ہیں۔

نزلاً۔ مہمانی ہے جو ہونے والی ہے۔ من غفور۔ بڑے بڑے گناہوں کو بخشنے والے سے تو برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کرتا ہے۔ رحیم۔ طاعت والے اہل ایمان کا مہربان ہے کہ اُن کے درجات و قربات کو بڑھاتا ہے۔ یہ تدعون سے حال ہے یعنی اس کے ماموصولہ سے یا ضمیر سے محذوف ہے کہ دراصل ما تد عونہ تھا یعنی جو کچھ ان کو عطا ہوگا وہ ان کے لیے یہ حال فائدہ دے رہا ہے۔ نزل وہ شے جو مہمان کے لیے تیار کی جائے گویا انہیں کہا گیا ہے کہ جو تمہاری خواہشات ہیں وہ تمہارے لیے مہمانی کی طرح ثابت ہیں اور جو تمہاری کرامات و اعزازات ہیں وہ بحال ہیں چہ جائے کہ جو تم چاہو وہ نہ ملیں بلکہ وہ تو تمھیں ایسے اعزاز و اکرام سے ملیں گے جو مہمان کو بطور اعزاز و اکرام مہمانی کی چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نزلاً بمعنی فضل و عطاء اور ازل تک جو اُن کی دائمی عطوفات و الطاف عطا فرمائے جائیں گے۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جو آن بہ آن نئی شان سے ملے گی بالخصوص کاملین اہل استقامت کو ہر وقت اور ہر جگہ پر ایسی شان سے ظاہر ہوں گی جو اس سے پہلے اس کا ظہور نہ ہوا ہوگا اور ہر وقت نعمت جو زمانہ ماضی میں ملے گی وہ زمانہ حال میں دکھائی دے گی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جونہی یہ لوگ شراباً طہوراً پئیں گے پیاس میں اضافہ ہوتا جائے گا اس لیے کہ سیر الی اللہ کی دنیا و آخرت میں کوئی انتہا نہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد
ہر کہ بے اوزیست روزش دیر شد

ترجمہ:۔ مچھلی کے سوا جو بھی پانی سے سیر ہوا جو بے روزہ ہوا اس کے دن ہونے میں دیر ہوئی۔

فائدہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ بعض ایسے بھی ہیں جو عشق سے بے نصیب ہیں نہ انہیں ذوق کی دولت حاصل ہے اور نہ ہی تجلی سے نوازے گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو غم و الم ہمیشہ گھیرے رہتے ہیں اور اس کی حسرت بڑھتی رہتی ہے اس لیے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

حضرت ابن الفارض قدس سرہٗ اپنے قصیدہ خمریہ کے آخر میں لکھتے ہیں ؎

علی نفسه فلیبك من ضاع عمرہٗ
و لیس له منها نصیب و لا سهم

ترجمہ:۔ جس کی عمر ضائع ہوئی وہ اپنا ماتم کرے اُسے آخرت میں کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا۔

حضرت رہنب نے فرمایا ؎

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِىْ
هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ○
وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ط لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ
وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○
فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ
لَا يَسْئَمُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا
عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ط اِنَّ الَّذِىْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْىِ الْمَوْتٰى ط
اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ
عَلَيْنَا ط اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِىْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ لا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ
لَمَّا جَآءَهُمْ ج وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ○ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○ مَا يُقَالُ
لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ط اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ
عِقَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ
اٰيٰتُهٗ ط ءَاَعْجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ ط قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ط
وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ط
اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ○

ترجمہ:۔ اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں
اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی۔ اے سننے والے بُرائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور

اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے
نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا اور اگر تجھے شیطان کا کوئی کونچا پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ بیشک
وہی سنتا جانتا ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سجدہ نہ
کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا اگر تم اس کے بندے ہو تو
اگر یہ تکبر کریں تو وہ جو تمھارے رب کے پاس ہیں رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور اکتاتے نہیں
اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تو زمین کو دیکھے بے قدر پڑی پھر ہم نے جب اس پر پانی اتارا تر و تازہ
ہوئی اور بڑھ چلی بیشک جس نے اسے جلایا ضرور مردے جلائے گا بیشک وہ سب کچھ کر سکتا ہے بیشک
وہ جو ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے ہیں ہم سے چھپے نہیں تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بھلا یا جو قیامت
میں امان سے آئے گا جو جی میں آئے کرو بے شک وہ تمھارے کام دیکھ رہا ہے بے شک جو ذکر
سے منکر ہوئے جب وہ ان کے پاس آیا ان کی خرابی کا کچھ حال نہ پوچھ اور بیشک وہ عزت والی کتاب
ہے باطل کو اس طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت
والے سب خوبیوں سراہے کا تم سے نہ فرمایا جائے گا مگر وہی جو تم سے اگلے رسولوں کو فرمایا گیا
کہ بیشک تمھارا رب بخشش والا اور دردناک عذاب والا ہے اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن
کرتے تو ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں کیوں نہ کھولی گئیں۔ کیا کتاب عجمی اور نبی عربی تم فرماؤ وہ ایمان
والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور وہ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہے
اور وہ ان پر اندھا پن ہے۔ گویا وہ دور جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔

بقیہ ۳۸۲ کا

از ایں چہ سود کہ در گلستان وطن دارم
مرا چہ عمر چو نرگس بخواب می گزرد

ترجمہ:۔ مجھے باغ میں رہنے کا کیا فائدہ جبکہ میں نے خواب میں نرگس کی طرح وقت ضائع کر دیا ہے۔

اور بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ انہیں عشق و ذوق و تجلی سے حصہ نصیب ہوتا ہے لیکن ابھی نامکمل
ہوتے ہیں اور بعض ایسے خوش بخت ہیں کہ انہیں ان سے سیری ہوتی ہی نہیں اور وہ اعلیٰ درجہ کے کاملین ہیں۔

حکایت: حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے لکھا کہ میں عشق کے پیالے کو پی کر سرمست ہو گیا ہوں۔ میں نے ان کے جواب میں لکھا کہ ؎

شربت الحب کأسا بعد کأس
فما نفد الشراب ولا رویت

ترجمہ: میں نے عشق کے پیالے بھر بھر کر پیئے لیکن نہ شراب ختم ہوا اور نہ ہی میری پیاس بجھی۔

فائدہ: اس میں کثرت سیری کی طرف اشارہ ہے یہ ضعفاء کا حال ہے اور جو بہت بڑی قوت والے ہیں وہ سات سمندر پی جائیں تب بھی کہتے ہیں هَلْ مِنْ مَّزِيْدٌ۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے ایسے بنائے۔

تفسیر عالمانہ: ومن استفہامیہ ہے اور کون ہے۔ احسن زیادہ بہتر۔ قولاً۔ باتوں میں۔ فمن دعا الی اللہ۔ اس سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے یعنی اس کی توحید و طاعت کی طرف۔ وعمل صالحاً۔ اور عمل کرتا ہے وہ جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صالح ہیں۔ وقال اننی من المسلمین اور کہا بیشک میں مسلمان ہوں اور اس پر اسے فخر و ناز ہے یا یہ کہ وہ اسلام کو اپنا دین سمجھتا ہے کسی غیر دین کی طاعت کو مانتا ہی نہیں۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کہا جاتا ہے ھذا قول فلاں۔ یعنی یہ اس کا مذہب ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ اس نے یہ بات صرف زبان سے کی اس میں اس کا رد ہے جو کہتا ہے انا مسلم۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کہنا ناقابل اعتماد ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے اس میں انشاء اللہ وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔

مسئلہ: علم کلام میں ہے کہ اگر تو کہے انا مسلم انشاء اللہ تعالیٰ تو وہ کافر ہے کیونکہ اسے اپنے اسلام میں شک ہے اور اسلام میں شک کرنا کفر ہے۔

مسئلہ: اگر انشاء اللہ تادب مع اللہ یا اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنے یا اپنے آپ کو عجب سے بچانے یا عاقبت و انجام میں شک کی وجہ سے نہ یہ کہ اسی وقت اپنے اسلام پر شک ہے یا انشاء اللہ محض تبرک کے طور پر کہا یا اپنے نفس سے بیزاری کے ارادہ پر کہا تو جائز ہے لیکن بہتر ہے کہ انا مسلم کے بعد انشاء اللہ نہ کہے اس لیے کہ یہ شک میں ڈالتا ہے

فائدہ:۔ یہ آیت عام ہے جس میں خصال حمیدہ موجود ہوں یعنی عمل صالح اور قول یقینی اگرچہ اس کا شانِ نزول خاص ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا ان مؤذنین کے حق میں نازل ہوئی ہے جو نماز کی دعوت دیتے ہیں۔

سوال:۔ سورہ ہذا بلا خلاف مکیہ ہے اور اذان کا حکم مدینہ طیبہ میں آیا تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مؤذنین کے حق میں نازل ہوئی۔

جواب:۔ شانِ نزول کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد ضروری نہیں کہ اجراءِ احکام بھی ہو بلکہ بہت سے ایسے احکام بھی ہیں جو نزولِ آیات کے ایک عرصہ بعد ان کا اجراء ہوا اور قرآن میں اس کی کئی مثالیں ہیں منجملہ ان کے اذان بھی ہے اور یہی بعض مشائخ کا مذہب ہے جیسے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

مراتب دعوت:۔ دعوت الی اللہ کے کئی مراتب ہیں:۔

۱۔ دعوت الانبیاء علیہم السلام۔ یہ حضرات معجزات اور براہین اور تلوار سے دعوت الی اللہ دیتے ہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ احسن قول (آیت) میں انبیاء و اولیاء کی دعوت مراد ہے کہ وہ خلق خدا کو خالق کے وصال کی دعوت دیتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو خاص اس دعوت سے مخصوص تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ

ترجمہ: اے نبی (علیہ السلام) ہم نے آپ کو شاہد و مبشر و نذیر اور اپنے اذن سے داعی الی اللہ بنا کر بھیجا۔

یہ دعوت ایسی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اکتفا کیا جائے کہ اس میں غیر اللہ سے طلب کی کسی قسم کا دخل نہ ہو ؎

خلافت طریقت بود کاولیاء
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ:۔ یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ۔ خدا کے سوا کسی اور کی آرزو کریں۔

و عمل صالحا کا مطلب یہ ہے کہ جیسے وہ خلق کو خالق کی طرف دعوت دیں۔ وہ خود بھی عین دعوت کے مطابق عمل کریں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے راستہ پر چلیں تو بلا انفعال اس تک پہنچا دے یعنی اس راستہ پر پہلے وہ خود چلیں اور اللہ تعالیٰ تک کی منازل کو پہچانیں جب خود اس راہ کے مکمل طور پر واقف

ہو جائیں پھر خلق خدا کو دعوت دیں اور انّنی من المسلمین کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی ہوں۔ اُس کی ہر قضاء وقدر کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔

۲۔ دعوت العلماء یہ عوام کو حجج وبراہین (دلائل) سے اللہ تعالیٰ کی دعوت دیتے ہیں۔

فائدہ:۔ حضرت علامہ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دعوت سے علماء کی دعوت مراد ہے ایسے ہی امام ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس لیے کہ یہی حضرات لوگوں کو معالم دین سمجھاتے ہیں اور ان کا عمل صالح یہ ہے کہ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور اس کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے خلاف بات ان سے سرزد نہ ہو ان کا عمل صالح صبر وتحمل ہے اسی لیے ناخوشگوار امور کی ان کو برداشت ہوتی ہے۔

علماء کی اقسام

علماء تین قسم ہیں:۔

۱۔ عالم باللہ وغیر عالم بامر اللہ۔

۲۔ عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ۔

۳۔ عالم باللہ وبامر اللہ۔

عالم باللہ وغیر عالم بامر اللہ وہ ہے جس کے قلب پر معرفت الٰہی کا ایسا غلبہ ہو کہ وہ ہر وقت مشاہدہ و صفات کبریاء میں مستغرق رہے یہاں تک احکام کے علوم سیکھنے کا اُسے وقت بھی نہ ملے صرف مابہ الضرورۃ بالاحکام کو جانتا ہو۔

۲۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو حلال وحرام کو جانتے ہیں اور اُس کے دقائق سے شناسا ہیں لیکن وہ اسرار جلال وجمال حق سے بے خبر ہیں ایسے شان والوں کے اقرار وانکار سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۳۔ تیسری قسم کے لوگ علماء کی صف میں نہیں (کیونکہ وہ بے عمل ہیں)

فائدہ:۔ وہ علماء جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے احکام کے عالم ہیں وہ دونوں مذکور قسموں کے فضائل کے جامع ہیں۔ وہ حبّ ارادہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور شفقت ورحمت سے مخلوق کے ساتھ ہیں جب وہ مخلوق میں ہوتے ہیں تو اس میں گھُل مل گزرتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہی نہیں اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں تو ذکر الٰہی میں ایسے مشغول ہوتے ہیں کہ گویا وہ مخلوق کو جانتے ہی نہیں۔ یہی مرسلین وصدیقین کا طریقہ ہے۔

عارف وہ ہے جو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی دعوت دے اور انہیں شمائل قدم یاد دلائے اور اور صفات حق اور جلال ذات کی پہچان کرائے اور اُن کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کرے پھر تکمیل و تمکین کے بعد کہے اننی من المسلمین۔ تواضع اور اپنے حسن احوال سے کہے کہ میں بھی مسلمان ہوں ؎

از زنگ کبر آئینہ خورش سادہ کن
و از بر پا نظر کن و حج پیادہ کن

ترجمہ:- تکبر کی زنگ سے آئینہ صاف کر پاؤں کے نیچے دیکھ اور پیدل حج ادا کر۔

مرتبہ (۳) دعوت بالسیف ہے اور یہی بادشاہوں کا کام ہے جو کافروں سے جہاد کر کے انھیں دین حق اور اس کی طاعت میں داخل کرتے ہیں۔ عالم ارواح میں علما۔ انبیار کے پیچھے تھے اور بادشاہ عالم اجسام میں انبیا علیہم السلام کے پیچھے ہیں۔

مرتبہ (۴) دعوۃ المؤذنین الی الصلوٰۃ ہے یہ دعوت الٰہی کا ادنیٰ درجہ ہے وہ اس لیے کہ یہ بھی اگرچہ دعوت ہے لیکن مؤذن صرف معروف کلمات کو دہراتا ہے اسے معنیٰ و مطلب کی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی انھیں دعوت الی اللہ کا ارادہ ہوتا ہے جب وہ واقفیت کے مآل کی طرف توجہ نہیں رکھتے اگرچہ اذان کے ظاہری و باطنی شرائط کی رعایت بھی کرتے اور مقصد صحیح کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن عام اہلِ دعوت کی طرح ہیں دکسی خاص عہدہ کو حاصل نہیں کرسکتے)۔

حکایت:- حضرت رفیدہ بن فضیل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت عاصم بن ہبیرہ رضی اللہ عنہما اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مؤذن تھے۔ مجھے انھوں نے فرمایا کہ جب اذان سے فراغت پایا کرو تو کہہ دیا کرو۔ و انا من المسلمین۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے۔ اننی من المسلمین؛

حدیث شریف میں ہے کہ بادشاہی قریش کو، قضا انصار کو اور اذان حبشیوں کو نصیب ہوئی ہے۔

فضیلت حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حدیث ھذا میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح اور آیت میں مؤذن پران کی عظمت کا بیان ہے بالخصوص داعی الی اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن رضی اللہ عنہ کی۔

شانِ نزول:- عین المعانی میں ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان پڑھتے تو یہودی کہتے کہ یہ مکروہ آواز کہاں سے آگئی اس کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق بیہودہ بکواس بکتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ:- اگر آیت میں مؤذن مراد ہوں تو صالح عمل سے اذان مراد ہوگی اور ساتھ ہی اذان واقامت کے درمیان میں دو رکعت نفل۔

فضائل اذان

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے حج فریضہ کے بعد نفلی حج اور جہاد وعمرہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

۲۔ کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذنین کو پانچ کرامات عطا فرمائے گا۔

۱۔ حسن الثناء

۲۔ کمال العطاء۔

۳۔ شہداء کی رفاقت۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام کی صحبت۔

۵۔ شقاوت سے نجات۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ:-

۱۔ حسن الثناء کا مطلب یہ ہے کہ مؤذنین کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت ہذا میں تعریفی سند بخشی ہے اور **من احسن قولا** الخ کہہ کر صیغہ مبالغہ سے نوازا جبکہ یہ صیغۂ تعظیم قرآن مجید کے لیے فرمایا کہ **اللّٰہ نزل احسن الحدیث** الخ یعنی قرآن احسن الآیات ہے اور اذان احسن الکلمات بھی ہے اس لیے کہ اس میں تکبیر وتعظیم واثبات توحید اور اثبات نبوت مصطفویہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس کے گناہ زیادہ ہوں وہ روزانہ صبح کی اذان پڑھا کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ اذان صبح کی اس بارہ میں کیا خصوصیت ہے آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا کہ جب نصاریٰ عبادت کے لیے ناقوس بجاتے ہیں تو عرش حاملین عرش پر بوجھل ہو جاتا ہے اور مؤذنین کی اذان سے اس کی تخفیف کی اُمید رکھتے ہیں۔ جب مؤذن اذان پڑھتے ہیں تو حاملین عرش

کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

عالمِ دنیا میں صبح کی تکبیر و تسبیح کا آغاز

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سحر کے وقت منبروں پر تسبیح پڑھنے کا رواج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا۔ جب آپ جنگل میں قوم کو لے کر پھر رہے تھے تو اس کی وحشت دُور کرنے کے لیے سحر کی تسبیح کا آغاز فرمایا یہ دستور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک رہا۔ جب اُنھوں نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل فرمالی تو منبروں پر آلات کے ذریعے تسبیح پڑھانے کا آغاز کیا اور منبروں کے علاوہ دوسری جگہ پر بغیر آلات کے تسبیح پڑھی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ رات کے آخری تہائی حصہ سے شروع ہو کر صبح تک جاری رہتا یہاں تک کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا اور یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی تو نہ صرف یہ سلسلہ بند ہو گیا بلکہ جملہ شرائع و احکام دینی ختم ہو گیا۔

اسلام میں صبح کی تسبیح کی ابتداء:۔ پھر اسلام میں سحر کے وقت تسبیح کا رواج حضرت مسلمہ بن مخلد صحابی رضی اللہ عنہ نے شروع فرمایا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ نے اپنے دورِ امارت مصر میں مسجد عمر میں ایک منارہ بنوا کر اسی مسجد میں اعتکاف بیٹھے تو آپ نے نصاریٰ کے ناقوس سنے تو اس کے مؤذنین کے عریف حضرت شرجیل بن عامر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ نصاریٰ تو سحر کے وقت ناقوس بجائیں تو مسلمان ذکرِ الٰہی سے خاموش رہیں۔ اُنھوں نے عرض کی تو میں آدھی رات سے صبح کی اذان تک تسبیح اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوں گا۔ اس کام کو احمد بن طولون نے آگے بڑھایا اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس کارِ خیر کے لیے ایک جماعت کو باری باری مقرر فرمایا جو آدھی رات تک تکبیر و تسبیح و تحمید اور قصائد زہدیہ (مبنی بر پند و نصائح) پڑھتے اور اُن کے بہت بڑے بڑے وظائف مقرر فرمائے اسی لیے اسلامی ممالک میں اس کام کے لیے مؤذن مقرر کیے جانے لگے یہاں تک کہ حضرت سلطان صلاح الدین بن ایوب نے اپنے دور میں حکم جاری فرمایا کہ مؤذنین بجائے تسبیح کے عقیدۂ اشعریہ کا اعلان کرتے رہیں اور یہ رسم تادیر یہاں تک کہ صاحب روح البیان کے زمانہ تک جاری رہی۔

دورِ حاضرہ کی شکایت:۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ بلادِ روم میں ہمارے دور میں یہ حال ہو گیا ہے کہ بادشاہوں نے دینی اُمور میں کمزوری انتہا کر لی ہے اور ایسے مغلوب ہو گئے ہیں کہ ان کے معاملات اہلِ حرب کے ہاتھ میں آ گئے ہیں ان بدعہدوں نے سب...ں کو گرجوں

سے تبدیل کر دیا اور مساجد کے میناروں پر ناقوس بجاتے ہیں اور لوگ چونکہ بادشاہوں کے طریقے پر چلتے ہیں اسی لیے مسلمانوں کے دینی اُمور سست پڑ گئے ہیں بلکہ بعض مقامات تو مساجد سمیت ختم ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کے دینی اُمور بالکل معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کی مساجد کا حال زار ہے۔ اب خون کے آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے کہ ہمارے دین کی شان و شوکت ختم ہو گئی۔

(ایسے ہم اپنے دور ۱۴۰۶ھ میں خون کے آنسو بہا رہے ہیں کہ دین کے نام لیواؤں کو مٹایا جا رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اضافہ اویسی غفرلہٗ)

۲۔ مؤذنین پر کمال عطاء کا یہ معنیٰ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤذنین نماز کے بارے میں اہل ایمان امین ہیں بلکہ روزے اور ان کے لحوم و خون ان کی امانت ہیں کل قیام میں یہ جن کی شفاعت چاہیں گے قبول ہو گی بلکہ جو چاہیں گے ان کو ملے گا اور فرمایا کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جائے گی اتنا مقدار اس کی بخشش ہو گی اور ہر درخت اور پتھر اور ڈھیلا کہ جس نے اس کی آواز سنی ہو گی بلکہ ہر خشک و تر شے اس کے ایمان کی گواہی دے گی اور فرمایا جتنا نمازیوں نے اس کی اذان سے نماز ادا کی ان کی نمازوں کا ثواب ان کو بھی اور مؤذن کو بھی ملے گا۔

۳۔ شہداء کے ساتھ رفاقت کا یہ معنیٰ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس موذن نے ایمان سے اور ثواب کی نیت سے اذان پڑھی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں شہداء کے ساتھ جگہ دے گا۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام کی صحبت کا یہ معنیٰ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) بہشت میں سب سے پہلے کون داخل ہو گا آپ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام۔ ان کے بعد شہداء، ان کے بعد مسجد نبوی کے مؤذنین پھر دنیا بھر کے اہل ایمان مؤذنین اپنے اعمال کی مقدار پر (یعنی الاول فالاول الخ)

حدیث شریف ۱۷: جس نے بیس سال مسلسل اذان پڑھی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ ٹھہرائے گا۔

۵۔ دار الاشقیاء سے خلاص کا یہ معنیٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤذن کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو اس پر دوزخ کے ساتوں دروازے بند ہو جاتے ہیں جب وہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو اس پر بہشت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ جب اشھد ان محمد رسول اللہ کہتا ہے تو اسے حور عین دیکھ کر جھانکتی ہیں۔ جب حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے تو بہشت کے میوہ جات نیچے لٹک کر اس کے منہ میں گرنا چاہتے ہیں جب حی علی الفلاح کہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تو کامیاب ہوا اور وہ بھی جس نے

اذان کی اجابت کی۔ جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا ہے تو فرشتے کہتے اللہ تعالیٰ تجھے کبیر الشان اور عظیم الشان بنائے اور جب کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے تیرا بدن اور جس نے اذان کی اجابت کی کا بدن جہنم پر حرام کیا۔

حدیث شریف ۲: میں ہے کہ قیامت میں مؤذنین کی گردنیں بلند ہوں گی۔

شرح الحدیث: قیامت میں موذن اہل محشر کے سردار اور ثواب کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہوں گے یا جماعتوں میں ان کی کثرت ہوگی یا سب سے زیادہ پُر اُمید ہوں گے دستور ہے کہ جو کسی شے کے بارہ میں زیادہ پُر اُمید ہوتا ہے تو اسے اونچی گردن کرکے دیکھتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب لوگ قیامت میں پریشان حال ہوں گے تو مؤذنین خوشی سے پُر امید ہوں گے کہ وہ بھی بہشت میں داخل ہوں گے یہ اس کی جزا ہوگی جو وہ اذان کے وقت گردن دراز کرکے آواز اونچی کرتے اور اذان پڑھتے تھے یا درازی گردن سے مطلق فرحت مراد ہوگی کیونکہ غم رسیدہ کو گردن نیچی سے تعبیر کیا جاتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت میں پسینہ لوگوں کے گردن گیر ہوکر اُن کے منہ میں داخل ہونے شروع ہوگا تو مؤذنین کی گردن بلند ہوگی تاکہ پسینہ ان کے منہ میں نہ جاسکے۔

مسائل اذان

مسئلہ: اذان کی اجابت کرنے والے کے فضائل وہی ہیں جو مؤذن کے ہیں۔

مسئلہ: فقہاء کرام علیہ الرحمۃ نے فرمایا اذان سنتے ہی کاروبار سے ہاتھ اُٹھالے اگر چل رہا ہے تو کھڑا ہو جائے۔ بول رہا ہے تو خاموش ہوجائے یہاں تک کہ تلاوت قرآن بھی ترک کردے یہ اُس وقت ہے جب مسجد سے باہر ہو اگر مسجد میں ہے تو پھر یہ امور کرتا رہے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: اذان کے وقت کسی پر السلام علیکم نہ کہے۔

مسئلہ: اگر کوئی السلام علیکم کہہ دے تو جواب سلام کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے کہا جائز ہے اور بعض نے کہا ناجائز ہے۔

مسئلہ: اذان سن کر اجابت میں مشغول ہو اس میں اختلاف ہے کہ اجابت اذان واجب ہے یا مستحب بعض نے کہا کہ اذان واقامت ہر دونوں میں اجابت واجب ہے۔ قائلین میں سے صاحب التحفہ والبدائع بھی ہیں۔ بعض نے استحباب کا فتویٰ دیا انہیں میں صاحب ہدایہ ہیں۔

اذان سُن کر انگوٹھے چومنے کا ثبوت

شہادت ثانیہ ہیں یعنی اشہد ان محمد رسول اللہ۔ سن کر کلمہ اول میں کہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسرے کلمہ ہیں کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ پھر کہے اللّٰھم متعنی با لسمع و البصر بعد ظفر الابہامین علی العینین (قہستانی) آنکھوں پر انگوٹھے رکھنے کے بعد

فائدہ:۔ حضرت علامہ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب تفسیر حسینی نے تحفۃ الصلوات میں فرمایا کہ بہت بڑے کبیر الشان سے منقول ہے کہ اذان کی فراغت کے بعد کہے۔ اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ اور مغرب کی اذان کے وقت بالخصوص یہ کہے اللّٰھم ھذا اقبال لیلک وادبار نھارك واصوات دعاتك فاغفرلی۔

موذن اوّل:۔ سب سے پہلا مؤذن حضرت جبریل علیہ السلام یا میکائیل علیہ السلام جنہوں نے بیت المعمور کے نزدیک اذان پڑھی اور اسلام ہیں سب سے پہلا موذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہے اور سب سے پہلے صبح کی اذان شروع ہوئی۔

فائدہ:۔ حضرت بی بی نوار اُم زید بن ثابت رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مسجد کے قریب میرا مکان اُونچا تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی پر کھڑے ہو کر اذان پڑھتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو مسجد کے اوپر اذان دی جاتی۔

فائدہ:۔ سب سے پہلے عبد اللہ بن زید نے اقامت کہی اور حی علی الفلاح میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا کلمہ دوبار فجر کی اذان میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھایا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر برقرار رکھا[1]۔

الصلوٰۃ خیر من النوم کا معنٰی ہے نماز جو بیداری سے حاصل ہوگی اس راحت سے بہتر ہے جو نیند سے ہوگی۔

مسئلہ:۔ اجابت وال الصلوٰۃ خیر من النوم کے جواب ہیں کہے صدقت و بالخیر نطقت تونے سچ کہا اور بھلائی کا کلمہ بولا اور اقامت کے کلمات قد قامت الصلوٰۃ کے جواب ہیں کہے۔

---

[1] اس سے شیعہ کا رد ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ الصلوٰۃ خیر من النوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اضافہ ہے۔

اقامھا اللہ وادامھا۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم دائم رکھے۔

مسئلہ:۔ اقامت وہی کہے جو اذان پڑھے۔ ہاں اس کی اجازت سے دوسرا اقامت کہہ سکتا ہے۔

فائدہ:۔ سفر کی حالت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اذان پڑھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا شین سین

بعض روایات میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اشھد میں شین کے بجائے سین پڑھتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلال کا سین بھی شین ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آں بلال صدق در بانگ نماز حی را ہی
ہی ہمی خواند از نیاز

تا بگفتند اے پیغمبر نیست راست
ایں خطا اکنوں کہ آغاز بناست

اے نبی و اے رسول کردگار
یک موذن گو بود افصح بیار

عیب باشد اول دیں و صلاح
لحن خواندن حی علی الفلاح

چشم پیغمبر بجوشید و گفت
یک دو رمزے از عنایات نھفت

کاں خسان نزد خدائے ھی بلال
بہتر از مدحی حی و قیل و قال

ترجمہ: بلال صدق دل کے ساتھ نماز کی اذان میں حیّ کو ہی کہتے تھے اور حیّ کو نیازمندی کے ساتھ پڑھتے تھے۔

۲۔ لوگوں نے کہا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ درست نہیں ہے ابھی اسلام کا آغاز ہے اور یہ غلط پڑھتے ہیں۔

۳۔ اے نبی اے اللہ کے رسول آپ فرمائیے ایک مؤذن کو فرمائیں جو فصیح ہو۔

۴۔ یہ عیب ہوتا ہے دین کی فلاح میں کہ وہ لہجہ کے ساتھ پڑھیں حی الفلاح۔

۵۔ پیغمبر کی آنکھیں جوش میں آئیں اور فرمایا کہ اس میں ایک راز چھپا ہوا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلال کا حیّ چھوٹی ھ سے کہنا بڑی ح سے بہتر ہے۔

وامشو رانید تا من ھو رازتان
د انگویم آخرو آغاز تان

ترجمہ:۔ یہ راز ہے سن لو اور اچھی طرح سن لو اس راز کا اوّل و آخر نہیں بتاؤں گا۔

بدعاتِ اذان

۱۔ جمعہ کی اذان اول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑھائی تاکہ بازار کے کاروباری لوگ کاروبار چھوڑ کر مسجد میں آسکیں ورنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانۂ اقدس میں جمعہ میں صرف ایک ہی اذان ہوتی۔ جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا۔

۲۔ اذان سے پہلے تسبیح کی بدعت ۷۰۰ھ کے بعد ناصر محمد بن قلاوون کے زمانہ میں شروع ہوئی اس کی علت بھی وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان ثانی کے لیے پیش کی۔ یعنی لوگوں کی غفلت دور کرنے کے لیے۔

۳۔ **اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کا اجراء**:۔ یہ بدعت حسنہ ہے حضرت سلطان منصور حاجی بن اشرف شعبان بن حسن بن محمد بن قلاوون کے زمانہ میں شروع ہوئی یعنی آٹھویں صدی کے اواخر میں اس کا آغاز ہوا۔

۴۔ دو اذانیں اکٹھا کرنے کی بدعت کا آغاز بنو اُمیہ نے کیا۔ ۵۔ ایک ہاتھ کان پر رکھ کر اذان کا آغاز حجاج بن یوسف کے مؤذن ابن الاصم نے کیا ورنہ پہلے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں دونوں کانوں پر رکھ کر اذان پڑھتے تھے۔ ۶۔ منارہ پر کھڑے ہو کر اذان پڑھنے کا آغاز مصر میں شرجیل نے فرمایا۔

۷۔ اذان کے لیے منبر مقرر کرنا بامر معاویہ رضی اللہ عنہ بنی مسلمہ نے کیا۔ ۸۔ مؤذنین پر عریف سالم بن عامر مقرر ہوئے جسے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قائم فرمایا جب وہ فوت ہوئے تو ان کے بھائی شرجیل کو عریف مقرر کیا گیا۔

۹۔ مؤذنین کی تنخواہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمائی۔

مسئلہ:۔ اذان میں جہر واجب ہے تاکہ لوگوں کو نماز کے اوقات معلوم ہوں۔
مسئلہ:۔ اذان اونچی جگہ پر کہنا سنت ہے اگر صرف اپنے لیے اذان پڑھے تو آہستہ کہہ سکتا ہے۔

نہ آج کل [illegible] سے یہ طریقہ ختم ہوگیا لیکن افسوس کہ اکثر مساجد میں سپیکر مساجد کے اندر فٹ کئے گئے ہیں جس سے اذان اور دوسرے اعلانات نشر ہوتے ہیں یہ گناہ ہے اس کا ازالہ ضروری ہے جرم میں مساجد کے متولی اور امام و مؤذن و مقتدی برابر کے شریک ہیں۔

مسئلہ:۔ تکبیرات انتقالیہ کو مؤذن زور سے پڑھے تاکہ جو لوگ امام سے دور ہیں انہیں اقتدا میں سہولت ہو۔ اگر امام کی اپنی آواز مقتدیوں کو پہنچ سکتی ہے تو مؤذن کو جہر سے تکبیرات کہنا مکروہ ہے۔ (انسان العیون)

فوائد

۱۔ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مسجد نبوی کے پانچ منارے تھے ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ مسجد نبوی کے پانچ مناروں میں نماز کے اوقات خمسہ کی طرف اشارہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں پانچ اوقات نماز کی دعوت میناروں کے ذریعے دی جا رہی ہے۔

۲۔ بارہ گھنٹوں کا اندازہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے مقرر فرمایا جبکہ آپ طوفان کے درمیان کشتی میں تھے تاکہ ان سے نماز کے اوقات معلوم ہو سکیں۔

۳۔ حرم مکی میں سات میناروں میں مراتب الدعوۃ الی الفنا کی طرف اشارہ ہے اور یہ مراتب بھی سات ہیں جو سات اسماء کے مطابق جن کا آخری مرتبہ اسم قہار پر ہے اور کعبہ ذات احدیہ اور اس کے مراتب عروجی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ مراتب وہی مراتب الفناء ہیں اس لیے کہ مراتب بقاء تو نزول کے بعد ہوتے ہیں اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تاکہ مرتبہ بقاء کا تحقق ہوا اور کعبہ کا آٹھواں مینارہ بھی ہے یہی مینارۂ بقا ہے لیکن وہ منارہ کعبہ کا آٹھواں میں ہے جو کعبہ میں مدفون ہے وہ زمین پر کبھی ظاہر نہیں ہوتا ہاں اہل کشف اسے دیکھتے رہتے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ مجھے بھی مکشوف ہوا جب میں کعبہ معظمہ میں مجاور (مقیم) تھا۔

۴۔ ابتدا میں کعبہ معظمہ کے ۵۰ مینار تھے جیسا کہ میں نے تاریخ قطبی میں دیکھا وہ بعض تو حرم کے اندر تھے اور بعض پہاڑوں پر یہ سب نماز کے اوقات کا اشارہ کرتے تھے کیونکہ شب معراج تو اصلی نماز پچاس مقرر ہوئی جو بعد تخفیف کر کے پانچ کی گئی۔ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت عجیبہ و مصلحت بدیعہ ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ لا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ۔ نیکی اور برائی برابر نہیں۔ اب ان اعمال کا بیان ہو رہا ہے جو بندے اور رب تعالیٰ کے درمیان جاری ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین کی اذیت پر صبر کرنے کی ترغیب ہو۔ برائی کا احسان سے مقابلہ کیا جا سکے اور دوسرا لا زائدہ نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اچھی خصلت اور برائی جزاء اور حسن انجام کے لحاظ سے برابر نہیں۔ جب آپ ان کی ایذا و جہالت پر صبر کریں گے

اور ان سے انتقام نہ لیں گے اور نہ ہی ان کی سفاہت اور بیوقوفی کی طرف التفات فرمائیں گے تو ان کی دنیا میں بہت بڑی عزت اور آخرت میں بہت بڑا ثواب ہوگا اور وہ (کفار ومشرکین) اس کے خلاف ہیں یعنی نہ انھیں دنیا میں عزت ہے اور نہ آخرت میں ثواب پائیں گے۔ اسی لیے ان کی برائی کا ارتکاب آپ کو اچھی خصلتوں پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتا۔ اگر حسنہ وسیئہ سے ان کی جنس مراد ہو تو اب معنی یہ ہوگا کہ تمام نیکیاں آپس میں برابر نہیں کیونکہ نیکیاں فی نفسہا متفاوت ہیں مثلاً کہاں ایمان اور کہاں راستہ سے ایذا دینے والی چیزیں ہٹانا ایسے ہی برائیاں بھی متفاوت ہیں کہ ان کی بعض کبیرہ ہیں اور بعض صغیرہ۔ اس معنیٰ پر دوسرا لا النفی کی تاکید کے لیے نہ ہوگا۔ (کشاف)

ادفع بالتی ھی احسن۔ دفع کیجئے اس کے ساتھ جو وہ زیادہ بہتر ہے اچھی خصلت کے حسن انجام کا بیان ہے یعنی جب تمھیں کسی دشمن سے کوئی برائی عارض ہو تو اُسے بھلائی سے دفع کریں جو اس سے بہتر ہے یعنی بُرائی کا بدلہ احسان سے دیں کیونکہ یہ عفو سے احسن ہے ؎

بدی را بدی باشد سہل جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

ترجمہ:۔ بُرائی سے بُرائی کی جزا دآسان ہے اگر جوانمرد ہو تو برائی والے کو احسان سے جزا دو۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قطع رحمی تعلق کرے تو اُس سے تعلق جوڑ اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اُسے معاف کر جو تیرے ساتھ برائی کرے تو اس پر احسان کر۔

فائدہ:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم بھی کسی کو فرمایا ہے تو پہلے خود اس پر عمل فرمایا اور ایسے اُمور سوال کے قائم مقام ہوتے ہیں گویا کسی نے کہا کہ بُرائی والے کے ساتھ تو اس کے جواب میں فرمایا۔ ادفع الخ۔ یہاں ظاہری عبارت کا تقاضا تھا کہ فادفع الخ ہو کیونکہ فاء سببیہ یہاں مناسب ہے لیکن چونکہ مبالغہ مطلوب ہے اسی لیے فاء سببیہ لانا نامناسب ہے اسی لیے حسنۃ کی بجائے احسن کہا گیا ہے کیونکہ حسنہ کو دفع کی بہ نسبت احسن زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اعلیٰ درجہ کے حسنہ سے بُرائی کا بدلہ دے سکتا ہے اسے ادنیٰ سے بدل دینا آسان ہوگا۔ فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ دفع مامور مذکور کا نتیجہ ہے یعنی جب تو عمل مذکور کرے گا تو تیرا دشمن جو تیری جان کا دشمن ہے وہ تیرا شفیق دوست کی طرح ہو جائے گا۔

شانِ نزول:۔ مروی ہے کہ یہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس لیے کہ ان کے اسلام لانے سے پہلے باوجودیکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر

تھے لیکن دشمنی میں بھی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے لیکن جب مسلمان ہوئے تو اسلام کی وجہ سے مسلمانوں کے دوست ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رشتہ داری کے لحاظ سے حمیم رشفیق سمجھے جاتے۔

حکایت امام اعظم رضی اللہ عنہ:۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ پس پشت میری بدگوئی کرتا ہے تو میں پس پشت اس کی تعریف کرتا رہتا تھا یہانتک کہ مجھے یقین سے اطلاع پہنچی کہ وہ میرے اس طریق سے میری تعریف کرنے لگ گیا ہے ؎

بدی در قفا عیب من کرد و خفت
بتر زو قریبے کہ آورد و گفت

ترجمہ:۔ وہ برائی جو میرے پس پشت بیان اور عیب ظاہر کر کے چھپ گیا اس سے میرے نزدیک وہ بڑا ہے جو میرے قریب ہو کر اسے آکر سناتا ہے۔

عدو را بالطاف گردن بہ بند
کہ نتواں بریدن بتیغ ایں کمند
چوں دشمن کرم بیند و لطف وجود
نیاید دگر خبث ازدو در وجود
چہ با دوست دشوار گیری و تنگ
نخواہد کہ بیند ترا نقش رنگ
و گر خواجہ با دشمناں نیک خوست
کسے بر نیاید کہ گردند دوست

ترجمہ:۔ دشمن کی الطاف سے گردن بند کر اس کمند کو تلوار سے نہیں کاٹا جا سکتا۔

۲ :۔ جب دشمن کرم و لطف و احسان دیکھے گا تو اس سے خباثت وغیرہ وجود میں نہ آئے گی۔

۳ :۔ جب دوست سے سخت گیری اور تنگی کرو گے تو وہ تیرا سایہ دیکھنا بھی گوارا نہ کرے گا۔

۴ :۔ اگر سردار دشمنوں سے نیک عادت کرتا ہے تو وہ وقت دور نہیں کہ اس کے دشمن دوست نہ ہوں

فائدہ:۔ حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پہ بتایا ہے کہ خلق حسن، اور خلق برا برابر نہیں ہو سکتے ہمیں اخلاقِ مذمومہ کو اخلاق محمودہ سے تبدیل کرنے کا حکم ہے اور احسن الخلق حوصلہ ہے اس سے ہی دشمن دوست بنتا ہے اور بعید قریب ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے

کہ مخالف پر غضب کے بجائے حوصلہ اور ظلم کے بجائے معافی اور برائی کے بجائے جود و کرم کو عمل میں لایا جائے۔

فائدہ:- حضرت ابن عطاء نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ہماری خدمات یعنی سلوک کی راہ میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکل جاتا ہے وہ دونوں برابر نہیں اور نہ ہی وہ جو اس راہ میں رہ کر بے ادبی اختیار کرتا ہے کیونکہ جو دور رہ کر بے ادبی کرے وہ اس کے برابر نہیں جو قریب رہ کر کرتا ہے عموماً جہال کو کبائر معاف کیے جاتے ہیں اور صدیقوں سے معمولی سی غلطی پر سخت مؤاخذہ کیا جاتا ہے۔

وما یلقٰھا۔ تلقیہ سے ہے بمعنی کوئی شے کسی کے آگے لانا۔ اور نہیں عطا فرماتے ایسی نیک خصلت یعنی برائی کے بدلے احسان کرنے کی خصلت و عادت۔

الا الذین صبروا۔ مگر انہیں جنہوں نے صبر کیا کیونکہ صبر ہی سے نفس کو انتقام سے باز رکھا جاتا ہے۔ وما یلقٰھا اور یہ عادت و خصلت نہیں عطا کرتے

الا ذو حظ عظیم۔ مگر اس صاحب کو جو فضائل نفسانیہ اور قوت روحانیہ سے وافر حصہ رکھتا ہے اسی لیے انتقام کے درپے ہونا ضعف نفس کی دلیل ہے بلکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر تاثرات خارجیہ کا غلبہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ نفس جونہی قوۃ جوہر رکھتا ہو وہ خارجیہ واردات سے متاثر نہیں ہوتا اور جو وہ اُن سے متاثر نہیں ہوتا تو اُسے تحمل و حوصلہ کرنا دشوار نہیں ہوتا اور نہ ہی انتقام کے درپے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

:- کہ اس کے لیے ناگوار امر شہد ہونے کے برابر ہو۔ تزکیۂ نفس ضروری ہے تا کہ اُسے میٹھا و کڑوا برابر محسوس ہوں اور وہ ایسی عادت اپنا لے آیت میں ایسے لوگوں کی مدح ہے جو صبر کرتے ہیں اور حظ وہ نصیب جو مقدر ہو۔

فائدہ:- حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حظ عظیم کی توفیق اسے نصیب ہوتی ہے جسے عنایتِ حق سے وافر حصہ عطا ہوتا ہے اور حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ایام سے آگاہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

:- واما ینزغنک من الشیطٰن نزع۔ اما در اصل ان شرطیہ و ما مزید سے مرکب ہے اور ما زائدہ شرط و استلزام کی تاکید کرتا ہے۔ اسی لیے نون تاکیدہ فعل شرط میں لاحق ہوا ہے اور یہ اُس وقت لاحق ہوتا ہے جب شرط میں تاکید مطلوب ہو النزع کو النخس سے

تشبیہ ہے اور اسے شیطان کے وسوسہ سے اس لیے تشبیہہ دی گئی ہے کہ وہ شر پر اُبھارتا ہے اور ایسے امر کی حرکت کرتا ہے جو انسان کے لائق نہیں ہوتے اور نازع اس شخص کی طرح ہے جو کسی کام میں بہت زیادہ جدو جہد کرے اس معنیٰ پر مِنْ ابتدائیہ ہے یعنی نزع اس کی طرف سے صادر ہوئی ہے یا نازغ کی صفت شیطان کی ہے اس معنیٰ پر من تجریدیہ ہے یعنی شیطان کو شیطنت خالی کر کے مطلق نازع مراد لیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تجھے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور تجھے اس اَمر سے پھیرتا ہے جس کی تمھیں وصیت کی گئی ہے یعنی بُرائی کو احسان سے دفع کرنا۔ اور وہ تھیں اس کے خلاف بلاتا ہے

فاستعذ باللہ۔ تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے شیطان کے شر سے پناہ مانگیے اور اس کی اطاعت نہ کیجئے **انہ ھو السمیع**۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمھارے استعاذہ کو خوب سنتا ہے۔ **العلیم**۔ اور تمھارے ارادہ کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ بُرائی کا بدلہ احسان سے نہ دینا بھی شیطان کے وسوسہ کی نشانی ہے اس سے انسان کو خوب بچنا لازمی ہے۔

انبیاءؑ و اولیاءؒ:۔ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی و ولی کو شیطان کے مکر سے پر خطر رہنا لازمی ہے اس لیے کہ شیطان کا وسوسہ اللہ تعالیٰ کے امتحانات سے ایک امتحان ہے بلکہ اس کے حملوں سے ہر وقت پُر حذر ہونا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیئے کیونکہ شیطان کے وسوسے کا اثر قلب پر پڑتا ہے بلکہ وہ پہلے ہی وار سے قلب پر گھیرا ڈال لیتا ہے جسے فکرہ کہا جاتا ہے اس کے بعد یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جو بھی شیطان اَمر کرتا ہے اس پر عزم بالجزم سے عمل کرتا ہے۔ اگر اس حالت سے انسان باز نہیں آتا تو زلّۃ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ جب شیطان اسے پورے طور پر قابو پالیتا ہے تو قلب قسوۃ کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان کا شیطان اسے پورے طور قابو پالیتا ہے ہاں اگر استعاذہ پر زور دے اور عبودیت میں اخلاص کرے تو چھٹکارا ممکن ہے ورنہ مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ان عبادی لیس لك علیھم سلطان**۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی قبضہ نہیں۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی قوت و تائید سے شیطان سے بیزاری میں بڑھتا اور اس کی عبادت میں عجز و نیاز اور اس سے استعانت میں اخلاص کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حفاظت فرماتا ہے اور شیطان کو اس سے دفع فرماتا بلکہ اسے اس پر ایسا مسلط کر دیتا ہے کہ خود شیطان اسلام قبول کر لیتا ہے[۲]۔

---

[۱] الارشاد ۱۲ = اویسی غفرلہٗ

[۲] التاویلات النجمیہ ۱۲

ازالۂ وہم اور قاعدۂ اہم

حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی پر شیطان کا کوئی حملہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ظاہری حکم تعلیل اُمت کے لیے ہے جبکہ سب مانتے ہیں کہ شیطان تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھوں مسلمان ہو چکا ہے۔

اجماع اُمت:۔ حیوۃ الحیوان میں ہے کہ:۔

اجمعت الامة على عصمة النبی علیه السلام من الشیطن وانما المراد تحذیر غیره من فتنة القرین ووسوسة له واغوائه فاعلمنا انه معنا لنحترز منه حسب الامکان (روح البیان صفحہ ۲۶۲ ج ۸) تحت آیت ہذا۔

ترجمہ:۔ اُمت کا اجماع ہے کہ نبی علیہ السلام کو شیطان سے حفاظت و عصمت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنے قرین کے فتنہ اور وسواس سے بچ جائیں اور اس کے اغواء سے بھی۔ اسی لیے فرمایا کہ شیطان تمہارے ساتھ ہے اس سے حسب الامکان بچو۔

آدمی را دشمن پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کیست

ترجمہ:۔ آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں۔ باحذر انسان عاقل آدمی ہے۔

حدیث شریف:۔ کوئی ایسا آدمی نہیں جس کے ساتھ جن ساتھی اور فرشتہ ساتھی نہ ہو۔ عرض کی گئی تو آپ کے ساتھ بھی۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ مجھے سوائے خیر کے اور کوئی بات نہیں کہتا۔

نبوی شیطان کی تحقیق:۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس کے شر سے محفوظ ہوں نہ یہ معنی کہ شیطان مسلمان ہو گیا۔ شیطان کا مسلمان ہونا کیسا۔ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صیغہ ماضی ہے جس کا معنی وہی ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے۔ واقعی نبوی شیطان مسلمان ہو گیا ہے۔ اس کی تائید حدیث ذیل سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف:۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے آدم علیہ السلام پر دو وجہوں سے فضیلت حاصل ہے:۔

۱۔ میرا شیطان کافر تھا میرے اللہ نے میری مدد فرمائی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

۲۔ میری ازواج دینی اُمور میں میری معاون رہتی ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کا شیطان کافر رہا اور ان کی

نزدیہ نے ان کی لغزش و خطا پر مدد کی۔

فائدہ:۔ یہ صریح الفاظ موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا اور یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرین (شیطان) کے ساتھ خاص ہے اور یہ صرف اور صرف ہمارے نبی علیہ السلام کا خاصہ ہے اور بس[1]۔

تحقیق صاحب رُوحُ البیان:۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ یہ اپنی جگہ پہ حق ہے کہ شیطان کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا جیسے نفس کی حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی جیسے یوسف علیہ السلام نے فرمایا ان النفس الامارۃ بالسوء بلکہ اس کی صفت ہو سکتی ہے اور اس قاعدہ نبی و ولی اور عدو اللہ برابر نہیں لیکن یہ تو سب مانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ اور اعداء الٰہی نفس امارہ کے دلدادہ اس لیے ہم نے کبھی نہیں کہا کہ نبی و ولی نفس سے خالی ہیں بلکہ یہ کہا کہ وہ معصوم و محفوظ ہیں اس سے واضح ہوا کہ نفس ہر ایک میں ہوتا ہے۔

انتباہ:۔ اسے غور سے سمجھ لو کہ یہاں پر کئی قدم ڈگمگائے اسی لیے کسی کامل سے اس کی تحقیق کر لو تاکہ مسئلہ مکمل طور منکشف ہو جائے۔

خلاصہ:۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے شیطان کے اسلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی صلح میں داخل ہوا جیسے کافر ذمی دار الاسلام میں صلح کے ساتھ داخل رہتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اذیت نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ اسی سے نبی اور ولی کے شیطان کے اسلام کا فرق بھی معلوم ہو گیا کہ جیسے اُن کی عظمت و حفاظت میں فرق ہے وہی ان کے شیطان کے اسلام میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ عصمت تمام ذات کو محیط ہوتی ہے اور حفاظت صرف اعضاء تک محدود ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ولی اللہ خواطر وہوا جس سے محفوظ نہیں ہوتا لیکن ان کا اثر جوارح اعضاء پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔

فائدہ:۔ کشف الاسرار میں ہے کہ مشائخ نے فرمایا کہ نزع شیطان غضب کی صورت کا ہے اور یہ ان بُری عادات سے پیدا ہوتی ہے جس میں کبر۔ عجب و عداوت کہا جاتا ہے اور ایسی خشم کا دفع ممکن نہیں کیونکہ وہ انسان کی پیدائشی ہے ہاں وہ خشم مذموم ہے اور اسے دفع کرنا ضروری ہے جو حد اعتدال سے بڑھ جائے اگر یہ حد اعتدال پر ہو تو اسے شجاعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی سے حوصلہ اور کرم و کظم (غصہ پینا) پیدا ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ غضب اس نار سے پیدا کیا گیا جس سے شیطان کی تخلیق ہوئی۔

---

[1] آکام المرجان۔

حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ الغضب من نار الشیطان الم تری الی حمرة عینیه وانتفاخ اوداجه والمتغاضبان یتهاتران ویتکاذبان. غضب شیطان کی آگ ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ غصہ کے وقت آنکھیں سرخ اور رگیں پھول جاتی ہیں۔ ایک دوسرے پر غصہ کرنے والے غلط گوئی اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں۔

تہاتر یعنی ایک دوسرے پر غلط و باطل دعوی کرنا۔[1]

حدیث شریف:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم غصہ کرو۔ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اگر بیٹھے ہو تو سو جاؤ۔ اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے مکر و فریب سے بچائے اور ہم صرف اللہ تعالیٰ پر توکل اور صرف اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ ومن آیاته۔ قدرت الٰہی کی نشانیوں میں سے اللیل والنهار دن اور رات ہیں۔ حضرت امام مرزوق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللیل النهار کے بالمقابل اور النهار اللیل کے بالمقابل ہوتا ہے۔ والشمس۔ اور سورج وہ جس پر نہار مشتمل ہے یعنی خورشید عالم آرا جس کی صورت جام سیماب کی طرح ہے۔

والقمر اور چاند جس پر رات مشتمل ہے جس کی شکل کبھی سناری نعل کی طرح ہوتی ہے اور کبھی سر سیمین کی طرح اور یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے حکم کے پابند ہیں یعنی رات دن کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا جانا کہ جس سے خلق خدا کے منافع و مصالح حاصل ہوتے ہیں اور سورج اور چاند کا اس طرح ہونا جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے یہ ان ظاہر ترین علامات سے ہے جو باری تعالیٰ کے وجود اور اُس کی وحدانیت اور اُس کے کمال علم و حکمت پر دلالت کرتی ہے۔

برصنع الله بے عدد برہانست
در برگ گلے ہزار گوں الوانست
روز ارچہ سپید و روشن تابانست
آن را کہ نداند روز شب یکسانست

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی کاری گری پر ہزاروں برہان ہیں گلاب کے پتوں میں ہزاروں رنگ ہیں۔

۲ ,,:۔ دن اگرچہ سفید اور روشن چمکیلا ہے جسے دن کے متعلق علم نہ ہو اس کے نزدیک دن رات برابر ہیں۔

---

[1] تاج المصادر ۲/۱۱

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے فرمایا کہ اگر تو میری ولایت کو دیکھنا چاہتا ہے تو لِلّٰہِ مُلکُ السَّمٰوٰتِ والارض میں میری ولایت کا بیان ہے۔ اگر تو میری سپاہ دیکھنا چاہتا ہے تو للہ جنود السمٰوٰت والارض میں میری سپاہ کا ذکر ہے۔ اگر تو میرے فعل کے دیکھنے کا خواہش مند فانظر الی آثار رحمة الله کیف یحی الارض بعد موتھا۔ رحمت الٰہی کے آثار دیکھ کہ وہ کیسے ویران زمین کو آباد کرتا ہے۔ اگر تو میری صنعت کو دیکھنا چاہتا ہے تو ومن آیاتہ اللیل والنہار والشمس والقمر میں میری صنعت کا بیان ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو کل قیامت میں مجھے دیکھے تو آج میری صنعت میں میری قدرت کے ساتھ دیدۂ دل سے دیکھ۔ الم تر الی ربك

کیف مد الظل: تاکہ کل قیامت میں میرے فضل سے دیدۂ سر سے دیکھے چنانچہ فرمایا وجوہ یومئذ ناضرة الیٰ ربھا ناظرة۔ آج بعض ایسے چہرے بارونق ہوں گے جو اپنے رب تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر۔ تو سورج و چاند کو سجدہ نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تمہاری طرح اس کے حکم کے تابع ہیں۔

فائدہ: امر سے امر تکوینی مراد ہے نہ کہ تکلیفی کیونکہ اہل ظاہر کے نزدیک نہ انہیں علم ہے نہ اختیار لیکن اہل حقیقت اس کے برعکس فرماتے ہیں وہ یہ کہ انھیں علم بھی ہے اور اختیار بھی جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہٗ کا قول دلالت کرتا ہے ؎

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ترجمہ: سب تیرے لیے پریشان اور فرمانبردار لیکن یہ انصاف کی شرط نہیں کہ تو اس کا فرمان پورا نہ کرے۔

واسجدوا للہ الذی خلقھن: اور اسے سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا فرمایا۔ ھُنَّ کی ضمیر ان چاروں طرف لوٹتی ہے اس لیے جمع غیر ذوی العقول کا حکم مونث جیسا ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں تغلیب المذکر مناسب تھی کیونکہ اس میں صرف الشمس مونث ہے باقی مذکر ہیں یا جمع مونث کی ضمیر بایں معنی ہے کہ سب آیات ہیں۔

سوال: تخلیق کا تعلق کل سے اور سجدہ کی نفی صرف سورج چاند سے کیوں۔

جواب: جب اتنی بڑی نشانیاں سجدہ کے لائق نہیں تو باقی اشیاء کیسے کیونکہ ان کا قیام اپنی ذات سے نہیں بلکہ ان کو قائم رکھنے والی کوئی اور ذات ہے جو صرف اور صرف وہی سجدہ کے لائق ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آفتاب از امر حق طباخ ماست
ابلهی باشد کہ گوییم رو خداست
آفتاب گر بگیرد چوں کنی
آں سیاہی ز نور چوں بیروں کنی
نے بدرگاہ خدا آری نداع
کہ سیاہی را ببر وادہ شعاع
گر کشندن نیم شب خورشید کو
تا نیابی یا امان خواہی ازو
حادثات اغلب بشب واقع شود
واں زماں معبود تو غائب بود
سوئے حق گر راستانہ خم شوی
و راہی از اختراں محرم شوی

ترجمہ:۔ سورج بحکم الٰہی ہمارا طعام پکاتا ہے یہ بیوقوفی ہے کہ ہم اسے خدا کہیں۔

۲ :۔ اگر وہ سورج کو پکڑ کر اپنے پاس رکھ لے تو نور سے اس کی سیاہی کیسے دور کر سکو گے۔

۳ :۔ تو پھر تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی کیوں نہیں لاتا کہ وہ سیاہی دور کر کے نور لائے۔

۴ :۔ اگر آدھی رات کو بھی سورج کو لایا جائے تو تم اس وقت بھی پناہ نہ پاؤ گے۔

۵ :۔ حادثات ہمیشہ رات کو واقع ہوتے ہیں اُس وقت تیرا معبود غائب ہو چکا ہوتا ہے۔

۶ :۔ حق تعالیٰ کی طرف اگر صدق دل سے سر خم کرد تو تم نجات پاؤ گے اور معزز بن جاؤ گے۔

ان کنتم ایاہ ۔ اگر تم خاص اسی کو نہ اس کے غیر کو۔ تعبدون پوجتے ہو یعنی اگر صرف اسی کی عبادت کرتے ہو تو پھر اس کے غیر کے آگے سجدہ نہ کرو۔ اس لیے کہ سجدہ مراتب عبادت کا انتہائی مرتبہ ہے اسی لیے یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہو۔

فائدہ:۔ بعض لوگ ایسے تھے جو سورج اور چاند کو عبادت کا سجدہ کرتے جیسے صابی ستارہ پرستوں کا حال ہے ان کا خیال تھا کہ یہ سجدہ دراصل اللہ تعالیٰ کو ہے اس سے رد کئے گئے اور فرمایا گیا کہ سجدہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کو ہے جس نے جملہ اشیاء کو پیدا کیا۔

سوال :۔ ایسا سجدہ کیوں ناجائز ہے جب وہ سورج کو قبلہ بنا کر سجدہ کرتے۔

جواب :۔ سورج بظاہر ایسا جوہر ہے جو نورانی اور عظیم المرتبہ اور اس میں صلاح احوال خلق کے بیشمار منافع ہیں۔ اگر اجازت دی جائے کہ اس کو قبلہ سمجھ کر اس کی طرف رکوع و سجود کیا جائے تو بعض کمزور دماغ کے لوگ یہ سمجھیں گے کہ صرف اسی کو رکوع و سجود ہو رہا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو بخلاف کعبہ کے پتھروں کے کہ ان کو قبلہ بنانے میں ایسا وہم پیدا نہیں ہو سکتا۔

سورج کی پرستش کا عذاب :۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا جب سورج غروب کرتا ہے تو وہ ایک دریا میں داخل ہو جاتا ہے جو عرش کے نیچے بہہ رہا ہے صبح تک یہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتا ہے جب واپسی کا اسے حکم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے واپسی کی معافی چاہتا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ اس کے حال سے باخبر ہے پھر بھی وجہ پوچھتا ہے عرض کرتا ہے کہ جب طلوع ہوتا ہوں تو لوگ میری پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس میں تیرا کوئی قصور نہیں میں انھیں جہنم میں داخل کروں گا۔ ان کے لیے تیرہ ہزار فرشتے آگ کو کھینچ کر ان کے قریب لے جا کر انہیں جہنم میں داخل کریں گے۔

مسئلہ :۔ حدیث شریف میں ہے کہ میری اُمت میں ریاء نہیں اگر ہے تو اعمال میں ہاں ایمان ان کے دل میں ایسے مضبوط ہے جیسے پہاڑ اور نہ ہی ان میں کبر ہے اگر ہے تو جب سجدہ میں گرتے ہیں تو وہ بھی نہیں رہتا۔

تفسیر عالمانہ :۔ فان استکبروا۔ اگر ترک سجود میں نافرمانی کر کے تکبر کرتے ہیں اور خواہ مخواہ سورج وغیرہ کو سجدہ کرتے ہیں تو جو اللہ کی خالصاً عبادت کر رہے ہیں ان کے بالمقابل یہ منکرین کچھ نہیں کیونکہ فالذین عند ربك اور وہ جو تیرے رب کے ہاں ہے یعنی مقرب فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں۔ یہ جزا محذوف کی علت ہے۔ یسبحون لہ۔ اللہ تعالیٰ کی شرکاء سے تنزیہ کرتے بلکہ ان جملہ اُمور سے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اللیل والنہار اور رات و دن میں یعنی دائما اور جمیع اوقات میں۔

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ تعداد میں بہ نسبت دوسروں کے زائد ہیں ورنہ عبادت گزار مخلوق اور بھی ہے۔ علاوہ ازیں سورج و چاند ان کے نزدیک ہیں لیکن وہ غیور ہیں کہ وہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں سورج و چاند ان کی نظروں میں کچھ بھی نہیں۔ وھم لا یسئمون اور وہ ملال نہیں کرتے۔

حل لغات :۔ السامہ بمعنی ملالت یعنی وہ تسبیح و عبادت سے نہ تھکتے ہیں اور نہ ملال کرتے ہیں بلکہ تسبیح ان کے لیے ایسے ہے جیسے انسان سانس نکالتے ہیں۔ اسی لیے وہ تسبیح و عبادت سے

نہیں تھکتے اور نہ سیر ہوتے ہیں۔

فرشتہ عجوبہ روزگار: مروی ہے کہ ایک فرشتہ جن کا نام حزقیائیل (علیہ السلام) ہے جن کے اٹھارہ ہزار پر ہیں اور ہر پر کے درمیانی مسافت پانچسو سال ہے وہ خیال کرتا ہے کہ دیکھے عرش کے اوپر کیا شے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دوہرا کر دیتا ہے یعنی اس کے چھتیس ہزار پر پیدا ہو جاتے ہیں جس کے ہر پر کی دوسرے پر کی درمیانی مسافت پانچسو سال ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے لے فرشتے اڑ تو وہ بیس ہزار سال اڑتا ہے تب بھی عرش کے کسی پایہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے قوت اور پروں میں اضافہ فرما کر تیس ہزار سال اڑنے کا حکم فرماتا ہے تب بھی وہ عرش کے پایہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تجھے اسی طرح پروں اور قوت میں اضافہ ہوتا رہے اور تو نفخ صور تک اڑتا رہے تب بھی تو عرش کے کسی ایک پایہ تک نہیں پہنچ سکے گا اس پر وہ پڑھتا ہے۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے۔ سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل فرمائی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مبارک کلمہ کو نماز کے سجدہ میں پڑھا کرو۔

فائدہ: حضرت عبدالعزیز مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جو اس کے عرفان پر اسے یاد کرنے پر نہیں تھکتا اور پاک ہے وہ جو اس سے مانوس ہونے کے بعد غیر سے وحشت نہیں پاتا اور پاک ہے وہ جو اس سے محبت کرتا ہے تو ماسویٰ سے مکمل طور منہ پھیر لیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ جو معقولات اور مختلف علوم کے انوار کے شمس الروح کی تجلیات کے وقت تمہیں کشف ہوا سے اپنا مقصود و معبود نہ بناؤ جیسے فلاسفہ نے کیا اور ایسے ہی جو مشاہدات و مکاشفات علوم دینیہ سے قمر قلب میں شواہد حق کی تجلی کے وقت تم کو مشاہدہ ہوتا ہے انھیں مقصود و معبود نہ سمجھو جیسے بعض خیال صوفیہ اور ناکمل ارباب سلوک نے کیا۔ انھیں عرفان کی معمولی جھلک اور کرامات کا کچھ حصہ نصیب ہوا تو منازل طے کرنے سے ٹھہر گئے اور جس کی معرفت حاصل کرنی تھی اس کے بجائے معرفت میں دل بہلاتے رہے اور کرامات عطا کرنے والے کے بجائے کرامات کے صدور پہ خوش رہے ایسے حضرات نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کو معبود و مقصود سمجھ لیا حالانکہ مقصود و معبود تو ذات ہونی چاہیئے جو سالکین کی منازل کی سیر کا اصل منشا ہے تمہیں بھی وہی راہ لینی چاہیئے اگر تم اس کے محب اور اس کے سچے عابد ہو اور اس کے وصل اور اس کی طرف پہنچنے کی خواہش رکھتے ہو خبردار ایسے نہ ہونا جو اس کی عبادت محض جہنم کے خوف اور جنت کے طمع پر کرتے ہیں۔ اگر اہل اہواء و اہل البدع تکبر میں ہیں اور جمیع الوجود کے ساتھ سجدہ کے لیے تیار نہیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء و اولیاء کی کثرت ہے

جو اس کی تنزیہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو کسی کی بھی تبلادریزی کی ضرورت نہیں اور وہ انبیاء و اولیا کی ارواح اس کی تسبیح و تنزیہ سے نہ تھکتے ہیں اور نہ ملول ہوتے ہیں۔

تحقیق سجدۂ تلاوت: حضرت علامہ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا سجدات قرآنی میں سے یہ گیارھواں سجدہ ہے۔ حضرت امام و شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے اس کا نام سجدۂ اجتہاد رکھا ہے اور فرمایا اگر یہ ان کنتم ایاہ تعبدون سے تعاون ہو اگر لا یسئالون سے مقارن ہو تو یہ سجدۂ نشاط ہے۔

خلاصہ یہ کہ تعبدون ہی سجدہ کا مقام ہے۔ یہ امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب ہے کیونکہ اسی کا امر ہے اور جس کا امر ہے سجدہ بھی وہاں ہو لیکن امام ابو حنیفہ اور ایک روایت میں امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وھم لا یسئالون سجدہ کا مقام ہے کیونکہ مضمون کا اختتام یہاں پر ہوتا ہے۔

مسئلہ: ہر امام اپنے اصل کے مطابق سجدہ کا حکم صادر فرماتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک موجب فضیلت ہے اور امام شافعی و احمد رضی اللہ عنہ کے نزدیک سنت ہے۔

تفسیر عالمانہ: ومن اٰیاتہ انک تری الارض اور اللہ تعالیٰ کے قدرت کے دلائل سے ہے کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے ہر ناظر) تم دیکھتے ہو زمین کو درانحالیکہ خاشعہ خشک ہوتی ہے اس پر کسی کی انگوری نہیں ہوتی بلکہ نہایت ہی بے آب و گیاہ اور بے کار سی نظر آتی ہے۔

الخشوع سے ہے بمعنی التذلل زمین کے خیر و برکت سے خالی اور بالکل خشکی کی وجہ سے اسے خشوع سے تشبیہہ دی گئی ہے جیسے خاشع و خاضع انسان نہایت ذلیل اور غیر معتبر اور بے کار ہوتا ہے ایسے ہی زمین کا حال ہے یہ استعارہ تبعیہ ہے یعنی زمین خشک اور ویران۔ فاذا انزلنا علیہا الماء اھتزت۔ اہتزاز سے ہے بمعنی تحرک یعنی انگوری سے حرکت میں آجاتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب ہم زمین پر پانی برساتے ہیں تو اس سے گھاس وغیرہ اگنا شروع ہو جاتا ہے درخت اور بڑھنے شروع ہو جاتی ہے کیونکہ جب انگوری بڑھتی ہے تو ایسے معلوم ہوتی ہے کہ زمین اونچی اور بلند ہو گئی وہ انگوری سے پھٹتی ہے تو انگوری اوپر کو اٹھتی ہے۔ یہ ربا۔ ربوا سے ہے بمعنی زاد و نما۔ کہا جاتا ہے ربا الفرس یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑا دوڑنے سے سانس نکالے تو پھولا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس کی گھبراہٹ کے وقت یہی حالت ہوتی ہے۔

فائدہ: امام راغب نے فرمایا کہ ربت بمعنی زادت نما یادۃ المتوجی زمین ایسے بڑھی جیسے تربیت کنندہ سے تربیت کردہ شخص بڑھتا ہے ان الذی احیاھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اسے زندہ کیا جیسا کہ مذکورہ ہوا۔ الاحیاء بمعنی اعطاء الحیاۃ اور یہ حس و حرکت کی مقتضی ہے۔ احیاء الارض سے زمین میں قوائے نامیہ اٹھنا اور اس میں مختلف انگوریوں کے ساتھ رونق کا پیدا ہونا مراد ہے لمحی الموتیٰ وہی قیامت میں مردے زندہ فرمائے گا۔ انہ علی کل شیٔ۔ بیشک وہ جملہ اشیاء منجملہ ان کے احیاء الموتیٰ بھی ہے۔ قدیر۔ قادر ہے یعنی وہ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اس کا وعدہ کیا ہے تو اسے ضرور پورا فرمائے گا۔

فائدہ: مردوں کو زندہ کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احیاء النفوس بھی فرماتا ہے اور احیاء القلوب بھی۔ احیاء النفوس کا مطلب یہ ہے کہ بشریت کی دواعی و اسباب کے فقدان سے خشک اور بیکار تھی۔ جب اس پر ابتلا و استدراج پانی پڑتا ہے تو پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ کیسے معاصی کی نباتات و مناہی کے اشجار سے پھلتی پھولتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آتشت را ہیزم فرعون نیست
زانکہ کہ چوں فرعون اوراعون نیست

نفس اژدرہاست رد کے مردہ است
از غم بے آلتی افسردہ است

کرمک است ان اژدہا ازدہ است فقر
پشۂ گردد زجاہ و مال صقر

ترجمہ: تیری لکڑی میں فرعونی تیزی نہیں اس لیے فرعون کی طرح وہ طاقت نہیں۔

۲: نفس تو اژدہا ہے وہ مردہ کب ہے اسباب نہ ہونے کی وجہ سے مرجھایا ہوا ہے۔

۳: کیڑا ہے لیکن اژدہا ہے کمزور فقر و افلاس کی وجہ سے ہے۔ جاہ و مال سے مچھر بھی شکرہ بن جاتا ہے۔

اسی لیے مندرجہ ذیل دعا سخت ترین دعاؤں میں شمار ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی کسی کو دعا دے۔

اذاقک اللہ طعم نفسک۔ تجھے اللہ تعالیٰ نفس کا ذائقہ چکھائے۔

یہ ظاہر ہے کہ جو نفس کے ذائقہ میں معروف ہو جائے اور اس کی چاشنی میں محو ہو کر مقصود سے رہ جائے

اس جیسا محروم القسمت اور کون ہوگا۔

اور احیاء القلوب نور ایمان وصدق طلب وغلبات شوق سے ہوتا ہے۔ یہ اُس وقت ہے جب لطف الٰہی کی بارش اور سماء الرحمت ان پر نازل ہو۔

حکایت :۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سمنون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو طواف میں ٹہلتے ہوئے طواف کرتے دیکھا انھیں پکڑ کر پوچھا اے شیخ بارگاہ حق میں حاضر ہو کر ایسا ٹہلنا کیسا جب اُنھوں نے مجھ سے بارگاہ حق کی حاضری کا سنا تو بیہوش ہو کر گر پڑے جب افاقہ پایا تو پڑھ رہے تھے ؎

و مکتئب لج السقام بجسمه
کذا قلبه ، بین القلوب سقیم
بحق لومات فوخاً و لو غنة
فموفقه یوم الحساب عظیم

ترجمہ :۔ میں جسمانی لحاظ سے بیماریوں میں مبتلا ہوں ایسے ہی میرا دل بھی بیمار ہے۔

۲ :۔ بخدا یہ اس حالت میں مر جائے تو اس کی پیشی یوم حساب میں بڑی ہے۔

اس کے بعد مجھے فرمایا اے برادر میں نے نفس سے چند خصلتیں پائی ہیں جن کی وجہ سے مجھے فائدہ ہوا :۔

۱۔ جو میرے نفس میں زندہ تھی اسے میں نے مار دیا یعنی اس کی خواہشات اور جو مردہ تھی میں نے اسے زندہ کیا۔ یعنی دل۔

۲۔ جو مجھ سے غائب تھا اسے میں نے حاضر کیا یعنی آخرت کا میرا حصہ اور جو میرے ہاں حاضر تھا اسے میں نے غائب رکھا یعنی میرا دنیوی حصہ۔

۳۔ جو مجھ میں فانی تھا اسے میں نے باقی بنایا یعنی تقویٰ اور جو میرے میں باقی تھا اسے میں نے فانی کیا یعنی خواہشاتِ نفسانی۔

۴۔ جس سے لوگوں کو وحشت تھی میں نے اس سے اُنس کیا یعنی اللہ تعالیٰ کا اُنس اور اس کا ذکر اور جس سے لوگوں کو اُنس تھا میں نے اس سے وحشت کی یعنی ماسوی اللہ اور اُنس مابعد سے حسن الخاتمہ نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے وحشت اور غیر اللہ سے اُنس سے خاتمہ برباد ہوتا ہے (نعوذ باللہ) اور سوء الخاتمہ یہی ہے کہ دنیا سے کوچ کے وقت انسان ایمان کی دولت سے محروم جائے۔

حکایت حاتم اصم :۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک نباش (قبر کھود کر کفن چرانے والا) نے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے اس کا دل حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے زندہ کیا آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے کتنی قبریں اکھیڑیں عرض کی بیس سال میں ستر ہزار قبریں اکھیڑی گئیں یہ سن کر آپ

بیہوش ہو گئے۔ افاقہ کے بعد پوچھا وہ مسلمانوں کی قبریں تھیں یا کافروں کی۔ عرض کی مسلمانوں کی۔ آپ نے پوچھا
ان میں کتنے مردے روبقبلہ تھے اور کتنے قبلہ سے منہ پھیرے ہوئے تھے۔ عرض کی صرف تین سو مردے ایسے تھے
جن کا رُخ قبلہ کو تھا باقی مردوں کے چہرے قبلہ سے پھیرے ہوئے تھے۔ یہ سن حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ
بیہوش ہو گئے۔

فائدہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کا دل خوفِ خدا سے لبریز اور معرفت سے لبریز ہوتا ہے تو اُسے یقین ہوتا
ہے کہ موت حق ہے اس کے بعد آزمائش بھی ہے اس کے بعد قبر سے اٹھنا ہے وہاں بڑا امتحان ہے
اس سے وہ خوف زدہ رہتا ہے اور جب اس پر وہ تصور غالب ہو جاتا ہے تو بیہوش ہو جاتا ہے۔

ابلیس کے حملے: جب مومن کی روح کو مرنے کے بعد آسمانوں پر لے جاتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں
پاک ہے وہ ذات جس نے اُسے شیطان کے حملوں سے بچایا ورنہ شیطان کے حملے تو زبردست
ہیں نامعلوم اس روح نے اس کے حملوں سے کیسے نجات پائی کیونکہ حملے سخت اور فتنے بکثرت اور قلوب کو وہ چمٹ جاتا ہے
تو ایسی کیفیت سے نجات پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے دین پر استقامت اور ذکرِ الٰہی پر مداومت اور شیطان مضل
اور اس کے مہلک فتنہ سے استعاذہ ضروری ہے۔

تفسیرِ عالمانہ: ان الذین یلحدون۔

حل لغات: الحاد دراصل مطلق میل و انحراف کو کہا جاتا ہے۔ لحد اسی سے ہے اسی لیے وہ قبر کی ایک جانب
سے ہے پھر اس انحراف سے مخصوص ہو گیا جو حق سے باطل کی طرف ہو اب معنیٰ یہ ہوا کہ بیشک
وہ لوگ استقامت سے میل کرتے ہیں فی ایاتنا ہماری آیات میں یعنی اپنے الحاد کی وجہ سے ان پر
طعن کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی کہہ دیا کہ یہ جادو ہے یہ جھوٹ ہے یہ شعر ہے یا تحریف مراد ہے وہ یہ کہ اس کے
اصلی محامل سے ہٹ کر دوسرے معانی گھڑتے ہیں۔
لا یخفون علینا۔ وہ ہم پر مخفی نہیں ہم ان کے الحاد کی انہیں سزا دیں گے۔ افمن یلقی
فی النار۔

ربط: یہاں سے ایسے لوگوں کی سزا کی کیفیت کا ذکر ہے یعنی تو کیا وہ جو آگ میں ڈالا جائے اپنے منہ
کے بل اس سے تمام کافر مراد ہیں۔ ان کا کفر کسی قسم کا ہو۔
خیر ام من یاتی امنا یوم القیمۃ۔ بہتر ہے یا وہ جو قیامت میں امن وچین سے آئے۔ اس
سے اہل ایمان مراد ہیں۔

نکتہ: جہنم میں ڈالے جانے کے مقابلے میں امنا الخ لانے میں اہل ایمان کی شان کے اظہار میں مبالغہ ہے کہ وہ قیامت میں ہر طرح کے خطرے سے امن میں ہونگے اگر اس کے بجائے ان یدخلھم فی الجنۃ فرماتا تو اس میں احتمال ہوتا ممکن ہے کہ انہیں خوف کے بعد امن بخشا ہو۔

فائدہ: آیت میں احتباک بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اول سے ثانی کا مقابل اور ثانی میں اول کا مقابل حذف کر دیا جائے جیسے یہاں دراصل عبارت یوں ہوا فمن یاتی خائفا و یلقی فی النار خیر ام من یاتی امنا و یدخل الجنۃ۔ خلاصہ یہ کہ ثانی پہلے سے بہتر ہے اعملوا ما شئتم وہی عمل کرو جو چاہو برے اعمال جہنم میں لے جائیں گے۔ نیک اعمال قیامت میں امن و چین عطا فرمائیں گے۔ آپ خود سوچو کہ تم کون سے اعمال چاہتے ہو۔ اگر برائی کرو گے تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔

فائدہ: اس میں تہدید شدید مطلوب ہے نہ یہ کہ اس سے برائی کے ارتکاب کی اجازت ہے۔

فائدہ: الاسئلۃ الاقحمہ میں ہے کہ امر وعیدی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا عجز یا غفلت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ اور ہے وہ یہ کہ برے کو موت سے پہلے برائی سے باز آجانے کا موقعہ دیا گیا ہے یہی وعید کے اسباب میں ابلغ وجہ ہے۔

انہ بما تعملون بصیر۔ بیشک جو تم عمل کر رہے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس کی تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔ ؎

حیل و مکر رہا کن کہ خدا می داند
نقد مغشوش مبادر کہ معامل بیناست

ترجمہ: حیلہ و مکر چھوڑ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے یہاں نقد کھوٹا نہ لا کیونکہ جس سے معاملہ ہے وہ خوب جانتا ہے

تفسیر صوفیانہ: آیت میں ان اہل تشطیح و طامات کو ڈرایا گیا ہے جو طامات وغیرہ سے عوام سے عزت کے خواہاں ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں اور گوشہ نشین بنے رہتے ہیں (تاکہ لوگ انہیں ولی اللہ سمجھیں) اور مشائخ کی کتابوں (تصانیف) پر طعن و تشنیع کرتے ہیں حالانکہ خود جاہلانہ باتیں کرتے ہیں اور جب عوام کی مجالس میں آتے ہیں تو قیمتی لباس پہن کر (تاکہ وہ ان سے نفرت نہ کریں) اور وجد و حال اور کشف وغیرہ کے دم بھرتے ہیں حالانکہ ان کا جھوٹ اور بدنیتی اور بہتان وغیرہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان کے قلوب کے گوشوں میں چھپے ہوئے غلط خیالوں سے بھی باخبر ہے۔

اولیاء کرام کے علوم: ایسے اولیاء کرام یعنی صدیقین و عارفین خلق خدا کے قلوب کے مخفی اسرار و رموز سے مطلع ہیں بلکہ وہ نور الٰہی سے قلوب کے حجابہ حالات کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

درسِ عبرت :۔ مذکورہ بالا مدعیان کشف و کرامات کے قیامت میں رسوائی اور فضیحت دیدنی ہوگا خدا نہ دکھائے اور نہ ہمیں ان سے بنائے۔ آمین۔

فائدہ :۔ کل قیامت میں اہل حق کو آنکھوں بلکہ قلوبِ ناشقانہ سے دیکھیں گے اسی لیے قرآن میں ہے کہ اہل جنت و اہل نار برابر نہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا مدعیوں کو ملحد بتایا اور انہیں فراعنہ سے تشبیہہ دی اور فرمایا کہ ان کے قلوب بھیڑیوں کے ہیں۔

حدیث شریف :۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

یخرج فی اُمتی اقوام لسانھم لسان الانبیاء و قلوبھم کقلوب الفراعنۃ

میری اُمت میں ایک قوم پیدا ہوگی جن کی زبان انبیاء علیہم السلام جیسی ہوگی لیکن دل فرعون کی طرح ہوں گے۔

دوسری جگہ فرمایا :

کقلوب الذئاب یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ[1]

ان کے قلوب بھیڑیوں کی طرح ہوں گے وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

افتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا

بغیر علم کے فتویٰ دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

فائدہ :۔ مفسرین نے فرمایا آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ ہمارے اُوپر بلاوجہ جرأت کرتے ہیں تو ان کی جرأت ہم پر مخفی نہیں اور ان کے دعویٰ میں ہم ان کے حد سے تجاوز کو جانتے ہیں اور حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو حقیقت کے بغیر دعویٰ کرتا ہے وہ عنقریب ہم سے دیکھ لے گا جو ہم اس کی تکذیب کی سزا دیں گے اور اس کے احوال کی فضاحت و رسوائی کریں گے۔

تفسیر عالمانہ :۔ ان الذین کفروا بالذکر ۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے ذکر سے کفر کیا یعنی قرآن سے یہ وضع الظاہر موضع المضمر کے قبیل سے ہے کیونکہ یہاں کفروا بہا ہونا چاہیے تھا اور ھا کی ضمیر بینات کی طرف لوٹانا چاہیئے تھی ۔ لما جاءھم ۔ جب ان کے ہاں آیا تو ان کے آتے ہی فوراً اس کا انکار و کفر سے مقابلہ کیا اور سنتے ہی بلا غور و فکر کہہ دیا ہم نہیں مانتے اور بلاتدبر

---

[1] اس حدیث کی تفصیل و دیگر عجیب و غریب ابحاث فقیر کی کتاب "وہابی کی نشانی" میں پڑھیئے۔ اویسی غفرلہٗ

اسے جھٹلایا حالانکہ پہلے اس پر غور و فکر کرنا ضروری تھا تاکہ اس کی معرفت حاصل ہو۔ ان الذین الخ ان الذین یلحدون پر عطف ہے عامل کے تکرار سے اور ان کی خبر وہی سابق خبر یعنی لا یخفون علینا۔
فائدہ:۔ آیات قرآن میں الحاد کفر ہے۔ اس لیے دوسرے جملے کی خبر کے بجے پہلے جملے کی خبر پر اکتفا کیا گیا لیکن ایسا ہونا علم نحو میں غیر معہود ہے صرف جار و مجرور میں جائز رکھا گیا ہے بوجہ اتصال کے جیسا کہ رضی نے کہا کہ بدل میں عوامل کا صرف حرف میں ہوتا ہے اس لیے کہ حرف جر مجرور کا جز رہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے سوف نصلیهم نارا۔ کی طرح لیکن خبر کا محذوف ہونا۔ حمید۔ کے بعد ہے اور کسائی نے کہا کہ وہ خبر سابق کے قائم مقام ہے اور وانه الخ جملہ حالیہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کے ساتھ کفر غایت درجہ کا کفر ہے اور حالانکہ وہ ذکر یعنی قرآن مجید لکتاب عزیز۔ بیشک کتاب عزیز یعنی کثیر المنافع اور عدیم النظیر ہے۔ یہ عزّ سے ہے جو ذلّ کی نقیض ہے یا عزیز بمعنی منیع ہے یعنی وہ کتاب کہ جس کا معارضہ اور ابطال و تحریف نہیں ہو سکتا (یہ عزۃ بمعنی غلبہ سے ہے) اگرچہ طعنہ زنوں نے ہر زمانہ میں اس پر طعن و تشنیع کیا اور کئی طرح باطل پرستوں نے غلط اور فاسد تاویلیں کیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اس کے نگران پیدا فرمائے اور ایسے محقق پیدا فرمائے جنہوں نے اہل زیغ کے ہر طرح کے الزامات سے ان کی تاویلات فاسدہ کو نہ صرف رد کیا بلکہ ان کو ملیامیٹ کر دیا اسی لیے قرآن اللہ تعالیٰ کی اپنی حفاظت اور اس کے ہر زمانہ کے پیدا کردہ محققین کے دلائل و براہین سے مخالفین پر غالب ہے۔

فائدہ:۔ حضرت امام قشیری قدس سرہ نے فرمایا کہ قرآن اس لیے عزیز ہے کہ وہ رب عزیز کا کلام ہے اور لانے والا بھی عزیز ہے اور جس رسول پر نازل ہوا وہ بھی عزیز ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس امت پر نازل ہوا وہ بھی عزیز ہے کیونکہ قانون ہے کہ عزیز دوست کو معزز خط لکھا جاتا ہے اور یہ بھی اللہ کا ایک قسم کا نامۂ عزیز ہے جو اس نے اپنے معزز محبوب کے ذریعے معزز امت کے ہاں بھیجا ہے ؎

زنام و نامۂ تو یافتم عز و کرامت
ہزار جان گرامی فدائے خامہ و نامت

ترجمہ: تیرے نام و نامہ سے میں نے عزت پائی ہزاروں قیمتی جانیں تیرے خامہ اور نام پر قربان۔

فائدہ:۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قرآن وہ عزیز ہے کہ جس کی عزت کی کنہ کا پانا ناممکن ہے کیونکہ یہ خود بھی عزیز ہے اور جس ذات پر نازل ہوا ہے وہ بھی عزیز ہے اور جنہیں خطاب کیا گیا ہے وہ بھی اللہ کے اولیاء اور برگزیدہ محبوب و معزز ہیں۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ۔ یہ کتاب کی دوسری صفت ہے یعنی قرآن وہ کتاب ہے جس میں باطل کو راہ نہیں اور نہ ہی کسی جہت سے اس میں اسے پہنچنے کا امکان ہے

فائدہ :۔ جہتیں وہ بیان فرمائیں جو اکثر مستعمل ہوتی ہیں یعنی آگے پیچھے یا ان دونوں سے جمیع جہات مراد ہیں اس معنی پر۔ لا یاتیہ الباطل الخ استعارہ تمثیلیہ ہے جس میں وہاں تک باطل کو نہ پہنچنے میں ایسی شے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ایسی حمایت غالب سے محفوظ رکھی گئی ہو جہاں کسی بھی طریقے سے مخالف کا پہنچنا ممکن ہی نہ ہو یہاں تک کہ اس کی مخالفت میں مخالف کتنا ہی زور لگائے اللہ تعالیٰ اس کے دفع کرنے میں ایسے اسباب بناتا ہے جو مخالف کی تمام طاقت کو مٹا کر رکھ دیتا ہے بیان فرمائیں ۔ اسے استعارہ کے طور پر لایا گیا ہے یعنی مشبہ بہ کے بجائے مشبہ بیان فرمایا یعنی لا یاتیہ الخ یا یہ کہ اس کی نہ زمانہ مستقبل کی خبروں میں بطلان کا امکان ہے نہ ان میں جو ماضی کی خبریں دیں یا الباطل سے شیطان مراد ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ شیطان کی کیا مجال کہ وہ قرآن مجید میں کچھ بڑھا گھٹا سکے یا یہ معنی ہے نہ کتب سابقہ میں اس کی تکذیب پائی جاتی ہے نہ آنے والے زمانہ میں کسی ایسی کتاب کا امکان ہے کہ وہ اسے باطل یا منسوخ کر سکے۔

تنزیل ۔ اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی ھو تنزیل ۔ یا یہ کتاب کی تیسری صفت ہے اس سے قرآن کی فخامت اضافیہ کا بیان ہے جبکہ اس سے قبل اس کی فخامت ذاتیہ کا ذکر تھا اسی سے قرآن کے ساتھ کفر کے بطلان کی تاکید ہے ۔ من حکیم ۔ اس حکیم سے نازل ہوا ہے جو اس کے معانی کی تبدیلی سے مانع ہے اس کے مبانی خوب مضبوط کر دی ہیں ۔ حمید ۔ وہ تحمید کا مستحق ہے کہ وہ اس کے روحانی الہام کرتا ہے یا یہ کہ لسان حال و مقال سے ہر جگہ اس کی مخلوق اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ :۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قرآن کی ایک عزت یہ ہے کہ اہل خذلان اس پر ایمان نہیں لا سکتے بلکہ جو بھی اس پر ایمان لاتا ہے وہ اہل عزت ہوتا ہے اور نہ اس پر عمل کرنے والا خذلان کا شکار ہوتا ہے ۔ اور وہ ایسے حکیم سے نازل ہوا جو اپنی حکمت سے جس کے لیے چاہتا ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشتا ہے وہ اپنے احکام و افعال میں محمود ہے کیونکہ اس سے حکمت ہی صادر ہوتی ہے اور بس۔

حدیث شریف مع شرح :۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا الا انہا ۔ یہ ضمیر قصہ کی ہے خبردار بیشک لتکون فتنہ عنقریب فتنے اٹھنے والے ہیں ۔ میں نے عرض کی ۔ ما المخرج منہا ۔ یا رسول اللہ ان کا مخرج کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم و ما بعد کم ۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب جس میں پہلے اور آنے والی تمام خبریں

ہیں۔ وحکم ما بینکم۔ اور تمہارے حالیہ دور کا حکم بھی اسی میں ہے اور یہ یقینی حکم ہے خیالی امر نہیں من ترک من جبار جو اسے چھوڑے گا وہ احمق ہوگا۔

فائدہ: جبار صفت مذمومہ ہے جب انسان کے لیے مستعمل ہو قصمہ اللہ۔ اسے اللہ تعالیٰ توڑ دے گا یعنی اسے

خدا تعالیٰ تباہ و برباد کرے۔ یہ تارک قرآن کیلئے بددعا ہے یا خبر ہے ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ جو ان کے بغیر ہیں ہدایت تلاش کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے۔ یہ بھی دعا ہے یا اس کی خبر ہے کہ ان کا تارک لازماً گمراہ ہوگا کیونکہ سرچشمہ ہدایت کے تارک کو گمراہی لازم ہے وھو حبل اللہ المتین اور اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یعنی یہ اس کا عہد و امان ہے کہ اس سے عذاب سے امان و پناہ ملتی ہے۔ بعض نے کہا یہ وہ نور ہے کہ اس سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے وہ آسمان سے زمین تک دراز رسی ہے یعنی نور پھیلا ہوا ہے بعض نے اس سے سبب قوی مراد لیا ہے یعنی ایسا مضبوط سبب کہ جو کبھی نہ ٹوٹے جو اس دار غرور سے دور رہنا اور دار سرور میں رجوع چاہتا ہے اسے اس کے ساتھ تمسک کرنا لازمی ہے۔

المتین۔ قوی سبب کو کہا جاتا ہے یعنی ایسا قوی اور مضبوط جو ٹوٹنے سے محفوظ اور رحمت رب تک لازمی پہنچا دے۔

وھو الذکر۔ اور قرآن وہ جس سے پند و نصیحت حاصل کی جاتی ہے۔

الحکیم۔ اس کی آیات محکم ہیں یعنی قوی اور ثابت ہیں کہ قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتے یا اپنی تالیف و ترکیب میں حکمت پر مبنی ہے۔

وھو الصراط المستقیم الذی لا تزیغ بہ الاھواء۔ اور وہ سیدھا راستہ ہے کہ خواہشات کے پرستار اس سے ٹیڑھے نہیں ہو سکتے یعنی اس پر عمل کرنے والا بدعات ضلالہ اور دیگر جملہ گمراہیوں سے محفوظ ہوتا ہے۔

ولا تلتبس الالسنۃ۔ اور اسی سے زبانیں مخلوط نہیں ہو سکتیں یعنی ایسے نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام مخلوق کے مشابہ ہو جائے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام معصوم ہے۔

ولا یشبع بہ العلماء۔ اور نہ علماء اس سے سیر ہو سکتے ہیں یعنی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتے بلکہ جتنا اس میں زیادہ غور و فکر کریں گے اتنا ہی ان پر ایسے معانی جدیدہ منکشف ہوں گے جو اس سے پہلے پردۂ اخفاء میں تھے۔

ولا یخلق۔ بالضم از خلوقۃ بمعنی پرانا ہونا یعنی یہ پرانا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی رونق میں کمی آتی

ہے اور نہ ہی اس کی تروتازگی گھٹتی ہے بلکہ پڑھنے سننے والے ہر دونوں اس سے لذت پاتے ہیں۔

عن کثرۃ الرد۔ باوجود کثرت اور بار بار کی تلاوت اور استماع کے اور نہ ہی اس سے ذہنوں کو تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے بلکہ ہر بار نئی تازگی نئی خنکی جس سے تلاوت کرنے والا اور سننے والا ایک دوسرے سے بڑھ کر لذت اور ذوق محسوس کریں بخلاف کلام مخلوق کے کہ وہ ایک دو بار پڑھنے اور سننے کے بعد طبیعت اُکتا جاتی ہے۔

قرآن کے معجزات سے ایک معجزہ یہ بھی ہے ولا تنقضی عجائبہ اور نہ ہی اس کے عجائب کی انتہا ہے کہ اس سے نت نئے معانی اور نت نئے کثیر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

ھوالذی لم تنتہ الجن۔ یہ وہی کلام ہے جسے جنات سننے کے بعد ٹھہر نہ سکے یہاں تک کہ کہہ اُٹھے قالوا اسمعنا قرآنا عجبا۔ بیشک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔

فائدہ: عجب مصدر ہے مبالغہ کے طور پر لایا گیا ہے یعنی عجیب ہے اپنے حسن نظم کے لحاظ سے یھدی الی الرشد۔ ہدایت کی راہ دکھاتا ہے یعنی ایمان اور بھلائی کی رہبری کرتا ہے۔ فامنا بہ تو ہم اس پر ایمان لائے اور تصدیق کی۔ من قال بہ صدق ومن عمل بہ رشد جو اسے بولے گا سچ کہے گا جو اس پر عمل کرے گا وہ ہدایت کی راہ پائے گا۔ یعنی وہ راشد و مہدی (ہدایت یافتہ ہوگا) ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا مبنی بر انصاف ہوگا۔ اور جو اس کی دعوت دے گا وہ راہِ مستقیم پائے گا۔[1]

فضیلت قرآن: حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں اہل قرآن کو بلاکر انھیں ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کے ستر ہزار رکن ہوں گے جس کے ہر رکن میں سرخ یاقوت ہوگا جس کی روشنی اتنی دور سے نظر آئے گی جو کئی دنوں کی راہ سے نظر آتی ہے۔ اس پر اسے کہا جائے گا کہ اب راضی ہو۔ عرض کرے گا ہاں۔ اس پر اس کے وہ فرشتے کراماً کاتبین عرض کریں گے جو اس کے ساتھ رہتے تھے اے اللہ تعالیٰ اسے اور عطا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے قرآن کے عاشق دایاں ہاتھ پھیلا وہ ہاتھ پھیلائے گا تو اُس کے ہاتھ اپنی رضامندی ڈال دے گا۔ اس کے بعد فرمایا بایاں ہاتھ پھیلا۔ جب وہ بایاں ہاتھ پھیلائے گا تو اُسے خلد سے بھر دے گا اس پر فرمائے گا اب راضی ہے عرض کرے گا ہاں۔ پھر وہی فرشتے عرض کریں گے اے پروردگار عالم اسے اور عطا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اسے اپنی رضامندی اور خلد بخشی ہے لو اسے نور بخشتا ہوں جو سورج جیسا نور ہے اس کے بعد اسے ستر ہزار فرشتوں کے جلوس کے ساتھ بہشت میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے بہشت میں

---

[1] المصابیح ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ۔

لے جاؤ اور قرآن مجید کے ہر حرف کے بدلے ایک حسنہ دے دو جس کے بدلے میں بہشت کا ایک درجہ عطا ہوگا جس کے ہر دوسرے درجے کے درمیان سو سال کی مسافت ہوگی۔

قاری قرآن کے ماں باپ: جب قرآن والے کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا تو پھر اُس کے بعد اُس کے ماں باپ کو لایا جائے گا تو انہیں بھی وہی انعامات عطا ہوں گے جو قرآن والے کو نصیب ہوئے یہ صرف قرآن والے کا صدقہ اور اُس کی عزت کی وجہ سے اور انہیں کہا جائے گا یہ تمھیں صرف اسی لیے انعام مل رہا ہے کہ تم نے اپنے بچے کو قرآن کی تعلیم دی ہے

بخردی درش زجر و تعلیم کن
بہ نیک و بدش وعدہ و بیم کن
ہر آن طفل کو جور آموزگار
نہ بیند جفا بیند از روزگار

ترجمہ:۔ بچپن میں اسے زجر و تعلیم دے۔ اسے نیک و بد کا وعدہ اور برا انجام بتا۔
۲ :۔ وہ لڑکا جو اُستاذ کی سزا نہ پائے گا وہ دنیا سے ظلم و جفا دیکھے گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ مایقال لك۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار کی اذیتوں پر تسلی دینا مطلوب ہے یعنی جو کچھ تمھارے حق میں یا قرآن کے حق میں کفار کی طرف سے نہیں کہا جاتا الا ما قد قیل للرسل من قبلك مگر وہی جو تمھارے سے پہلے رسل کرام اور ان کی کتابوں کے حق میں بھی کہا جاتا ہے مثلاً جیسے آپ کو جادو گر کاہن اور مجنوں اور جیسے آپ کی کتاب کو بناوٹی کہا جاتا ہے ایسے ہی آپ سے پہلے رسل کرام کو اور اُن کی کتابوں کے متعلق کہا جاتا۔

ان ربك لذو مغفرة۔ بیشک تمھارا رب اپنے انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کیلئے ذو مغفرت ہے۔ و ذو عقاب الیم۔ اور ان کے اعداء جو ان پر اور ان کی کتابوں پر ایمان نہیں لاتے کے لیے سخت دردناک عذاب والا ہے کیونکہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے ماننے والوں کو اذیت پہنچانے کا التزام کر رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء و رسل کرام کی مدد فرماتا رہتا ہے اور اُن کے دشمنوں سے بدلہ لیتا رہتا ہے اسی لیے عنقریب آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کے دشمنوں سے سخت سے سخت تر بدلہ لے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ اولیاء اللہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں اسی لیے ان کے بھی دشمن اور حاسد ہوا کرتے ہیں جو ان پر لعن و طعن اور ملامت بالجنون والجہل پر کمربستہ رہتے ہیں لیکن اللہ والے صبر سے کام لیتے ہیں اسی لیے اپنی مرادوں سے بہرہ ور ہوتے

ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا اللہ تعالیٰ اُن کے متعلق دوسرے مقام پر فرماتا ہے ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علی ما کذبوا واوذوا حتی اتاھم نصرنا۔ اور بیشک آپ سے پہلے رسل کرام تکذیب کئے گئے تو ان جھٹلائے جانے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے ہاں ہماری مدد پہنچی اپنی ظاہری مدد تو یہ ان کے دشمن تباہ و برباد ہوئے اور اُن کی دعائیں مستجاب ہوئیں اور بالآخر یوں ہوا کہ انھیں اخلاق اللہ پر عمل نصیب ہوا یعنی صبر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مدد کی نشانی ہے کیونکہ صبر سے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے بیشمار کیمیا پیدا فرمائے لیکن آدمی کے صبر جیسا کوئی کیمیا بڑھ کر نہیں۔

فائدہ:۔ صبر کی برکت سے انسان ایک حال سے دوسرے ایسے حال تک پہنچ جاتا ہے جو بہ نسبت پہلے کے ہزاروں درجہ بہتر ہوتا ہے جیسے تانبا اکسیر سے سونا بن جاتا ہے ایسے ہی صابر کو سمجھیے۔

فائدہ:۔ آیت سے ثابت ہوا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ خلق کے ایذاء پر کسی کی زبان نہیں کاٹتا (بند کرتا) بلکہ بہت سے انسان خود اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں چھوڑتے مثلاً اسی کے لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جورو اور اُس کی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو کبھی کچھ نہیں کہتا تو یہی کیفیت انبیاء و مرسلین اور اولیاء مقربین کی ہے ان کے دشمنوں کے لیے قیامت میں ہی آگ بھڑکائی جائے گی جس میں وہ خوب جل کر راکھ ہوں گے۔ ہاں انبیاء و اولیاء کو حد سے زیادہ صبر ضروری ہے پھر ان کا حال ہو جاتا ہے کہ ان پر آگ بھی اثر نہیں کرتی جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہوا کہ دشمنوں نے تو جلانے کی ٹھانی لیکن اللہ تعالیٰ نے نار کو گلزار بنا دیا ایسے ہی اولیاء و انبیاء علیہم السلام کے لیے ہر مصیبت آگ کی طرح ہوتی ہے لیکن ان کے قلوب صدیقین کی طرح ہوتے ہیں کہ وہ دنیا کی آگ سے محفوظ ہوتے ہیں ان پر مصائب آتے ہیں لیکن جتنا قضائے الٰہی نے ان کے لیے مقدر فرمایا ہے اور جو اس کی قضا و قدر پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر اعتراض و انقباض سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی اولیائے کبار کا طریقہ ہے۔ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے عذاب نار کی آگ سے سلامتی کی دُعا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ وجعلناہ۔ اور اگر ہم اسے بناتیں یعنی ذکر کو قرآنا اعجمیاً۔ عجمی بولی پر مشتمل ہو۔

حل لغات:۔ اعجمی ہر وہ شخص جو اپنی مراد بیان کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو خواہ عربی ہو لیکن بطریق استعارہ

اس کلام پر اس کا اطلاق ہو رہا ہے جو لغت عجم میں مرکب ہو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دے کہ جو اپنا مفہوم بیان کرنے سے قاصر ہو اسی لیے عربی دوسروں کو عجمی کہتے ہیں۔

شانِ نزول: یہ قریش کی سرکشی کی وجہ سے ان کے اعتراض کا جواب ہے۔ وہ کہتے کہ قرآن لغت عجم میں کیوں نہ نازل ہوا۔

لقالوا۔ تو کہتے کفار قریش۔ **لولا** حرف **تحضیض** ہے بمعنی **ھلا**۔ یہ حرف جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ترک فعل کی زجر و توبیخ کا فائدہ دیتا ہے۔ یہاں بھی ماضی ہیں بمعنی انکار کے ہے۔

فصلت آیاته۔ اس کے آیات تفصیل کے طور پر کیوں نہیں بیان کیے گئے یعنی کہتے کہ یہ قرآن عجمی بولی میں ہے اور ہم عربی ہیں **فلہذا** ہم اسے عجمی ترجمان کے بغیر کیسے **سمجھیں**۔

عجمی وہ ہے جو قوم عجم کی **طرف منسوب** ہو فصیح ہو یا غیر فصیح۔

فائدہ: **ءَ اَعجمی و عربی**۔ کیا وہ عجمی و عربی ہے۔ یہ تحضیض کے انکاری تقریر کے لیے ہے۔ پہلا ہمزہ انکار کا ہے اور اس سے انکار ہی مراد ہے اور اعجمی وہ ہے کہ جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے اور لغت عجم میں اہل عرب کے لیے ایسے ہی ہے جیسے ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے **یاء نسبت** کے لیے **نہیں** بلکہ مبالغہ کی ہے جس سے وصف مدخولہ کا مبالغہ مطلوب ہے جیسے احمری۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ لوگ انکار کر کے لازماً کہیں گے کہ یہ عجمی بولی میں اترنے والا کلام بھی ہے یا فضول الفاظ مہمل باتیں ہیں یا قرآن ہے تو اس کا مفہوم ہمیں سمجھ نہیں آتا حالانکہ یہ نہایت ناموزوں سی بات ہے کہ رسول و مرسل **علیہم السلام** تو عربی ہیں لیکن قرآن عجمی ہے۔ یا اس کا **معنیٰ** یہ ہے کہ وہ کہتے کہ عجمی قرآن اہل عرب کو کیسے بھیجا گیا پھر اس سے ان کی تکذیب اور بڑھ جاتی باوجودیکہ وہ اقرار کر لیں گے کہ یہ قرآن تو ہے لیکن ہم مرسل الیہم تو سب کے سب عربی ہیں اور یہ عجمی اس کا آپس میں رابطہ نہیں ہو سکتا اور اس میں منافات کا بیان ہے اور منافات بھی کلام اور اس کے مخاطب کے درمیان ہے اس سے یہ مقصد نہیں کہ مخاطب ایک ہے یا جماعت۔

فائدہ: ہشام نے اسے بطریق اخبار پڑھا ہے۔ اعجمی کا ہمزہ استفہام نہیں مانتا نہ ہی وہ اسے جملہ انشائیہ بناتا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ یہاں صرف ایک ہی حمزہ ہے جو کلمہ اعجمی کا ایک **مستقل** حرف ہے۔

فائدہ: تفصیل سے تفریق و تمییز مراد ہے تبیین کا معنیٰ مراد نہیں جیسے پہلی قرأت میں ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر ہم قرآن مجید سارا ہی عجمی نازل کرتے تو کفار کہتے کہ اس کے آیات متفرق و متمیز کیوں نہیں نازل کیے گئے بایں طور کہ اس کے بعض مضامین عجمی ہوتے تاکہ عجم اپنا مفہوم خود ہی سمجھتے اور اس کے بعض مضامین عربی ہوتے جس سے اہل عرب اپنا مفہوم خود سمجھتے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید جس لغت میں بھی نازل

ہوتا یہ ایسے ہی سرکشی کے طور ٹال مٹول کرتے کیونکہ جسے حق بات کا انکار ہوتا ہے وہ اس طرح کیا کرتا ہے اور یہ کفار بھی ماننے والے تو ہیں نہیں کیونکہ یہ خواہش کے غلام ہیں ؎

در چشم ایں سیاہ دلاں صبح کاذب ست
در روئے اگر بد بیضا شود کسے

ترجمہ: ان سیاہ دلوں کی آنکھ میں صبح کاذب ہے اگرچہ کسی کا چہرہ ید بیضا کی طرح صاف ہو۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اس بندے کی علّت کا ازالہ ہے جو صدق دعوت الٰہی و سمت شریعت کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے ورنہ جو منکر ہے تو اُس کے ہزاروں حیلے ہوتے ہیں مثلاً اگر اللہ تعالیٰ اُن کے کہنے پر یہی قرآن عربی و عجمی ہر دو نوں طرح نازل کرتا تو پھر کہتے کہ یہ سریانی و عبرانی میں کیوں نازل نہ ہوا۔

تفسیر عالمانہ: قل ھو۔ فرمایئے وہ ذکر۔ للذین امنوا ھدی و شفاء۔ اہل ایمان کے لیے ہدایت اور شفا ہے جو بھی اُن کے دلوں میں شک و شبہ پیدا ہوتا ہے تو یہ اسے دُور کر دیتا ہے یا شفا بایں معنیٰ ہے کہ اس کے ذریعے سے فکر اور تحیر خواطر کے دکھ سے نجات پاتے ہیں یا اس کے ساتھ عشق رکھنے والے دلوں کی تنگی سے یوں شفا پاتے ہیں کہ اس کی تلاوت سے بہرہ ور اور اس میں غور و فکر کرکے لذت محسوس کرتے ہیں یا یہ عشاق کے قلوب کو اشتیاق کے عوائق کو شفا بخشتا ہے اس لیے کہ لطیف اور عجیب و غریب وعدے ہیں یا عارفین کے قلوب کی شفا ہے اس لیے کہ اس میں انوار تحقیق و آثار خطاب اب غالب ہے۔

الذین لا یومنون۔ اور وہ جو ایمان نہیں لاتے۔ یہ بتدا اور اس کی خبر فی اذانھم وقر ہے (ان کے کانوں پر بوجھ ہے یعنی بہرہ پن) یعنی قرآن ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ جب وقر کو ضمیر مقدر کی خبر مانا جائے اور فی اذانھم محذوف کے متعلق ہے جو وقر سے حال ہے۔ محل وقر کے بیان کے لیے واقع ہوا ہے۔ یہی تقریر آنے والے قول کے زیادہ موافق ہے۔

وھو۔ اور قرآن۔ علیھم۔ سرکش کفار پر۔ عمی۔ اندھا پن ہے اس لیے کہ قرآن کو سن کر اس پر عمل نہیں کرتے اور اس کی آیات کو نہیں دیکھتے اسی لیے اندھے بہرے ہیں۔

حل لغات: عمی بفتح المیم المنونۃ یعنی اندھا پن والے بایں معنیٰ کہ اس کے سامع سے ان کے قلوب اندھے ہو چکے ہیں۔ عمی مصدر ہے۔ عمی یعمی کا پھر وزن علم یعلم۔ المفردات میں ہے کہ اس سے آنکھوں کا اندھا پن بھی مراد ہو سکتا ہے اور بصیرت کا بھی ہر دونوں کا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے بکسر المیم پڑھا ہے بمعنیٰ خفی۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر پردہ پڑا ہے تو پھر وہ کس طرح

قرآن کے جمال باکمال کو دیکھ سکتے ہیں۔ اُولٰئِکَ۔ وہی بعید از حق جن کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ حق کو سننے سے کان بہرے اور آیات ظاہرہ دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی ہیں۔ اسی لیے انھیں اس کا مشاہدہ نصیب نہیں ہو رہا۔ ینادون من مکان بعید۔ وہ دُور کے مکان سے پکارے جائیں گے۔ یہ اُن کے قرآن کو قبول نہ کرنے اور نہ اُن کے اسے سننے کی تمثیل ہے یعنی یہ ایسے ہے جیسے کسی کو دُور سے چیخ چیخ کر کے پکارا جائے لیکن وہ صرف آواز تو سُنے لیکن اس سے کچھ نہ سمجھے تو پھر ایسے کو پکارنے کا کیا فائدہ۔ ؎

نادیٔ اقبال می گوید کہ اے ناقابلاں
باب نزدیک نزدیک و شما بس دور دور

ترجمہ:۔ اقبال کا منادی کہتا ہے کہ اے نا اہلو ہم بہت نزدیک ہیں لیکن تم خود بہت دُور ہو۔

حکایت سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں جامع مسجد بعلبک میں ایسے لوگوں میں وعظ کہہ رہا تھا جن کے دل مردہ وافسردہ ظاہری اُمور میں گرفتار باطن سے بالکل بے بہرہ یہاں تک کہ میری کوئی ایک بات بھی ان پر اثر نہ کر رہی تھی۔ جب میں نے دیکھا گیلی لکڑیوں میں میری تقریر کی آگ بے اثر ہے تو مجھے سخت افسوس ہوا کہ جانوروں کی تربیت کرنا اندھوں کے آگے آئینہ رکھنا ہے لیکن چونکہ حقیقت کا باب بند نہ تھا اس میں مایوس نہ ہوا اس لیے کہ

؎ دوست نزدیک تر از من بمن است
ویں عجب تر کہ من از وے دورم
چہ کنم باکہ تواں گفت کہ دو
در کنار من و من مہجورم

ترجمہ:۔ دوست مجھ سے میرے زیادہ قریب ہے اس کا تعجب ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔

۲:۔ کیا کروں کسے کہوں کہ وہ تو میری بغل میں ہے لیکن میں مہجور ہوں۔

میں اسی قول کی شرح میں مست اور تقریر جاری تھی کہ ایک اسی مجلس کا بڑا اکتادھڑ تا وہاں سے گزرا تو میری بات اس پر اثر کر گئی۔ اس نے زور سے نعرہ مارا تو جملہ اہل مجلس بھی شور و فغاں میں شروع ہو گئے اب تو بے خبر بھی جوش میں تھے۔ میں نے کہا سبحان اللہ دُور والے باخبر تو حضوری میں ہیں لیکن قریب والے بے خبر دور ہیں ؎

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ مَّنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات تمہارے رب کی طرف سے گزر نہ چکی ہوتی تو جبھی ان کا فیصلہ ہو جاتا اور بے شک وہ ضرور اس کی طرف سے ایک دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں جو نیکی کرے وہ اپنے بھلے کو اور جو برائی کرے تو اپنے بُرے کو اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

بقیہ ۴۲۳ کا

فہم سخن چوں نکند مستمع
قوت طبع از متکلم مجو

ترجمہ:۔ سننے والا جب فہم سخن نہ کرے تو قوت طبع متکلم سے تلاش نہ کر۔

فسحت میدان ارادت بیار
تا بزند مرد سخن گوی گو

ترجمہ:۔ میدان ارادت کی فراخی لا تاکہ مرد سخن کہنے والا اپنی گیند میدان میں لائے۔

فائدہ:۔ ضحاک نے فرمایا کہ انہیں قبیح ترین اسماء سے دور سے پکارا جائے گا مثلاً کہا جائے گا یا فاسق، یا منافق وغیرہ وغیرہ۔ ایسی پکار ان کو توبیخ کے لحاظ سے زیادہ سخت ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مکان بعید یعنی دور سے پکارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اعلیٰ علیین سے آواز پڑے گی جب کہ وہ اسفل سافلین یعنی طبیعت انسانیہ میں ہوں گے اور یہ مرتبہ بعید سے بعید تر ہے۔

ملفوظ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جو کانوں سے بہرہ ہو کر ازل سے ندائے حق کو سننے

سے محروم رہا تو پھر وہ بوقت ایجاد بھی محروم رہا۔ اگر کچھ سن بھی لے تو بھی اس پہ اندھاپن ہوگا اور حقائق سے بہت دور رہے گا۔ وہ اس لیے کہ انہیں دور سے ہی پکار آگیا۔ ایسوں کو کبھی کبھی قرب نصیب نہ ہوگا۔ ہم ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے قرب کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ولقد اٰتینا موسی الکتاب فاختلف فیہ (بیشک موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی تو لوگوں نے اس میں اختلاف کیا) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات دی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔ بعض نے تصدیق کی بعض نے تکذیب کی بلکہ پانچسو سال کے بعد اسے یکسر بدل کر رکھ دیا یہی تمہاری قوم کا حال ہے کہ ہم نے قرآن مجید دیا ان کے بعض تصدیق کرتے ہیں بعض کفر کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کی تحریف نہیں کر سکتے کیونکہ ہم اس کے محافظ ہیں۔ کتب میں اختلاف کرنا ان کا قدیمی شیوہ ہے۔ یہ صرف تمہاری قوم کا طریقہ نہیں اس میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دینا مطلوب ہے۔ ولولا کلمۃ سبقت من ربك (اگر تمہارے رب کا کلمہ سبقت نہ کر جاتا) یعنی تمہاری تکذیب کرنے والوں کے لیے یہ نہ لکھ دیا جاتا کہ ان کو دنیا میں عذاب نہیں ہوگا اور ان کا اور اہل ایمان کا فیصلہ قیامت میں ہوگا مثلاً فرمایا بل الساعۃ موعدھم (قیامت ہی ان کی وعدہ گاہ ہے) اور فرمایا ولکن یؤخرھم الی اجل مسمی لیکن ہم انھیں ایک مقرر میعاد تک موخر کرتے ہیں) ایسے مضامین نہ ہوتے تو تقضی بینہم۔ دنیا میں ان کا فیصلہ ہوجاتا یعنی جیسے پچھلی تکذیب کرنے والی قوموں کو تباہ و برباد کیا گیا ان کو بھی تباہ و برباد کیا جاتا۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس امت کو اس لیے تباہ و برباد نہ کیا گیا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ ہیں اور مکہ معظمہ میں عذاب بھیجنا بھی موزوں نہ تھا کہ یہ انبیاء و مرسلین سابقین علیہم السلام کی ہجرت گاہ اور ملائکہ مقربین کی نزول گاہ ہے بلکہ انھیں کی وجہ سے یہاں کئی طرح کی رحمت ربانی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اگر یہاں عذاب نازل ہوتا تو اس کا حال بھی وہی ہوتا جو عاد و ثمود کے گھروں کا ہوا اس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جاتی اور یہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعا کے خلاف ہوتا۔ انھوں نے مکہ معظمہ کے لیے دعا فرمائی کہ اجعل افئدۃ من الناس تھوی الیہم۔ اے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل ایسے بنا دے جو ان کی طرف مائل ہوں۔ اس حکمت پر مبنی ہے کہ ابھی تک حرم مبارک گندی آماجگاہوں اور برے حملوں سے محفوظ ہے (سوائے اس کے کہ ۱۳۹۹ھ میں نجدیوں نے محض اپنی شاہی کو برقرار رکھنے کے لیے حرم محترم کو بری طرح گندگیوں سے ملوث کیا اور غلط طریقہ سے آماجگاہ بنایا) اور اپنے غیض و غضب کے اسباب سے اسے خود بچاتا ہے۔

وانھم۔ اور بیشک وہ کفار۔ لفی شك منه۔ البتہ وہ اس قرآن سے شک میں ہیں۔ مریب شک میں ڈالنے والا ہے یعنی اضطراب کا موجب اور اس میں ڈالنے والا ہے۔ اس کی مزید تحقیق سورہ سبا میں ہے تحقیق کا طالب اس کا مطالعہ کرے۔

حل لغات:۔ تساوی الطرفین کا نام شک ہے یعنی ان میں ایسا تردد کہ اس کی کوئی جانب بھی ترجیح نہ پا سکے اور وہم بمعنی ملاحظۃ الطرف المرجوح۔ اور وہم و شک میں کسی قسم کا حکم جاری نہیں ہوتا یعنی اس میں تصدیق نہیں ہوتی۔ من عمل صالحًا۔ اور جو اس پر نیک عمل کرے یعنی کتابوں پر ایمان لاکر اس کے مطابق عمل کرے۔ فلنفسه تو اپنے فائدے اور نفع کے لیے ہے اس سے اس کے غیر کا کوئی فائدہ نہیں ومن اساء اور وہ جو برائی کرتا ہے۔ الاساءۃ بمعنی برائی کرنا۔ فعلیھا تو اسی پر ہے یعنی اس کا نقصان خود اٹھائے گا کسی دوسرے کو اس کا نقصان نہ ہوگا۔

وما ربك بظلام للعبيد (اور تمھارا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا) اور ان کے ساتھ ایسا کام نہیں کرتا جو ان کے ناکردہ گناہ کی سزا بھی جائے بلکہ وہ عادل اور صاحب فضل ہے جو ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دیتا ہے۔ یہ تذئیلی جملہ معترضہ ہے جو ماقبل کے مضمون کی تائید کرتا ہے اور دکھانا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ نیکی نہ کرنے والے کو احسن جزا دے اور نیکی کرنے والے کو عذاب دے یہ تو ظلم ہے اور ظلم کا صدور اس کی ذات سے محال ہے وہ منزہ من الظلم ہے۔

فائدہ:۔ جو ظلم کو ظلم سمجھ کر کرے وہ ظلّام ہے پھر اسے مع نفی صیغۂ مبالغہ کی طرف نقل کیا گیا ہے۔ اسی لیے اس کے مبالغہ کا رجوع نفی کی طرف ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ میں ظلم بالکل ہے ہی نہیں۔ اگر نفی کا لفظ صیغۂ مبالغہ پر داخل کیا جائے یعنی ظلّام کو تضعیف کے ساتھ لاکر اس پر حرف نفی داخل کی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میں ظلم بالکل نہیں ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس میں ظلم تھا اب اس میں نہیں۔ حاشا اللہ وهو منزه عن الظلم۔ یا ظلّام کا مبالغہ بندوں کی کثرت کی وجہ سے ہے نہ باعتبار کثرت ظلم جیسا کہ خود فرمایا ولا یظلم ربك احدا۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حدیث قدسی شریف:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے اوپر اور اپنے بندوں پر ظلم حرام کیا ہے خبردار ظلم نہ کرو۔

فائدہ:۔ ظلم بمعنی کسی غیر کا ملک میں تصرف کرنا یا حد سے بڑھنا یہ دونوں معانی اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں کیونکہ جملہ عالم اسی کی ملک ہے دوسرا کوئی نہیں جو اس کے اوپر ہو یا کوئی ایسی حد نہیں کہ وہ اس سے تجاوز نہ کرے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے منزّہ و مقدس ہے اگرچہ بندوں سے ظلم ممکن تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں روک دیا۔

حدیث شریف:۔ جو ظالم کے ساتھ اس لیے جاتا ہے کہ اس کے ظلم میں اس کی مدد کرے اور اسے یقین اور علم ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

حدیث شریف:۔ جو ظالم کے پیچھے یعنی اُس کے تعاون کے لیے سات قدم چلتا ہے تو وہ مجرم ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے مجرمین کے لیے فرمایا ہے انا من المجرمون منتقمون۔ ہم مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

حکایت:۔ سمرقند کے ایک بادشاہ کو امتحان کی عادت تھی کئی بار اُس نے مدرسہ کے درجہ علیا و اوسط و اسفل کے طلبہ کا امتحان لیا باوجودیکہ اس امر پر کئی اور علماء مدرسین بھی مقرر تھے تاکہ طلبہ کی درجہ بندی میں ظلم نہ ہو اور وہ کہتا تھا کہ اُن کے درجات بڑھانا گھٹانا کفر ہے کیونکہ اکثریت دور حاضرہ میں خذلان و حرمان کی طرف جارہی ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا کہ ؎

تیز بختی لازم طبع بلند اُفتادہ است
پائے خود را چوں تواند داشتن روشن چراغ

ترجمہ:۔ بخت کو طبع بلند لازم ہے اپنے پاؤں پر روشن چراغ کیسے رکھا جاسکتا ہے۔

سبق:۔ اہلِ فہم پر لازم ہے کہ ہمیشہ نیک عمل میں سبقت کریں بالخصوص جب ظلم اور فساد اور نفوس و طبائع پر غلبہ شہوات کے وقت ایسے دور میں حق پر ثابت قدم رہنا افضل و اعظم عمل ہے۔

کرامت الماجشون و عمر بن عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ

ابن الماجشون فرماتے ہیں کہ میرے والد پر نزع موت واقع ہوئی ہم نے انھیں چارپائی پر لٹایا تاکہ انھیں غسّال غسل دے۔ دیکھا تو ان کے قدموں تلے پسینہ جاری ہے۔ ہم نے نہلانے میں تین دن تک توقف کیا تین دن کے بعد زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا مجھے ستو کھلاؤ۔ ستو لائے گئے نوش فرمائے۔ ہم نے پوچھا فرمایئے آپ کے ساتھ کیا گزری فرمایا کہ میری روح کو آسمان پر لے گئے فرشتے نے دروازہ کھلوایا۔ اس طرح مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے فرشتے نے دروازہ کھلوایا تو اس سے پوچھا گیا کسے لائے ہو فرمایا ماجشون کو۔ فرمایا اس کی اجازت نہیں اس کی عمر کا کچھ حصّہ باقی ہے اس کے بعد مجھے نیچے اُتارا گیا۔ اندریں اثناء میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ابوبکر دائیں جانب اور عمر بائیں جانب اور عمر بن عبد العزیز آگے ہیں۔ میں نے فرشتے سے پوچھا کہ عمر بن عبد العزیز کو اتنا قرب کیسے حاصل ہوا۔ فرمایا کہ اُنھوں نے حق پر ظلم کے دور میں ثابت قدمی دکھائی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حق کے زمانہ میں حق پر۔

فائدہ:۔ یہ وہی ماجشون ہیں جو حضرت عمر بن عبد العزیز کے دورِ خلافت میں مدینہ طیبہ میں ان کے مشیر مقرر تھے۔

بقومیکہ نیکی پسند د خدا
دہد خسرو عادل و نیک رائے
چہ خواہد کہ ویراں کند عالمے
کند ملک در پنجہ ظالمے

ترجمہ: جس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ نیکی پسند کرتا ہے تو انھیں عادل و نیک بادشاہ دیتا ہے۔
۲ : جب چاہتا ہے کہ جہان کو ویران کرے تو ملک ظالم کے پنجہ میں دیتا ہے۔

الحمد للہ اس پارہ کے ترجمہ سے مدرسہ جامعہ نعیمیہ مجددیہ ملیر کالونی کراچی میں دوران دورۂ تفسیر القرآن ۸ رمضان مبارک سنہ ۱۴۰۶ھ شب اتوار بوقت سحر فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفر لہ، بہاولپور۔

فہرست مضامین پارہ نمبر ۲۴

تمت الفہرست ۲۴